فتاویٰ علماء ہند

جلد - ٦

تیار کردہ

منتخب علماء ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی

زیر نگرانی

حضرت مفتی محمد اسامہ شمیم الندوی

باھتمام

منظمۃ السلام العالمیۃ

ممبائی - الهند

نام کتاب	:	فتاویٰ علماء ہند (جلد-٦)
زیر سرپرستی	:	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب
زیر نگرانی	:	حضرت مولانا محمد اُسامہ شمیم الندوی صاحب
سن اشاعت	:	ستمبر ۲۰۱۵ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
کمپوزنگ وڈیزائننگ	:	محمد رضاء اللہ قاسمی
ناشر	:	منظمة السلام العالمية، ممبائی، الهند

یہ کتاب ''منظمة السلام العالمية'' کی
طرف سے ہدیہ ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے
وقف ہے، اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

منظمة السلام العالمية

Global Peace Organisation (GPO)

Email: gpo.org@yahoo.com Mob. : +91-7303 7076 05

کتاب الصلاۃ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

قال اللّٰہ عزوجل:

﴿ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلاَّ عَلَى الْخَاشِعِينَ،الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴾

(سورة البقرة :رکوع:٥،الآیة:٤٥)

اور بے شک نماز بھاری ہے،مگران لوگوں پر جوفروتنی اورعاجزی کرنیوالے ہیں،
جن کویقین ہے کہ ان کواللہ کے پاس جانا ہےاوراسی کی طرف لوٹنا ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم:

’’أرأيتم لوأن نهرًا بباب أحدكم يغتسل فيه كل يوم خمساً هل يبقى من درنه شيء‘‘،قالوا: لايبقى من درنه شيء،قال: ’’فذلک مثل الصلوات الخمس يمحو اللّٰہ بهن الخطايا‘‘.

(الصحیح للبخاری،الصلوات الخمس کفارة (ح:٥٢٨)/الصحیح لمسلم،باب المشيء إلی الصلاة تمحی به (ح:٦٦٧)/
سنن الترمذی،باب مثل الصلوات الخمس (ح:٢٨٦٨)/سنن النسائی،فضل الصلوات الخمس (ح:٤٦٢)

اگرکسی کے دروازہ کے آگے ایک نہر ہوکہ دن رات میں پانچ دفعہ اس میں غسل کرے،
توکیااس کے بدن پرکچھ میل باقی رہے گا؟صحابہ نے عرض کیا کہ نہیں باقی رہے گا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ!
یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے کہ ان کی وجہ سے گناہوں سے پاک وصاف ہوجاتا ہے۔

فہرست عناوین

نمبر شمار	عناوین	صفحات

فہرست مضامین (۵-۳۰)

شہادتین کے وقت انگوٹھا چومنا (۳۹-۶۴)

حیعلتین کے مسائل (۶۵-۷۴)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

اذان کے اخیر میں محمد رسول اللہ کا اضافہ (۷۵-۷۶)

اذان کا اعادہ-احکام ومسائل (۷۷-۹۲)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

ترجیع وتثویب کے احکام ومسائل (۹۳-۱۲۴)

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۷۱)	اذان کے بعد نماز کے لئے بلانا تثویب میں داخل ہے	۱۰۴
(۷۲)	اذان کے بعد لوگوں کو جماعت کے لئے بلانا	۱۰۶
(۷۳)	راستہ میں نماز کی دعوت دیتے ہوئے آنے کا حکم	۱۰۶
(۷۴)	بعد اذان امام اور مقتدیوں کو بلانا کیسا ہے	۱۰۷
(۷۵)	اذان کے بعد مقتدیوں کو آواز دینا کیسا ہے	۱۰۸
(۷۶)	اذان کے بعد یہ اعلان کہ ''پندرہ منٹ باقی ہیں''	۱۰۹
(۷۷)	نماز کے لیے بار بار اعلان کرنا کیسا ہے	۱۰۹
(۷۸)	اذان کے بعد جماعت سے پہلے اسپیکر پر بلند آواز سے ''سبحان اللّٰہ، سبحان اللّٰہ'' کہنا	۱۱۰
(۷۹)	عشا و تراویح میں تثویب کا حکم	۱۱۱
(۸۰)	جماعت کیلئے نقارہ بجانا کیسا ہے	۱۱۲
(۸۱)	نمازیوں کی خبر کے لیے مسجد میں نقارہ بجانا کیسا ہے	۱۱۳
(۸۲)	اذانِ جمعہ کیلئے نقارہ بجانا اور اس کے متعلق چند سوالات	۱۱۳
(۸۳)	اذان کے بعد نقارہ	۱۱۵
(۸۴)	نمازیوں کا گھنٹی کی آواز پر حاضر ہونا نہ کہ اذان کی آواز پر	۱۱۵
(۸۵)	اذان کے بعد گھنٹہ وغیرہ بجا کر لوگوں کو نماز کے لئے بلانا مکروہ اور بدعت ہے	۱۱۶
(۸۶)	اذان کے بعد جماعت کے لئے گھنٹہ بجانا مکروہ ہے	۱۱۷
(۸۷)	گھنٹہ کی آواز سے نماز کی اطلاع	۱۱۸
(۸۸)	گھنٹی اذان کے قائم مقام ہرگز نہیں	۱۱۹
(۸۹)	جھنڈوں اور نعروں کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لئے اٹھانے کی شرعی حیثیت	۱۲۰
(۹۰)	اذان کے بعد دوبارہ نمازیوں کو بلانا	۱۲۳
(۹۱)	سنت جمعہ کیلئے مؤذن کا آواز دینا ثابت نہیں	۱۲۳
(۹۲)	اذان ثانی سے پہلے ''استووا رحمکم اللّٰہ'' کہنا کیسا ہے	۱۲۴

نمبر شمار	عناوین	صفحات

اذان کا جواب - احکام ومسائل (۱۲۵-۱۷۶)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نمبر شمار	عناوین	صفحات

اذان کے بعد دعا-احکام ومسائل (۱۷۷-۱۹۴)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

اقامت کے احکام ومسائل (۱۹۵-۲۲۶)

اقامت کس وقت شروع کی جائے؟ (۲۲۷-۲۹۰)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

اقامت کی جگہ (۲۹۱-۲۹۵)

کلماتِ اقامت کی تعداد (۲۹۶-۳۰۰)

اقامت کے آداب (۳۰۱-۳۱۲)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نماز میں بدن کی پاکی کے مسائل (۳۱۳-۳۲۸)

نماز میں کپڑے کی پاکی کے مسائل (۳۲۹-۳۴۸)

نماز میں مکان کی پاکی کے مسائل (۳۴۹-۳۷۰)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نماز میں ستر عورت (۳۷۱-۳۸۸)

نیت کے مسائل (۳۸۹-۴۲۶)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

استقبالِ قبلہ کے مسائل (۴۲۷-۴۹۶)

قبلہ سے انحراف کے مسائل (۴۹۷-۵۱۸)

ریل گاڑی وغیرہ میں قبلہ کے مسائل (۵۱۹-۵۳۰)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

چاند اور خلا وغیرہ پر قبلہ (۵۳۱-۵۳۲)

قبلہ مشتبہ یا معلوم نہ ہونے کے احکام (۵۳۳-۵۳۴)

مخالف قبلہ سمت نماز پڑھنے کی صورت میں اعادہ (۵۳۵-۵۳۸)

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمۃ الشکر

الحمد للہ آپ کے ہاتھوں میں ''فتاویٰ علماء ہند'' کی چھٹی جلد ہے، زیر نظر کتاب میں نماز کے ارکان وشرائط کے مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے، نماز دین کا ستون ہے ''الصلاۃ عماد الدین'' اگر یہ اچھی نکلی تو بقیہ اعمال کے اچھے ہونے کی امید ہے، اس کے اہتمام سے پورے دین کی تکمیل کی راہیں استوار ہونے کی امید ہے۔

یہ اللہ پاک کے لامحدود خزانوں سے استفادہ کرنے کی راہیں ہموار کرتی ہے، عبادت میں اس کا درجہ سرفہرست ہے، نماز ہی ایک ایسا فریضہ ہے، جو پوری امت پر ہوش وحواس رہتے ہوئے یکساں ضروری ہے، اس لیے کہ روزے میں بیمار ومسافر کے لیے گنجائش ہے، زکوٰۃ صاحب نصاب کے لیے اور حج جو اس کی استطاعت رکھتا ہو۔

تمام انبیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شریعت میں مختلف شکلوں میں اللہ کی عبادت کا طریقہ موجود تھا، نماز میں تقریباً ان تمام شکلوں کا اجتماع ہے۔ منظمۃ السلام العالمیہ اپنے بے بضاعتی پر حیران ہے اور اللہ کے غیبی تائیدات کا شکر گذار ہے کہ محض فضل الٰہی ہے، جس کی بنا پر یہ گراں قدر کام ممکن ہو پا رہا ہے۔

ہم شکر گذار ہیں اپنے محبّ ومحترم مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب؛ جن کی انتھک کوشش ومحنت سے یہ کام ہو رہا ہے، مولانا محترم خود اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں، ان کی کامل توجہ اس کام کے لیے معین ومددگار رہے، عزیزم مولانا محمد اسامہ شمیم الندوی سلمہ نے اس کام کا اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے، دن ورات اسی کی نیند سوتے اور جاگتے ہیں، اللہ پاک سے دعا ہے کہ جملہ احباب کے مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت بخش دے اور ہم سب کو اپنی رضا کے لیے آخری سانس تک دینی فکر میں مشغول رکھے۔ (آمین)

بندہ شمیم احمد

خادم منظمۃ السلام العالمیہ

ناشر: فتاویٰ علماء ہند

یکم ربیع الآخریٰ ۱۴۳۷ھ

مطابق: ۱۲؍ جنوری ۲۰۱۶ء

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

عزیزم مخلصم مفتی محمد اسامہ صاحب سلمک اللّٰہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ

آپ کا تحفۂ کتاب **(فتاویٰ علماءِ ہند)** موصول ہوا۔ (جزاک اللّٰہ تعالیٰ)

کام کی نوعیت اور ترتیب سے دلی مسرت ہوئی، اللّٰہ تعالیٰ اس کام کو قبول فرمائے۔ جس قدر کام میں اخلاص ہوگا، اسی قدر وہ مقبول ہوگا اور آپ عنداللّٰہ ماجور ہوں گے۔

اس علمی کام کی تکمیل نیز قبولیت کے لیے صمیم قلب سے دعا کرتا ہوں ــــــــــــــ والسلام

محمد کلیم اللّٰہ عفی عنہ

ناظم مدرسہ اشرف العلوم ومجلس دعوۃ الحق ہردوئی

۱۸؍شوال ۱۴۳٦ھ مطابق: ۴؍اگست ۲۰۱۵ء

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

الحمد للّٰہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ !

شریعت اسلامیہ کا بلند و بالا اور مستحکم قلعہ جن دینی، روحانی اور عرفانی ستونوں پر قائم و دائم ہے، اس میں ذہنی اور فکری اجتماعیت اور عقیدہ وعقیدت میں توانائی پیدا کرنے والا ایک مضبوط ستون فقہ وفتاویٰ کے عنوان سے ملت اسلامیہ کے درمیان مشہور و متعارف ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ قرآن وسنت کے بعد ایوان اسلام میں عدل وانصاف؛ بلکہ عادلانہ ومنصفانہ نظام قائم رکھنے والا تیسرا ستون، یہی ہمارا فقہی دستور اور قانون شریعت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس پندرہ سو سالہ طویل دور میں ملت اسلامیہ کے علما، اصحاب فکر و بصیرت اور ملت کی تہذیبی وثقافتی تاریخ کو محفوظ رکھنے والے اصحاب علم وقلم نے ہمیشہ اس کی حفاظت کی اور مسلسل ومتواتر آبیاری کی اور چونکہ وحی الٰہی نے قرآن پاک میں ''لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ'' جیسے جملوں اور آیات کے ذریعہ اس کی ابدیت اور صداقت کی مہر بھی لگا رکھی ہے، اس لیے کہ ہر دور میں شریعت اسلامیہ کی اس اساس اور ستون کو بہتر سے بہتر اور عام فہم بنانے کے لیے یہ تمام حضرات تحریری وتقریری طور پر اس کی خدمت، اس کی ترویج اور اس کی اشاعت میں مصروف ومشغول رہے۔

چنانچہ اس کی خدمت اور اس کے ارتقائی منازل کے لیے جہاں ایک طرف اصحاب افتا اور اصحاب فتاویٰ کی جماعتیں تیار ہو کر میدان عمل میں آتی رہیں، وہیں وقت وقت پر دنیا کی کم وبیش ہر ہر زبان میں فتاویٰ کے مجموعے بھی تیار ہوتے رہے اور زمانے کے نشیب وفراز، حالات کے چڑھاؤ، اتار کے مطابق اپنے اپنے دور کے معتمد اور معتبر ارباب فتاویٰ قرآن وسنت کے دائرہ میں رہ کر اس میں نکھار پیدا کرتے رہے۔ اس خدمت کی انجام دہی میں شاہ وگدا ہی لائن میں کھڑے نظر نہیں آتے ہیں، ماضی بعید میں اس کی مثال فتاویٰ عالمگیری سے پیش کی جاسکتی ہے اور جہاں تک تعلق ہے بوریہ نشیں علما وفقہا کی؛ اس میدان میں، خدمت، جد وجہد اور جانکاہی اور جان سوزی کا تو اس کا نہ کوئی حساب پیش کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کے اعداد وشمار بتلائے جاسکتے ہیں۔

خود ہمارے ملک ہندوستان میں جو ہمیشہ سے دین وشریعت کا مرکز رہا ہے، اس موضوع پر ایسی خدمات انجام دی

جا چکی ہیں کہ ان کا اعتراف عالم عرب اور عالم اسلام کے فقہا اور مشائخ بھرپور عقیدت کے ساتھ کرتے ہیں اور ان کی تالیفات ومصنفات سے استفادہ کو اپنے لیے عزت وشرف کا باعث سمجھتے ہیں، ایسے اصحاب افتا اور ارباب زہد وتقویٰ میں امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، فقیہ النفس حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی، امام الفقہ حضرت مولانا عبدالحئ فرنگی محلی وغیرہ وغیرہ کے اسماء گرامی فقہ وفتاویٰ کی دنیا میں ہمیشہ چمکتے دمکتے رہیں گے، چنانچہ آج تک یہ حضرات اپنے تمام کارناموں کے ساتھ علمی دنیا میں اپنی شناخت اور بلند حیثیت قائم کئے ہوئے ہیں۔ اس موجودہ دور میں بھی بحمد اللہ فقہ وفتاویٰ اور اس کے متعلقات کی تشریحات وتحقیقات کا سلسلہ برابر جاری وساری ہے، اس ضمن میں فتاویٰ رشیدیہ، فتاویٰ اشرفیہ، فتاویٰ خلیلیہ، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، فتاویٰ رحیمیہ، فتاویٰ محمودیہ کے عظیم الشان اور قیمتی مجموعوں کو بطور استناد وثبوت دیکھا جاسکتا ہے۔

بڑی خوشی اور مسرت کا مقام ہے کہ اس سلسلۃ الذہب میں حال ہی میں ایک مستند مجموعہ بنام **''فتاویٰ علماء ہند''** کا اضافہ حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی کے قلم سے ترتیب، تحقیق اور تعلیق کے بعد وجود میں آیا ہے اور جو مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی رئیس المجلس العالمی للفقہ الاسلامی کی زیر نگرانی منظمۃ السلام العالمیۃ ممبئی سے متعدد جلدوں میں شائع ہو رہا ہے اور اس کی دو جلدیں اس وقت احقر کے پیش نظر ہیں اور بڑی خوشی ومسرت کی بات ہے کہ ہندوستان وپاکستان کے ایسے قابل قدر ولائق اقتداء حضرات اہل علم کی اس پر تقریظات اور تصدیقات موجود ہیں، جو کسی بھی طرح سے دین وشریعت کے معاملہ میں نہ مداہنت برتتے ہیں اور نہ احوال وماحول سے متأثر ہو کر فقہ اسلامی میں کسی تغیر وتبدل کے قائل ہیں۔

اس لحاظ سے ان حضرات کی تصدیقات وتوثیقات پیش نظر کتاب ''فتاویٰ علماء ہند'' کے اعتماد واعتبار اور اس کو لائق تحسین وتبریک بنانے میں اپنا گہرا کردار ادا کرچکیں۔ (ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء)

اللہ جل شانہ مفتی صاحب موصوف کی اس خدمت جلیلہ کو قبول فرما کر عمومی نفع کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

(سید محمد شاہد غفرلہ)

امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی

۸/ ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

حامدًا و مصلیًا !

فتاویٰ نویسی ایک ذمہ داری والا کام اور امت کی عظیم خدمت ہے، علماء کرام نے اس کام کو بڑی عزیمت اور جانفشانی کے ساتھ دیا ہے، بہت سے مفتیان کرام تو وہ ہیں، جنھوں نے زندگی بھر فتویٰ کا معاوضہ نہیں لیا، حبسِ وقت کی وجہ سے گنجائش اور جواز کے باوجود انھوں نے اسے ذریعۂ معاش نہیں بنایا، خصوصاً ہند و پاک کے اکثر مفتیان کرام کی زندگی میں یہ وصف نمایاں رہا ہے۔

جس اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بے لوث خدمت انجام دی جاتی رہی، وہ بڑا اقدرداں اور ذرہ نواز ہے، اخلاص والے کاموں کی حفاظت اللہ تعالیٰ نئے نئے طریقوں سے فرماتے ہیں اور اس کے لیے بندوں کو نئی نئی راہیں سجھاتے رہتے ہیں، جیسا کہ وعدہ ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ. (سورۃ العنکبوت:٦٩)

زیرِ نظر کتاب **''فتاویٰ علماء ہند''** بھی بندہ کی نظر میں اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے خدام مفتیان کرام کی کاوشوں کی حفاظت اور ان کے فتاویٰ سے مزید آسان استفادہ کروانا چاہتے ہیں اور اپنی قدرت کا مظاہرہ بھی کرنا چاہتے ہیں کہ پہلا ''فتاویٰ ہندیہ'' (عالمگیری) بھی ہم ہی نے لکھوایا تھا اور موجودہ ''فتاویٰ ہندیہ'' (فتاویٰ علماء ہند) بھی ہم ہی لکھوا رہے ہیں، وہ کام بادشاہوں سے کروایا تھا اور یہ کام فقیروں سے کروا رہے ہیں؛ تا کہ یہ سمجھ میں آجائے کہ کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔

قابل مبارک باد ہیں حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی مدظلہ العالی اور حضرت مولانا محمد اسامہ شمیم الندوی مدظلہ العالی اور ان کے سرپرست و معاون داعی کبیر بھائی شمیم انجینئر مدظلہ العالی، کہ اس عظیم خدمت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان خوش نصیب بندوں کو منتخب فرمایا۔ ان بزرگوں کے حق میں یُسر و سہولت کی دعا کے ساتھ اپنے اسلامی بھائیوں سے گذارش بھی کرتا ہوں کہ اس کارِ خیر میں ان بزرگوں کی دامے، درمے، سخنے ہر طرح سے بڑھ چڑھ کر مدد کریں۔

جزاکم اللّٰہ خیر الجزاء. فقط والسلام

۱۲/۷/۲۰۱۵ء (مفتی) محمد شاکر خان قاسمی، پونا مہاراشٹر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

**الحمد للّٰہ رب العالمین،اللّٰھم صل وسلم وبارک علی عبدک
ورسولک محمد،أشرف الأنبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین،أمابعد!**

الحمدللہ ''فتاویٰ علماء ہند'' کی چھٹی جلد آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، یہ محض خداوند قدوس کے کرم اور بے پناہ فضل کے صدقے ممکن ہو پارہا ہے، ورنہ ہمہ وقت یہ احساس غالب رہتا ہے کہ یہ ایک بہت اہم اور نازک ذمہ داری ہے۔

ماشاءاللہ یہ جلد ''فتاویٰ علماء ہند'' کی چھٹی اور کتاب الصلاۃ کی تیسری جلد ہے، جس میں اذان واقامت، پاکی وناپاکی اور قبلہ کے مسائل مذکور ہیں۔

سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد میں کتاب کی ضخامت کے پیش نظر مکررات کے حذف کرنے اور مفتیٰ بہ مسائل کے اضافے کا خاصہ اہتمام کیا گیا ہے؛ لیکن بہرحال یہ ایک بشری کاوش ہے، جس میں خطاوصواب کا امکان ہے، چنانچہ ناظرین سے التماس ہے کہ متنبہ فرماتے رہیں۔

میں اس بات پر اپنے مالک کا جتنا شکر کروں کم ہے کہ کتاب اہل علم کے نزدیک خوب مقبول ہورہی ہے، ہر چہار جانب سے مراسلات موصول ہورہے ہیں، ان کی ہمت افزائی کے کلمات وتأثرات نے کام میں جلابخش دی ہے، اللہ پاک محض اپنے کرم سے قبول فرمائے۔

میں مشکور ہوں؛ اپنے ان تمام دوستوں اور بزرگوں کا، جنہوں نے اس کام کی تکمیل میں ہماری معاونت کی اور ہمارے ساتھ تصحیح ومراجعت کے کاموں میں ہمہ تن شریک رہے، اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی جمیل کو قبول فرمائے اور میرے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

یکم ربیع الاخریٰ ١٤٣٧ھ
مطابق: ١٢؍جنوری ٢٠١٦ء

بندہ محمد اسامہ شمیم الندوی
رئیس المجلس العالمی للفقہ الاسلامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ الواحد القهار والصلوٰة والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین وعلی اٰله وصحبه أجمعین.
أمابعد!

شریعت محمدیہ میں حکم خداوندی کی اتباع کی بڑی اہمیت ہے۔نماز،روزہ،حج،زکوٰۃ یہ ساری عبادتیں اصل میں حکم الٰہی کی تابعداری سے مربوط ہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہ کاشکر ہے کہ اس نے ''فتاویٰ علماء ہند'' کی نماز کے مسائل سے متعلق جلد-٦ کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی،فتاویٰ کی اہمیت وافادیت دین اسلام میں قرن اول سے آج تک برقرار ہے،انشاءاللہ آئندہ بھی رہے گی۔جلد-۵ میں اوقات نماز کے علاوہ اذان سے متعلق مسائل کا احاطہ کیا گیا تھا،اس جلد میں اذان واقامت کے مسائل کے علاوہ نماز میں بدن،کپڑے،اورمکان کی پاکی،نیت،استقبال وانحراف قبلہ وغیرہ سے متعلق مسائل کوشامل کیا گیاہے۔حاشیہ میں دیگر مفتیٰ بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا گیاہے۔جس کی وجہ سے جدیداور قدیم تمام اہم مسائل شامل ہوگئے ہیں۔امید ہے کہ علما،ائمہ،اہل مدارس اوراصحاب افتاخاص طورپراس سے فائدہ اٹھائیں گے۔حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی ،احادیث نبوی،صحابہ وتابعین کے آثارواقوال کونقل کیا گیاہے،جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ مدلل بھی ہوگئے ہیں۔(والحمد للّٰہ علی ذٰلک)

میں شکرگذارہوں اپنے احباب ومعاونین کا جوابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن کے تحت میرے ساتھ فتاویٰ کی ترتیب وتزئین میں شریک ہیں،اسی طرح شکرگذارہوں اپنے بزرگ الحاج شمیم احمد صاحب (انجینئر) اورعزیز گرامی مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی زیدمجدہم کا،جن کی خصوصی توجہ سے یہ کام پایۂ تکمیل کوپہونچ رہاہے؛اللہ ان کی اس سعی کوقبول فرمائے اورمیرے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔(آمین)

(انیس الرحمٰن قاسمی)
ناظم امارت شرعیہ بہار،اڑیسہ وجھارکھنڈ

۳۰؍ربیع الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
مطابق:۱۱؍جنوری ۲۰۱٦ء

قال عثمان بن عفان رضی اللّٰہ عنه:

”من عمل عملاً، کساه اللّٰه رداء ه

إن خیرًا فخیر وإن شرًا فشر“.

(مصنف ابن أبی شیبة (ح: ۳۵۴۲۰)

شہادتین کے وقت انگوٹھا چومنا

اذان میں شہادتین پر انگوٹھے چومنا کیسا ہے:

سوال: اذان میں بوقت شہادتین انگوٹھوں کو بوسہ دینا کیسا ہے، جو شخص اس سے منع کرے اس کی اقتدا نماز میں جائز ہے یا نہیں اور جو انگوٹھوں کو بوسہ نہ دے وہ گنہگار رہے یا نہ؟ اگر بوسہ دینا مستحب یا سنت ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

الجواب ـــ

استحباب تقبیل ابہامین کی دلیل، شامی کی یہ عبارت ہے:

یستحب أن یقال عند سماع الأولیٰ من الشهادتین "صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" وعند الثانیة منها" قَرَّتْ عَیْنِیْ بِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" ثم یقول" اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ "بعد وضع ظفری الإبهامین علی العینین فإنه علیه السلام یکون قائدًا له إلی الجنة. کذا فی کنز العباد، قهستانی، ونحوه فی الفتاویٰ الصوفیة، وفی کتاب الفردوس: من قبّل ظفری إبهامیه عند سماع "أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه" فی الأذان أنا قائده ومدخله فی صفوف الجنة. وتمامه فی حواشی البحر للرملی عن المقاصد الحسنة للسخاوی. وذکر ذلک الجراحی وأطال، ثم قال: ولم یصح فی المرفوع من کل هذا شیء. (رد المحتار: ١/٢٦٧، باب الأذان)(١)

آخر عبارت شامی سے یہ بھی واضح ہوا کہ مرفوع حدیث صحیح اس بارہ میں نہیں ہے۔ غایت یہ کہ ضعیف حدیث پر بھی فضائل اعمال میں عمل کرنا درست ہے، مگر اس کی شرط یہ ہے کہ اس فعل کو مسنون نہ سمجھے۔ **کذا فی الدر المختار.** (٢)

پس چونکہ بعض عوام کو اس میں غلو ہو گیا اور اس کو سنت سمجھ کر کرتے ہیں اور تارک پر طعن و ملامت کرتے ہیں۔ اس لئے ترک اس کا علماء محققین احوط سمجھتے ہیں اور وہ شخص گناہ گار نہیں۔ اقتدا اس کی درست ہے۔ فقط

(فتاویٰ دار العلوم: ٢/١٠٦-١٠٧) ☆

---

(١) مطلب فی کراهة تکرار الجماعة، تتمة، انیس

(٢) {فائدة} شرط العمل بالحدیث الضعیف عدم شدة ضعفه، وأن یدخل تحت أصل عام وأن لا یعتقد سنیة ذلک الحدیث. (الدر المختار علی صدر رد المحتار، سنن الوضوء، مطلب فی بیان ارتقاء الحدیث الضعیف إلی مرتبة الحسن: ١/١٢٨، دار الفکر بیروت) ==

''محمد رسول اللّٰہ'' پر انگوٹھا چومنا کیسا ہے:

سوال: ''أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه''، سن کر ''قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ'' کہہ کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنا کیسا ہے؟

الجواب

بعض فقہا نے لکھا ہے کہ ''أشهد أن محمداً رسول اللّٰه''، سن کر '' قَرَّتْ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ'' کہنا

== قال ابن مفلح فی الآداب الکبریٰ قطع غیرواحد ممن صنف فی علوم الحدیث حکایة عن العلماء أنه یعمل بالحدیث الضعیف فیمالیس تحلیلاً ولاتحریماً کالفضائل.(التحبیر شرح التحریر: ١٩٤٥/٤)

لقداختلف العلماء فی الاحتجاج بالحدیث الضعیف،والحق أن الحدیث الضعیف یحتج به فی فضائل الأعمال والترغیب والترهیب - مالم یکن موضوعاً - ولایحتج به إلابشروط هی کما یلی:

الشرط الأول: ألایکون الضعف شدیداً فیخرج عن هذا من انفردمن الکذابین،والمتهمین بالکذب ومن فحش غلطه.

الشرط الثانی: أن یندرج تحت أصل معمول به.

الشرط الثالث: ألایعتقد - عندالعمل به - ثبوته ؛لئلا ینسب إلی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم مالم یقله، بل یعتقدالاحتیاط .

وأماالأحکام کالحلال والحرام والبیع والنکاح والطلاق ونحوذلک فلایعمل فیهاإلابالحدیث الصحیح أوالحسن فقط.(المهذب فی علم أصول الفقه المقارن،المطلب الخامس فی الخبرالواحد: ٨٣٩/٢.انیس)

☆ اذان میں بوقت شہادتین انگوٹھا چومنا:

سوال: اذان میں بوقت شہادتین انگوٹھا چومنا اور آنکھوں سے لگانا اور ''قرة عینی بک یارسول اللّٰه'' پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

علامہ شامیؒ نے کنز العبادؒ سے نقل کیا ہے کہ شہادتین کے وقت اذان میں ایسا کرنا مستحب ہے، پھر جراحیؒ سے نقل کیا ہے:

''ولم یصح فی المرفوع من کل هذا شیء''. (رد المحتار، باب الأذان،مطلب فی کراهة تکرارالجماعة،تتمة: ٣٧٠/١،ظفیر)

اور نہیں صحیح ہے مرفوع حدیث میں اس میں سے کچھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ سنت سمجھ کر یہ فعل کرنا صحیح نہیں ہے، چونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگ اس کو سنت سمجھ کر کرتے ہیں اور تارک کو ملام ومطعون کرتے ہیں۔ اس لئے اب اس کو علمائے محققین نے متروک کر دیا ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ٩٠/٢)

مستحب ہے، اور بعض روایات اس بارہ میں نقل کی ہیں جو ثابت نہیں ہیں، اور قول و فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ عمل ثابت نہیں ہے، پس ترک اس کا احوط ہے، بوقتِ اذان جو کلمات منقول ہیں، اس کو معمول بہ بنانا چاہئے ''إحداث فی الدین''(۱) نہ کرے۔ فقط

جواب صحیح ہے۔ اس سوال کے متعلق یہ بھی سمجھ لیا جاوے کہ بعض احادیث موقوفہ بھی اس باب میں آئی ہیں، قطع نظر صحتِ سند کے اس میں دو امر قابل لحاظ ہیں۔

ایک یہ کہ! ان روایات میں یہ عمل بطور علاج و حفاظتِ رمد کے آیا ہے، جو ایک امر دنیوی ہے، اس میں کوئی فضیلت و ثواب وغیرہ نہیں اور اب لوگ اس کو ثواب و تعظیم نبوی، کہ امر دینی ہے، سمجھ کر کرتے ہیں، اور تداوی کو عبادت سمجھنا بدعت ہے۔(۲) اس لئے یہ اس اعتقاد سے بدعت ہوگا۔

دوم یہ کہ! کرنے والے اس کا التزام عملی و اعتقادی کرتے ہیں اور تارک کو مطعون سمجھتے ہیں۔(۳) فقط

کتبہ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۲۵/۲-۱۲۶)

---

(۱) عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهورد''. (الصحيح لمسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور. رقم الحديث: ۱۷۱۸)

قال أهل العربية الرد ههنا بمعنى المردود ومعناه فهو باطل غير معتد به وهذا الحديث قاعدة عظيمة من قواعد الإسلام وهو من جوامع كلمه صلى الله عليه وسلم فإنه صريح في رد كل البدع والمخترعات. (شرح النووى لمسلم، باب نقض الأحكام الباطلة، الخ: ۱۶/۱۲. انيس)

(۲) وأما إن لم يثبت انحتام الدفع فيمكن اعتبار جهة التسليط والابتلاء وأن ذلك الشاق مرسل من المسلط المبلى فيستسلم العبد للقضاء ولذلك لما لم يكن التداوى محتمًّا، تركه كثير من السلف الصالح وأذن عليه الصلاة والسلام فى البقاء على حكم المرض كما فى حديث السوداء المجنونة التى سألت النبى صلى الله عليه وسلم أن يدعو لها، فخيرها فى الأجر مع البقاء على حالتها أو زوال ذلك، وكما فى الحديث: ''ولا يكتوون وعلى ربهم يتوكلون''. ويمكن اعتبار جهة الحظ بمقتضى الإذن و يتأيد بالندب كما فى التداوى حيث قال عليه الصلاة والسلام: ''تداووا فإن الذى أنزل الداء أنزل الدواء''، وأما إن ثبتت الاباحة فالأمر أظهر. (الموافقات، النوع الثانى فى بيان قصد الشارع ....: ۲۶۲/۲. انيس)

(۳) قال العلامة الحلبى: كل مباح يؤدى إليه أى (إلى اعتقاد الجهلة سنيتها) فمكروه. (غنية المستملى المعروف بالكبيرى، فصل فى مسائل شتىٰ: ۵۶۹. انيس)

فى الشامى: ۲۹۳/۱، باب الأذان، مطلب فى كراهة تكرار الجماعة (تتمة):

يستحب أن يقال عند سماع الأولىٰ من الشهادة ''صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ'' وعند الثانية منها ''قُرَّتْ عَيْنِىْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ'' (إلىٰ قوله) وذكر ذلك الجراحى وأطال ثم قال: ولم يصح فى المرفوع من كل هذا شئ، الخ. (محمد جميل الرحمن غفرله)

اذان واقامت میں شہادتین پر انگلیوں کو چومنا:

سوال: اذان یا اقامت یا دوسرے اوقات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر انگلیوں کو چومنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

شرعاً یہ ثابت نہیں ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔۱۲/۵/۱۳۷۰ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۱۱۹)

شہادتین سن کر انگوٹھے چومنا بدعت ہے:

سوال: پنجابی زبان میں ایک کتاب ہے، جس کا نام پکی روٹی کلاں ہے، اس میں تقبیل ابہامین وقت اذان نزدیک سننے ''أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه'' کے متعلق حدیث لکھی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی وقت شہادت دے نونہ دائیں انگوٹھیاں دے اے اکھیں دے رکھیں دے رکھدا اتے چمدا اتے پڑھدا ''قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ'' حق تعالیٰ گناہ اسدے بخشیندا اہے اوسیدیاں اکھیں کدی درذکرسن اتے پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا لے دڑساں اسنوں طرف بہشت دے، جناب یہ تحریر فرمائیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا موضوع اس پر عمل کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

تقبیل ابہامین کا کوئی پختہ ثبوت نہیں۔ اس لئے اس کو موجب ثواب سمجھ کر کرنا بے ثبوت بات ہے۔ البتہ بعض لوگ اس کو بیماری چشم سے محفوظ رہنے کا عمل سمجھ کر کرتے ہیں تو اس صورت میں مثل دیگر عملیات وتعویذات کے یہ عمل بھی مباح ہوگا، مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے تارک پر کوئی طعن یا ملامت نہ کی جائے، جو اس عمل کو کرے کرے جو نہ کرے نہ کرے۔(۲) فقط (کفایت المفتی:۳/۵۷)

(۱-۲) ''ذكر ذلك الجراحي وأطال، ثم قال: ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء''.(رد المحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة، تتمة: ۱/۳۹۸، ط: سعيد كمپنى)

وحكى الشمس محمد صالح المدني إمامها وخطيبها في تاريخه عن المجد - أحد القدماء من المصريين - أنه سمعه يقول: من صلى على النبي صلى الله عليه وسلم إذا سمع ذكره في الأذان، وجمع أصبعيه المسبحة والإبهام وقبلهما ومسح بهما عينيه لم يرمد أبداً، ثم قال ابن صالح المذكور: وسمعت ذلك أيضاً من الفقيه محمد بن الزرندي عن بعض شيوخ العراق أو العجم أنه يقول عندما يمسح عينيه: ''صلى الله عليك ياسيدي يارسول الله ياحبيب قلبي يانور بصري ياقرة عيني''، وقال لي كل منهما: منذ فعلته لم ترمد عيني، قال ابن صالح: وأنا ولله الحمد والشكر منذ سمعته منهما استعملته فلم ترمد عيني، وأرجو أن عافيتهما تدوم، وإني أسلم من العمى إن شاء الله تعالىٰ. ==

سوال مثل بالا وجواب دیگر:

سوال: اذان کے وقت انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر رکھنا حدیث صحیح سے ثابت ہے یا نہیں اور بشرط ثبوت تارک قابل ملامت ہے یا نہیں؟

الجواب

اذان میں کلمہ ''أشهد أن محمدًا رسول الله'' سن کر انگوٹھوں کو چومنا اور آنکھوں سے لگانا کوئی شرعی حکم نہیں ہے، اس کے متعلق جو روایت مسند فردوس وغیرہ میں ہے وہ صحیح نہیں ہے، بعض بزرگوں نے اس فعل کو آنکھوں کی بیماری سے محفوظ رہنے کا ایک عمل قرار دیا ہے تو یہ شرعی بات نہ ہوگی۔ اگر اس کو یہ سمجھ کر کرے کہ اس عمل کو کرنے سے آنکھیں نہیں دکھتیں تو اسے اختیار ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی یہ عمل نہ کرے تو اسے مجبور نہ کیا جائے نہ اس پر اعتراض کیا جائے، کیونکہ عملیات اور تعویذات کوئی شرعی چیزیں نہیں ہیں، ہر شخص کو حق ہے کہ کوئی عمل کرے اور تعویذ باندھے یا عمل نہ کرے اور تعویذ نہ باندھے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

جواب دیگر: تقبیل ابہامین بحیثیت ایک شرعی فعل کے صحیح سند سے ثابت نہیں، ہاں ایک رقیہ کی حیثیت سے بعض بزرگوں نے یہ عمل اس لئے کیا ہے کہ آنکھیں دکھنے سے محفوظ رہیں تو بحیثیت رقیہ کے کوئی کرے کرے اور نہ کرے تو مورد الزام نہیں ہوسکتا۔(۲) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۳/۵۷-۵۸) ☆

== قال وروى عن الفقيه أبي الحسن علي بن محمد: من قال: حين يسمع المؤذن يقول: ''أشهد أن محمداً رسول الله'' مرحباً بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبدالله صلى الله عليه وسلم ويقبل إبهاميه ويجعلهما على عينيه؛ لم يعم ولم يرمد.

ونقل عن الطاؤوسي أنه سمع من محمد بن أبي نصر البخاري حديثاً: من قبل عند سماعه من المؤذن كلمة الشهادة ظفري إبهاميه ومسحهما على عينيه، وقال عند المسح: اللهم احفظ حدقتي ونورهما ببركة حدقتي محمد صلى الله عليه وسلم ونورهما لم يعم. ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء. (كشف الخفاء، ت: هنداوي، حرف الميم: ٢/٢٤٤/كذا في المقاصد الحسنة، حرف الميم: ١/٦٠٦. انيس)

(١-٢) ذكر ذلك الجراحي وأطال ثم قال: ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء. (رد المحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة، تتمة: ١/٣٩٨، ط: سعيد كمپني)

حديث: ''من قال حين يسمع أشهد أن محمداً رسول الله مرحباً بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبدالله ثم يقبل إبهاميه ويجعلهما على عينيه لم يعم ولم يرمد أبداً'' قال في التذكرة: لا يصح. (الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة، كتاب الصلاة: ١/٢٠، ح: ١٩. انيس) ==

== ☆ **اذان میں بوقت شہادتین انگوٹھے چومنا:**

سوال: اذان کے وقت "أشهد أن محمدًا رسول الله" پر لوگ اکثر انگوٹھے چوم کر کے آنکھوں پر لگاتے ہیں، تو یہ جائز ہے کہ ناجائز؟ اس کو بالتشریح تحریر کیجئے گا؟

(المستفتی نمبر:۱۱۷۳، عبدالرزاق صاحب (ضلع میدنی پور) ۲۰ / جمادی الثانیہ ۱۳۵۵ھ، م ۸/ستمبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

انگوٹھا چوم کر آنکھوں پر لگانے کا کوئی ثبوت نہیں۔ (رد المحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة، تتمة: ۳۹۸/۱، ط: سعید کمپنی)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔ (کفایت المفتی: ۵۱/۳)

شہادتین سن کر انگوٹھے چومنا ثابت نہیں:

سوال: جب مؤذن اذان دیتا ہے تو سننے والا "أشهد أن محمدًا رسول الله" پر دونوں انگشت چوم کر آنکھوں پر رکھتا ہے تو کیا یہ گناہ ہے یا ثواب؟

الجواب

شہادتین سن کر انگوٹھے چومنا ثابت نہیں۔ (رد المحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة، تتمة: ۳۹۸/۱، ط: سعید کمپنی) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔ (کفایت المفتی: ۵۴/۳)

ایضاً:

سوال: بے شک حدیث صدیق اکبرؓ موضوع ہے؛ لیکن شامیؔ نے لکھا ہے کہ "تقبيل ظفر إبهامين عند استماع اسمه صلى الله عليه وسلم عند الأذان" جائز ہے۔

الجواب

شامیؔ نے اس مسئلے کو قہستانیؔ سے اور قہستانیؔ نے کنز العبادؔ سے نقل کیا ہے، نیز شامیؔ نے فتاویٰ صوفیہ کا حوالہ دیا ہے، کنز العبادؔ اور فتاویٰ صوفیہ دونوں قابل فتویٰ دینے کے نہیں ہیں اور جب کہ حدیث کا نا قابل استدلال ہونا ثابت ہے تو پھر اس کو سنت یا مستحب سمجھنا بے دلیل ہے اور اس کے تارک کو ملامت یا طعن کرنا مذموم، زیادہ سے زیادہ اس کو بطور علاج رمد کے ایک عمل سمجھ کر کوئی کرے، تو مثل دیگر اعمال کے مباح ہو سکتا ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت ثابت نہیں۔ (رد المحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة، تتمة: ۳۹۸/۱، ط: سعید کمپنی) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ، دہلی۔ (کفایت المفتی: ۴۷/۳) ==

تکبیر میں شہادتین پر انگوٹھا چومنا:

سوال: اگر کوئی شخص ایک اذان صرف فجر کی دیتا ہو اور اقامت نہ کہتا ہو اور روزانہ کا معمول بنا لیا ہو، اس خیال سے کہ ہمیں "حی علی الصلوٰة" پر کھڑا ہونا ہے، اس سے پہلے "أشهد أن محمدًا رسول الله" پر ہاتھوں کو آنکھوں پر لگا کر چومنا ہے۔ یہ مسئلہ اسلامی نقطۂ نظر سے کیسا ہے؟

هو المصوب

شخص مذکور کو اذان دینا چاہئے اور کھڑے ہو کر اقامت بھی کہنا چاہئے، بیٹھنا لازم نہیں ہے۔

والأفضل أن يكون المؤذن هو المقيم. (١)

اور اس سلسلہ میں حدیث بھی ہے:

"من أذن فهويقيم". (٢)

== اذان میں کلمۂ شہادت پر انگلیوں کو چومنا:

سوال (١) اذان کے وقت جب "أشهد أن محمدًا رسول الله" کہا گیا، تو سب نے انگلیاں چوم کر آنکھوں سے لگائیں؟

(٢) اذان کے تھوڑی دیر بعد، درود شریف بآواز بلند ایک صاحب نے پڑھا۔

هو المصوب

(١) آشوب چشم کے لئے یہ عمل بزرگوں سے منقول ہے، یہ کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ (ذكر ذلك الجراحي و أطال ثم قال: ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء. (رد المحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة، تتمة: ٦٨/٢)

(٢) درود شریف پڑھنا باعث ثواب وبرکت ہے، اذان کے بعد لازم و متعین طور پر پڑھنا بدعت ہے۔ ("من أحدث في أمرنا هذا فهورد". (الصحيح لمسلم، كتاب الأقضية، باب بيان نقض الأحكام الباطلة ومحدثات الأمور. رقم الحديث: ١٧١٨)/ (والبدعة بالكسر: الحدث في الدين بعد الإكمال، أوماأحدث بعدالنبي صلى الله عليه وسلم من الأهواء والأعمال. (القاموس المحيط، فصل الباء: ٧٠٢/١-انيس)

تحریر: محمد ظہور ندوی عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ٣٧٢/١)

(١) الفتاویٰ الهندية: ٥٤/١، الفصل الالأول في صفة الأذان وأحوال المؤذن.

وينبغي أن كون المؤذن والمقيم واحداً لما روى زياد بن الحارث الصدائي قال أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يؤذن في صلاة الفجر فأرادبلال أن يقيم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أخاصداء قدأذن ومن أذن فهو يقيم، الخ. (رسائل الأركان، فصل في الأذان: ٦٦، المطبع العلوى لكناؤ. انيس)

(٢) جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب ما جاء أن من أذن فهويقيم. رقم الحديث: ١٩٩-(وكذا في المصنف لعبدالرزاق الصنعاني، باب من أذن فهويقيم (ح: ١٨٣٣)/سنن أبي داؤد، باب رفع الصوت بالأذان (ح: ٥١٤) انيس)

انگوٹھے کو چومنا سنت سمجھ کر اس طرح کرنا درست نہیں ہے اور چونکہ اکثر لوگ اس کو سنت سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والے کولعن طعن کرتے ہیں، اس لئے اس کی اجازت نہیں ہے۔

علامہ شامی نے جراحی سے نقل کیا ہے:

"ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء". (١)

لہذا احدیث مرفوع سے اس طرح کرنا صحیح نہیں ہوا۔ بہتر یہی ہے کہ پہلے ہی سے کھڑے ہو کر صفوں کو سیدھا کر لیا جائے اور پھر امام کے لئے بھی بہتر یہی ہے کہ اقامت مکمل ہونے کے بعد ہی تکبیر تحریمہ (تکبیر اولیٰ) باندھے۔

تحریر: محمد طارق ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ١/٢/٧٢-٣٧٣)

بوقت اذان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر ناخنوں کو آنکھوں سے لگانا:

سوال: اذان کے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر دونوں ہاتھوں کے ناخنوں کو آنکھوں سے لگانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

بعض فقہا نے اس کو مستحب قرار دیا اور اس سلسلہ میں حدیث بھی نقل کر دی۔ مگر وہ صحیح نہیں اور امر مستحب میں کرنے والا اور چھوڑنے والا کوئی بھی مستحق ملامت نہیں ہوا کرتا۔

جامع الرموز میں ہے:

"اعلم أنه يستحب أن يقال عند سماع الأولى من الشهادة "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" و عند سماع الثانية منها "قُرَّتْ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ"، ثم يقال "اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ" بعد وضع ظفري الإبهامين على العينين فإنه صلى الله عليه وسلم يكون قائدًا له إلى الجنة، كذا في كنز العباد، انتهى (٢) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ٢٠١)

اذان واقامت میں نام مبارک پر انگوٹھے چومنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت میں کہ جس وقت مؤذن اقامت میں " أشهد أن محمدًا رسول الله" بولے تو سننے والا دونوں انگوٹھوں کو چوم کر دونوں آنکھوں پر رکھے یا نہیں، اگر رکھنا ہے تو آیا جائز آیا

(١) رد المحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة، تتمة: ٦٨/٢ ـ (كشف الخفاء للجراحي، ت: هنداوي، حرف الميم: ٢٤٤/٢ / وكذا في المقاصد الحسنة، حرف الميم: ٦٠٦/١ . انيس)

(٢) جامع الرموز، كتاب الصلاة، فصل الأذان: ٧٠، ط: مظهر العجائب كلكته. انيس

مستحب آیا واجب آیا فرض ہے، اور جو شخص اس کا مانع ہووے اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر نہیں رکھتا ہے، تو آیا مکروہ تحریمہ آیا حرام ہے؟ اور مرتکب اس فعل کا ہووے اور اس کا جو حکم کرے، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔ جدید یہ کہ اذان پر قیاس کر کے تحریر نہ فرماویں، بلکہ درصورت جواز یا عدم جواز کسی کتاب معتبر سے عبارت نقل کر کے تحریر فرماویں؟

الجواب

اول تو اذان ہی میں انگوٹھے چومنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں اور جو کچھ بعضے لوگوں نے اس بارہ میں روایت کیا ہے، وہ محققین کے نزدیک ثابت نہیں۔ چنانچہ شامیؒ بعد نقل عبارت کے لکھتے ہیں:

وذكر ذلك الجراحي وأطال ثم قال ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء، انتهٰی. (٢٦٧/١)(١)

مگر اقامت میں کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی موجود نہیں، پس اقامت میں انگوٹھے چومنا اذان کے وقت چومنے سے بھی زیادہ بدعت اور بے اصل ہے۔ اسی واسطے فقہانے اس کا بالکل انکار کیا ہے۔ یہ عبارت شامیؒ کی ہے۔

ونقل بعضهم أن القهستاني كتب علىٰ هامش نسخته أن هذا مختص بالأذان وأما في الإقامة فلم يوجد بعد الاستقصاء التام والتتبع. (٢٦٧:/١)(٢)☆

۵/محرم الحرام ۱۳۰۱ھ (امداد: ۴/ ۵۷)۔ (امداد الفتاویٰ: ۵/ ۲۵۹)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیتے وقت دونوں انگوٹھوں کے ناخن کو چومنا:

سوال: تقبیل الابہامین یعنی بوقت کہنے مؤذن کے "**أشهد أن محمدًا رسول الله**" بنام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ناخن دونوں انگوٹھوں کے چوم کر آنکھوں پر رکھنے بدعت ہیں یا سنت؟ اگر اس کی کوئی اصل ہو تو وہ حدیث یا اثر جس قدر تعداد میں ذہن مبارک میں ہوں بقید نام کتاب حدیث باب و فصل و صفحہ مرقوم فرما کر ممنون و مشکور فرماویں، ایک

(١-٢) رد المحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة، تتمة: ٣٩٨/١، ط: سعيد كمپني، انيس

☆ **"مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کہنے پر ہاتھ چومنا:**

سوال: اذان کے وقت **محمد رسول الله** کہنے پر ہاتھ چومنا کیسا ہے؟ ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ آنکھوں میں لگانے سے دکھتی نہیں؟

الجواب

اذان کے وقت جو عادت ہے، انگوٹھوں کے چومنے کی یہ فی نفسہ آشوب چشم کا عمل تھا، لیکن لوگ اس کو ثواب اور تعظیم اسم مبارک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر کرتے ہیں، اس لیے بدعت ہے اور اگر اعتقاد نہ ہو، تو دوسرے کو شبہ پڑے گا، اس لیے درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۴/ربیع الاول ۱۳۲۴ھ (امداد: ۴/ ۸۴)۔ (امداد الفتاویٰ: ۵/ ۲۵۹-۲۶۰)

دفعہ کسی صاحب نے اس کے متعلق دو حدیثیں دو کتابوں سے پیش کی تھیں، اگر چہ ضعیف تھیں، لیکن کتابیں یاد نہیں رہیں، اللہ جواب سے جلدی سرفرازی عطا فرماویں۔ **والسلام علٰی من اتبع الھدیٰ.**

نیز اگر وہ حدیثیں ضعیف ہوں تو ارشاد ہو کہ ان پر عمل کرنے کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب

مقاصد حسنہ سخاوی میں ان روایات کی تحقیق ہے، ان کا مضمون صرف یہ ہے کہ یہ عمل ہے رمد یعنی آشوب چشم کا، مگر اب لوگ اس کو دین سمجھ کر کرتے ہیں، تو بدعت ہونا ظاہر ہے اور صحیح نیت پر بھی تشبہ ہے اہل بدعت کے ساتھ، اس لیے ترک لازم ہے۔(۱)

۱۹/ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ ،ص:۸۳) (امداد الفتاویٰ:۲۶۰/۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر انگوٹھے چومنا کیسا ہے:

سوال: ۔۔۔ احمد آباد سے شائع ہونے والے ماہنامے طیبہ (گجراتی) کے اگست ۱۹۶۰ء کے شمارے کے ایک فتوے کی نقل ارسال خدمت ہے، جس میں مرقوم ہے کہ بہت سے علماء ایسے ہیں جو فقہ حنفی پر عامل نہیں ہیں اور اس کے باوجود خود کو حنفی جتلاتے ہیں اور ناواقف مسلمانوں کو غلط راہ پر لے جاتے ہیں، یہ لوگ ایسا کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک لیتے وقت خصوصا اذان کے وقت انگوٹھے چومنا بدعت ہے، جو لوگ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وعظمت کو بیان کرتے ہیں، انہیں یہ علماء بدعتی کہتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ انگوٹھے چومنے کے ثبوت میں جو حوالے دیئے گئے ہیں وہ ٹھیک ہیں یا نہیں؟ اور انگوٹھے چومنا سنت ٹھیرایا ہے، وہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ تفصیل سے جواب عنایت کریں؟

الجواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک پڑھ کر یا سن کر درود شریف پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اس میں سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تعظیم بھی ہے، ایک مجلس میں کئی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک پڑھا جائے

(۱) عن عبداللّٰہ بن عمر قال:قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:من تشبہ بقوم فھو منھم.(سنن أبی داؤد،باب فی لبس الشھرۃ (ح: ٤٠٣١)/وقدأخرجہ البزارفی مسندہ (ح: ٢٩٦٦)والطبرانی فی الأوسط (ح: ٨٣٢٧)عن حذیفۃ بن الیمان.انیس)

قال الإمام الصنعانی:ھذا الحدیث دال علی أن من تشبہ بالفساق کان منھم،أو الکفار،أو المبتدعۃ فی أی شیء مما یختصون.(فتح العلی الحمید فی شرح کتاب مفید المستفید فی کفرتارک التوحید،تفسیرقولہ:من تشبہ بقوم فھو منھم: ٨٧/١.انیس)

یا سنا جائے تو اس کے لئے فتویٰ یہ ہے کہ ہر مرتبہ درود شریف پڑھنا مستحب اور کم از کم ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے۔(درمختار وشامی:۱/۴۸۱)(۱) مگر اس وقت انگوٹھے چومنے کے متعلق کوئی صحیح یا ضعیف حدیث وارد نہیں ہے، لہذا نام مبارک لیکر یا سن کر انگوٹھے چومنے کو حدیث سے ثابت ماننا اور مسنون سمجھنا، اور اس کو آپ کی تعظیم ٹھہرانا غلط اور بے دلیل ہے، یہ بدعتیوں کی ایجاد ہے اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد". (صحيح البخاری، پ: ۱۰: ۱/۳۷۱/ومسلم: ۷۷/۲)(۲)

(یعنی)''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات نکالی کہ جو دین میں داخل نہیں ہے تو وہ نا قابل تسلیم ہے''۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشاد ہے:

''من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو ردٌ''. (مسلم: ۷۷/۲)(۳)

(یعنی)''جو شخص ایسا کام کرے جس کے لئے ہمارا حکم نہ ہو (یعنی جو ہمارے طریقہ پر نہ ہو) وہ رد ہے۔

نیز اذان و اقامت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے کے ناخن چومنا ہے اور آنکھوں پر رکھنا اس فعل کو سنت سمجھا اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت تصور کرنا اور اس کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تعظیم و عزت ٹھیرا لینا اور حنفی ہونے کی علامت بتلانا اور نہ چومنے والے کو لعن طعن اور ملامت کے قابل سمجھنا، یہ بھی غلط ہے اور دین میں تحریف (ردوبدل) کرنے کے مانند ہے، اتنی بات درست ہے کہ بعض علما نے کچھ ایسی حدیثوں کی بنا پر جن کو علماء محققین نے ضعیف قرار دیا ہے، یہ جائز اور بعض نے اس کو مستحب قرار دیا ہے کہ اذان میں جب نام نامی آئے تو انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھے، مگر یہ بھی آنکھ کی بیماری کے عمل اور علاج کے طور پر ہے، عبادت اور سنت مقصودہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص تعظیم اور عظمت کے لئے نہیں۔(مقاصد حسنہ وغیرہ)

(مولانا احمد رضا خاں کا فتویٰ بھی یہی بتلا رہا ہے جو آگے تحریر ہے)۔

لیکن اب صورت یہ ہے کہ لوگ اس کو آپ کی خاص تعظیم اور دین وسنت مقصودہ سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والے کو لعن طعن کرتے ہیں اور حقیقت کے خلاف اور اہل سنت سے خارج تصور کرتے ہیں، یہ تمام باتیں غلط ہیں اور ان کی بنا پر

---

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، مطلب فی وجوب الصلاة عليه كلماذكر عليه السلام: ۱/۵۱۶، دار الفكر بيروت. انيس

(۲) الصحيح للبخاری، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود (ح: ۲۶۹۷)/الصحيح لمسلم، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور (ح: ۱۷۱۸) انيس

(۳) الصحيح لمسلم، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور (ح: ۱۷۱۸)/مسند الإمام أحمد، مسند الصديقة عائشة (ح: ۲۵۴۷۲)/الصحيح للبخاری، كتاب البيوع، باب النجش (ح: ۲۱۳۰) انيس

یہی ضروری ہے کہ ایسا نہ کیا جائے اور اس عمل کو ترک کردیا جائے، فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ مستحب کو جب اپنے مرتبہ (درجہ) سے بڑھادیا جاتا ہے تو وہ مکروہ ہوجاتا ہے۔

"واستنبط منه أن المندوب ربما ينقلب مكروهًا إذا خيف أن يرفع عن رتبته". (مجمع البحار: ٢٤٤/٢)(١)

فتح الباری شرح صحیح البخاری میں ہے کہ!

"قال ابن المنير: إن المندوبات قد تنقلب مكروهات إذا رفعت عن مرتبتها لأن التيامن مستحب في كل شيء من أمور العبادة لكن لما خشي ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه أشار إلىٰ كراهته والله أعلم. (فتح الباری: ٢٨١/٢)(٢)

(یعنی) مستحبات مکروہات بن جاتے ہیں جبکہ انہیں اپنے اصلی مرتبہ سے بڑھادیا جاتا ہے (مثال ملاحظہ ہو) ہر نیکی کے کام میں دائیں جانب سے ابتدا کرنا مستحب ہے، لیکن حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اپنے زمانے میں اس کا بے حد اہتمام دیکھا، تو اس کو مکروہ فرمادیا، کیونکہ ان کو خطرہ ہوا کہ لوگ اس مستحب کو واجب سمجھنے لگیں گے۔

بعض فقہا نے اپنے زمانہ میں ایام بیض (ہر ماہ کی تیرھویں، چودھویں، پندھویں) کے روزوں کے متعلق کراہت کا فتویٰ دیا، کیونکہ ان کے زمانہ میں ان روزوں کا عام رواج ایسا ہوگیا تھا کہ خطرہ ہوا کہ لوگ واجب سمجھنے لگیں گے، حالانکہ ایام بیض کے روزے مستحب ہیں، ان کی فضیلت میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔

"وكل مباح أدى إلىٰ هذا فهو مكروه حتى أفتىٰ بعض الفقهاء حين شاع صوم أيام البيض في زمانه بكراهته لئلا يؤدي إلى اعتقاد الواجب مع أن صوم أيام البيض مستحبة ورد فيه أخبار كثيرة فما ظنك بالمباح وما ظنك بالمكروه". (مجالس الأبرار: ٢٩٩/٥)

اس درجہ کی حدیث انگوٹھے چومنے کے متعلق کوئی پیش نہیں کرسکتا۔

اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کے متعلق جو احادیث اور روایات آئی ہیں، وہ مسند الفردوس دیلمی کے حوالے سے **"موضوعات کبیر"** اور **"تذکرة الموضوعات"** اور **"الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة"** وغیرہ میں منقول ہیں۔

علامہ سخاوی کے حوالے سے ملاعلی قاری مذکورہ روایات کے متعلق نقل فرماتے ہیں کہ!

"لايصح". (موضوعات کبیر: ٧٥)　یعنی روایات صحیح نہیں ہے۔

---

(١)　مجمع بحار الأنوار، صرف: ٣١٥/٣، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية. انیس

(٢)　فتح الباری لابن حجر، باب الانفتال والانصراف عن اليمين: ٣٣٨/٢.

القسم الرابع: بدع مكروهة، وهي ماتناولته أدلة الكراهة من الشريعة وقواعدها كتخصيص أيام أوغيرها من العبادات ... ومن هذا الباب الزيادة في المندوبات المحدودات كما ورد في التسبيح عقيب الصلاة ثلاثة وثلاثين فيفعل مائة، الخ. (الفروق للقرافي، الفرق بين قاعدة الحدود وقاعدة التعازير: ٢٠٤/٤. انیس)

اور علامہ طاہرؒ رقمطراز ہیں کہ!

’’**ولا یصح**‘‘.(تذکرة الموضوعات: ٢٤)(١)

یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

اور علامہ شوکانیؒ علامہ طاہر کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ!

’’**لایصح**‘‘.(الفوائد المجموعة فی الأحادیث الموضوعة: ٩)

اور امام المحدثین علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ!

’’**الأحادیث التی رویت فی تقبیل الأنامل وجعلها علی العینین عند سماع اسمه صلی اللّٰه علیه وسلم عن المؤذن فی کلمة الشهادة کلها موضوعات**‘‘. (تیسیر المقال وغیره)(٢)

(یعنی) موذن سے کلمہ شہادت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگلیاں چومنے اور آنکھوں پر رکھنے کے متعلق جو حدیثیں نقل کی جاتی ہیں وہ سب موضوع یعنی غلط اور بناوٹی ہیں۔

موضوع حدیث پر عمل ناجائز ہے اور ضعیف حدیث پر بچند شرائط عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ امام سخاویؒ بحوالہ حافظ حدیث علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ!

’’ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ زیادہ ضعیف نہ ہو اور اس پر عمل کرنے والوں کا اعتقاد نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے‘‘۔(القول البدیع:١٩٥)

اور شیخ الاسلام ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ!

’’اگر حدیث ضعیف ہو، موضوع نہ ہو تو عمل جائز ہے، لیکن اگر اس سے دین میں کوئی شعار یعنی امتیازی علامت قائم ہوتی ہو (جیسے کرنے والے کو سنی، حنفی اور نہ کرنے والے کو وہابی کہا جانے لگے) تو اس پر عمل کرنا ممنوع ہو جائے گا‘‘۔(احکام الاحکام:١/٥١)

اور علامہ شاطبی فرماتے ہیں کہ!

’’بعض اعمال فی نفسہ جائز بلکہ مستحب ہوتے ہیں مگر حیثیت بدل جانے سے یا بدل جانے کے خوف سے لائق ترک بن جاتے ہیں‘‘۔(الاعتصام:٢/٩٢)

---

(١) تذکرة الموضوعات،باب الأذان ومسح العینین فیه ونحوه: ١/٢٤.انیس

(٢) مسح العینین بباطن أنملة السبابتین أو ظفری إبهامیه ومسحهما علی عینیه عند سماع کلمة الشهادة من المؤذن ، لاأصل له فی المرفوع نعم یرویٰ عن بعض السلف.(الجدالحثیث فی بیان مالیس بحدیث،باب المیم: ١/٢٠٩.انیس)

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تحریف دین کے اسباب بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ!

وأن یلتزم السنن والآداب کالتزام الواجبات، یعنی دین میں ایک تحریف یہ بھی ہے کہ سنن اور مستحبات کو واجب کی طرح لازم وضروری قرار دے لیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ:۱/۲۶۱)

تحریر بالا سے انگوٹھے چومنے کی شرعی حقیقت اور حیثیت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے؛ آپ کے بھیجے ہوئے فتاویٰ کی نقل میں بعض حوالات غلط ہیں اور بعض کتابیں مثلاً فتاویٰ صوفیہ، جامع الرموز، کنز العباد، خزانۃ الروایات اور شرح مختصر وغیرہ غیر معتبر ہیں، علامہ برکلی، علامہ عصام الدین، علامہ جلال الدین مرشدیؒ، علامہ ملّا علی قاریؒ اور علامہ ابن عابدین شامی نے ان کتابوں کے حوالے سے فتوے لکھنے کی ممانعت فرمائی ہے جب تک معتبر کتابوں سے کسی مسئلہ کی تائید نہ ہوتی ہو۔ (دیکھئے مقدمہ مفید المفتی:۹۴-۹۵)

اب آخر میں فرقہ رضاخانی کے بانی مبانی اور بریلی پارٹی کے حضور پرنور امام اہل سنت مجدد دین وملت، شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت مولانا الحاج القادری الشاہ احمد رضا خان بریلوی کی تحقیق اور آپ کا واضح فیصلہ پیش کرتا ہوں، غور سے ملاحظہ ہو فرمائیے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب سے پوچھا گیا کہ:

مسئلہ: اکثر وبیشتر مخلوق خدا کا طریقہ ہے کہ اذان اور فاتحہ خوانی یعنی پنچایت پڑھنے کے وقت (ختم اجتماعی) انگوٹھے چومتی ہے اور علما بھی درست بتلاتے ہیں اور حدیث شریف سے ثابت کر دکھلاتے ہیں، تو یہ قول درست ہے یا نہیں؟

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے جواب کا اصل اور ضروری حصہ انہیں کے الفاظ میں یہ ہے، ملاحظہ فرمائیے؟

الجواب: اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخون چومنا، آنکھوں پر رکھنا، کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں، یہ جو کچھ اس میں روایت کیا جاتا ہے، کلام سے خالی نہیں، پس جو اس کے لئے ثبوت مانے یا اسے مسنون یا موکد جانے یا نفس ترک کو باعث زجر وملامت کہے وہ بے شک غلطی پر ہے، ہاں بعض احادیث ضعیفہ مجروحہ میں تقبیل وارد ہے ــــــــ اور بعض کتب فقہ میں مثلاً جامع الرموز، شرح نقایہ وفتاویٰ صوفیہ، وکنز العباد وشامی حاشیہ درمختار کہ اکثر ان میں مستندات علمائے طائفہ اسماعیلیہ سے ہیں، وضع ابہامین کو مستحب بھی لکھ دیا۔ (ابر المقال فی استحسان قبلۃ الاجلال، ص:۱۱-۱۲)

مذکورہ بالا کتب کنز العباد، جامع الرموز، فتاویٰ صوفیہ، شامی وغیرہ میں جو انگوٹھے چومنے کو مستحب لکھا ہے، اس کو بھی مولانا احمد رضا خاں صاحب نے پسند نہیں کیا۔ آگے تحریر کرتے ہیں کہ ''پس حق اس میں اس قدر ہے کہ جو کوئی بامید زیادتی روشنائی بصر مثلاً از قبیلہ اعمال مشائخ جان کر یا بتوقع فضل ان کتب پر لحاظ اور ترغیب وارد پر نظر رکھ کر بے اعتقاد

سنیت فعل وصحت احادیث وشناعت ترک اسے عمل میں لائے، اس پر بنظر اپنے نفس فعل واعتقاد کے خیر کچھ مواخذہ بھی نہیں کہ فعل پر حدیث صحیح نہ ہونا اس فعل سے نہی ومنع کو مستلزم نہیں ـــــ اور پنچایت (فاتحہ خوانی) کے وقت اس فعل کا ذکر کسی کتاب میں نہیں دیکھا گیا، اور فقیر کے نزدیک بر بنائے مذہب ارجح واصح غالبًا ترک زیادہ انسب والیق ہونا چاہئے۔ (ابرالمقال فی استحسان قبلۃ الاجلال: ۱۲، ۱۳۔ ۱۳۳۸ھ حسنی پریس بریلی میں طبع ہوئی ہے۔)

مذکورہ فتوے کا حاصل یہ کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے نزدیک مجلس فاتحہ خوانی جیسے موقع پر انگوٹھے چومنے کا ثبوت کسی بھی کتاب میں نہیں ہے، اس لئے ان کا نظریہ یہ ہے کہ نہ چومنا ہی زیادہ مناسب ہے۔

اور یہ بات کہ اذان کے وقت انگوٹھا چومنا ثابت ہے، اس کے متعلق بھی وہ فرماتے ہیں کہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے اور اس شخص کو غلطی پر مانتے ہیں جو اس کا قائل ہو کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے یا جو شخص نہ چومنے کو برا سمجھے، صرف آنکھ کی روشنی کے علاج کے لئے مانتے ہیں، سنت نہیں سمجھتے اور ان احادیث کو ضعیف اور مجروح مانتے ہیں، جن میں اذان کے وقت چومنے کی کوئی فضیلت آئی ہے اور چومنے کی اجازت اس شرط پر دیتے ہیں کہ!

(۱) سنیت کا اعتقاد نہ ہو۔

(۲) اس کے بارے میں جو حدیث ہے، اس کو صحیح نہ سمجھے۔

(۳) نہ چومنے والے کو برا نہ جانے وغیرہ۔

یہ ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب کے نزدیک مسئلہ کی حقیقت! جس کو سنی وہابی بلکہ کفر واسلام کی علامت ونشانی بتایا گیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو اک قطرہ خوں نہ نکلا

فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۱/۵۸-۶۳) ☆

☆ اذان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنتے وقت انگوٹھا چومنا:

سوال: جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا جائے اس وقت ہم دل سے درود شریف پڑھتے ہیں لیکن انگوٹھا نہیں چومتے۔ اس لئے بہت سے برادران اسلام وہابی کہتے ہیں۔ اور ایک دوست نے ”ھدیۃ الحرمین“ نامی گجراتی کتابچہ دیا ہے، اس میں ہے کہ جب اسم مبارک کا ذکر آوے، تو انگوٹھا چومنا چاہئے۔ اس کتاب کے حوالے یہ ہیں:

(۱) مسند الفردوس میں حضرت ابوبکر صدیق سے حدیث ہے کہ اذان میں ”أشھد أن محمدًا رسول اللّٰہ“ سنا، تو ہم نے شہادت کی دونوں انگلیوں کے پوروے چومے اور آنکھوں سے لگائے۔

(۲) ”کتاب معارج النبوۃ“ اور ”فتاویٰ جواہر“ میں بھی حضرت آدم علیہ السلام نے بوسہ دیا وغیرہ لکھا ہے۔ ==

==(۳) حضرت امام حسنؓ کی روایت ہے کہ جو آدمی اذان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سنکر دونوں ابہام کو بوسہ دیکر آنکھوں پر رکھے گا تو وہ اندھا نہ ہوگا اور اس کی آنکھیں کبھی درد نہ کریں گی۔ (نورالعینین)

علاوہ ازیں دیگر حوالجات کتب لکھے تھے مگر آپ واقف ہوں گے۔لہذا حوالے نہیں لکھے ہیں۔خلاصہ فرمائیں؟

الجواب

آپ ٹھیک کرتے ہو، سنت طریقہ یہی ہے۔آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک سنکر یا لیکر درود شریف پڑھنے کی فضلیت اور تاکید احادیث صحیحہ میں آئی ہے۔مشکوۃ میں ہے، آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

’’**البخیل الذی من ذکرت عنده فلم یصل علیّ**‘‘.(۸۷)(سنن الترمذی،باب: ۱۰۱ (ح:۳۵٤٦)/السنن الکبریٰ للنسائی،من البخیل (ح: ۹۸۰۲)/عمل الیوم واللیلة للنسائی،من البخیل (ح:۵۷)/شعب الإیمان،تعظیم النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم (ح:۱٤٦۵)/مشیخة قاضی المارستان،أبو الغنائم محمدبن أبی عثمان الدقاق (ح:٤۱۹)انیس))

حقیقت میں بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

اور فرمایا:

’’**رغم أنف رجل ذکرت عنده فلم یصل علیّ**.(۸٦)(مسندالإمام أحمد،مسندأبی هریرة (ح: ۷٤۵۱)/سنن الترمذی ،باب:۱۰۱ (ح:۳۵٤۵)انیس)

ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے میرا تذکرہ ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

نوٹ:　ایک ہی مجلس میں کئی مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لیا یا سنا جائے تو اس کے بارے میں فتویٰ یہ ہے کہ ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے، پھر بعدہ مستحب ہے۔مگر تقبیل ابہام کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔یہ بدعتیوں کی ایجاد ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

’’**من عمل عملا لیس علیه أمرنا فهورد**‘‘.(الصحیح لمسلم :۷۷/۲رقم الحدیث: ۱۷۱۸)

جوکوئی ایسا کام کرے جس کے متعلق ہمارا فرمان نہیں ہے تو وہ کام مردود ہے۔

عن نافع أن رجلاً عطس إلیٰ جنب ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما. فقال:’’الحمد للّٰہ والسلام علیٰ رسول اللّٰہ‘‘. فقال ابن عمر. رضی اللّٰہ عنهما: وأنا أقول’’الحمد للّٰہ والسلام علیٰ رسول اللّٰہ‘‘ولیس هکذا علمنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم،علمنا أن نقول:’’ الحمد للّٰہ علیٰ کل حال‘‘.(سنن الترمذی: ۱۵۳/۲، رقم الحدیث: ۲۷۳۸،باب مایقول العاطش إذا عطس)

حضرت ابن عمر کے سامنے ایک آدمی نے چھینک کر **الحمد للّٰہ** کے ساتھ **والسلام علیٰ رسول اللّٰہ** کی زیادتی کی، تو ابن عمر نے اس زیادتی کو ناپسند کرتے ہوئے فرمایا کہ میں بھی الحمدللہ والسلام علی رسول اللہ کہتا ہوں؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایسی تعلیم نہیں دی، ہم کو چھینک پر ’’ **الحمد للّٰہ علیٰ کل حال**‘‘ سکھلایا ہے۔　==

== صرف اذان کے وقت جب مؤذن "أشهد أن محمدًا رسول الله" بار دیگر کہے، تو دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کے ناخن کو آنکھ پر رکھنے کے متعلق بعض عالموں نے لکھا ہے، مگر اول تو ایسی روایتوں کے حوالہ سے لکھا ہے، جو ضعیف ہیں، جن سے استدلال درست نہیں۔ اس کے علاوہ بطور عبادت نہیں، بلکہ اس کو آنکھ کے مرض کا علاج بتایا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص تعظیم کے طور پر نہیں۔ (مقاصد حسنہ) (المقاصد الحسنة للسخاوی، حرف المیم: ٦٠٦/١. انیس)

اب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص تعظیم اور دین اور سنت مقصودہ سمجھ کر کرتے ہیں اور نہ کرنے والے کو وہابی سے طعن کیا کرتے ہیں؛ لہٰذا یہ بھی مکروہ ومنع ہے۔ اعتصام میں ہے:

" ثم اقتحمت الصحابة ترک السنة حذرًا من أن یضع الناس الأمر علٰی غیر وجهه فیعتقدونها فریضة (إلٰی) والرابع من باب الذرائع وهو أن یکون العمل فی أصله معروفًا إلا أنه یتبدل الاعتقاد فیه مع طول العهد بالذکری". (٤٩١/٢) (الاعتصام للشاطبی، فصل ماجاء فی الأحادیث فی ذم البدع وأهلها: ٩٩/١. ت: الهلالی، انیس)

خلاصہ یہ ہے کہ بعض عمل فی نفسہ جائز بلکہ مستحب ہوتے ہیں، مگر اس کی حیثیت بدل جانے یا بدل جانے کے اندیشہ کی وجہ سے وہ قابل ترک ہوتا ہے۔

دیکھئے! امور خیر کو جانب یمین سے شروع کرنا مستحب ہے۔ مگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں اس کا کافی اہتمام دیکھ کر واجب سمجھ لینے کے ڈر سے مکروہ ہونے کا حکم لگایا۔

قال ابن المنیر: فیه أن المندوبات قد تنقلب مکروهات إذا رفعت عن رتبتها لأن التیامن مستحب فی کل شیء أی من أمور العبارة لکن لما خشی ابن مسعود أن یعتقدوا وجوبه أشار إلٰی کراهته". والله أعلم (فتح الباری شرح البخاری: ٢٨١/٢)

" وکل مباح أدی إلٰی هذا فهو مکروه حتی أفتٰی بعض الفقهاء حین شاع صوم أیام البیض فی زمانه بکراهته لئلا یؤدی إلی اعتقاد الواجب مع أن صوم أیام البیض مستحب". (مجالس الأبرار: ٢٩٩، م: ٥٠)

اور جو امر مباح اس حد تک پہنچ جائے کہ لوگ اس کو ضروری اور واجب کے درجہ میں سمجھنے لگیں (اور نہ کرنے والوں پر طعن کرنے لگیں) وہ مکروہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ بعض فقہا نے جب ان کے زمانے میں ایام بیض کے روزوں کا زیادہ اہتمام ہونے لگا تو اس کے مکروہ ہونے کا فتویٰ دیا تاکہ واجب اعتقاد کر لینے تک نوبت نہ پہنچ جائے باوجودیکہ ایام بیض کے روزے مستحب ہیں۔

فقہ کا متفقہ اور مسلمہ قانون ہے کہ مستحب کو اس کے درجہ سے بڑھا دیا جائے تو وہ مکروہ ہو جاتا ہے۔

"واستنبط منه: أن المندوب ربما ینقلب مکروهاً إذا خیف أن یرفع عن رتبته". (مجمع البحار: ٢٤٤/٢)

اگر کسی کی نیت واعتقاد غلط نہ ہو، پھر بھی دوسروں کے عقیدہ کو فساد کے خوف سے اور اہل بدعت کی مشابہت کی وجہ سے منع کیا جائے گا کیونکہ یہ تو بدعتیوں کا ایک شعار بن گیا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مهما صارت السنة شعارًا لأهل البدعة قلنا یترکها خوفاً عن التشبه بهم". (إحیاء العلوم: ٢٧٠/٢)

جب کوئی سنت بدعتیوں کا امتیازی شعار بن جائے تو ہم ان کے مشابہہ بن جانے کے خوف سے اس کے ترک کرنے کا حکم دیں گے۔ ==

== آپ نے جو احادیث لکھی ہیں، ان کے متعلق میں کچھ ذکر کروں بجائے اس کے مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی تحقیق اور خلاصہ پیش کر دینا بہتر ہے، وہ آپ اور آپ کے دوست احباب کے لئے زیادہ اطمینان بخش ہوگا۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا فتویٰ:

مسئلہ: (السوال) اکثر مخلوق خدا کا یہ طریق ہے کہ وقت اذان اور وقت فاتحہ خوانی یعنی پنچایت پڑھنے کے وقت انگوٹھے چومتے ہیں اور علما بھی درست بتلاتے ہیں اور حدیث شریف سے ثابت کرتے ہیں، آیا یہ قول درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چومنا آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں۔ جو کچھ اس میں روایات کیا جاتا ہے، کلام سے خالی نہیں۔ پس جو اس کے لئے ایسا ثبوت مانے یا اسے مسنون ومؤکد جانے یا نفس ترک کو باعث زجر وملامت کہے، وہ بیشک غلطی پر ہے۔ ہاں بعض احادیث ضعیفہ مجروحہ میں تقبیل وارد ہے۔

أخرجه الديلمي في مسند الفردوس وأورده الإمام السخاوي في المقاصد الحسنة والعلامة خيرالدين الرملي في حواشي البحرالرائق وذكره العلامة الجراحي فأطال ثم قال: ولم يصح في المرفوع من هذا شيء كما اثره المحقق الشامي في رد المحتار. (باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة، تتمة: ١/٣٩٨، انيس)

اور بعض کتب فقہ میں مثل جامع الرموز شرح نقایہ وفتاویٰ صوفیہ وکنز العباد وشامی حاشیہ درمختار کے! اکثر ان میں مستندات علماء طائفہ اسماعلیہ سے ہیں۔ وضع ابہامین کو مستحب بھی لکھ دیا۔

فاضل قہستانی شرح مختصر وقایہ میں لکھتے ہیں:

واعلم أنه يستحب أن يقال عند سماع الأولى من الشهادة "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" وعند سماع الثانية منها "قُرَّتُ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" ثم قال "اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ" بعد وضع ظفري الإبهامين على العينين فإنه صلى اللّٰه عليه وسلم يكون قائدًا له إلى الجنة كما في كنز العباد انتهٰى. (جامع الرموز، كتاب الصلاة، فصل الأذان: ٧٠، ط: مظهر العجائب كلكته. انيس)

ردالمحتار حاشیہ درمختار میں اسے نقل کر کے فرماتے ہیں:

"ونحوه في الفتاوىٰ الصوفية". (رد المحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة، تتمة: ١/٣٩٨، انيس)

پس حق اس میں اس قدر کہ جو کوئی بامید زیادت روشنی بصر مثلاً از قبیل اعمال مشائخ جان کر یا بتوقع فضل ان کتب پر لحاظ اور ترغیب وارد پر نظر رکھ کر بے اعتقاد سنیت فعل وصحت حدیث وشناعت ترک اسے عمل میں لائے اس پر نظر اپنے نفس فعل واعتقاد کے! خیر کچھ مواخذہ بھی نہیں کہ فعل پر حدیث صحیح نہ ہونا اس فعل سے نہی ومنع کو مستلزم نہیں۔ (ابر المقال فی استحسان الاجلال: ١٠-١٢)

مذکور فتویٰ کا خلاصہ:

مولوی احمد رضا خاں صاحب کے نزدیک اذان کے علاوہ فاتحہ خوانی وغیرہ مواقع پر تقبیل ابہامین کا کسی کتاب سے ثبوت نہیں ہے، لہٰذا وہ مانتے ہیں کہ نہ چومنا ہی زیادہ مناسب ہے۔ ==

اذان میں انگوٹھے چومنے کا مسئلہ:

سوال: اذان کے دوران جب مؤذن ’’أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه‘‘ پڑھے، تو سننے والوں کے لئے اس وقت انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟

الجواب

صرف اذان کے وقت جب اذان ہو رہی ہو تو ’’أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه‘‘ کے سننے پر شفاء عینین کے حصول کے لئے بغیر نیت ثواب اور سنت، واجب سمجھنے کے انگوٹھے چومنا جائز ہے، اگرچہ بعض نے مستحب لکھا ہے، لیکن یاد رہے کہ یہ عمل صرف اذان کے ساتھ خاص ہے، دیگر مقامات میں نہیں۔

قال العلامة ابن عابدين تحت (قوله: ويدعوا، الخ... (تتمة):

يستحب أن يقال عند سماع الأولى من الشهادة، ’’صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ‘‘، وعند الثانية منها، ’’قَرَّتْ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ‘‘ ثم يقول ’’اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ‘‘ بعد وضع ظفري الإبهامين على العينين فإنه عليه السلام يكون قائدًا له إلى الجنة. (رد المحتار: ٣٩٨/١، باب الأذان)(١)

(فتاویٰ حقانیہ: ٦٢/٣)

اذان کے وقت انگوٹھے چومنا روایت صحیحہ سے ثابت نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اکثر لوگ ’’أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه‘‘ کو اذان کے دوران سننے پر اپنے انگوٹھے چومتے ہیں اور آنکھوں پر لگاتے ہیں، یہ کام بعض لوگ سنت

== اذان کے وقت بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں مانتے اور چومنے کو مسنون اور حدیث کو صحیح کہنے والے کو اور سمجھنے والے کو نیز نہ چومنے والے کو برا ماننے والے کو غلطی پر سمجھتے اور مانتے ہیں۔ اذان کے وقت چومنے کی احادیث کو ضعیف اور مجروح مانتے ہیں اور شرائط ذیل سے چومنے کی اجازت دیتے ہیں۔

(١) مسنون کا عقیدہ نہ رکھے۔　(٢) اس کے متعلق جو حدیث وارد ہے اس کو صحیح نہ سمجھے۔

(٣) نہ چومنے کو برا نہ جانے۔

یہ ہے مسئلہ کی سچی حقیقت، جس کو سنی وہابی بلکہ اسلام و کفر کی علامت بنا لی گئی ہے۔ افسوس صد افسوس۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا　　جو چیرا تو اک قطرہ خوں نہ نکلا

فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ٣٠٣/٢-٣٠٨)

(١) قال العلامة الشيخ السيد أحمد الطحطاوي: يستحب أن يقول عند سماع الأولى من الشهادتين للنبي صلى اللّٰه عليه وسلم ’’صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ‘‘، وعند سماع الثانية ’’قَرَّتْ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ‘‘، ’’اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ‘‘ بعد وضع إبهاميه على عينيه. (الطحطاوي حاشية مراقي الفلاح: ٦٥، باب الأذان)

سمجھتے ہیں اور استدلال میں روایات ذکر کرتے ہیں جن کو مظاہر حق والے نے روایت کیا ہے، حالانکہ یہ خلاف سنت رسم ہے، اس کو چھوڑ دینا چاہیئے اور جس حدیث کا حوالہ دیا جاتا ہے، اس کو علامہ ابن طاہر نے تذکرہ میں کہا ہے کہ وہ صحیح نہیں۔(فوائد المجموعة فی الأحادیث الموضوعة، ص: ۵، مؤلفة علامة شوکانی)

الغرض یہ کام کرنا کیسا ہے؟ سنت یا خلاف سنت یا بدعت؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مولانا رحیم اللہ اضاخیل، نوشہرہ......۱۷/ جولائی ۱۹۷۵ء)

الجواب

یہ مخصوص تقبیل اگرچہ علاجاً جائز ہے، لیکن ثواب کی نیت سے کرنا بدعت ہے اور چونکہ موجودہ وقت میں عوام اس کو ثواب کی نیت سے کرتے ہیں، لہٰذا فتویٰ نہ کرنے کا دیا جائے گا۔

"لأن حديث الصديق لايصح رفعه. (كما فى المصنوع فى أحاديث الموضوع، ص: ٢٥، والفوائد المجموعة، ص: ٩)

وعدم صحة الرفع لايستلزم صحة الموقوف بل لا بد من المراجعة إلى الإسناد وكذا ما نقل عن الخضر عليه السلام ليس بحجة وفى سنده مجاهيل مع الانقطاع. (بوادر، ص: ٤٠٩)(١)

وما فى كنز العباد وغيره من كتب الفقه فبناء علىٰ تلك الروايات دون النقل عن الأئمة. (٢)

فافهم وتدبر. (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۱۸۶-۱۸۷)

(١) قال الشيخ أشرف على التهانوى: قلت أورد صاحب المقاصد فى الباب عدة أقسام من الروايات المرفوع من حديث أبى بكر الصديق عن الديلمى ثم قال: لا يصح ، وقال أيضاً ولايصح فى المرفوع من كل هذا شيء والمنقول عن الخضر عليه السلام عن كتاب موجبات الرحمة وعزائم المغفرة لأبى العباس أحمد بن أبى بكر الرداد اليمانى المتصوف بسند فيه مجاهيل مع انقطاعه (فلم يصح)والموقوف على الحسن عن الفقيه محمد بن سعيد الخولانى بسنده والمنقول عن المشائخ كمحمد بن البابا والمجد أحد القدماء من المصريين وبعض شيوخ العراق أوالعجم و ابن صالح ومحمد بن أبى نصر البخارى أقوالهم وورد فى فضله فى الأول فقد حلت عليه شفاعتى وفى سائرها حفظ العين عن الرمد والعمى ودم الألم عنها ملخص ما فى المقاصد أما حكم هذا الفعل فظاهروهوأنه إن فعل باعتقاد الثواب الذى لم يثبت دليله كان بدعة وزيادة فى الدين وأكثرمن يفعله فى زماننا اعتقادهم كذلك فلاشك فى كونه بدعة وإن فعل بنية الصحة البدنية فهونوع من الطب فيجوزفى نفسه لكن لوأقضىٰ إلىٰ إيهام القربة كما هوالمظنون من العوام فى هذا الزمان يمنع منه مطلقاً.(بوادرالنوادر، ص: ٤٠٨-٤٠٩، چونتيسواں نادره درمسح عينين بالأنامل عند الأذان)

(٢) وفى منهاج السنن: وأما تقبيل ظفرالإبهامين فقد ذكرفى جامع الرموزوكنزالعباد والفتاوىٰ الصوفية أن يقول عند السماع الأولى من شهادتى الرسالة : "صلى الله تعالىٰ عليك يا رسول الله" ==

اذان میں ''انگوٹھا چومنے'' کے متعلق مفصل گفتگو:

سوال: علمائے دیوبند مفتیان کرام سے درخواست ہے کہ درمیان ''تقبیل ابہامین عندالاذان'' پر جوفتویٰ علماء مدارس کا پیش خدمت ہے، اس کے جواز پر محققانہ جواب ارسال کریں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اولاً تو کسی حدیث کا اصطلاح محدثین کے مطابق صحیح نہ ہونا دوسری چیز ہے اور کسی حدیث کا ثبوت صحیح نہ ہونا دوسری چیز ہے، دونوں میں خلط کرنا بڑا مغالطہ یا بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ ثبوت صحیح نہ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کا وجود کسی درجہ میں بھی نہیں ہے، نہ تو درجۂ حسان میں نہ درجۂ صحاح میں، غرض بالکل غیر معتبر ہے، اور کسی درجہ میں بھی دین شمار کرنا ''من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد''(۱) میں داخل ہوگا، بدعت ہوگا۔

علامہ شامیؒ نے طویل کلام کر کے جو تحقیق نقل فرمائی ہے کہ!

''ولم يصح فی المرفوع من كل هذا شیء''. (ردالمحتار: ۱/ ۳۷۰، باب الأذان، مطلب فی كراهة تكرار الجماعة)

اس کا مفہوم یہی ہے کہ اس کا ثبوت صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو سنت یا مستحب شرعی وغیرہ کا درجہ دینا صحیح نہ ہوگا۔

دوئمش جتنی اور عبارات جواب استفتا میں پیش ہیں، ان سب کا حاصل یہ ہے کہ یہ عمل آشوب چشم میں مفید ہے اور اس پر بعض مشائخ کا تجربہ بھی ہے، اس کا درجہ بیش از بیش اباحت کا ثبوت ہوسکتا ہے اور فی زماننا لوگ اس کو سنت اور مستحب بلکہ واجب کا درجہ دیکر اور واجب جیسا ضروری کام سمجھ کر بھی کرتے ہیں اور نہ کرنیوالوں کو برا بھلا کہتے ہیں، ان

== وعند الثانية منها: '' قرت عينی بک يارسول اللّٰه'' ويقول: '' اللّٰهم متعنی بالسمع والبصر'' بعد وضع ظفری الإبهامين علی العينين فمن فعله كان رسول اللّٰه قائده إلی الجنة. وفی كتاب الفردوس: من قبل ظفری إبهاميه عند سماع أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه فی الأذان أنا قائده و مدخله فی الجنة''. انتهٰی. قالوا لم يصح فی المرفوع فی هذا شیء نعم وردذلک فی أحاديث مرفوعة ضعيفة، فإن قيل الحديث الضعيف يكفی فی الفضائل قلنا: إنهم اشترطوا فی العمل بالضعيف شروطاً منها ما ذكره السيوطی والرملی أن لايعتقد سنية ذلک الفعل الثابت بالحديث الضعيف بل يعتقد الاحتياط.

وفی السعاية: فعلی هذا لوقبل الظفراحتياطاً أحياناً فلا بأس وإن التزمه واعتقده ضرورياً يشبه أن يكون مكروهاً فرب شیء مندوب مباح يكون بالتخصيص والالتزام مكروهاً انتهٰی قلت: وورد فی بعض الروايات فی فضل التقبيل أنه لا يصيبه الرمد والعمی كما فی المقاصد الحسنة للسخاوی، فعلی هذا لوقبل للصحة البدنية فلا بأس ولوقبل رجاء للثواب فلا خيرفيه ويكون بدعة لعدم ثبوت هذه الروايات عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم، نعم يختص هذا بالأذان. (منهاج السنن شرح جامع السنن، باب ما يقول إذا أذن المؤذن: ۲/ ۸۷)

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور (ح: ۱۷۱۸) انيس

پر طعن و تشنیع تک کرنے لگتے ہیں، جس کا حاصل غیر واجب کو واجب قرار دینا ہے اور قاعدۂ شرعیہ یہ ہے کہ جب کسی امر مباح کے ساتھ لوگ واجب جیسا معاملہ کرنے لگتے ہیں، تو اس کا ترک واجب ہو جاتا ہے اور اس پر اصرار والتزام بدعت قرار دیا جاتا ہے۔ کما یؤخذ من هذه الروايات.

وعن عبد اللّٰه بن مسعود:" ألا لايجعل أحدكم للشيطان شيئاً من صلوٰته يرى أن عليه حقاً أن لاينصرف إلا عن يمينه ، لقد رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كثيرًا ينصرف عن يساره". (مشكوة المصابيح،باب الدعاء فى التشهد،رقم الحديث:٩٤٦)(١)

في المرقاة عن الطيبي:

"من أصر علٰى أمر مندوب وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الاحتمال". (مرقاة المفاتيح شرح المشكوٰة:٧٥٥/٢،باب الدعاء فى التشهد)(٢)

اس لیے اس عمل میں شرعاً اس سے زیادہ گنجائش کسی طرح نہیں نکل سکتی کہ اگر کسی کی آنکھ میں آشوب ہو اور وہ یہ عمل کرے، تو اس پر نکیر نہ کی جاوے اور اسی طرح جو نہ کرے، اس پر بھی کوئی نکیر نہیں۔ نیز اس عمل کو سنت یا مستحب یا واجب کا درجہ ہرگز نہ دیا جاوے؛ ورنہ بدعت ہوکر کرنا ناجائز شمار ہوگا اور عند اللہ والرسول احداث فی الدین شمار ہوکر "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد" کا ایک فرد شمار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ١٠/٦/ ١٣٨٧ھ/ الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ٩٧-٩٩) ☆

---

(١) أخرجه البخاري في باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال (ح: ٨٥٢)/مسلم في صلاة المسافرين وقصرها،باب جواز الانصراف من الصلاة (ح:٧٠٧)/وابن حبان في ذكر الإباحة أن يكون انصرافه (ح:١٩٩٧)/ والإمام أحمد،في مسند عبداللّٰه بن مسعود (ح: ٣٦٣١)/وكذا الشاشي في المسند،ما روى الأسود بن يزيد أبو عمرو النخعي عنه (ح:٤١٨)/الطبراني في المعجم الكبير (ح:١٠١٦٢)انيس

(٢) كذا في شرح المشكوٰة للطيبي الكاشف عن حقائق السنن،باب الدعاء في التشهد:١٠٥١/٣. انيس

☆ کتاب "جامع رموز" میں انگشت بوسی کے مسئلہ کی وضاحت:

سوال: انگشت چومنے والا کہتا ہے کہ کتاب "جامع رموز" میں انگشت چومنے کا حکم بتاتے ہوئے جائز لکھا ہے، تو یہ کتاب کیسی ہے، اس کا حکم کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

اس عمل کو بعض مشائخ نے آشوب چشم کا علاج بتایا ہے، اسی سے بعض کو دھوکہ لگ گیا ہے، سخاویؒ نے اس پر اچھی بحث کی ہے، سوائے قرآن پاک وحدیث کے اور کسی کتاب کی سب باتیں صحیح ہونا لازم نہیں ہے، جب تک دلائل شرعیہ سے اس کا صحیح ہونا ثابت نہ ہو، دلیل نہیں بنا سکتے۔ ==

''محمد رسول اللّٰہ'' پر، ''صلی اللّٰہ'' الخ، کہنا کیسا ہے:

سوال: اذان وتکبیر میں جب لفظ '' محمد رسول اللّٰہ '' آتا ہے تو اذان کا کہنے والا ٹھہر کر ''صلی اللّٰہ علیہ وسلم'' کہتا ہے۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

ایسا کہنا اذان میں ثابت نہیں ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۹۴)

== اسی درجہ کی ''جامع رموز'' بھی ہے، اس کے بعض مسائل ضعیف ہیں۔(وفی شرح الأشباہ لشیخنا المحقق ہبة اللّٰہ البعلی قال شیخنا العلامة صالح الجنینی: إنہ لایجوز الإفتاء من الکتب المختصرة کالنہر وشرح الکنز للعینی والدرالمختارشرح تنویر الأبصار، أو لعدم الاطلاع علی حال مؤلفیہا کشرح الکنزلمنلا مسکین،وشرح النقایة للقہستانی.(ردالمحتار، مقدمة ، تتمة ، مطلب فی طبقات المسائل وکتب ظاہرالروایة : ۷۰/۱.دارالفکربیروت.انیس)

ومنہا عدم الاطلاع عل حال مؤلفہ ہل کان فقیہاً معتمداً أم کان جامعاً بین الغث والسمین و إن عرف اسمہ واشتہر رسمہ کجامع الرموز للقہستانی، فإنہ وإن تداولہ الناس لکنہ لما لم یعرف حالہ أنزل من درجة الکتب المعتمدة إلی حیزالکتب غیرالمعتبرة. (المدخل إلی دراسة المذاہب الفقہیة،کتب الحنفیة غیر المعتبرة : ۱۳۱/۱. انیس) فقط واللّٰہ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔۱۳۸۷/۹/۸ھ الجواب صحیح: محمود عفی عنہ ۱۳۸۷/۹/۹ھ۔
الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔(نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول:۹۹)

(۱) عبداللّٰہ بن زید بن عبدربہ کی حدیث میں اور دوسری کسی حدیث میں ''صلی اللّٰہ علیہ وسلم'' کا لفظ مذکور نہیں ہے۔عبداللّٰہ بن زید کی حدیث میں ہے:

تقول: اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر، أشہد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ، أشہد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ، أشہد أن محمدًا رسول اللّٰہ، أشہد أن محمدًا رسول اللّٰہ، الخ.(فتح القدیر، باب الأذان: ۲۱۱/۱)

پھر ''شرح المہذب للشافعیة'' میں صراحت ہے:

والزیادة فی الأذان مکروہة.(البحرالرائق، باب الأذان: ۲۷۵/۱، ظفیر)

یکرہ أن یقال فی الأذان ''حی علی خیرالعمل'' لأنہ لم یثبت عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وروی عن البیہقی فیہ شیئًا موقوفاً علی ابن عمر وعلی بن الحسین رضی اللّٰہ عنہم، قال البیہقی: لم تثبت ہذہ اللفظة عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، فنحن نکرہ الزیادة فی الأذان، واللّٰہ أعلم.(المجموع شرح المہذب، باب الأذان: ۹۸/۳)

... فأکرہ الزیادة فی الأذان، وأکرہ التثویب بعدہ.(کتاب الأم ، باب حکایة الأذان: ۱۰٤/۱.انیس)

کتب مالکیہ میں ہے:

ثم ذکر أنہ قیل: إن التثویب ہو قول المؤذن: حی علی خیرالعمل، لأنہا کلمة زادہا من خالف السنة من الشیعة.(مواہب الجلیل شرح مختصرخلیل، فرع التثویب بین الأذان والإقامة فی الفجر: ٤۳۲/۱.انیس)

اذان میں ''محمد رسول اللّٰہ'' پر درود پڑھنا کیسا ہے:

سوال: اذان کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اذان میں جب نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سنے؛ درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ پس جس وقت مؤذن سے کلمۂ ''أ شهد أن محمد ا رسول اللّٰه'' سُنے خود بھی یہ کلمہ کہہ کر ''صلى اللّٰه عليه وسلم'' کہے۔(١)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:٢/١٢١)

اذان میں درود شریف، شہادت رسالت کے بعد پڑھنا:

سوال: اذان واقامت میں جب لفظ '' أشهد أن محمدًا رسو ل اللّٰه'' سنے تو درود شریف سامع پر واجب ہوگا یا مستحب؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اذان واقامت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ درود شریف نہ منقول ہے اور نہ معمول، بلکہ اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم بھی وہی کلمات کہو جو مؤذن کہتا ہے۔ پھر اذان کے بعد پہلے درود شریف پڑھو، پھر دعا۔

عن عبد اللّٰه بن عمروبن العاص رضى اللّٰه تعالىٰ عنه أنه سمع النبى صلى اللّٰه عليه وسلم يقول:'' إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا عليّ فإنه من صلى عليّ صلوٰة صلى اللّٰه

(١) اذان میں تو ''أ شهد أن محمدًا رسول اللّٰه'' کے جواب میں ''أ شهد أن محمدًا رسول اللّٰه'' کی صراحت ہے۔ مسلم کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إذا قال المؤذن ''اللّٰه أكبر ،اللّٰه أكبر ''فقال أحدكم:''اللّٰه أكبر ،اللّٰه أكبر ''ثم قال:''أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه'' قال: ''أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه''،ثم قال'' أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه''، قال:''أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه''.(الصحيح لمسلم،باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه،عن عمربن الخطاب (ح: ٣٨٥)/سنن أبى داؤد،باب مايقول إذا سمع المؤذن (ح:٥٢٧)/السنن الكبرىٰ للنسائى،مايقول إذا قال المؤذن حى على الصلاة (ح:٩٧٨٥)

البتہ اذان کے ختم پر درود پڑھنے کا حکم ہے۔ارشاد نبوی ہے:

''إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول، ثم صلوا عليّ فإنه من صلّى عليّ صلوٰة صلّى اللّٰه عليه بها عشرًا''..(الصحيح لمسلم،باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه (ح: ٣٨٤) واللّٰه أعلم.ظفير)

علیـه بها عشرًا ثم سلوا اللّٰه لی الوسیلة فإنه منزلة فی الجنة لاتنبغی إلا لعبد من عباد اللّٰه وأرجو أن أکون أنا هوفمن سأل لی الوسیلة حلت علیه الشفاعة".(الصحیح لمسلم: ١٦٦/١ (ح: ٣٨٤)

وأما ما قیل من أنه یستحب أن یقول عند سماع الأولیٰ من الشهادتین "صلی اللّٰه علیک یا رسول اللّٰـه" الخ، فلم یصح فی المرفوع من کل هذا شیء. کذا فی الشامیة معزیًا إلی الجراحی.(رد المحتار، باب الأذان: ٣٧٠/١، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة، تتمة) فقط

١٤/ جمادی الآخرہ ١٣٩٣ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ٢٧٨/٢-٢٧٩) ☆

کلمۂ شہادت کے بعد آہستہ درود پڑھنا:

سوال: ایک شخص اذان دیتا ہے اور "أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه" کہنے کے بعد ہی آہستہ (صلی اللّٰه علیه وسلم) درود پڑھتا ہے، تو اذان کے دوران اس جگہ درود پڑھنا درست ہے یا نہیں اور اگر درست نہیں ہے تو وضاحت بھی بتادیجئے؟ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ "جو شخص میرا نام آنے پر درود نہ پڑھے، اس پر لعنت ہے"، یہ مؤذن کا قول ہے۔

☆ **اذان میں شہادتین پر درود کا معمول بنالینا:**

سوال: ایک شخص اذان دیتا ہے اور اذان کا یہ کلمہ "أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه" کے بعد معمول کے مطابق وقف کرتا ہے اور اس وقفہ کے دوران صلعم آواز سے ادا کرتا ہے کہ بذریعہ لاؤڈ اسپیکر کم از کم دوسو قدم تک لوگوں کو سنائی دیتا ہے تو کیا مؤذن کا یہ طرز عمل اور مستقلاً اس کو معمول بنالینا شرعاً درست ہے؟

هــو المصــوب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مؤذنین یعنی حضرت بلال، عبداللہ بن ام مکتوم، حضرت سعد اور ابومحذورہ رضی اللہ عنہم سے اذان دینے کا جو طریقہ منقول ہے، اس میں اس طرح کا کوئی عمل نہیں پایا جاتا ہے، حالانکہ سب صحابی ہیں۔ ان کی اذان کے کلمات حرف بہ حرف صحیح روایتوں میں ہیں۔ کسی سے اذان کے درمیان صلعم بآواز بلند ثابت نہیں ہے۔ (الصحیح لمسلم، کتاب الصلاة، باب صفة الأذان، رقم الحدیث: ٣٧٩/ سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب کیف الأذان، رقم الحدیث: ٤٩٥)

درود شریف کا ثبوت اذان کے بعد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول، ثم صلوا علیّ فإنه من صلّی علیّ صلٰوة صلّی اللّٰه علیه بها عشرًا، الخ. (الصحیح لمسلم، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه (ح: ٣٨٤) انیس)

تحریر: ساجد علی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ٣٧٤/١)

ھـــو المـصــو بــــــــــــــــــــــــــــــــ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن؛ حضرت بلال یا سعد قرظی وعبد اللہ بن ام مکتوم وغیرہ رضی اللہ عنہم سے؛ اس موقع پر صلی اللہ علیہ وسلم کہنا ثابت نہیں ہے۔(۱)

درود شریف نہ پڑھنے پر لعنت اذان کے علاوہ موقع پر ہے۔

تحریر: مسعود حسن حسنی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۱۷۳-۳۷۲)

☆☆☆

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب الصلاۃ، باب صفة الأذان، رقم الحدیث: ۳۷۹/سنن أبی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب کیف الأذان، رقم الحدیث: ٤٩٥)

عن عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص أنه سمع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول: إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول، ثم صلوا علیّ فإنه من صلّٰی علیّ صلٰوۃ صلّی اللّٰہ علیه بها عشرًا، الخ. (الصحیح لمسلم، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه (ح: ۳۸٤)

مذکورہ حدیث سے بھی واضح ہوتا ہے کہ درمیان اذان درود شریف پڑھنے کا عمل قرون اولیٰ سے ثابت نہیں ہے۔ انیس

حیعلتین کے مسائل

"حی علی الفلاح" میں آواز زیادہ نہیں کھینچنی چاہئے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ "حی علی الفلاح" میں "الفلاح" لفظ جو ہے؛ اس میں سانس طویل کر کے کھینچنا، ایک مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ آواز نہیں کھینچنی چاہئے۔ کیا مولانا صاحب کا قول درست ہے؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: مثل زادہ ترلاندی ضلع صوابی......١٢/٥/١٩٦٩ء۔)

الجواب

یہاں مد موجود نہیں ہے، لہٰذا زیادہ کھینچنا نہیں چاہئے۔(١) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ٢/١٧٤)

اذان میں سینہ پھیرنے کی ممانعت:

سوال: ایک شخص اذان میں اپنے سینہ کو دائیں بائیں پھیرتا تھا، میں نے اس کو منع کیا کہ اس طرح سینہ پھیرنا منع ہے، یہ صحیح ہے یا نہ؟

الجواب

یہ صحیح ہے کہ اذان میں حیعلتین میں صرف منھ کو دائیں بائیں متوجہ کیا جاوے، سینہ قبلہ کی طرف رہے۔(٢) فقط

(فتاویٰ دار العلوم: ٢/١٠٧)

---

(١) قال العلامة الحصكفي: ومنها القراء ة بالإلحان إن غير المعنى وإلا لا إلا في حرف مد ولين ... فلوفي إعراب أوتخفيف مشدد وعكسه أوبزيادة حرف فأكثر. (الدر المختار، باب ما يفسد الصلاة، مطلب مسائل زلة القارى: ٤٦٦/١)

(٢) و يستقبل بهما (أي الأذان والإقامة) القبلة ولوترك الاستقبال جازويكره، كذا في الهداية، وإذا انتهٰى إلى الصلوٰة والفلاح حوّل وجهه يميناً وشمالاً وقدماه مكانهما. (الفتاویٰ الهندية، ط: كشورى، باب الأذان: ٥٤/١، ظفير)

عن عون بن أبي جحيفة عن أبيه قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم بمكة وهوفي قبة حمراء من أدم فخرج بلال فأذن فكنت أتتبع فمه هاهنا وهاهنا، فقال: ثم خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليه حلة حمراء برود يمانية قطري - قال موسىٰ - قال: رأيت بلالاً خرج إلى الإبطح فأذن، فلمابلغ حي على الصلاة، حي على الفلاح، لوى عنقه يميناً وشمالاً ولم يستدرثم دخل فأخرج العنزة، وساق حديثه. (سنن أبي داؤد، باب في المؤذن يستديرفي أذانه (ح: ٥٢٠)/ السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب الالتواء في حي على الصلاة، حي على الفلاح (ح: ١٨٥٢)/ شرح السنة للبغوي، باب الالتواء في الأذان (ح: ٤٠٩) وفي رواية النسائي، في باب كيف يصنع المؤذن في أذانه (ح: ٦٤٣) بلفظ: ...فجعل يقول في أذانه هكذا ينحرف يميناً وشمالاً) انيس)

اذان واقامت میں "حی علی الصلوٰۃ" و "حی علی الفلاح" کہتے وقت رخ پھیرنا:

سوال: اذان میں حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح میں رخ یمین ویسار کرتے ہیں تو اقامت میں یا جو بچہ کے کان میں اذان کہتے ہیں ان میں بھی منہ پھیرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

التفات یمین ویسار جیسا اذان میں مسنون ہے؛ ویسا ہی اقامت میں (۱) اور ایسے ہی بچہ کے کان میں۔

"**ویلتفت فیه وكذا فيها مطلقا، وقيل: إن المحل متسعًا يمينًا ويسارًا فقط لئلا يستدبر القبلة بصلاة وفلاح ولو وحده أو لمولود لأنه سنة الأذان مطلقًا**". (الدر المختار على صدر رد المحتار، باب الأذان، مطلب في أول من بنى المنابر للأذان: ٣٨٧/١ ـ انيس)

مورخہ ۱۳ / جمادی الاول ۱۳۰۳ھ۔ (امداد، صفحہ: ۱۰۵، جلد: ۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱۶۶/۱)

نومولود کے کان میں اذان دیتے وقت رخ پھیرنا:

سوال: اگر بچہ کے کان میں اذان دی جائے تو کیا "حی علی الصلوٰۃ" اور "حی علی الفلاح" پر دائیں اور بائیں رخ کرنا چاہئے، یا اس کی ضرورت نہیں؟ (محمد بلال، جدہ)

(۱) اقامت کے حیعلتین میں تحویل وجہ کے متعلق تین قول ہیں اول تحویل نہ کرے اس لئے کہ اقامت حاضرین کے اعلام کے لئے ہے برخلاف اذان کے کہ وہ غائبین کے اعلام کے لئے ہے دوم اگر جگہ وسیع ہو یعنی مسجد بڑی ہو تو تحویل کرے ورنہ نہ کرے سوم خواہ جگہ وسیع ہو یا نہ ہو ہر صورت میں تحویل کرے۔ یہ تیسرا قول صاحب درمختار کا پسندیدہ ہے کبیری ص ۳۶۰ میں تحویل کو سنت متوارثہ کہا ہے۔ حضرت مجیب نے بھی اسی قول کے مطابق فتویٰ ارقام فرمایا ہے، لیکن سراج وہاج میں پہلا قول ہے۔ علامہ شامیؒ نے منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق (۲۵۸/۱) میں النہر الفائق شرح کنز الدقائق سے اسی کی ترجیح نقل کی ہے:

قوله في السراج الوهاج لا يحول، الخ، قال في النهر: الثاني أعدل الأقوال، آه ـ

مولانا عبدالحی لکھنوی نے سعایہ (۱۸/۲) میں اسی کو حق کہا ہے:

قلت: والحق الصريح هو القول الأول، آه.

حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے محمود الروایہ حاشیہ شرح نقایہ میں اذان واقامت کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

وكذا لا تحويل فيها. (شرح النقاية: ٦١/١)

یعنی ایک فرق یہ بھی ہے کہ اذان میں تحویل ہے لیکن اقامت میں نہیں ہے اور گو یہ بات صحیح ہے کہ اقامت احدالاذانین ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ اذان کی تمام سنتیں اقامت میں بھی ہوں۔ اذان میں انگلیوں سے کان بند کرنا مسنون ہے۔ نیز ترسل یعنی ٹھیر ٹھیر کر اذان دینا بھی مسنون ہے، لیکن اقامت میں یہ دونوں چیزیں مسنون نہیں ہیں۔ لہٰذا صحیح یہ ہے کہ اقامت میں تحویل وجہ مسنون نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم (سعید احمد)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

چونکہ ''حي على الصلوٰة'' اور''حي على الفلاح'' پردائیں اور بائیں رخ کرنا اذان کی سنتوں میں سے ہے۔(۱) اس لئے اس موقع پر بھی اس کی رعایت کرنا بہتر ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' میں ہے:

'' الصحیح أنه یؤذن للمولود ینبغي أن یحول علٰی کل حال،لأنه صارسنة للأذان فیؤتی به علٰی کل حال''.(۲)

''صحیح قول یہ ہے کہ نومولود کے لئے اذان دے تو اس حال میں بھی دائیں اور بائیں''حي على الصلوٰة'' اور ''حي على الفلاح'' پر رخ کرنا چاہئے۔اس لئے کہ یہ اذان کی سنت ہے،لہذا اسے ہر حال میں کیا جائے گا''۔

(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۵۴-۱۵۵)

اذان میں حیعلتین پر گردن نہ پھیرنا:

سوال: اذان میں اگر''حي على الصلوٰة'' اور''حي على الفلاح'' پر مؤذن قصداً یا بھول سے گردن نہیں گھماتا،تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اس نے خلاف سنت کیا،اذان ہوگئی۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۳۸۸)

---

(۱) دیکھئے: **الصحیح لمسلم،رقم الحدیث:۵۰۳، باب سترة المصلی/ سنن أبي داؤد،رقم الحدیث:۵۲۰.**
نیز دیکھئے: **الھدایة مع شرح العلامة عبد الحي اللکھنوی:۱/۲۷۵، محشی**

عن أبی جحیفة قال:رأیت بلالاً یؤذن ویدور وأتتبع فاہ ھاھنا وھاھنا وأصبعاہ فی أذنیه.(مسندالإمام أحمد،حدیث أبی جحیفة (ح: ۱۸۷۵۹)/سنن الترمذی،باب ماجاء فی إدخال الإصبع فی الأذن (ح: ۱۹۷)/المعجم الکبیر للطبرانی،سفیان الثوری عن عون بن أبی جحیفة (ح: ۲۴۸)/المستدرک للحاکم،باب فی فضل الصلوات الخمس (ح:۷۲۵)انیس)

(۲) **الفتاویٰ التاتارخانیة: ۱/۵۱۵،الأذان نوع آخرفي بیان ما یفعل فیه.**

(۳) **(ویلتفت فیه)أی فی الأذان(وکذا فیھا)(أی فی الإقامة (یمیناً و یسارًا) فقط ... ؛ لأنه سنة الأذان مطلقاً''.(الدرالمختارعلی صدرردالمحتار،کتاب الصلاة، باب الأذان،مطلب فی أول من بنی المنابر: ۱/۳۸۷، سعید)**

عن أبی جحیفة قال:أتیت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم بالإبطح وھو فی قبة حمراء فخرج بلال فأذن فاستدار فی أذانه وجعل أصبعیه فی أذنیه.(سنن ابن ماجة،باب السنة فی الأذان (ح:۷۱۱)انیس)

لاؤڈ اسپیکر پر اذان میں بھی دائیں بائیں التفات سنت ہے:

سوال: لاؤڈ اسپیکر پر اذان دیتے وقت بھی دائیں بائیں طرف منہ موڑنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

"حی علی الصلوٰة" اور "حی علی الفلاح" کہتے وقت دائیں اور بائیں جانب التفات اذان واقامت میں بہرحال سنت ہے، حتی کہ بچے کے کان میں اذان دیتے وقت بھی التفات مسنون ہے، لاؤڈ اسپیکر پر اذان کا بھی یہی حکم ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ / ربیع الآخر ۱۳۹۷ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/ ۲۹۳)

بارش کی وجہ سے اذان میں حیعلتین کے بجائے "صلوا فی رحالکم" کہنا:

سوال: کثرت بارش کے وقت جب اذان دینے والا بجائے "حی علی الصلاة" و "حی علی الفلاح" کے "صلوا فی رحالکم" کہے تو جائز ہے یا نہیں، جب کہ لوگ مسجد میں نہ آسکیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ

اذان کہنے والا "حی علی الصلاة" و "حی علی الفلاح" ہی کہے، باقی بوجہ کثرت بارش اگر کوئی شخص مسجد میں آکر شریک نہ ہو سکے تو درست ہے اور ترک جماعت بارش کی وجہ سے جائز ہے۔(۲) لیکن اذان میں کچھ تغیر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور حنفیہ نے اذان میں کچھ تغیر کو اختیار نہیں کیا۔ (۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/ ۸۹)

---

(۱) لاؤڈ اسپیکر پر اذان دیتے وقت دائیں بائیں چہرہ کرنے سے آواز مائک سے نہ پہونچنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اس لیے یہاں اس طرح چہرہ دائیں بائیں کی طرف نہ کرے، جس سے آواز مائک سے نہ پہونچے۔

والمستحب للمؤذن أن يستقبل القبلة استقبالاً، هكذا روى عن عبدالله بن زيد رضي الله عنه عن النازل من السماء فلأن قوله حي على الصلاة، حي على الفلاح دعاء إلى الصلاة وخطاب للناس للحضور وماقبله وبعده ثناء على الله فماكان ثناء يستقبل القبلة وماكان دعاء للناس يحول وجهه يميناً وشمالاً ليتم سماع الناس ذلك، ومن الناس من يقول إذا كان يصلي وحده لايحول وجهه لأنه لاحاجة إلى الإعلام وهوقول شمس الأئمة الحلواني، والصحيح أنه يحول على كل حال لأنه صارسنة الأذان فيؤتى به على كل حال، قال حتى قالوا في الذي يؤذن لمولود: ينبغي أن يحول وجهه يمنةً ويسرةً عند هاتين الكلمتين وإن استدار في الصومعة فحسن لأنه دعاء إلى الصلاة فيحتاج فيه إلى ذلك لإسماع الجميع وهذا الأداء لم يستطع سنة الصلاة والفلاح وهو تحويل الرأس يميناً وشمالاً مع ثبات قدميه لاتساع الصومعة فأما بغير حاجة فلا يفعل ذلك. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، الفصل سادس عشر في التغني والإلحان: ۱/ ۲٤۰ـ۲٤۱/ وكذا في البناية شرح الهداية، مايسن في الأذان والإقامة: ۲/ ۹۱) انيس)

(۲) فلا تجب (أي الجماعة) على مريض، الخ، ولا على من حال بينه وبينها مطروطين. (الدرالمختار) ==

اذان فجر میں ’’الصلوٰۃ خیر من النوم‘‘ کا اضافہ:

سوال: فجر کی اذان میں ’’الصلاۃ خیر من النوم‘‘ کیوں زیادہ ہے؟

الجواب

فجر کی اذان میں ’’الصلاۃ خیر من النوم‘‘ زیادہ ہونا حدیث سے ثابت ہے۔(۱) اور وہ وقت چونکہ غفلت اور نیند کا ہے؛ اس وجہ سے یہ کلمات اس وقت کہنا مستحب ہیں۔ کیونکہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ نماز بہتر ہے سونے سے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۹۹)

== إشار بالحيلولة إلىٰ أن المراد المطر الكثير.(رد المحتار، باب الإمامة: ١/٥١٩،ظفير)

(٣) یعنی بارش کی وجہ سے ترک جماعت جائز ہے۔علامہ کشمیری لکھتے ہیں:

قوله:(فلمابلغ المؤذن حي على الصلاة، فأمره أن ينادى: الصلاة فى الرحال)الخ،ففى هذاالحديث أنه أمر بتلك الكلمات مكان حى على الصلاة،ثم ليس فيه ذكربقية الأذان وعن ابن عمرفى الحديبية أنه أمربها بعدالفراغ منه ، قلت:وعليه ينبغى العمل ، فإن ابن عمررضى الله عنهما أكثراتباعاً للأثر، وأقل اجتهاداًمن ابن عباس رضى الله عنهما وفى طرقه تصريح أنه كان يوم الجمعة وعد من أعذارالجمعة فى فقهنا أيضا،وروى محمدرحمه الله تعالىٰ فى كتاب الحجج:إذا ابتلت النعال فالصلاة فى الرحال،ثم فسرالنعال بالأرض الصلبة،دون النعل المعروف .والحافظ رحمه الله تعالىٰ لمالم يظفر بكتاب الحجج نقل تفسيره عن غريب الحديث لأبى عبيد،وأبوعبيد هذا كثيرًا مايقول فى كتابه.ومن الروايات التى تأولناها على محمدبن الحسن أى أخذنا شرحه منه وعلم منه أن شاكلة الجمعة تغاير شاكلة سائرالصلوات عندهم ولذا من تخلف منهم عن الجمعة لم يصلها فى بيته ولوكان حال الجمعة كحال سائر الصلوات لأقاموا الجمعات فى رحالهم أيضاً، فافهم.(فيض البارى شرح البخارى،باب الكلام فى الأذان:٢/٦١٦(ح:٦١٦)انيس)

حاشيه صفحه هذا:

(١) عن أبى محذورةرضى الله عنه قال:قلت:يارسول الله ! علّمنى سنة الأذان؟ قال:فمسح مقدم رأسه، قال: تقول:الله أكبر،الخ،فإن كان صلوٰة الصبح قلتَ:’’الصلوٰة خيرمن النوم‘‘الخ.(مشكوٰة المصابيح،باب الأذان: ١/٦٣. ظفير)أخرجه الإمام أحمد،أبومحذورة المؤذن (ح: ١٥٣٧٩)/ أبو داؤد فى سننه ،باب كيف الأذان (ح: ٥٠٠)/الصحيح لابن حبان،ذكرالبيان بأن المؤذن إذا رجع فى أذانه (ح: ١٦٨٢)/المعجم الكبيرللطبرانى،سمرة بن معيز أبومحذورة الجمحى مؤذن رسول الله،الخ (ح:٦٧٣٥)انيس)

(٢) و يقول ندباً بعد فلاح أذان الفجر (الصلوٰة خيرمن النوم مرتين) لأنه وقت نوم.(الدرالمختارعلىٰ صدر ردالمحتار،باب الأذان،مطلب فى أول من بنى المنابر:١/٣٦٠،ظفير)

وأخرجه الحافظ أبوالشيخ فى كتاب الأذان له عن ابن عمرقال:جاء بلال إلى النبى صلى الله عليه وسلم يؤذنه بالصلاة فوجده قد أغفىٰ فقال:الصلاة خيرمن النوم ، فقال له:إجعله فى أذانك إذا أذنت للصبح،فجعل بلال يقولها إذا أذن للصبح.(عمدة القارى،باب بدء الأذان:٥/١٠٨.انيس)

"الصلوٰۃ خیر من النوم" کا ثبوت:

سوال: ابھی علامہ السید محمد صدیق صاحب کی کتاب "کشف الاسرار" پڑھ رہا تھا، انہوں نے مشکوٰۃ، صفحہ: ٦٣-١١٤، کے حوالے سے لکھا ہے کہ اذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے ہے اور تراویح بھی۔ مگر مشہور یہ ہے کہ یہ اضافہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور سے ہوا ہے۔ براہ کرم تفصیل سے وضاحت فرمائیں، تا کہ حقیقت کا لوگوں کو علم ہو سکے؟

الجواب

صحیح یہ ہے کہ اذان فجر میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کا اضافہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نہیں کیا، بلکہ یہ متعدد احادیث میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔(۱)

موطا امام مالک میں بلاغاً روایت ہے کہ "موذن" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نماز صبح کی اطلاع دینے کے لیے آیا تو دیکھا کہ آپ سو رہے ہیں، اس نے "الصلوٰۃ خیر من النوم "یا أمیر المؤمنین کہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو فرمایا کہ یہ فقرہ اذان فجر میں کہا کرو۔ (۲)

حضرت شیخ مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم مدنی قدس سرہ "اوجز المسالک شرح موطا امام مالک" میں اس حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد پر اشکال ہوسکتا ہے، کیوں کہ اس فقرے کا صبح کی اذان میں ہونا تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد روایات میں ثابت ہے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ ان کو اس فقرے کا اذان صبح میں کہا جانا معلوم نہ ہو، پس سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ اس ارشاد سے

---

(۱) عن أبی محذورة رضی اللّٰه عنه قال:قلت:یا رسول اللّٰه! علِّمنی سنّة الأذان؟ قال:فمسح مقدّم رأسه قال: تقول" اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر" ... فإن كان صلوٰة الصبح ، قلت:"الصلوٰة خیر من النوم،الصلوٰة خیر من النوم".(مشكوٰة المصابیح،باب الأذان: ٦٣/١)(أخرجه أبو داؤد فی سننه ،باب كیف الأذان (ح: ٥٠٠)انیس)

أیضاً:عن عبد العزیزبن رفیع قال:سمعت أبا محذورة قال: كنت غلاماً صبیًّا فقال لی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:قل:"الصلوٰة خیر من النوم،الصلوٰة خیر من النوم".(شرح معانی الآثار: ١٠٣/١،باب قول المؤذن فی أذان الصبح"الصلوٰة خیر من النوم".طبع مكتبة حقانیة)

(٢) عن مالک بلغه أن المؤذن جاء عمر یؤذنه لصلوٰة الصبح فوجده نائمًا فقال:"الصلوٰة خیر من النوم"،فأمره عمر أن یجعلها فی نداء الصبح.(مشكوٰة المصابیح،باب الأذان،الفصل الثالث،طبع مكتبة قدیمی)(أخرجه الإمام مالک فی الموطأ،ت:عبدالباقی،باب ماجاء فی فی النداء للصلاة (ح:٨)انیس)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ تھا کہ اس فقرے کا محل صبح کی اذان ہے، امیر کا دروازہ نہیں۔ گویا آپ نے امیر المؤمنین کے دروازے پر اس فقرے کو دہرانا ناپسند فرمایا اور مؤذن کو حکم فرمایا کہ اس فقرے کے اذانِ صبح میں کہنے پر اکتفا کیا کرے۔ اس توجیہ کو حافظ ابن عبدالبر اور علامہ باجی نے اختیار کیا ہے اور علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ یہی توجیہ متعین ہے اور میرے نزدیک یہی توجیہ سب سے بہتر ہے۔(۱)

اس کے بعد حضرت شیخ نے اور بھی متعدد توجیہات نقل کی ہیں، بہر حال یہ طے شدہ ہے کہ اذان فجر میں ''**الصلوٰة خیر من النوم**'' کہنے کا حکم پہلی بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہیں دیا، بلکہ یہ معمول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت زمانے سے چلا آ رہا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تاکید فرمائی ہے۔

اسی طرح تراویح کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے چلی آ رہی تھی،(۲) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں دو اہتمام فرمائے، ایک جماعت، دوسرے بیس رکعات۔(۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۹۵/۳-۲۹۶)

---

(۱) ... وقد يشكل قوله رضى الله عنه هٰذا لأن كون هذه الكلمة فى أذان الصبح عن النبى صلى الله عليه وسلم ثابت فى عدة روايات فلا يمكن أن يظن بعمر رضى الله عنه أنه لم يعلم بعد كونها من الأذان،فالأوجه أن يقال إن مقصوده رضى اللّٰه عنه أن محل هٰذه الكلمة هو نداء الصبح فقط لا باب الأمير،وقال الزرقانى هو المتعين،وهو الأوجه عندى.(أوجز المسالك إلى موطأ الإمام مالك: ۳۰/۲،طبع مكتبة إمدادية،مكة المكرمة)(شرح الزرقانى على الموطأ،باب ماجاء فى النداء فى الصلاة: ۲۸۳/۱/المنتقى شرح الموطأ،باب ماجاء فى النداء فى الصلاة: ۱۳۸/۱.انيس)

(۲) كان رسول الله صلى الله عليه و سلم يرغب فى قيام رمضان من غير أن يأمرهم فيه بعزيمة فيقول:''من قام رمضان إيماناً واحتساباً غُفرله ما تقدم من ذنبه''،فتوفى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم والأمر علىٰ ذلك،الخ.(جامع الأصول،شهر رمضان: ۳۳۹/۹)(الصحيح لمسلم،باب الترغيب فى قيام رمضان (ح: ۷۵۹)/أخبار مكة للفاكهى، ذكر الاعتكاف فى المسجد الحرام (ح: ۱۳٤۸)/سنن أبى داؤد،باب فى قيام شهر رمضان (ح: ۱۳۷۱)/سنن النسائى، باب ثواب من قام رمضان وصامه إيماناًواحتساباً (ح:۲۱۹۸)انيس)

أيضاً:''إن اللّٰه فرض صيام رمضان وسننت لكم قيامه،فمن صامه وقامه إيماناً واحتساباً خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمّه''.(جامع الأصول: ٤٤۱/۹)(مسندالإمام أحمد،حديث عبدالرحمن بن عوف الزهرى (ح: ۱٦٦۰)/السنن الكبرىٰ للنسائى،ذكر اختلاف يحيٰ بن أبى كثير (ح: ۲۵۳۱)/مسند أبى يعلى الموصلى،من مسندعبدالرحمن بن عوف (ح:۸٦٤)انيس)

(۳) ''إن عمر بن الخطاب أمره(أى أبى بن كعب)أن يصلى باللّيل فى رمضان،فقال:إن الناس يصومون النهار ولايحسنون أن يقرؤا فلوقرأت عليهم بالليل،فقال:يا أمير المؤمنين! هٰذا شىء لم يكن،فقال:قد علمت ولكنه حسن،فصلى بهم عشرين ركعة''.(كنزالعمال:۸/ ٤۰۹،رقم الحديث: ۲۳٤۷۱،طبع بيروت)

عن ابن عباس قال:كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يصلى فى رمضان عشرين ركعة ويوتر بثلاث.(المنتخب من مسند عبدبن حميد،ت:الصبحى،مسند ابن عباس (ح:٦۵۳)

==

"الصلاۃ خیر من النوم" کو قصداً دو حصوں میں پڑھنا:

سوال: ہمارے محلّہ میں ایک حافظ صاحب صبح کی اذان پڑھتا ہے، تو وہ "الصلاۃ" پڑھ کر قصداً سانس توڑ دیتا ہے اور پھر "خیر من النوم" پڑھتا ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ یہ سانس توڑنا سنتِ رسول ہے اور بڑا ثواب ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اس مؤذن کا طریقہ غلط ہے اور اس کو سنتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہنا بڑی غلطی ہے۔ "الصلاۃ خیر من النوم" کے دو ٹکڑے نہ کئے جائیں۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۱۹/۵-۴۲۰)

== قال زيد بن وهب كان عبدالله بن مسعود يصلي بنا في شهررمضان فينصرف وعليه ليل ، قال الأعمش: كان يصلي عشرين ركعة ويوتر بثلاث،وقال عطاء : أدركتم يصلون في رمضان عشرين ركعة والوترثلاث ركعات،الخ.(مختصرقيام الليل وقيام رمضان وكتاب الوتر،باب عددركعات يقوم بهاالإمام: ٢٢١/١)

عن أبي الشحناء أن علياًرضي الله عنه أمررجلاًأن يصلي بالناس في رمضان خمس ترويحات عشرين ركعة.(الشريعة للآجري،باب ذكراتباع علي بن أبي طالب (ح: ١٢٤٠)انيس)

أيضاً:"وروى أسد بن عمروعن أبي يوسف قال: سالت أبا حنيفة رحمه الله عن التراويح وما فعله عمررضي الله عنه ... ولقد سن عمرهذا وجمع الناس على أبي بن كعب فصلاها جماعة،والصحابة متوافرون، الخ.(الاختيار لتعليل المختار: ٦٨/١،باب صلاة التراويح)

(۱) "يترسل في الأذان،ويحدرفي الإقامة، وهذا بيان الاستحباب والترسل أن يقول:"الله أكبر،الله أكبر"ويقف ثم يقول مرة أخرى مثله،وكذلك يقف بين كل كلمتين إلى آخرالأذان ".(الفتاوىٰ الهندية، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما: ٥٦/١،رشيدية)

(ويترسل فيه) بسكتة بين كل كلمتين .(الدر المختار)"وهذه السكتة بعد كل تكبيرتين لا بينهما ".(رد المحتارعلى الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب الأذان: ٣٨٧/١،سعيد)

(قوله:لحن)فلا ينقص شيئا من حروفه،ولايزيد في أثنائه حرفاً، وكذا لايزيد ولاينقص من كيفيات الحروف كالحركات والسكنات والمدات وغيرذلك لتحسين الصوت.(حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصلاة،باب الأذان: ٩٠/١،امدادية)

"(ويتمهل)يترسل في الأذان بالفصل بسكتة بين كل كلمتين أي جملتين إلا في التكبيرالأول،فإن السكتة تكون بعد تكبيرتين"(مراقي الفلاح،كتاب الصلاة،باب الأذان: ١٩٦،قديمي)

(ويترسل فيه)أي يتمهل في الأذان بأن يفصل بين كلمتين ولايجمع بينهما فإنه سنة كما في شرح الطحاوي،وفي القنية وينبغي أن يفصل قليلاً،وإلا فالإعادة (ويحدرفيها)أي يسرع في الإقامة ويكون صوته فيها أخفض من صوته في الأذان.(مجمع الأنهر،باب الأذان: ١١٥/١،دارالكتب العلمية.انيس)

''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کب کہا جائے:

سوال: ایک مسجد کے مؤذن صاحب روزانہ فجر کی اذان میں ''حی علی الفلاح'' کے بعد ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' چھوڑ کر اذان مکمل کر دیتے ہیں، پھر بعد میں ان کلمات کو بولتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، بی بی کا چشمہ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

فجر کی اذان میں ''حی علی الفلاح'' کے بعد ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کہنا مستحب ہے۔

(ویقول) ندبا (بعد فلاح أذان الفجر، الصلوٰۃ خیر من النوم...)''. (الدرالمختار: ٥٤/٢) (١)

کیونکہ حدیث میں اسی موقع پر ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کہنا ثابت ہے، (٢) گو بعض لوگوں کی رائے ہے کہ اذان مکمل ہونے کے بعد ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کہا جائے، لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔ (٣) (کتاب الفتاویٰ: ١٤٢/٢)

فجر کی اذان میں ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' چھوٹ گیا:

سوال: اگر مؤذن فجر کی اذان میں ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' بھول جائے، تو اذان صحیح ہو جائے گی یا دوبارہ دینا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

اگر اذان کے درمیان ہی یاد آ جائے، تو جو کلمات چھوٹ گیا ہے وہاں سے آخر تک کے کلمات کہہ کر اذان پوری کرے اور اگر اذان پوری کرنے کے بعد یاد آئے تو غلطی درست کر کے آخر تک کلمات کا اعادہ کرے، اگر کافی وقت گذر جائے تو دوبارہ اذان دینا ضروری نہیں۔

عالمگیری میں ہے: ''ویرتب بین کلمات الأذان والإقامة کما شرح، کذا فی محیط السرخی''.

---

(١) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الأذان، مطلب فی أول من بنی المنابر: ٣٨٧/١-٣٨٨-

(٢) دیکھئے! أبوداؤد، رقم الحدیث: ٥٠٠، باب کیف الأذان، محشی

أبو محذورة رضی اللّٰه عنه یقول: کنت غلامًا صبیًا فأذنت بین یدی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الفجر یوم حنین فلما بلغت حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح قال رسول اللّٰه. صلی اللّٰه علیه وسلم: ألحق فیها ''الصلوٰۃ خیر من النوم''. (الدارقطنی، باب ذکر الإقامة واختلاف الروایات فیها (ح: ٨٩٩)

عن بلال رضی اللّٰه عنه أنه أتی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یؤذنه بصلاة الفجر، فقیل: هو نائم، فقال: ''الصلاة خیر من النوم، الصلاة خیر من النوم''، فأقرت فی تأذین الفجر فثبت الأمر علٰی ذلک. (سنن ابن ماجة، باب السنة فی الأذان (ح: ٧١٦) / سنن البیهقی، باب التثویب فی أذان الصبح (ح: ١٩٨٣) انیس)

(٣) دیکھئے! رد المحتار: ٥٤/٢ (کتاب الصلاۃ، مطلب فی أول من بنی المنابر للأذان. انیس)

”وإذا قدم فی أذانه أوفی إقامته بعض الکلمات علٰی بعض نحوأن یقول:”أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه“ قبل قوله: ” أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه“ فالأفضل فی هذا أن ما سبق علٰی أوانه لایعتد به حتی یعیده فی أوانه و موضعه وإن مضٰی علٰی ذلک جازت صلٰوتهم،کذا فی المحیط. (الفتاویٰ الهندیة: ٣٤/١،الباب الثانی فی الأذان،الفصل الثانی)(١)فقط و اللّٰه تعالٰی أعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ:٢٩٧/٤)

”الصلاۃ خیر من النوم“ کے بغیر اذان:

سوال: فجر کی اذان میں اگر ”الصلاۃ خیر من النوم“ بھول جائے، تو اذان ہوگئی یا دوبارہ پڑھیں؟ اگر کوئی جان بوجھ کر چھوڑ دے، تو اذن ہوگئی یا دوبارہ پڑھیں؟

الجواب

فجر کی اذان میں ”الصلاۃ خیر من النوم“ کہنا مستحب ہے۔(٢) جان بوجھ کر تو نہیں چھوڑنا چاہیے، لیکن اگر یاد نہیں رہا یا جان بوجھ کر چھوڑ دیا تب بھی اذان ہوگئی، دوبارہ نہیں کہی جائے گی۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل:٢٩٥/٣)

فجر کی قضا کیلئے اذان میں ”الصلاۃ خیر من النوم“ کہے یا نہیں:

سوال: اگر فجر کی نماز قضا ہوجائے اور اس کو پڑھتے وقت اذان کہی جاوے تو اس میں ” الصلاۃخیر من النوم“ کہنا مسنون ہے یا نہ؟

الجواب

نمازِ فجر اگر قضا ہوئی اور جماعت کے ساتھ اس کو ادا کرنا ہے، تو اذان کہنا اس کے لئے سنت ہے اور اذان ویسے ہی ہونی چاہئے؛ جس طرح صبح کی اذان ہے، یعنی مع ”الصلوٰۃ خیر من النوم“ کے۔ کما یفیده إطلاق قول القهستانی.(٣)

(و)یسن أن (یؤذن ویقیم لفائتة)رافعاً صوته لو بجماعة أو صحراء لا ببیته منفرداً. (الدر المختار)(٤) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:٩٦/٢)

(١) المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی،الفصل السادس عشرفی التغني والإلحان: ٣٤٨/١.انیس
ویرتب بین کلمات الأذان والإقامة کماشرع ، فإن قدم بعضاًوأخربعضاًفالأفضل الإعادة مراعاةً للترتیب وأن یوالی بین کلمات الأذان والإقامة حتی لوترک الموالاة فالسنة أن یعیدالأذان.(العنایة شرح الهدایة،باب الأذان: ٣٤٤/١.انیس)

(٢) ویزید بعد فلاح أذان الفجر ”الصلوٰة خیرمن النوم“ مرتین کذا فی الکافی.(الفتاویٰ الهندیة: ٥٥/١)
عن سعیدبن المسیب عن بلال أنه أتی النبی صلی الله علیه وسلم یؤذنه بصلاة الفجر فقیل هونائم فقال:الصلاة خیرمن النوم ،الصلاة خیرمن النوم فأقرت فی تأذین الفجر فثبت الأمر علی ذلک.(سنن ابن ماجة، باب السنة فی الأذان (ح:٧١٦)انیس)

(٣) (ویؤذن للفائتة) الواحدة (ویقیم)أیضاًوان اکتفیٰ بهاجاز،کما فی الجلابی،(وکذا)یؤذن ویقیم (لأولی الفوائت) الکثیرة (ولکل من)الفوائت (البواقی یأتی بهما)أی الأذان والإقامة (أوبها)أی بالإقامة کماقال محمد، وأما عندهما فإنه یأتی بهمالکل،کمافی الجلابی.(جامع الرموز،فصل الأذان: ٧١/١،مظهرالعجائب کلکته.انیس)

(٤) الدرالمختارعلٰی هامش ردالمحتار،باب الأذان: ٣٦٢/١،ظفیر

اذان کے اخیر میں محمد رسول اللہ کا اضافہ

اذان کے آخر میں ''محمد رسول اللّٰه'' پڑھنا خلاف سنت ہے:

سوال: ہمارے شہر کی جامع مسجد کے پیش امام صاحب جب اذان دیتے ہیں، تو اذان کے آخری الفاظ ''اللّٰه أکبر اللّٰه أکبر، لا إلٰه إلا اللّٰه'' کے ساتھ ''محمد رسول اللّٰه'' بھی پڑھتے ہیں، جب کہ اذان کے آخری الفاظ پورا کلمہ طیبہ کے طور پر نہیں پڑھے جا سکتے، کیا اس طرح اذان درست ہے؟

الجواب ______________________

آپ کے امام صاحب خلاف سنت کرتے ہیں، اذان ''لا إلٰه إلا اللّٰه'' پر ختم کی جاتی ہے۔(۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۹۶/۳-۲۹۷)

اذان کے ختم پر ''محمد رسول اللّٰہؐ'' کہنا:

سوال: جوابِ اذان میں اخیر کلمہ ''لا الٰہ الا اللّٰہؐ'' کے بعد اگر کوئی شخص ''محمد رسول اللّٰه'' پڑھ لے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ______________ حامدًا و مصلیاً

اس جگہ ثابت نہیں، (۲) ویسے جس طرح ''لا إلٰه إلا اللّٰه'' پر ایمان لانا فرض ہے، اسی طرح ''محمد رسول اللّٰه'' پر بھی ایمان لانا فرض ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۲/۳۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۳۳/۵)

---

(۱) کما فی أذان عبد اللّٰه بن زید بن عبد ربه الأنصاری. (مشکوٰة: ٦٤) أخرجه البخاری فی خلق أفعال العباد، باب أفعال العباد: ٥٤/١/ وابن أبی شیبة فی تاریخ المدینة، موافقات أخریٰ عن عروة بن رویم: ٨٦٧/٣/ وأبو داؤد فی سننه، باب کیف الأذان (ح: ٤٩٩)/ وابن الجارود فی المنتقیٰ، باب ماجاء فی الأذان (ح: ١٥٨)/ ابن حبان فی صحیحه (ح: ١٦٧٩)/ والبیهقی فی السنن الصغریٰ، باب السنة فی الأذان والإقامة للصلاة (ح: ٢٧٣) والکبریٰ، باب بدء الأذان (ح: ١٨٣٥) ==

اجابت اذان میں ’’محمد رسول اللّٰہ‘‘ بڑھانا بدعت ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب مؤذن اذان دیتا ہے، تو اجابت اذان جو کی جاتی ہے، تو آخری کلمہ ’’لا إلٰہ اللّٰہ‘‘ کے بعد اجابت میں ’’محمد رسول اللّٰہ‘‘ بھی پڑھنا چاہئے، یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ یہ کلمہ بڑھانا گناہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ پورا کلمہ پڑھنا چاہئے، اس میں کونسا قول صحیح ہے۔ بینوا توجروا۔ (المستفتی: نامعلوم......١٠/٥/١٩٩٠ء)

الجواب

اجابت اذان سنت ہے اور اپنی طرف سے اذان کے کلمات کی زیادت بدعت سیئہ ہے۔(١) وھو الموفق

(فتاویٰ فریدیہ: ١٧٥/٢)

== وأیضاً: کما فی أذان أبی محذورة .(مسندالإمام أحمد،أبومحذورة المؤذن (ح: ١٥٣٧٩)/سنن أبی داؤد، باب کیف الأذان (ح: ٥٠٠)/الصحیح لابن حبان،ذکرالبیان بأن المؤذن إذا رجع فی أذانه (ح: ١٦٨٢)/المعجم الکبیر للطبرانی،سمرة بن معیز أبومحذورة الجمحی مؤذن رسول اللّٰہ،الخ (ح:٦٧٣٥)انیس)

(٢) حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ اور حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہما کی اذان میں محمد رسول اللہ کا اضافہ نہیں ہے۔ اذان میں ایسا اضافہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، فقہاء کرام نے اس سے منع فرمایا ہے۔ انیس

حاشیہ صفحہ ھذا:

(١) قال العلامة الحصکفی:(بأن یقول)بلسانه (کمقالته) إن سمع المسنون منه.(الدرالمختار)

قال ابن عابدین:(قوله کمقالته)أی مثلها فی القول لا فی الصفة من رفع صوت ونحوه.(رد المحتار علی هامش الدرالمختار، باب الأذان،مطلب فی کراهة تکرارالجماعة فی المسجد: ٢٩٢/١)

عن عائشة رضی الله عنها قالت:قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم:من أحدث فی أمرنا هذا مالیس فیه فهو رد.(الصحیح للبخاری،باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود (ح:٢٦٩٧)/الصحیح لمسلم،باب نقض الأحکام الباطلة ومحدثات الأمور (ح:١٧١٨)انیس

اذان کا اعادہ-احکام ومسائل

اذان کے الفاظ غلط پڑھنا مکروہ ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مؤذن ہے، جو اذان کے بعض الفاظ اسی طرح پڑھتا ہے کہ ''ألله أكبر'' کے 'ھا' پر فتحہ اور ''حي على الفلاح'' میں ''الفلاح'' کے 'فا' کلمہ پر ضمہ پڑھتا ہے، تو اذان دینا صحیح ہے یا غلط؟ ہمیں جلدی جواب سے نوازیں، زیادہ آداب وسلام عرض ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حاجی حکیم قلم خان لنڈی کوتل......٦/٣/١٩٧٨ء)

الجواب

اس مؤذن کے لئے الفاظ درست کرنے سے قبل اذان دینا مکروہ ہے۔

في الدر المختار: (ولا لحن فيه) أي تغني يغير كلماته فإنه لايحل، الخ. (ردالمحتار: ٣٥٩/١)(١) وهو الموفق

(فتاویٰ فریدیہ: ١٧٧/٢)

اذان یا تکبیر غلط کہے تو اسے لوٹائے یا نہیں:

سوال: کوئی شخص اذان یا تکبیر غلط کہے تو دوبارہ لوٹائی جاوے یا نہیں؟

الجواب

لوٹائی جاوے۔(٢) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ١٢٠/٢)

---

(١) قال العلامة ابن عابدين: (قوله يغير كلماته) أي بزيادة حركة أو حرف أو مد أو غيرها في الأوائل والأواخر. قهستاني. (ردالمحتار هامش الدر المختار، قبيل مطلب في أول من بني المنابر للأذان: ٢٨٥/١)

كذا في جامع الرموز للقهستاني، فصل الأذان: ٧٠، مظهر العجائب كلكته. انيس

(٢) غلط اذان سے جب اذان مسنون ادا نہ ہوئی تو اس کا اعادہ ہوگا، جس طرح غیر عاقل بچہ کی اذان لوٹائی جائیگی۔

''وصبي غير العاقل إذا أذن يجب أن يعاد لعدم حصول المقصود، الخ، ولو قدم في أذان وإقامة شيئاً علىٰ محله يعود إلى الترتيب ولايستأنف. (غنية المستملي: ٣٦١، ظفير)

ومنها أن يرتب بين كلمات الأذان والإقامة حتى لو قدم البعض على البعض ترك المقدم ==

اذان میں غلطی کی وجہ سے اس کا اعادہ:

سوال (الف) اذان میں ''أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه'' میں مؤذن نے ''أشهد أن محمدٌ رسول اللّٰه'' پڑھا، تو اذان فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

(ب) ایسی اذان کا اعادہ کرنا چاہئے یا نہیں؟

(ج) ایسی غلط اذان پر مؤذن گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ جب کہ وہ معنی نہیں سمجھتا اور محض نادانی اور جہل کے باعث غلط پڑھتا ہے۔

(د) پہلی مرتبہ غلط پڑھنے پر یعنی ''أنّ'' کی جگہ ''أنّا'' پڑھنا مؤذن کو دوبارہ ''أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه'' نہ پڑھنے دینا اور اذان ایسے ہی روک دینا اور خود یا دوسرے سے جو صحیح پڑھ سکے، اسی سے اذان پڑھوانا شروع کر دینا ٹھیک ہے یا نہیں؟ (محمد احمد عفی عنہ، ۲۱/۲/۱۳۵۹ھ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اس طرح اذان میں پڑھنا ناجائز اور غلط ہے، مؤذن کو چاہئے کہ اذان کو صحیح کرے، اگر وہ بالقصد اس طرح پڑھتا ہے، تو گناہ گار ہے۔ (۱)

گو وہ صحیح طریقہ سے اذان کے کلمات کو ادا نہیں کر سکتا، تو اس کو چاہئے کہ اذان کے کہنے سے احتراز کرے، اگر وہ اپنی غلطی کا اعتراف نہ کرے اور غلط اذان کہنے سے باز نہ آئے اور دوسرا شخص اذان کہنے والا موجود ہو، تو پھر اس دوسرے شخص کو اذان کے لئے متعین کر دیا جائے۔ (۲)

تاہم جو اذانیں وہ اس غلط طریقہ پر پڑھ چکا ہے، ان کا اعادہ واجب نہیں۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۲/۱۳۵۹ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، یکم/ربیع الاول/۱۳۵۹ھ۔ صحیح: عبداللطیف، یکم/ربیع الاول/۱۳۵۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۴۷/۵-۴۴۸)

== ثم يرتب ويؤلف ويعيد المقدم لأنه لم يصادف محله فلغا وكذلک إذا ثوّب بين الأذان والإقامة فى الفجر فظن أنه فى الإقامة فأتمها ثم تذكر قبل الشروع فى الصلاة فالأفضل أن يأتى بالإقامة من أولها إلٰى آخرها مراعاة للترتيب. ودليل كون الترتيب (واجب) أن النازل من السماء رتب، وكذا المروى عن مؤذنى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنهما رتبا، ولأن الترتيب فى الصلاة واجب والأذان شبيه بها فكان الترتيب فيه سنة. (بدائع الصنائع، فصل فى بيان سنن الصلاة: ۱/۱۴۹. انيس)

(۱) ''الأذان: (هو)... (إعلام مخصوص)... (علٰى وجه مخصوص بألفاظ كذلک)... (ولا لحن فيه) أى تغنى بغير كلماته فإنه لايحل فعله وسماعه''. (الدر المختار) ==

اذان کے ادھورے فقرے کو دوبارہ دہرانا:

سوال: ہمارے محلے کی مسجد کے مولانا نے ابھی چندروز قبل فجر کی اذان دیتے وقت میری نظر میں ایک غلطی کی تھی، مولانا فجر کی اذان دے رہے تھے کہ ان کو درج ذیل ادھورے جملے پر کھانسی آ گئی "الصلاۃ خیر من" اور کھانسنے لگے اور اس کے بعد انہوں نے نئے سرے سے دو مرتبہ اس جملے کو دہرایا، میرے خیال میں ان جملوں کی تعداد تین ہوگئی۔ اب میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا اس میں مولانا صاحب کی غلطی ہے یا نہیں؟ اگر تھی، تو پھر کیا ان کو اذان دوبارہ کہنی چاہیے تھی؟ اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے، تو اب جب کہ وہ وقت (فجر) بھی نکل گیا ہے، تو آپ بتائیے کہ اس کا کفارہ مولانا صاحب کس طرح ادا کریں؟

الجواب

جب پورا فقرہ نہیں کہہ سکے تھے، تو اس کو دہرانا ہی چاہیے تھا، اس لیے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ (١) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ٢٩٧/٣)

کلمات اذان میں تقدیم وتاخیر ہو جائے تو وہاں سے اعادہ کرے:

سوال: اگر مؤذن اذان یا اقامت غلط کہے مثلاً "حی علی الصلاۃ" سے پہلے "حی علی الفلاح" کہہ دے، تو اذان کا اعادہ کرنا سنت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

== "(قوله يغير كلماته): أى بزيادة حركة أوحرف أومد أوغيرها فى الأوائل والأواخر. قهستانى". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٣٨٣/١-٣٨٧، سعيد) (قبيل مطلب فى أول من بنى المنابر للأذان)

"لأن اللحن حرام بلا خلاف". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع فى الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن والذكر، الخ: ٣٧١/٥، رشيدية)

(٢) "(و) لا (غير الألثغ به) أى بالألثغ (على الأصح) كما فى البحرعن المجتبىٰ، وحرر الحلبى وابن الشحنة أنه بعد بذل جهده دائماً حتماً كالأمى، فلايؤم إلا مثله، ولا تصح صلاته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه أوترك جهده أووجد قدرالفرض مما لا لثغ فيه، هذا هوالصحيح المختارفى حكم الألثغ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب فى الألثغ: ٥٨١/١، سعيد)

(٣) "(و) سببه (بقاء دخول الوقت، وهو سنة)... (مؤكدة)... (للفرائض)... (فى وقتها ولوقضاء)؛ لأنه سنة للصلاة حتىٰ يبرد لا للوقت، (لا) يسن (لغيرها) كعيد". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٣٨٤/١، سعيد)

حاشيه صفحه هذا:

(١) ومنها أن يرتب بين كلمات الأذان والإقامة حتى لوقدم البعض على البعض ترك المقدم ثم يرتب ويؤلف ويعيد المقدم لأنه لم يصادف محله فلغا. (بدائع الصنائع، فصل بيان سنن الصلاة: ١٤٩/١. انيس)

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

”حی علی الفلاح“ پہلے کہنے کی صورت میں ”حی علی الصلاۃ“ کے بعد پھر ”حی علی الفلاح“ کہے۔

قال فی شرح التنویر: ولو قدم فیهما مؤخرًا أعاده ما قدم فقط. (الدر المختار)

وفی الشامية: کما لو قدم الفلاح علی الصلاة یعیده فقط ؛ أی ولایستأنف الأذان من أوله. (رد المحتار: ١/ ٣٦١)(١) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

٢٣/ رجب ١٣٨٩ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ٢/ ٢٨٥)

اذان سے کوئی کلمہ چھوٹ جائے، تو اذان لوٹائے:

سوال: اذان واقامت میں اگر کوئی لفظ بھول جائے اور بعد اذان واقامت کے یاد آئے، تو اذان واقامت یہی کافی ہے، یا اعادہ ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اگر اذان واقامت کے فوراً بعد یاد آ گیا، تو جو کلمہ چھوٹ گیا تھا، وہاں سے اعادہ کرے اور اگر کچھ دیر کے بعد یاد آیا تو شروع سے لوٹائے۔

قال فی العلائية: (ویترسل فیه) بسکتة بین کل کلمتین، ویکره ترکه وتندب إعادته ... ثم قال: ولو قدم فیهما مؤخرًا أعاد ماقدم فقط (ولایتکلم فیهما) أصلاً ولو رد سلام، فإن تکلم استأنفه. (الدر المختار مع رد المحتار: ١/ ٣٥٩-٣٦١)(٢)

وفی الشامية: (قوله أعاد ماقدم فقط کما لو قدم الفلاح علی الصلاة یعیده فقط ؛ أی ولا یستأنف الأذان من أوله (قوله استأنفه) إلا إذا کان الکلام یسیرًا، خانية. (رد المحتار: ١/ ٣٦١)

ان عبارات میں نقص صفت سے حکم اعادہ مذکور ہے، پس نقص ذات سے بطریق اولیٰ اعادہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

١٠/ صفر ١٣٩٤ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ٢/ ٢٨٥) ☆

---

(١) باب الأذان، مطلب فی أول من بنی المنابر للأذان: ١/ ٣٨٩، دار الفکر بیروت
حتی لو قدم البعض علی البعض یعید ثم یؤذن. (البنایة شرح الهدایة، ما یسن فی الأذان والإقامة: ٢/ ٩٦. انیس)

(٢) کتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی أول من بنی المنائر للأذان، انیس

☆ **اذان میں کوئی کلمہ بھول جائے:**

سوال: اگر اذان کہنے کے درمیان ایک یا دو کلمے چھوٹ جائیں (بھول کر) تو اذان ہوگی یا نہیں؟ ==

اذان میں کوئی کلمہ بھول سے چھوٹ جائے تو کیا حکم ہے:

سوال: مؤذن صاحب اذان کہہ رہے تھے، وہ اذان کہتے کہتے بیچ میں ''أشهد أن محمدًا رسول الله'' یا ''حي على الصلاة'' بھول گئے، جب اذان پوری کہہ چکے، تو بعد میں یاد آیا فلاں حرف رہ گیا، کیا اذان اس صورت میں دوبارہ کہی جائے گی، یا وہی کافی ہے؟

هــو المصـوب

دریافت کردہ صورت میں اذان لوٹائی جائے گی، اذان کی تقدیم وتاخیر سے اذان لوٹانی پڑتی ہے، اسی طرح چھوٹ جانے سے بدرجۂ اولیٰ لوٹانی پڑے گی۔(١)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ١/٣٦٩)

کلمات اذان میں توقف نہ کیا تو اعادہ مستحب ہے:

سوال: اذان میں ترسل اور اقامت میں حدر مسنون ہے، اس سنت کے ترک سے اذان واقامت کا اعادہ ہوگا، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

==

هــو المصـوب

اذان دہرانی ہوگی۔ (ومنها أن يرتب بين كلمات الأذان وأن يوالي بينهما حتى لوترك الموالاة فالسنة أن يعيد. (الفتاویٰ التاتارخانية: ١/٣١٩)

ومنها أن يرتب بين كلمات الأذان والإقامة حتى لوقدم البعض علىٰ البعض ترك المقدم ثم يرتب ويؤلف ويعيد المقدم لأنه لم يصادف محله فلغا. (بدائع الصنائع: ١/٣٦٩))

تحریر: محمد ظهور ندوی عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ١/٣٦٩)

(١) وإذا قدم في أذانه أوفي إقامته بعض الكلمات علىٰ بعض نحوأن يقول أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه قبل قوله أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه فالأفضل في هذا أن ما سبق علىٰ أوانه لايعتد به حتى يعيد في أوانه وموضعه وإن مضى علىٰ ذلك جازت صلاته. (الفتاویٰ الهندية: ١/٥٦، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة)

وإذا قدم المؤذن في أذانه وإقامته بعض الكلمات علىٰ البعض نحوأن يقول أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه قبل قوله أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه فالأفضل في هذا أن ما سبق أوانه لايعتد به حتى يعيد في أوانه وموضعه؛ لأن الأذان شرعت متطوعة مترتبة فتؤدي علىٰ نظيره وترتيبه إن مضى علىٰ ذلك جازت صلاتهم. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، الفصل السادس عشر في التغني والإلحان: ١/٣٤٨. انيس)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اذان کے ہر کلمہ کے بعد اتنا توقف کرنا کہ اس میں جواب دیا جاسکے، مسنون ہے، اس سنت کا ترک مکروہ ہے، اور اس صورت میں اذان کا اعادہ مستحب ہے۔ اقامت کے کلمات میں سنت یہ ہے کہ توقف نہ کرے، بلکہ جلدی کہے، مگر اس میں ترک سنت سے اعادہ مستحب نہیں۔

قال فی العلائية: (ويترسل فيه) بسكتة بين كل كلمتين، ويكره تركه وتندب إعادته...

ثم قال: (ويحدر فيها) فلو ترسل لم يعدها فی الأصح. (الدرالمختار)

وفی الشامية: بخلاف ما لو حدر فی الأذان حيث تندب إعادته كمامر لأن تكرار الأذان مشروع أی كما فی يوم الجمعة بخلاف الإقامة وعليه فما فی الخانية من أنه يعيد الإقامة مبنی علٰی خلاف الأصح وتمامه فی النهر. (رد المحتار: ٣٦١/١)(١) **فقط واللّٰه تعالٰی أعلم**

٨/ربیع الآخر ١٣٩٩ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ٢٨٦/٢)

"الصلٰوة خير من النوم" چھوڑ دیا:

سوال: صبح کی اذان میں "الصلٰوة خير من النوم" کہنا یاد نہیں رہا، تو کیا اذان ہوگئی؟ یا دوبارہ کہی جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اذان فجر میں "الصلٰوة خير من النوم" کہنا سنت مؤکدہ نہیں، بلکہ مندوب ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے بعد فوراً یاد آ گیا، تو بہتر ہے کہ یہ جملہ کہہ کر بعد کے کلمات کا اعادہ کرے اور اگر دیر سے علم ہوا، تو اعادہ نہ کرے۔

قال فی شرح التنوير: (ويقول) ندباً (بعد فلاح أذان الفجر: "الصلاة خير من النوم" مرتين).

قال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالٰی: فيه رد علٰی من يقول إن محله بعد الأذان بتمامه وهو اختيار الفضلی، بحر عن المستصفی. (رد المحتار: ٣٦٠/١)(٢) **فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم**

١٥/رجب ١٣٩٤ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ٢٨٦/٢)

اولِ وقت میں اذان کہہ دی؛ کیا اعادہ کرے:

سوال: آج کل عصر کا وقت چار بج کر پندرہ منٹ پر شروع ہو جاتا ہے، دوامی جنتری کے حساب سے اتفاق سے زید نے چار بجے عصر کی اذان پڑھ دی، اس اذان کا اعادہ ضروری ہے یا صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہوئے کافی سمجھا جائے گا؟

(١-٢) كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی أول من بنی المنابر، انيس

الجواب ـــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

احوط یہ ہے کہ اذان دوبارہ کہی جائے۔(١) تکرارِ اذان مشروع ہے۔(٢)

اگر اذان دوبارہ نہ کہی گئی تب بھی یہ نہیں کہا جائے گا کہ جماعت بلا اذان ہوئی، کیونکہ صاحبین کے نزدیک وقت ہوگیا تھا، کیونکہ صاحبین کے نزدیک ظہر کا وقت ایک مثل رہتا ہے اور ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔(٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ١١/١/١٣٩٣ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ٤٤٦/٥-٤٤٧)

موجودہ دور میں نقشہ اوقات اذان کا حکم اور قبل از وقت اذان کا اعادہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!

(١) جس آدمی کو صبح صادق اور کاذب کی پہچان کا تجربہ نہ ہو، تو اس کے لئے آج کل چھاپ شدہ نقشوں پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(١) "(ووقت الظهر من زواله)...(إلٰی بلوغ الظل مثليه)...(سوی فیء)... (الزوال)...(ووقت العصر منه إلٰی)قُبيل (الغروب)". (الدرالمختار)

"الأحسن ما في السراج عن شيخ الإسلام: أن الاحتياط أن لا يؤخر الظهر إلی المثل،وأن لايصلی العصر حتٰی يبلغ المثلين،ليكون مؤدياً للصلاة في وقتهما بالإجماع".(رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الأذان: ٣٥٩/١، سعيد)

"حتٰی لو أذن قبل دخول الوقت لايجزيه،ويعيده إذا دخل الوقت في الصلاة في قول أبي حنيفة ومحمد".(بدائع الصنائع،كتاب الصلاة،فصل في بيان وقت الأذان والإقامة: ٦٥٨/١،دارالكتب العلمية،بيروت)

"إذا أذن قبل الوقت يكره الأذان والإقامة،ولايؤذن لصلاة قبل الوقت".(الفتاویٰ التاتارخانية،كتاب الصلاة،باب الأذان،نوع آخر في بيان الصلوات التي لها أذان والتي لا أذان لها: ٥٢٢/١،إدارة القرآن،كراچی)

قال:(وإن أذن قبل دخول الوقت لم يجزه ويعيده في الوقت)لأن المقصود من الأذان إعلام الناس بدخول الوقت فقبل الوقت يكون تجهيلاً لا إعلاماً ولأن المؤذن مؤتمن قال صلی الله عليه وسلم:"الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن اللّٰهم أرشد الأئمة واغفر للمؤذنين"،وفي الأذان قبل الوقت إظهار الخيانة فيماائتمن فيه ولو جاز الأذان قبل الوقت لأذن عند الصبح خمس مراتٍ لخمس صلوات وذلک لايجوّزه أحد ، و لا خلاف فيه إلا في صلاة الفجر.(المبسوط للسرخسي،باب الأذان: ١٣٤/١.انيس)

(٢) "والأشبه أن يعاد الأذان دون الإقامة؛لأن تكرار الأذان مشروع في الجملة كما في الجمعة دون الإقامة".(تبيين الحقائق،كتاب الصلاة،باب الأذان: ٢٤٩/١،دارالكتب العلمية،بيروت)

(٣) "(ووقت الظهر من زواله)...(إلٰی بلوغ الظل مثليه)وعنه مثله،وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة.قال الإمام الطحاوي: وبه نأخذ ... (سوی فیء) ... (الزوال) ... (ووقت العصر منه إلٰی)قُبيل(الغروب)".(الدرالمختار علی صدر ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب الأذان: ٣٥٩/١،سعيد)

==

(۲) وقت سے قبل اذان دینے پر جو اعادہ واجب ہے وہ کتنے منٹ قبل اذان دینے پر ہے ایک شخص نے دس منٹ قبل اذان دینے پر اعادہ کا کہا ہے جواب سے نوازیں اور اجر دارین حاصل کریں۔

(المستفتی: نامعلوم......١١ر دسمبر ١٩٨٣ء)

الجواب ______________

(١) چونکہ ان نقشوں کا دارو مدار تقلید اغیار پر ہوتا ہے، نہ کہ مشاہدات پر، لہٰذا بجائے اس کے کہ ان پر اعتماد کیا جائے، احوط یہ ہے کہ مشاہدہ پر اعتماد کیا جائے اور طلوع شمس سے سوا گھنٹہ قبل اذان دی جائے اور اس سے قبل ادا شدہ نماز کو دوبارہ پڑھی جائے۔(١)

(۲) آدھا منٹ اور اس سے بھی کم موجب اعادہ ہے۔(۲) ھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/ ١٧٩)

وقت مقرر سے پہلے دی گئی اذان کا حکم:

سوال: قصداً یا سہواً وقت مقرر سے دس، بیس منٹ پہلے اذان پکار دی گئی، تو اسی اذان سے نماز پڑھنی چاہئے یا دوبارہ اذان پکارنا ضروری ہے؟

الجواب ______________ و باللّٰہ التوفیق

وقت مقررہ کچھ ہو، اگر نماز کا وقت ہو گیا ہے، تو اذان درست ہے دوبارہ نہیں دی جائے گی۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی ۔ ۱۲/۲۲ /١٣٧ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/ ١١٣۔١١۴)

== ”فعند هما: إذا صار ظل كل شيء مثله خرج وقت الظهر، ودخل وقت العصر، وهو رواية محمد عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالىٰ، وإن لم يذكره في الكتاب نصاً في خروج وقت الظهر“. (المبسوط، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة: ١/ ٢٩٠، غفارية كوئٹه)

(١) وفي المنهاج: قلت وصرح المشائخ بتفاوت الوقت بين طلوع الفجر الصادق وطلوع الشمس وكذا بين غروب الشمس وغيوب البياض بتفاوت المواسم والبلاد، والمشاهد في ديارنا قدر ساعة وربع ساعة. (منهاج السنن شرح جامع السنن، باب ما جاء في مواقيت الصلاة عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ٢/ ١٠)

(۲) قال في الهندية: تقديم الأذان على الوقت في غير الصبح لايجوز اتفاقاً وكذا في الصبح عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله وإن قدم يعاد في الوقت، هكذا في شرح مجمع البحرين لابن ملك، وعليه الفتوىٰ هكذا في التاتارخانية ناقلاً عن الحجة. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الأول في صفة أحوال المؤذن: ١/ ٥٣)

وقال العلامة عبد الحيء اللكهنوي: (قوله: في وقتها) أي فتجب إعادة الأذان إن أذن قبل الوقت وكذا لو قدم بعض كلماته على الوقت ووقع بعضها في الوقت يلزم استيناف الكل. (عمدة الرعاية علىٰ هامش شرح الوقاية، باب الأذان: ١/ ١٥٢)

(۳) جس نماز کے لئے اذان دی گئی ہے، اگر اس نماز کے مقررہ شرعی وقت سے پہلے اذان دی گئی، تو اس کا اعتبار نہیں، دوبارہ اذان دینی ہوگی۔ اور اگر شرعی وقت شروع ہونے کے بعد اذان دی گئی جو مسجد کی انتظامیہ کے مقرر کئے گئے وقت سے پہلے ہے، تو کوئی حرج نہیں، اذان معتبر ہوگی۔[مجاہد] ==

صبح صادق اور اذان کے اوقات کی پہچان اور قبل از وقت اذان ونماز کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس آدمی کو صبح صادق اور کاذب جاننا مشکل ہو ، جیسے عام لوگ ، تو ان کے لئے مساجد میں آویزاں شدہ نقشوں کی پابندی ضروری ہے یا نہیں؟ اگر نقشہ کے حساب سے پندرہ منٹ پہلے اذان دی جائے تو کیا ان کی اذان درست ہوگی اور اگر مسافر اذان سنتے ہی اس اذان پر نماز پڑھ لے تو کیا اس نماز کا اعادہ ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: رحم الدین بام خیل صوابی......٢١ر دسمبر ١٩٨٣ء)

الجواب

ان نقشوں کی پابندی نہ مطلوب ہے اور نہ ممنوع ، ہمارے مشاہدے کے مطابق صبح صادق ، طلوع شمس سے سوا گھنٹہ قبل ظاہر ہوتا ہے۔(١) لہٰذا اس سے قبل جو اذان دی جائے وہ معاد کی جائے گی ، اور اس سے قبل ادا شدہ نماز کو بھی معاد کی (لوٹائی) جائے گی۔(٢) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ٢/ ١٨٠-١٨١)

وقت سے پہلے اذان:

سوال: کیا اذان وقت شروع ہونے سے پہلے دی جاسکتی ہے؟ مثلاً: فجر کی اذان کا وقت ٥/ ٣٧ منٹ پر شروع ہو تو کیا ٥-٣٠ پر اذان دی جاسکتی ہے؟ (محمد جاوید خان ، وجے نگر کالونی)

الجواب

اذان کا مقصد نماز کا وقت شروع ہوجانے کی اطلاع دینا ہے ، اگر وقت شروع ہوجانے سے پہلے ہی اذان دے دی جائے تو یہ مقصد فوت ہوجائے گا ، اور لوگ بھی غلط فہمی میں پڑیں گے ، اس لئے ظاہر ہے کہ وقت شروع ہونے کے بعد ہی اذان دینی چاہئے ، قبل از وقت اذان دینی درست نہیں ، اور اگر دے دی جائے تو اس کا اعتبار نہیں ، خواہ فجر کا

== "وأما بيان وقت الأذان والإقامة فوقتهما ماهووقت الصلوات المكتوبات حتى لوأذن قبل دخول الوقت لايجزيه ويعيده إذا دخل الوقت فى الصلوات كلها فى قول أبى حنيفة ومحمد". (بدائع الصنائع: ١/ ٤٢١)

(١) قلت: وصرح المشائخ بتفاوت الوقت بين طلوع الفجر الصادق وطلوع الشمس وكذا بين غروب الشمس وغيوب البياض بتفاوت المواسم والبلاد، والمشاهد فى ديارنا قدر ساعة وربع ساعة. (منهاج السنن شرح جامع السنن، باب ما جاء فى مواقيت الصلاة عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ٢/ ١٠)

(٢) قال العلامة عبد الحيء اللكهنوى: (قوله: فى وقتها) أى فتجب إعادة الأذان إن أذن قبل الوقت وكذا لوقدم بعض كلماته على الوقت ووقع بعضها فى الوقت يلزم استيناف الكل وكذا تجب إعادة الإقامة قبل الوقت. (عمدة الرعاية علىٰ هامش شرح الوقاية، باب الأذان: ١/ ١٥٢)

وقت ہو یا کسی اور نماز کا وقت - چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بلال! جب تک صبح طلوع نہ ہو جائے اذان نہ دو، ”**یا بلال! لا تؤذن حتی یطلع الفجر**“. (۱)

نیز حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک بار صبح سے پہلے ہی اذان دے دی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اعلان کرنے کا حکم فرمایا کہ بندہ سو گیا تھا ”**إن العبد قد مات**“. (۲)

تاکہ لوگوں کو غلط فہمی نہ ہو، (۳) معلوم ہوا کہ فجر میں بھی وقت شروع ہونے کے بعد اذان دینا ضروری ہے۔ قبل از وقت اذان دینی درست نہیں اور اگر دے دے تو اذان کا لوٹانا واجب ہے، ... یہ حنفیہ کی رائے ہے، البتہ بعض فقہا کے نزدیک صرف فجر کی نماز میں رات کے اخیر حصہ میں اذان دینے کی گنجائش ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۱۲۹/۲-۱۳۰)

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیهقي: ۵۶۵/۱، حدیث نمبر: ۱۸۰۲، ابوداؤد میں بھی اس معنی کی حدیث: ”حتی یستبین لک الفجر“ کے الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے، دیکھئے: ابوداؤد، حدیث نمبر: ۵۳۴، باب الأذان قبل دخول الوقت۔ محشی

عن أبی هریرة عن بلال قال: دخلت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو یتسحر بتمر فقال: یا بلال! ادن فکل، یا بلال! لا تؤذن حتی یطلع الفجر، ثم قال: ثم أتیته بالثانیة وهو یتسحر بتمر فقال: یا بلال! ادن فکل، یا بلال! لا تؤذن حتی یصیر الفجر هکذا، وأشار وجمع محمد بین أصبعیه السبابتین وفتحهما وأرانا أبو عبدالله. (مسند الرویانی، حدیث بلال مؤذن رسول الله صلی الله علیه وسلم (ح: ۷٤۸) ونحوه فی السنن الکبریٰ للبیهقی عن شداد مولیٰ عیاض عن بلال، باب روایة من روی النهی عن الأذان قبل الوقت (ح: ۱۸۰۲) انیس)

عن شداد مولیٰ عیاض بن عامر عن بلال أن رسول الله. صلی الله علیه وسلم. قال له: لا تؤذن حتی یستبین لک الفجر هکذا ومد یدیه عرضًا. (سنن أبی داؤد، باب فی الأذان قبل دخول الوقت (ح: ٥٣٤) [قال أبو داؤد: شداد مولیٰ عیاض لم یدرک بلالاً. قال الألبانی: حدیث حسن. (صحیح أبی داؤد: ٤٥/٣)]

عن أبی محذورة أنه أذن لرسول الله صلی الله علیه وسلم و لأبی بکر وعمر، فکان لا یؤذن حتی یطلع الفجر. (مصنف ابن أبی شیبة، من کره أن یؤذن قبل الفجر (ح: ۲۲۲۲) انیس)

(۲) ابوداؤد، اسی طرح ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، دارقطنی، دارمی، مصنف ابن ابی شیبہ، وغیرہ میں یہ حدیث ”إن العبد قد نام“ کے الفاظ کے ساتھ آئی ہے، اگرچہ مفہوم دونوں حدیث کا تقریباً برابر ہی ہے۔ سنن ابوداؤد: ۹/۱ ۷، حدیث نمبر: ۵۳۲، باب في الأذان قبل دخول الوقت.

عن ابن عمر أن بلالاً أذن قبل طلوع الفجر فأمره رسول الله صلی الله علیه وسلم أن یرجع فینادی: ألا إن العبد قد نام، ألا إن العبد قد نام. (سنن أبی داؤد، باب فی الأذان قبل الوقت (ح: ٥٣٢) / مصنف عبدالرزاق، باب الأذان فی طلوع الفجر (ح: ۱۸۸۸) / سنن الترمذی، باب ماجاء فی الأذان باللیل (۲۷۷/۱) / شرح معانی الآثار، باب التأذین للفجر (ح: ۸٦٤) / السنن الکبریٰ للبیهقی، باب روایة من روی النهی عن الأذان قبل الوقت (ح: ۱۸۰۳) / مسند البزار عن الحسن عن أنس بن مالک، مسند أبی حمزة أنس بن مالک (ح: ٦٦٦۷) / الکنیٰ والأسماء للدولابی، من کنیته أبو نصر وأبو نصیرة أبو نصر یحيٰ (ح: ۱۹۲۳) / معجم ابن الأعرابی، باب الجیم (ح: ۱٤۲٤) / سنن الدارقطنی، باب ذکر الإقامة واختلاف الروایات فیها (ح: ۹٥٤) / معرفة السنن والآثار، الأذان قبل طلوع الفجر (ح: ۲٤۲٤) / مسند الفاروق لابن کثیر، کتاب الإیمان (٦٤۳/۲) انیس)

(۳) لأن المقصود من الأذان إعلام الناس بدخول الوقت فقبل الوقت یکون تجهیلاً لا إعلاماً. (المبسوط للسرخسی، باب الأذان: ۱۳٤/۱. انیس)

وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر وقت سے پہلے مثلاً قبل الزوال اذان ہو جائے تو کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: اختر گل ظہران افریقہ...... ۲۷/۱۱/۱۹۷۵ء)

الجواب

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اذان قبل الزوال جائز نہیں ہے۔

لأن المقصود من الأذان إعلام الناس بالوقت وفی الأذان قبل الوقت تجهیل لهم، (۱) ولم یروفیه حدیث ثابت حتٰی یترک به القیاس. (۲) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۱۷۴)

رمضان المبارک میں عشا کی اذان قبل از وقت کہنا:

سوال: رمضان شریف کے مہینے میں کچھ لوگ جلدی تراویح پڑھنے کے واسطے مغرب کے وقت میں ہی عشا کی اذان دے دیتے ہیں، ابھی عشا کا وقت شروع ہی نہیں ہوتا ہے اور عشا کی اذان دے دیتے ہیں، اور اس کے بعد عشا کی نماز پڑھتے ہیں، کیا ان کی نماز بغیر اذان کے ہوئی یا اذان ہوگئی؟ ان کا یہ فعل کیسا ہے اور دوسروں کو کیا کرنا چاہیے، وہ لوگ دوسری مسجدوں کا حوالہ دیتے ہیں، دوسری مسجد ہمارے لیے حجت ہے یا نہیں؟

الجواب

جس اذان کا ایک جملہ بھی وقت سے پہلے کہا گیا ہو، وہ اذان کالعدم ہے، وقت ہونے کے بعد دوبارہ اذان دینا چاہیے، ورنہ نماز بغیر اذان کے ہوگی اور جو نماز اذان کے بغیر ہو وہ خلاف سنت ہوئی۔ (۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۲۰۸)

---

(۱) کذا فی المبسوط للسرخسي، باب الأذان: ۱/۱۳٤. انیس

(۲) عن نافع عن مؤذن لعمر یقال له مسروح أذن قبل الصبح فأمره عمر رضی اللّٰه عنه أن یعید. (مصنف ابن أبی شیبة، یؤذن بلیل أیعید الأذان أم لا (ح: ۲۳۰۸)/ سنن أبی داؤد، باب الأذان للأعمٰی (ح: ۵۳۳)/ سنن الدار قطني، باب ذکر الإقامة واختلاف الروایات فیها (ح: ۹۵۵)/ السنن الکبریٰ للبیهقي، باب روایة من روی النهی عن الأذان قبل الوقت (ح: ۱۸۰۱) انیس)

وفی الهندیة: تقدیم الأذان علی الوقت فی غیر الصبح لایجوز اتفاقاً وکذا فی الصبح عند أبی حنیفة ومحمد رحمهما اللّٰه تعالٰی وإن قدم یعاد فی الوقت هکذا فی شرح مجمع البحرین لابن ملک وعلیه الفتویٰ هکذا فی التاتارخانیة: ناقلاً عن الحجة. (الفتاویٰ الهندیة، باب الأذان: ۱/۵۳)

(۳) حتی لو أذّن قبل دخول الوقت لا یجزیه ویعیده إذا دخل الوقت فی الصلوات کلها فی قول أبی حنیفة ومحمد. (بدائع الصنائع، فصل بیان وقت الأذان والإقامة: ۱/۱۵٤)

==

وقت سے پہلے اذان دینے کا وبال کس پر ہے:

سوال: زید ایک مسجد میں مؤذن کے فرائض انجام دے رہا ہے، مؤذن اپنے وقت پر اذان دیتا ہے، لیکن ''کمیٹی'' والوں کا اصرار ہے کہ اذان اس وقت دو جس وقت ہم کہہ رہے ہیں۔ کمیٹی والوں کا بتایا ہوا وقت دخول وقت اذان سے پہلے ہے۔ مثال کے طور پر آج کل عصر کا وقت فقہ حنفی کے مطابق چار بج کر تیرہ منٹ پر داخل ہو رہا ہے، لیکن کمیٹی والوں کا کہنا ہے کہ سوا چار کے بجائے چار بجے اذان دو، اور عشا کا وقت سات بج کر دس منٹ پر داخل ہو رہا ہے، جب کہ کمیٹی والوں کا کہنا ہے کہ اذان سات بجے دو، اور اسی طرح فجر کا وقت پانچ بج کر اکیاون منٹ پر داخل ہو رہا ہے، جب کہ کمیٹی والے کہتے ہیں کہ ساڑھے پانچ بجے اذان دو، یہ مسئلہ جب امام صاحب کے پاس پہنچا، تو انہوں نے بھی ارشاد فرمایا کہ جس طرح کمیٹی والے کہتے ہیں، اسی طرح کرو، اب اس صورت میں یہ مسائل دریافت طلب ہیں:

(۱) کیا قبل از وقت اذان دینا صحیح ہے؟ یا اس کا اعادہ ضروری ہے؟

(۲) کمیٹی والوں کا اس طرح بے جا اصرار کرنا صحیح ہے؟

(۳) اس صورت میں مؤذن نے اگر اذان دی، تو اس کا وبال کس پر ہوگا؟ کمیٹی والوں پر یا پیش امام پر؟

(۴) امام کا کمیٹی والوں کی تائید کرنا کیسا ہے؟ کیا یہ حق چھپانے کے زمرے میں نہیں آئے گا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

(۱) وقت سے پہلے اذان دینا صحیح نہیں، کیوں کہ اذان نماز کے وقت کی اطلاع کے لیے دی جاتی ہے اور وقت سے پہلے نماز ہوتی نہیں، لہٰذا قبل از وقت اذان کہنا غلط اور موجب تلبیس ہے، اگر کبھی غلطی سے ایسا ہو جائے، تو وقت شروع ہونے کے بعد دوبارہ اذان کہی جائے، ورنہ یہ نماز ''اذان کے بغیر'' شمار ہوگی۔(۱)

== أيضاً: شرح مختصر الطحاوی: ۱/۵۵۸، طبع دار السراج، بیروت)

قال: (وإن صلى أهل المصر بجماعة بغير أذان وإقامة فقد أساء وا) لترك سنة مشهورة وجازت صلاتهم لأداء أركانها والأذان والإقامة سنة ولكنهما من أعلام الدين فتركهما ضلالة هكذا قال مكحول: السنة سنتان سنة أخذها هدى وتركها لابأس به، وسنة أخذها هدى وتركها ضلالة كالأذان والإقامة وصلاة العيدين. (مبسوط السرخسي، أذان المرأة: ۱/۱۳۳. انیس)

(۱) ولايؤذّن لصلاة قبل دخول وقتها، فإن فعل أعاد في الوقت، لأن الأذان للإعلام وهو قبل دخول الوقت تجهيل ... الخ. (الجوهرة النيرة: ۱/۴۴)

أيضًا: قال أبوجعفر: ولايؤذّن لشئ من الصلوات إلاّ بعد دخول وقتها في قول أبي حنيفة ومحمد... الحجة لأبي حنيفة ... ==

(۲) چونکہ قصداً وقت سے پہلے اذان کہنا، دینی امانت کے خلاف ہے،(۱) اور اس سے لوگوں کی نماز کے غارت ہونے کا اندیشہ ہے، اس لیے مسجد کی انتظامیہ کا قبل از وقت اذان پر اصرار غلط ہے، گناہ ہے۔

(۳) اس کا وبال مؤذن پر بھی ہوگا، امام پر بھی اور مسجد کی انتظامیہ پر بھی۔ اگر یہ لوگ اپنی غلطی کی اصلاح نہ کریں تو امام، امامت کا اہل نہیں اور انتظامیہ مسجد کے معاملات کا انتظام کرنے کی اہل نہیں۔

(۴) اوپر آچکا ہے کہ امام کا انتظامیہ کے ایسے فیصلے کی تائید کرنا جو شرعاً غلط ہے، امام کی نااہلی کی دلیل ہے، امام کو ایسے غلط فیصلے کی تائید ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔(۲)(آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۳۰۵-۳۰۶)

اذان کے اوقات میں تلفیق بین المذاہب جائز نہیں:

سوال: ایک مسجد میں عصر کی اذان صاحبین کے قول کے مطابق اور نماز امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق ہوتی ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

== عن ابن عمر أنّ بلالاً رضی اللّٰہ عنہ أذّن قبل طلوع الفجر فأمرہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم أن یرجع فینادی:" ألا إن العبد نام". (شرح مختصر الطحاوی: ۱/۵۵۸-۵۵۹، باب الأذان)

ولا یؤذن لصلاۃ قبل دخول الوقت ویعاد فیہ. (تحفۃ الملوک، فصل فی الأذان، الأذان قبل دخول الوقت: ۱/۵۰)

عن أبی موسیٰ قال: کان الحسن إذا ذکر عندہ ھؤلاء الذین یؤذنون بلیل فقال: یقال: عُلُوجٌ فُرَّاغٌ لایصلون الإقامۃ لو أدرکھم عمر بن الخطاب لأوجعھم ضرباً أو لأوجع رؤوسھم. (مصنف ابن أبی شیبۃ، یؤذن بلیل أیعید الأذان أم لا (ح:۲۳۰۹) انیس)

(۱) لأن المؤذن مؤتمن قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم: الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن اللّٰھم أرشد الأئمۃ واغفر للمؤذنین، وفی الأذان قبل الوقت إظہار الخیانۃ فیما ائتمن فیہ. (المبسوط للسرخسی، باب الأذان: ۱/۱۳٤)

ولأن الأذان شرع للإعلام بدخول الوقت والإعلام بالدخول قبل الوقت کذب وکذا ھو من باب الخیانۃ فی الأمانۃ والمؤذن مؤتمن علی لسان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولھذا لم یجز فی سائر الصلوات. (بدائع الصنائع، فصل بیان وقت الأذان والإقامۃ: ۱/۱٥٤)

قولہ: (والمؤذن مؤتمن) یعنی: أمین علی صلاتھم وصیامھم، لأنھم یعتمدون علیہ فی دخول الأوقات وخروجھا وأیضاً ھو یطلع علی حرم المسلمین لارتقاءہ علی المواضع المرتفعۃ وعن ھذا قالوا: یکرہ أذان الجاھل مواقیت الصلاۃ وأذان الفاسق. (شرح أبی داؤد للعینی، باب مایجب علی المؤذن من تعاھد الوقت: ۲/٤٦٨)

وأما أمانۃ المؤذنین فقیل: لأنھم أمناء علی مواقیت الصلاۃ. (قوت المغتذی علی جامع الترمذی، أبواب الصلاۃ: ۱/۱۲٤) انیس)

(۲) ﴿وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾. (سورۃ المائدۃ: ۲)

فیعم النھی کل ماھو من مقولۃ الظلم والمعاصی ویندرج فیہ النھی عن التعاون علی الاعتداء والانتقام. (روح المعانی للآلوسی، تفسیر سورۃ المائدۃ: ۳/۲۳۰. انیس)

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلياً و مسلماً

کسی عمل واحد میں دواماموں کے مذہب پر عمل کوفقہا کی زبان میں تلفیق (۱) کہتے ہیں اور تلفیق منع وناجائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: محمد حنیف غفرلہ، ۱۶/۱۲/۱۴۰۹ھ۔ الجواب صحیح: حبیب اللہ القاسمی غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/۳۱۷)

اذان میں سانس ٹوٹ جائے تو کیا کرے:

سوال: جس مؤذن کا سانس اتنا کم ہو کہ وہ جب اذان دے تو سانس ختم ہونے کی وجہ سے کلمہ کا آخری حرف ختم ہوجاتا ہے اور دانت ٹوٹنے کی وجہ سے سامعین کو ایک حرف کے بجائے دوسرا حرف معلوم ہوتا ہو تو کیا ایسے شخص کی اذان ہوجاتی ہے؟ اور ایسے شخص کا اذان دینا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلياً

اگر وہ اذان دینے کے لئے ملازم ہے تو صحیح حرف ادا کرے، کوئی حرف کم نہ کرے ورنہ دوسرا شخص جو اہل ہو وہ اذان دیا کرے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۵/۶/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۵/۶/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۱۶) ☆

---

(۱) التلفيق بين المذاهب:

المراد بالتلفيق بين المذاهب أخذ صحة الفعل من مذهبين معاًبعد الحكم ببطلانه على كل واحد منهما بمفرده ومثاله: متوضىء لمس امرأة أجنبية بلاحائل وخرج منه نجاسة كدم من غيرالسبيلين فإن هذا الوضوء باطل باللمس عند الشافعية وباطل بخروج الدم من غيرالسبيلين عندالحنفية ولاينقض بخروج تلك النجاسة من غيرالسبيلين عند الشافعية ولاينقض أيضاًباللمس عند الحنفية فإذا صلى بهذا الوضوء فإن صحة صلاته ملفقة من المذهبين معاً.(الموسوعة الفقهية الكويتية،التلفيق بين المذاهب: ۲۹۴/۱۳)انيس)

وأن الحكم الملفق باطل بالإجماع وأن الرجوع عن التقليد بعدالعمل باطل اتفاقاً وهو المختار في المذهب وأن الخلاف خاص بالقاضي المجتهدوأما المقلد فلا ينفذ قضاؤه بخلاف مذهبه أصلاًكما في القنية.(الدرالمختار على صدر ردالمحتار،مقدمة: ۷۵/۱)

(قوله:وأن الحكم الملفق)المراد بالحكم الحكم الوضعي كالصحة ومثاله:متوضىء سال من بدنه دم ولمس امرأة ثم صلى فإن صحة هذه الصلاة ملفقة من مذهب الشافعي والحنفي والتلفيق باطل فصحته منتفية.(رد المحتار، مقدمة، مطلب في حكم التقليد والرجوع عنه : ۷۵/۱.انيس)

(۲) "قال رحمه الله تعالىٰ:بلا ترجيع ولحن".(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق) ==

درمیان اذان میں بجلی چلی جائے تو تکمیل کا طریقہ:

سوال: لاوڈاسپیکر کی مشین بالکل ایک کمرہ میں رکھی ہوئی ہے، اسی میں کھڑے ہوکر اذان کہی جاتی ہے، کبھی کبھی درمیان اذان لائٹ غائب ہوجاتی ہے، تو ایسی صورت میں کمرہ سے باہر آکر بقیہ اذان پوری کی جائے یا کمرہ میں، اور پھر کمرہ سے باہر آکر اذان کا اعادہ کیا جائے؟ ازروئے شرع فرمائیں؟

== قال الشيخ الشلبي: "(قوله لحن)قال الشيخ باكير رحمه الله تعالىٰ عند قوله(بلا ترجيع ولحن): يقال: لحن في القراءة طرب وترنم مأخوذ من إلحان الأغاني، فلا ينقص شيئاً من حروف ولا يزيد في أثنائه حرفاً وكذا لا يزيد ولا ينقص من كيفيات الحروف كالحركات والسكنات والمدات وغيرذلك لتحسين الصوت، فأما مجرد تحسين الصوت بلا تغيير، فإنه حسن آه". (تبيين الحقائق مع حاشية الشلبي، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٢٤١/١، دار الكتب العلمية بيروت)

"ومنها: أي من صفات المؤذن: أن يكون عالماً بالسنة لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يؤمكم أقرأكم، ويؤذن لكم خياركم، وخيار الناس العلماء". ولأن مراعاة سنن الأذان لايأتي إلا من العالم بها" (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فيما يرجع إلىٰ صفات المؤذن: ٦٤٦/١، دار الكتب العلمية، بيروت)

☆ مؤذن کا دوران اذان واقامت بات چیت کرنا:

مسئلہ: مؤذن کے لئے اذان واقامت کے دوران بات چیت کرنا مکروہ ہے، اگر ایک دو بات کر لی تو اذان واقامت درست ہے، لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر زیادہ بات چیت کی تو اذان کا لوٹانا مستحب ہے، البتہ اقامت کو نہیں لوٹایا جائے گا، کیونکہ اقامت دوبارہ کہنا ثابت نہیں ہے۔

(الحجة علىٰ ما قلنا: ما في المبسوط للسرخسي: قال: (ولايتكلم المؤذن في أذانه وإقامته) لأنه ذكر معظم كالخطبة فيكره التكلم في خلاله لما فيه من ترك الحرمة. (٢٧٨/١، باب الأذان)

ما في "التنوير مع الدر والرد": ولايتكلم فيهما أصلاً ولورد السلام، فإن تكلم استأنفه. (التنوير مع الدر المختار)

قال الشامي رحمه الله تعالىٰ: قوله: (استأنفه) إلا إذا كان الكلام يسيرًا. (٥٦/٢، باب الأذان، مطلب في أول من بنى المنائر للأذان)

ما في حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح: ويكره الكلام في خلال الأذان ولوبرد السلام ويكره الكلام في إقامته لتفويت سنة الموالاة، ويستحب إعادته أي الأذان بالكلام) فيه، لأن تكراره مشروع كما في الجمعة دون الإقامة. (قوله بالكلام فيه) أي مطلقاً، وقيل: لايعاد مطلقاً، ثالثها يعاد بالكلام الكثير دون اليسير. وهو الأشبه كما في البحر عن الخلاصة: والكلمة والكلمتان يسير كما في القهستاني. (ص: ٢٠٠، باب الأذان)

ما في الفتاوىٰ الهندية: ولاينبغي للمؤذن أن يتكلم في الأذان أوفي الإقامة أويمشي فإن تكلم بكلام يسير لايلزمه الاستقبال. (٥٥/١، الباب الثاني في الأذان، قبيل الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة الخ، كذا في فتاوىٰ قاضيخان: ٣٨/١، مسائل الأذان، البحر الرائق: ٤٤٩/١، باب الأذان، الفتاوىٰ التاتارخانية: ٣٢٩/١، الأذان، نوع آخر في المتفرقات من هذا الفصل، خلاصة الفتاوىٰ: ٥٠/١، كتاب الصلاة، الفصل الأول في الأذان، قبيل من سمع الأذان)

ما في الهدية العلائية لتلميذ المكاتب الابتدائية: ولايتكلم فيها أصلاً ولورد سلام، ولا يتنحنح إلا لتحسين صوته، فإن تكلم استأنفه، إلا إذا كان الكلام يسيرًا. (ص: ٧٠، باب الأذان، كيفية الأذان) (اہم مسائل: ٢/٥-٧)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

ایسی صورت میں کمرہ سے باہر آکر پوری اذان مستقل کہی جائے تا کہ سب لوگ اس کو پورے طور پر سن لیں اور کوئی اشتباہ نہ رہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔۱۲/۶/۱۳۹۴ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۴۴۸/۵-۴۴۹)

بجلی چلی جانے کی وجہ سے دوبارہ اذان:

سوال: مسجد میں اذان مائک سے شروع ہوتے ہی بجلی چلی گئی، مگر مؤذن نے اذان بلا مائک ہی پڑھ دی، ایک صاحب نے کہا کہ محلّہ کی عورتیں اذانِ مسجد کی انتظار میں ہونگی، لہٰذا اذان دوبارہ مسجد کے باہر پڑھ دی جائے، کیونکہ پہلی اذان حجرہ میں ہوئی ہے، مسجد کے دروازہ تک نہیں پہنچی ہے، کچھ لوگوں نے دوسری اذان کو منع کیا۔اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدً و مصلیاً

اگر اس اذان کی خبر سب کو ہوگئی اور بجلی کے بھاگ جانے سے پوری اذان کی آواز نہیں پہونچ سکی تو یہ بھی کافی ہے، دوسری اذان کی ضرورت نہیں، تاہم اگر دوسری اذان بھی پڑھ دی جائے تب بھی کوئی گناہ نہیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۴۴۹/۵)

---

(۱) ”لأن تكراره مشروع كما في أذان الجمعة ؛لأنه إعلام الغائبين،فتكريره مفيد لاحتمال عدم سماع البعض“.(البحر الرائق،كتاب الصلاة،باب الأذان: ٤٥٨/١،رشيدية)

ولأن ما يخفض به صوته لايحصل به فائدة الأذان،وهو إعلام فلا يعتبر“.(حاشية الشيخ الشلبي على التبيين،كتاب الصلاة،باب الأذان: ٩٠/١،إمدادية)

”لأن المقصود منه الإعلام،ولايحصل بالإخفاء،فصار كسائر كلماته“. (البحر الرائق،كتاب الصلاة،باب الأذان: ٤٤٥/١،رشيدية)

”إذا حضر المؤذن في خلال الأذان...وعجز عن الإتمام يستقبل غيره“.(الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة، الفصل الأول في صفة الأذان: ٥٥/١،رشيدية)

(۲) ”ويجب استقبالهما لموت مؤذن وغشيه وخرسه وحصره“.(الدر المختار،كتاب الصلاة،باب الأذان: ٣٩٣/١،سعيد)

ترجیع وتثویب کے احکام ومسائل

اذان میں ترجیع کی بحث:

سوال (۱) اذان میں جو بعض آدمی شہادتین دو دفعہ ہلکی آواز سے کہہ کر پھر دو دفعہ بلند آواز سے کہتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

حضرت بلال کی اذان:

(۲) اذان حضرتِ بلال کی کونسی ہے؟

الجواب

(۱) یہ ترجیع ہے جو حنفیہ کے نزدیک اذان میں سنت نہیں ہے۔ یہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغرض تعلیم شہادتین کے اعادہ کا حکم فرمایا تھا اور حضرت بلال کی اذان اور ملک نازل من السماء کی اذان میں ترجیع نہ تھی، اس پر حنفیہ کا عمل ہے۔(۱)

(۲) حضرت بلال کی اذان ایسے ہی تھی جیسے اب کہی جاتی ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۲/۹۴)

(۱) ترجیع کے لغوی معنیٰ لوٹانے کے آتے ہیں، یعنی شہادتین کو پہلے آہستہ کہنا، دوبارہ اسے بلند آواز سے کہنا ترجیع کہلاتا ہے۔ انیس
ولاترجیع فإنه مکروہ، ملتقیٰ. (الدر المختار)

الترجیع: أن یخفض صوته بالشهادتین ثم یرجع فیرفعه بهما لاتفاق الروایات علیٰ أن بلالا لم یکن یرجّع، وما قیل إنه رجّع لم یصح ولأنه لیس في أذان الملک النازل بجمیع طرقه، الخ. (ردالمحتار، باب الأذان: ۱/۳۵۹، ظفیر)

(۲) یعنی اس میں ترجیع نہ ہوتی تھی۔ جیسا کہ ذیل کی حدیث میں ہے:

عن محمدبن عبدالله بن زیدبن عبدربه قال: حدثني أبي عبد الله بن زیدرضی الله عنه قال: لما أمر رسول الله صلی الله علیه وسلم بالناقوس یعمل لیضرب به للناس لجمع الصلوٰة، طاف بي وأنا نائم رجل یحمل ناقوسًا في یده، فقلت: یا عبد الله! أتبیع الناقوس؟ قال: ما تصنع به؟ فقلت: ندعوبه إلی الصلوٰة، قال: أفلا أدلک علیٰ ما هو خیرمن ذلک؟ فقلت له بلیٰ، قال: فقال تقول: الله أکبر، الله أکبر، الله أکبر، الله أکبر، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمدًا رسول الله، أشهد أن محمدًا رسول الله، حي علی الصلاة، حي علی الصلاة، حي علی الفلاح، حي علی الفلاح، الله أکبر، الله أکبر، لا إله إلا الله. (سنن أبي داؤد، باب کیف الأذان (ح: ۴۹۹)/ سنن ابن ماجة، باب بدء الأذان (ح: ۷۰۶)/ سنن الدارمي، باب في بدء الأذان (ح: ۱۲۲۵)/ المنتقی لابن الجارود، ماجاء في الأذان (ح: ۱۵۸) انیس)

اذان بلاترجیع افضل ہے:

سوال: اذان ترجیع کے ساتھ کہنا افضل ہے یا بلاترجیع؟

الجواب

عندالحنفیہ اذان میں ترجیع نہیں ہے، بلکہ درمختار میں فرمایا ہے کہ ترجیع مکروہ ہے۔

"(ولا ترجیع) فإنه مکروہ،ملتقی". (الدرالمختار)

شامیؒ نے فرمایا کہ مکروہ تنزیہی مراد ہے۔

اور یہ بھی شامیؒ میں ہے:

"لاتفاق الروایات علیٰ أن بلالاً لم یکن یرجّع وماقیل: إنه رجّع لم یصحّ ولأنه لیس فی أذان الملک النازل من السماء بجمیع طرقه،الخ. (۱)فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۲۴)

جمعہ اور عشا میں تثویب:

سوال: بعض شہروں میں ایسا کرتے ہیں کہ اول نماز جمعہ کے واسطے اذان، اس کے بعد دو مرتبہ بآواز بلند "الصلاۃ" کہہ کر پکارتے ہیں، پھر اس کے بعد خطبہ کی اذان ہوتی ہے اور رمضان شریف میں بعد اذان عشا ایسا ہی کرتے ہیں۔ اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

یہ تثویب ہے جو کہ مختلف فیہ ہے اور احادیث میں اس پر اطلاق بدعت کا کیا گیا ہے اور بعض فقہا نے اس کو جائز فرمایا ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ خاص قاضی ومفتی وغیرہ کیلئے اس کو جائز رکھتے ہیں اور اسی کو قاضی خاں نے اختیار کیا ہے۔ پس احوط ترک ہے۔ (۲)فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۹۰-۹۱)

---

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاۃ،باب الأذان،مطلب فی الکلام علی حدیث "الأذان جزم": ۱/۳۵۹۔

(الأذان سنة) ... (لخمس) ... (والجمعة) ... (بغیر ترجیع) وهو أن یأتی بالشهادتین مخافتة ثم یأتی بهما مجاهرة لأنه لم ینقل فی حدیث عبدالله بن زید،وقال الشافعی: لابد من الترجیع. (منحة السلوک شرح تحفة الملوک،فصل فی الأذان: ۱/۹۳)

عن ابن عمر قال: إنما کان الأذان فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم مرتین مرتین والإقامة مرة مرة. (سنن أبی داؤد،باب فی الإقامة (ح: ۵۱۰)/السنن الکبریٰ للنسائی، کیف الإقامة (ح: ۱۶۴۴)/الکنیٰ والأسماء للدولابی،من کنیته أبو المثنیٰ مسلم (ح: ۱۷۲۵)/الصحیح لابن خزیمة،باب ذکر الخبر المفسر للفظة المجملة (ح: ۳۷۴)/الصحیح لابن حبان،ذکر وصف الإقامة التی کان یقام بها الصلاة (ح: ۱۶۷۴) انیس) ==

سوائے مغرب کے دیگر اوقات میں تثویب مستحسن ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین، اس مسئلہ کے بارے میں کہ تثویب کے متعلق کافی اختلاف موجود ہے، اس میں مختلف اقوال ہیں، صحیح اور فیصلہ شدہ قول کون سا معتبر ہوگا۔ بینوا توجروا۔

(المستفتی: بسم اللہ شاہ، متعلم دار العلوم حقانیہ......۱۵ر دسمبر ۱۹۸۳ء)

الجواب

فقہاء کرام نے سوائے مغرب کے دیگر اوقات میں تثویب کو مستحسن قرار دیا ہے۔(۱) اس کا ماخذ موجود ہے اور نظیر بھی موجود ہے۔(۲) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۱۹۳-۱۹۴)

== تثویب کو فقہاء متقدمین نے مکروہ کہا ہے اور بعد کے فقہا نے لوگوں کی غفلت اور نماز میں تساہل کو دیکھتے ہوئے اس کی اجازت دی ہے، مفتی عزیز الرحمٰنؒ اور حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے اسی بنا پر قول متقدمین پر فتویٰ دیا ہے، جبکہ دیگر مفتیان نے اس کی اجازت دی ہے، جیسا کہ آگے فتاویٰ آرہے ہیں۔ انیس

(۲) وقال أصحابنا المتقدمون: إنه مكروه في غير الفجر لما روى الترمذي وابن ماجة من حديث ابن أبي ليلىٰ عن بلال رضي الله عنه قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن لا أثوب في شيء من الصلوٰة إلا في الفجر، قال أصحابنا: هو أن يقول بين الأذان والإقامة: حَيَّ على الصلوٰة، حيَّ على الفلاح، مرتين، وقال غيرهم: هو أن يقول في أذان الفجر: "الصلوٰة خير من النوم"، مرتين. ولما روي أن علياً رضي الله عنه رأى مؤذناً يثوب في العشاء قال: أخرجوا هذا المبتدع من المسجد، وكذا كرهه مالک والشافعي مطلقاً. (شرح النقاية: ۶۲/۱) (كذا في مبسوط السرخسي، باب الأذان: ۱۳۰/۱)

عن مجاهد قال: كنت مع ابن عمر فسمع رجلاً يثوب في المسجد فقال: اخرج بنا من عند هذا المبتدع. (مصنف عبدالرزاق، باب التثويب في الأذان والإقامة (ح: ۱۸۳۲) انیس)

حاشیہ صفحہ هذا:

(۱) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: (قوله في الكل) أي كل صلوات لظهور التواني في الأمور الدينية، قال في العناية: أحدث المتأخرون التثويب بين الأذان والإقامة علىٰ حسب ما تعارفوه في جميع الصلوات سوى المغرب مع إبقاء الأول يعني الأصل هو تثويب الفجر وما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن. (رد المحتار هامش الدر المختار، باب الأذان، قبيل مطلب في أذان الجوق: ۲۸۶/۱) / كذا في العناية شرح الهداية، باب الأذان: ۲۴۶/۱)

والحديث بتمامه: عن عبدالله قال: إن الله عزوجل نظر في قلوب العباد بعد قلب محمد صلى الله عليه وسلم فوجد قلوب أصحابه خير قلوب العباد فجعلهم وزراءه يقاتلون على دينه فما رأى المسلمون حسناً فهو عندالله حسن وما رأى المسلمون سيّئاًفهو عندالله سيّء، وقد رأى أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم جميعا أن يستخلفوا أبابكر. (فضائل الصحابة للإمام أحمد، ومن فضائل عمر بن الخطاب من حديث أبي بكر (ح: ۵۴۱) / مسند الإمام أحمد، من مسند عبدالله بن مسعود (ح: ۳۶۰۰) / مسند أبي داؤد الطيالسي، ما أسند عبدالله بن مسعود (ح: ۲۴۳) / مسند البزار، زر بن حبيش عن عبدالله (ح: ۱۸۱۶) / الشريعة للآجري، باب ذكر فضل جميع الصحابة (ح: ۱۱۴۴) انیس)

(۲) وفي منهاج السنن: وهذا التثويب وإن لم يعهد في الصدر الأول، لكن له أصلاً في الشرع ووجهًا وجيهًا في الأصول. ==

تثویب کی عادت مکروہ ہے:

سوال: مؤذن اذان پڑھ چکا اور کچھ نمازی مسجد میں ہیں اور کچھ مسجد سے باہر کھڑے ہیں اگر امام ان کونماز کے لئے بلاوے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جولوگ احاطہ مسجد سے باہر ہیں، ان کے بلانے کے لئے اذان کافی ہے اور جو احاطہ مسجد کے اندر ہیں، خواہ متفرق ہوں، کوئی صحن میں، کوئی اندر، ان کو بلانے کے لئے اقامت کافی ہے۔ ان کے علاوہ علاحدہ بلانے کی کوئی ضرورت نہیں، اذان واقامت کی غرض تو بلانا ہی ہے۔ اس لئے پیش امام کے ذمہ نہیں کہ وہ لوگوں کو بلاتا پھرے۔ البتہ اگر بلالے تو گناہ بھی لازم نہیں آتا۔ جس کسی نے ایسا کہا غلط ہے، لیکن اس کو بلانے کی عادت ڈالنے کو علما نے مکروہ کہا ہے۔

وکره التثويب وهو إعلام بعد الإعلام. (١)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مسمیٰ امداد المفتین:٢٦٩/٢)

تثویب کی عادت ڈال لینا مکروہ ہے:

سوال: اذان دینے کے بعد جماعت کی نماز کے لئے "**الله أكبر**" کے الفاظ کے ساتھ یا "**صلاة وسلام**" کے ساتھ، نمازیوں کو یا امام صاحب مثلاً مسجد میں نہیں ہیں، حجرے میں ہیں، ان کو بلانا ـــــــ کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں اور کس طرح بلانا چاہئے، حوالہ کے ساتھ بیان فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

== روى أبوداؤد عن أبي بكرة رضي الله عنه قال: خرجت مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لصلاة الصبح فكان لا يمر برجل إلا ناداه بالصلاة أو حركه بالرجل، وفيه تعاون على البر وتكثير للجماعة ونظيره في ترك ماعهد في عصره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم منع النساء عن المساجد. (منهاج السنن شرح جامع السنن، باب التثويب في الفجر: ٧٦/٢)(سنن أبي داؤد، باب الاضطجاع بعدها (ح: ١٢٦٤)/السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب ماورد في الاضطجاع بعد ركعتي الفجر(ح: ٤٨٩٤)/شرح السنة للبغوي، باب الضجعة بعد ركعتي الفجر (٤٦١/٢)

عن عائشة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي ركعتي الفجر فإن كنت مستيقظة حدثني وإلا اضطجع حتى يقوم إلى الصلاة. (مسند الحميدي، أحاديث عائشة أم المؤمنين (ح: ١٧٥)/الصحيح للبخاري، باب ما تحدث بعد الركعتين ولم يضطجع (ح: ١١٦٧)/الصحيح لمسلم، باب صلاة الليل (ح: ٧٤٣)/مستخرج أبي عوانة، باب إباحة الاضطجاع بعد ركعتي الفجر (ح: ٢١٦٠)/شرح السنة للبغوي، باب الضجعة بعد ركعتي الفجر (٤٦١/٢)انيس)

(١) تفصیل کے لیے دیکھئے! بدائع الصنائع، فصل في كيفية الأذان: ١٤٨/٢/البناية شرح الهداية، التثويب في أذان الفجر: ١٠٠/٢./مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، صفة الأذان: ٧٧/١/البحر الرائق شرح كنز الدقائق، جلوس المؤذن بين الأذان والإقامة: ٢٧٥/١. انيس

الجواب

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے دور میں نماز کی اطلاع کے لئے اذان واقامت ہی کو کافی سمجھا جاتا تھا، ان کے درمیان مزید کوئی عام اطلاع نہیں دی جاتی تھی، غائبین کے لئے اذان کافی ہے اور حاضرین کے لئے جماعت کی اطلاع دینے کو اقامت کافی ہے، اذان اور اقامت کے درمیان اطلاع دینے کی عادت ڈال لینے کو علما نے مکروہ کہا ہے۔(۱) (امداد المفتین: ۱/۲۳۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس، ملتان۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار رئیس الافتاء۔ ۱۸/۵/۱۴۰۲ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۲۶)

تثویب جائز ہے اور اذان میں داخل سمجھنا بدعت ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ تثویب جائز ہے یا بدعت ہے؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: گل فروزخان وزیر)

الجواب

تثویب جائز ہے، اس میں تعاون علی البر موجود ہے۔(۲) البتہ اذان میں داخل کرنا بدعت ہے۔(۳)

یدل علیه ما فی شرح التنویر: (ویثوب) بین الأذان والإقامة فی الکل للکل بما تعارفوه. (هامش ردالمحتار: ۱/۳۶۱-۳۶۲) (۴) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۱۹۱)

(۱) (والتثویب فی الفجر "حی علی الصلاة حی علی الفلاح مرتین بعد الأذان والإقامة حسن) لأنه وقت نوم وغفلة (وکره فی سائر الصلوات) ومعناه العود إلی الإعلام بعد الإعلام وهو علی حسب ماتعارفوه وهذا التثویب أحدثه علماء الکوفة بعد عهد الصحابة لتغیر أحوال الناس وخصوا الفجر به) فکرهوا فی غیره. (فتح القدیر مع الهدایة، باب الأذان: ۱/۲۴۵. انیس)

(۲) وفی منهاج السنن: وجوزه المتأخرون فی الکل للکل بما تعارفوه واستثنوا من الصلوات صلاة المغرب لعدم إفادة التثویب فیها کما فی النهایة وغیرها وهذا التثویب وإن لم یعهد فی الصدر الأول لکن له أصلاً فی الشرع ووجها وجیهاً فی الأصول.

روی أبوداؤد عن أبی بکرة قال: خرجت مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم لصلاة الصبح فکان لا یمر برجل إلا ناداه بالصلاة أو حرکه بالرجل، وفیه تعاون علی البر وتکثیر للجماعة ونظیره فی ترک ما عهد فی عصره صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم منع النساء عن المساجد. (منهاج السنن شرح جامع السنن، باب ماجاء فی التثویب فی الفجر: ۲/۷۵)

(۳) عن مجاهد قال: کنت مع ابن عمر فثوب رجل فی الظهر أو العصر، قال: أخرج بنا فإن هذه بدعة. (سنن أبی داؤد، باب فی التثویب (ح: ۵۳۸) انیس)

(۴) الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان، قبیل مطلب فی أذان الجوق: ۱/۳۸۹.

تثویب مفتیٰ بہ قول کی بنا پر جائز ہے:

محترم المقام حضرت مولانا مفتی صاحب، مفتی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد از سلام عرض یہ ہے کہ ہمارا شیخ صاحب اذان کے بعد آواز دیتا ہے کہ ''ایمان والو نماز کے لئے آؤ'' صرف یہی الفاظ بولتا ہے، دوسری طرف ایک مولانا صاحب اور اس کا شیخ صاحب یہ حکم دیتا ہے کہ جس مسجد میں یہ آواز ہو جائے تو اس میں کسی کی نماز ادا نہیں ہوتی تو اس آواز کے جواز اور عدم جواز، نیز اس مسجد میں نماز کے ادا ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ واضح فرمائیں تو عین نوازش ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: سید سلیمان شاہ بہلولہ پایاں چارسدہ)

الجواب

یہ تثویب ہے اور مفتیٰ بہ قول کی بنا پر جائز ہے۔

لما فی الدر المختار فی باب الأذان: (ویثوب) بین الأذان والإقامة فی الکل للکل بما تعارفوہ.

قال العلامة الشامی (١٦٢/١): کتنحنح أو قامت قامت أو الصلاة الصلاة ولو أحدثوا إعلاماً مخالفاً لذلک جاز، نهر عن المجتبیٰ. (١)

اور یہ قول کہ اس مسجد میں کسی کی نماز ادا نہیں ہوتی تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قائل یا جاہل ہے یا متجاہل ہے۔ وھو الموفق

(فتاویٰ فریدیہ: ۱۹۲/۲-۱۹۳)

اذان میں تثویب کی کیا صورت ہے، اور تثویب کے معنیٰ:

سوال: اذان میں تثویب کی کیا صورت ہے، اور تثویب کے کیا معنیٰ ہیں؟

الجواب

اذان میں تثویب مسنون تو یہ ہے کہ اذان فجر میں ''الصلاة خیر من النوم'' اضافہ کیا جائے، (٢) اور تثویب

(١) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان، قبیل مطلب فی أذان الجوق: ٣٨٩/١۔

(٢) عن حماد عن إبراهیم قال: سألته عن التثویب قال: هو مما أحدثه الناس وهو حسن مما أحدثوا وذكر أن تثويبهم كان حين يفرغ المؤذن من أذانه الصلاة خير من النوم، قال محمد: وبه نأخذ وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ. (کتاب الآثار للإمام محمد، باب الأذان (ح: ٦٠)

عن سعید بن المسیب عن بلال أنه أتی النبی صلی الله علیه وسلم یؤذنه بصلاة الفجر فقیل: هو نائم، فقال: ''الصلاة خیر من النوم'' فأقرت فی تأذین الفجر، فثبت الأمر علی ذلک. (سنن ابن ماجة، باب السنة فی الأذان (ح: ٧١٦)/ وکذا فی سنن الدارمی، التثویب فی أذان الفجر (ح: ١٢٢٨) عن سعد القرظ. انیس)

مبتدع ایک تو اذان میں ہے کہ ''حیّ علٰی خیر العمل'' اضافہ کیا جائے جیسا روافض کرتے ہیں،(۱) اور ایک مابین الاذان والاقامۃ ہے کہ مؤذن تھوڑی دیر میں۔۔۔''الصلاۃ جامعۃ'' یا ''الصلاۃ الصلاۃ رحمکم اللّٰہ'' پکارتا ہے، یہ دونوں بدعت ومکروہ ہیں،(۲) والأول أشد ابتداعاً و کراھۃً. (امداد الاحکام:۲/۴۷)

حکم تعدد اذان فجر در رمضان بوقت سحر وصبح صادق:

سوال: سحری کے لئے اذان کہنا پھر صبح کو اذان کہنا جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے، کیا اس پر قرونِ ثلاثہ میں عملدرآمد رہا۔ ہمارے فقہا اسے مواقع اذان سے نہیں لکھتے تو کیا ہمارے یہاں مکروہ ہے؟

الجواب

قال مالک فی الموطأ، آخر ما جاء فی النداء للصلاۃ مانصہ: لم تزل الصبح ینادیٰ لھا قبل الفجر فأما غیرھا من الصلوات فإنا لم نرھا ینادی لھا إلا بعد أن یحل وقتھا. (۳)

وفی الجزء الثانی من عمدۃ القاری، باب أذان الأعمٰی فی بیان أذان ابن أم مکتوم وبلال فی وقت الصبح تحت ''قولہ أصبحت'' قال عیاض ... :ولأنہ العمل المنقول فی سائر الحول بالمدینۃ، آہ. (۴)

ان نقول سے معلوم ہوا کہ سحر کے وقت اذان کہنا خیر القرون میں معمول بہ تھا۔ آگے یہ دوسری بحث ہے کہ اس پر اکتفا کیا جاوے(۵) یا نہیں؟ اس میں اختلاف مشہور ہے لیکن یہ اختلاف نفسِ عمل کی نقل میں مخل وقادح نہیں

قال محمد فی الموطأ، باب مایحرم الطعام علی الصائم تحت حدیث'' إن بلالا ینادی بلیل فکلوا واشربوا حتی ینادی ابن أم مکتوم''. وبطریق اٰخر: ''وکان ابن أم مکتوم: لا ینادی حتٰی یقال لہ: ''قد أصبحت'' ما نصہ: کان بلال ینادی بلیل فی شھر رمضان لسحور الناس''. (٦)

---

(۱) فی شرح المھذب للشافعیۃ: یکرہ أن یقال فی الأذان: ''حی علٰی خیر العمل''؛ لأنہ لم یثبت عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و سلم والزیادۃ فی الأذان مکروھۃ، آہ، وقد سمعناہ الاٰن عن الزیدیۃ ببعض البلاد. (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاۃ، جلوس المؤذن بین الأذان والإقامۃ: ۱/۲۷۵)

ھم زادوا فی الأذان شعارًا لم یکن یعرف علٰی عھد النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم وھو ''حی علٰی خیر العمل''. (منھاج السنۃ النبویۃ، الرد علی الرافضی أن عثمان زاد الأذان: ٦/۲۹۳-۲۹٤. انیس)

(۲) ...وعند المتقدمین ھو مکروہ فی غیر الفجر وھو قول الجمھور، الخ. (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاۃ، جلوس المؤذن بین الأذان والإقامۃ: ۱/۲۷۵)

(۳) موطأ الإمام مالک، باب ماجاء فی النداء للصلوٰۃ (ت:الأعظمی): ۲/۹۸. انیس

(۴) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، باب الأذان بعد الفجر: ۵/۱۳۱. انیس

(۵) یعنی سحری والی اذان صبح کی نماز کے لئے کافی ہے یا اس کے لئے صبح صادق ہونے کے بعد دوسری اذان کہنا ضروری ہے۔ سعید

(٦) موطأ الإمام محمد، باب متی یحرم الطعام علی الصائم: ۱/۱۲۲. انیس

وفی عمدة القاری، باب الأذان قبل الفجر تحت قوله: وطأطأ، مانصه: فيه أن الأذان الذی كان يؤذن به بلال كان لرجع القائم وإيقاظ النائم وبه قال أبو حنيفة. (۱)

ان نقول سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ اس اذان کو مکروہ نہیں فرماتے، چنانچہ امام محمد کا کراہت کا نقل نہ کرنا اور عینی کا ''به قال أبو حنيفة'' کہنا اس کی صاف دلیل ہے۔ باقی فقہا کا نہ لکھنا اس وجہ سے ہوسکتا ہے کہ یہ مقاصد میں سے نہیں، لیکن فقہا کراہت کا بھی حکم نہیں کرتے۔ پس مذہب میں مخیّر فیہ رہا۔ لیکن قواعد سے اس کو مقید کیا جائے گا عدم تشویش کے ساتھ۔ (۲) واللہ اعلم

۱۰/ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ۔ (النور، صفحہ: ۱۲/ ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۱۸۹-۱۹۰)

اذان سے پانچ منٹ قبل لاؤڈ اسپیکر سے نماز کا اعلان:

سوال: اگر فجر کی اذان سے پانچ منٹ پہلے آدمیوں کو نماز کے لئے اٹھانے کی نیت سے مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر ''صلاۃ'' کہا جائے تو یہ درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اذان تو اسی مقصد کے لئے دی جاتی ہے، قبل اذان مستقلاً لاؤڈ اسپیکر پر ''الصلاۃ'' کی پابندی کرنے سے نفسِ اذان کا خاص فائدہ نہیں رہے گا اور لوگ اس کو اذان کی طرح مستقل شرعی حکم سمجھ لیں گے۔ اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۷/ ۶/ ۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/ ۵۰۰)

صبح صادق سے پہلے ''الصلاۃ الصلاۃ'' پکارنا:

سوال: ہمارے یہاں رمضان المبارک میں سحری میں صبح صادق سے پہلے مؤذن منارہ پر چڑھ کر صلاۃ صلاۃ چلاتے ہیں، تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

یہ چیز ثابت نہیں، اس کو بند کرنا چاہئے۔ (۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۵/ ۴۹۹)

---

(۱) عمدة القاری شرح البخاری: ۵/ ۱۳۵. انیس

(۲) یعنی اگر کسی جگہ سحری کے لئے اذان کہی جائے تو پہلے تمام لوگوں کو واقف کر دیا جائے کہ فلاں شخص جو اذان دے گا وہ سحری شروع کرنے کی اطلاع کے لئے ہوگی، ورنہ لوگوں کو دھوکہ ہوگا، وہ اس کو صبح کی اذان سمجھ کر سحری بند کر دیں گے۔ سعید احمد

(۳) ولاتثويب إلا في صلاة الفجر لما روی أن عليًا رضی الله تعالىٰ عنه رأى مؤذناً يثوب فی العشاء فقال: ''أخرجوا هذا المبتدع من المسجد''. (المبسوط للسرخسی، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/ ۲۷٤، المكتبة الغفارية، کوئٹہ)

(۴) المخرج السابق

==

اذان فجر کے چند منٹ بعد "الصلوٰۃ خیر من النوم" کی صدا لگانا:

سوال: بعض مساجد کے اندرونی حصہ میں اذان کے لئے نصب شدہ مائک پر اذان فجر کے چند ہی منٹ بعد "الصلاۃ خیر من النوم" کی صدا لگائی جاتی ہے، کیا اس طرح کہنا درست ہے؟

(محمد حبیب الدین، قاضی باغ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

اذان فجر کے کچھ بعد اور اقامت سے پہلے دوبارہ "الصلاۃ خیر من النوم" کہنا درست نہیں؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایسا کرنا ثابت نہیں، امام مجاہد سے منقول ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا، جس میں اذان ہوچکی تھی، ہم نماز پڑھنا ہی چاہتے تھے کہ مؤذن نے "الصلاۃ خیر من النوم" (تثویب) کہی، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں اس بدعت کرنے والے شخص کے پاس سے لے چلو، اور اس مسجد میں نماز ادا نہیں فرمائی۔(۱) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۴۲-۱۴۳)

اذان فجر کے بعد لوگوں کو نماز کے لئے بلانا:

سوال: فجر کی اذان دینے کے بعد مؤذن یا دوسرا کوئی شخص محلّہ والوں کو نماز کیلئے سارے محلّہ میں گھر گھر پھر کر بیدار کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کرسکتا ہے تو کیوں کر، اور نہیں کرسکتا تو اس کی توضیح فرمائیں؟

(المستفتی نمبر ٦٣٧٢، منشی مسرور علی صاحب، ملازم ہمدرد دواخانہ، دہلی - ۲۹/جولائی ۱۹۴۲ء/۱۴/رجب ۱۳٦۱ھ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

یہ عمل اول تو تثویب میں داخل نہیں بلکہ اس سے زیادہ حیثیت رکھتا ہے۔ دوسرے تثویب بھی ایک امر مستحدث اور مبتدع ہے۔ اذان سے پہلے بہ نیت امر بالمعروف اس امر کی گنجائش ہے۔ اذان کے بعد یہ امر کراہت سے خالی نہیں ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

== وأما التثويب المحدث فمحله: صلاة الفجر أيضاً ... ووقته: ما بين الأذان والإقامة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في كيفية الأذان: ١/ ٦٤١، دار الكتب العلمية، بيروت)

والأصح أنه بعد الأذان؛ لأنه مأخوذ من الرجوع والعود إلى الإعلام، وذلك إنما بعد الفراغ". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ١/٥ ٢٤، دار الكتب العلمية، بيروت)

(١) الجامع للترمذي: ١/ ٥٠، حدیث نمبر: ١٩٨، باب ماجاء في التثويب في الفجر

(٢) قال في العناية: "أحدث المتأخرون بين الأذان والإقامة على حسب ماتعارفوه، وخصه أبويوسف بمن يشتغل بمصالح العامة كالقاضي والمفتي والمدرس، الخ". (رد المحتار، باب الأذان: ١/ ٦٥، ط سعيد)

الجواب

ازمولانا مفتی مظہراللہ صاحب:

ہاں اس فعل میں کچھ مضائقہ نہیں، بلکہ موجب ثواب ہے کہ یہ تثویب کے معنی میں ہے۔

والتثویب حسن عند المتأخرین. (۱)

تبیین میں ہے:

"وتفسیره أن یؤذن للفجر ثم یقعد قدر ما یقرأ عشرین آیة ثم یثوب ثم یقعد مثل ذلک ثم یقیم". (۲) (هکذا فی الفتاویٰ الهندیة: ۵٦/۱) (۳) **فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم**

محمد مظہراللہ غفرلہ، امام جامع مسجد فتح پوری، دہلی

جواب الجواب

ازحضرت مفتی اعظم:

تثویب کو اگرچہ متاخرین حنفیہ نے مستحسن قرار دیا ہے، مگر اس میں شبہ نہیں کہ یہ امر مستحدث ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کے زمانے میں تثویب نہ تھی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ اس کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ایک مسجد میں نماز پڑھنے گئے، وہاں مؤذن نے تثویب کی تو وہ بغیر نماز پڑھے چلے آئے اور چونکہ نابینا ہوگئے تھے، اس لئے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس بدعتی کے پاس سے ہم کو لے چلو۔

عن مجاهد قال: دخلت مع عبد اللّٰه بن عمر مسجدًا وقد أذن فیه ونحن نرید أن نصلی فیه فثوب المؤذن فخرج عبد اللّٰه بن عمر من المسجد وقال أخرج بنا من عند هذا المبتدع ولم یصل فیه". (سنن الترمذی: ۲۸/۱) (۴)

نیز متاخرین حنفیہ کا تثویب کو مستحسن فرمانا اور اس کی یہ تعریف کرنا کہ اذان کے بعد تھوڑا وقفہ کر کے مؤذن یہ الفاظ پکار کر کہے: "**الصلاة الصلاة**" یا "**قامت قامت**" وغیرہ تو یہ عمل عام طور پر مساجد حنفیہ میں معمول نہیں ہے، عام عمل اس پر ہے کہ جو جامع صغیر کی روایت سے تثویب کا مکروہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

وفی الجامع الصغیر: أنه یکره فی سائر الصلوات. (جامع الرموز: ۵۷/۱) (۵)

(۱) کذا فی الجوهرة النیرة علی مختصر القدوری، باب شروط صحة الصلاة: ٤٦/۱. انیس

(۲) تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، الأذان للفائتة: ۹۲/۱. انیس

(۳) الفتاویٰ الهندیة، باب الأذان، الفصل الثانی فی کلمات الأذان والإقامة وکیفیتهما: ٥٦/١، ط ماجدیة

(۴) سنن الترمذی، باب ما جاء فی التثویب فی الفجر: ۵۰/۱، ط ماجدیة (ح:۱۹۸)

(۵) جامع الرموز، فصل فی الأذان، ۱۲۵/۱، ط: قزان (الجامع الصغیر متن النافع الکبیر، باب الأذان: ۸۳/۱. انیس)

پھر تثویب جس کو متاخرین حنفیہ مستحسن فرماتے ہیں، وہ صرف مؤذن کا عمل ہے، دوسروں کا نہیں۔

قیّد بکون المثوب هو المؤذن لأنه لاينبغي لأحد أن يقول لمن فوقه في العلم والجاه "حان وقت الصلاة" سوى المؤذن لأنه استفضال لنفسه. (الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح: ۱۰۷)(۱)

میں نے پہلے جواب میں اس امر کی طرف اشارہ کیا تھا کہ محلّہ میں گھر گھر جا کر بیدار کرنا تثویب سے کچھ زیادہ ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تثویب تو مؤذن کا مسجد میں اذان کے بعد الفاظ معہودہ پکار کر کہنے کا نام ہے اور یہ عمل اس سے آگے بڑھ کر گھروں پر جانے اور کنڈیاں کھٹکھٹا کر لوگوں کو جگانے اور کئی کئی آدمیوں کے مل کر گھومنے پر مشتمل ہے اور یہ امور تثویب معروف عند الفقہاء سے جس کو انہوں نے مستحسن فرمایا ہے، یقیناً زیادہ ہیں۔ صرف مؤذن کی تثویب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ مبارک میں نہیں تھی۔

ولم يكن في زمنه صلى الله عليه وسلم ولا في زمن أصحابه، الخ. (الطحطاوی)(۲)

یعنی تثویب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور صحابہ کرام کے زمانے میں نہ تھی۔

اور ان زیادہ باتوں کا وجود بھی مستحدث اور مبتدع ہونے کے علاوہ کئی منکرات پر مشتمل یا محتمل ہوسکتا ہے۔ **اول** یہ کہ جگانے والے اور کنڈیاں بجا بجا کر بیدار کرنے والے؛ بسا اوقات ایسے گھروں کی کنڈیاں بھی کھٹکھٹاویں گے، جن میں کوئی مریض ہو؛ جو درد و تکلیف کی وجہ سے رات بھر نہ سو سکا تھا، اس کی اسی وقت آنکھ لگی تھی، وہ جاگ کر پھر درد و کرب میں مبتلا ہوگیا۔ **دوم** یہ کہ بعض گھر والے بیباک اور دنیوی حیثیت سے بڑی پوزیشن والے ہوتے ہیں اور جگانے والے بے چارے غریب اور دنیوی حیثیت سے کم درجے کے ہوتے ہیں تو گھر والے بجائے ان کی بات سننے کے ان کو گالیاں دینے لگتے ہیں، یہاں تک بھی صبر کیا جا سکتا تھا مگر وہ بے باکی اور دلیری سے نعوذ باللہ خدا، رسول اور نماز کی شان میں بھی ایسے کلمات کہہ دیتے ہیں جو کفر تک نوبت پہنچا دیتے ہیں اور چونکہ اسلامی حکومت اور محکمۂ احتساب موجود نہیں، اس لئے اس کا کوئی تدارک نہیں ہوسکتا۔ مجھے خوف ہے کہ ایسی صورت میں ان کے کفر کی کسی حد تک ذمہ داری ان جگانے والوں پر بھی نہ آجائے، جنہوں نے تبلیغ وتذکیر میں حکمت وموعظۂ حسنہ کی رعایت میں کوتاہی کی اور اس وجہ سے ایک مسلمان (گو فاسق ہو) کافر ہوگیا۔ **سوم** یہ کہ یہ جگانے والے اگر مرتاض اور مخلص نہ ہوں تو ان میں اپنے متعلق تکبر اور ترفع اور دوسرے لوگوں کے متعلق نفرت وحقارت کے جذبات بڑی حد تک پیدا ہونے کا یہ عمل قوی ذریعہ بن جاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں یہ عمل اختیار نہیں کیا گیا، باوجودیکہ نماز اور جماعت سے رہ جانے والوں کا وجود اس زمانہ میں بھی تھا جو وعید احراق بیوت کی روایت سے واضح ہے۔

---

(۱) حاشية الطحطاوي، باب الأذان: ۱۱۷/۱، ط: مصر.

(۲) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب الأذان: ۱۹۸/۱. انيس

بہر حال اذان کے بعد تو یہ عمل ضرور مکروہ ہے اور اذان سے پہلے بھی ہر دروازے کی بلا تمیز کنڈی بجانا خطرناک اور گلی میں سے درمیانی درجہ کی آواز دیتے ہوئے نکل جانا مباح اور جس شخص پر بھروسا ہو یا جس کی طرف سے اجازت ہو اس کو جگا دینا مستحسن ہے۔

حضرت امام ابو یوسف نے ایسے لوگوں کے لئے جو امور مسلمین یعنی اسلامی ضروریات میں مصروف رہتے ہوں یہ اجازت دی ہے کہ اذان کے بعد جب جماعت کا وقت قریب ہو اور مؤذن ان کو دوبارہ اطلاع کر دے تو وہ دوسری بات ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ (کفایت المفتی:۵۸/۳-۶۰)

اذان کے بعد نماز کے لئے بلانا تثویب میں داخل ہے:

سوال: اذان واقامت کے درمیان ان الفاظ میں تثویب ''اعلام بعد اعلام'' ہر نماز کے لئے پکارنا'' **الصلاۃ و السلام علیک یارسول اللّٰہ. الصلوٰۃ والسلام علیک یانبی اللّٰہ. الصلاۃ والسلام علیک یا حبیب اللّٰہ**'' جائز ہے یا ناجائز۔ لغت اور اصطلاح شرعیہ میں تثویب کے کیا معنی ہیں، جس مسجد میں یہ تثویب کبھی نہ پکاری گئی ہو اگر وہاں کچھ لوگ اس کو پکاریں اور بغیر پکارے نماز نہ پڑھیں نہ دوسروں کو پڑھنے دیں اور ان لوگوں پر جو اس فعل کو نامناسب اور خلاف حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں لعن وطعن کریں اور ان کو وہابی دیوبندی مردود کافر کہیں اور لڑنے جھگڑنے کو تیار ہو جائیں ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

(۲) حدیث ''**لا تثوّبنَّ في شيء من الصلاة إلا في صلاة الفجر**''. (سنن الترمذی: ۲۷)(۲) کی روایت میں جو ایک روای اسرائیلی واقع ہوئے ہیں۔ ان کو صاحب ترمذی نے ضعیف کہا ہے تو کیا اس سے روایت قابل عمل رہتی ہے یا نہیں ان کی ثقاہت وعدالت وضبط وغیرہ کے بارے میں کتب اصول سے کیا مستنبط ہوتا ہے؟

(المستفتی نمبر:۲۲۶۸، حافظ عبد الجلیل خان صاحب۔ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ/۲۶ مئی ۱۹۳۸ء)

الجواب

تثویب اس معنی کے لحاظ سے کہ اس سے مراد اذان اور اقامت کے درمیان میں کچھ الفاظ پکار کر لوگوں کو نماز کے لئے

---

(۱) قال أبو یوسف: لاأری بأسًا أن یقول المؤذن للأمیر فی الصلوات کلها ''السلام علیک أیها الأمیر ورحمة اللّٰه وبرکاته، حی علی الصلاة حی علی الفلاح'' واستبعده محمد لاستواء الناس فی أمر الجماعة لکن أبو یوسف خصهم بذلک لزیادة اشتغالهم بأمور المسلمین کیلا تفوتهم الجماعة، وعلی هذا القاضی والمفتی. (الکبیری شرح منیة المصلی، فصل فی السنن: ۳۷۶. ط: دار سعادت. انیس)

(۲) سنن الترمذی، باب ماجاء فی التثویب فی الفجر: ۵۰/۱، ط: سعید کمپنی

بلا نامد نظر ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان اور اقامت کے درمیان میں ایسی کوئی چیز نہ تھی، نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی، اس کو لوگوں نے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایجاد کیا اور صحابہ نے اس کا انکار کیا۔(۱)

حضرت عبداللہ ابن عمر نماز کے لئے ایک مسجد میں گئے اور وہاں تثویب پکاری گئی تو وہ اس مسجد سے بغیر نماز پڑھے چلے آئے اور کہا کہ اس مبتدع کے پاس سے مجھے لے چلو۔ یہ واقعہ ترمذی: ۱/ ۲۸، اور ابوداؤد میں موجود ہے۔(۲)

امام ابو یوسف نے قاضی یا مفتی یا کسی ایسے ہی شخص کے لئے جو خدمت مسلمین میں مشغول رہتا ہو اس امر کی اجازت دی ہے کہ اس کو اقامت سے کچھ قبل اطلاع دیدی جایا کرے تو وہ جماعت میں شریک ہو جائے اور خدمت خلق میں نقصان نہ پڑے۔(شامی: ۱/ ۳۵۹)(۳)

ان کی اجازت کا بھی یہ مطلب نہیں کہ اذان اور اقامت کے درمیان تثویب کی رسم ہی قائم کر لی جائے اور پھر طرفہ یہ کہ اس کو ایک واجب کا درجہ دے دیا جائے اور منکر یا تارک کو وہابی، مردود کہہ کر لعن طعن کیا جائے، یہ تو یقینی تعدی اور ظلم اور انتہائی بدعت ہے۔ ترمذی کی روایت ابواسرائیل الملائی کی اگرچہ ضعیف ہے، مگر عبداللہ ابن عمر کی روایت مذکورہ بالا سے اس کی تقویت ہو جاتی ہے اور وہ قابل عمل ہو جاتی ہے۔(۴) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔(کفایت المفتی: ۳/ ۵۴۔۵۵)

---

(۱) وأما التثويب بين الأذان والإقامة فلم يكن في عهده عليه السلام، آه. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، باب الأذان: ۲/ ۱۵۵. انيس)

(۲) وروى عن مجاهد قال: دخلت مع عبدالله بن عمر مسجداً وقد أذن فيه، ونحن نريد أن نصلى فيه، فثوب المؤذن، فخرج عبدالله بن عمر من المسجد وقال: اخرج بنا من عندهذا المبتدع ولم يصل فيه. (سنن الترمذى، باب ماجاء في التثويب في الفجر (ح: ۱۹۸) انيس)

(۳) وخصه أبويوسف بمن يشتغل بمصالح العامة كالقاضى والمفتى والمدرس واختاره قاضى خان وغيره، نهر. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، قبيل مطلب فى أذان الجوق: ۱/ ۳۵۹)

وخصه الثانى بمن يشتغل بمصالح العامة كالقاضى والمفتى والمدرس واختاره قاضى خان وغيره. (النهر الفائق شرح كنز الدقائق، باب الأذان: ۱/ ۱۷۷. انيس)

(۴) قال فى العناية: "أحدث المتأخرون التثويب بين الأذان والإقامة علىٰ حسب ما تعارفوه فى جميع الصلوات الخ وخصه أبويوسف بمن يشتغل بمصالح العامة كالقاضى والمفتى والمدرس، الخ. (رد المحتار، باب الأذان: ۱/ ۳۸۹، ط: سعيد كمپنى)

وعند المتقدمين هومكروه فى غير الفجر، وهوقول الجمهور، الخ. (البحر الرائق، باب الأذان: ۱/ ۲۷۵، ط: بيروت لبنان)

عن منصور عن إبراهيم قال: كانوا يثوبون فى العتمة والفجر وكان مؤذن إبراهيم يثوب فى الظهر والعصر فلاينهاه. (مصنف ابن أبى شيبة، فى التثويب فى أى صلاة هو (ح: ۲۱۷۵) انيس)

اذان کے بعد لوگوں کو جماعت کے لئے بلانا:

سوال: لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جب اذان مسجد میں ہوجائے، تو مؤذن کو یا اور جو آدمی داخل مسجد ہے، اگر باہر سے ان آدمیوں کو جو باہر کسی مکان میں دس بیس بیٹھے ہیں، اس غرض سے بلالے کہ جماعت کے ثواب سے محروم نہ رہیں، تو ایک کفارہ کا بکرا آتا ہے، ان کو بلانا جائز ہے یا نہیں، اور کفارہ آتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

بعد اذان کے مؤذن یا دیگر حاضر مسجد کو کسی کو جماعت کی شرکت کے واسطے اطلاع کر دینا اور بلانا درست ہے، بلکہ ثواب ہے اور یہ عوام کا کلام ہے کہ بکرا کفارہ آتا ہے، سو یہ غلط ہے۔ البتہ بعد اذان کے الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہنے کی عادت کرنا، بعض علما کے نزدیک بدعت ہے اور یہی صحیح ہے کہ عوام کے نزدیک اذان لغو ہوجاتی ہے اور موجب سستی کا ہوتا ہے، مگر کسی رہ گئے کو مطلع کر دینا، یہ ہرگز منع نہیں، نہ اس میں کچھ کفارہ ہے۔(١) فقط واللہ اعلم

رشید احمد۔ (فیوض رشیدیہ ص٢٤)۔ (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:١٤٢)

راستہ میں نماز کی دعوت دیتے ہوئے آنے کا حکم:

سوال: کچھ عرصہ سے مجھے شوق پیدا ہوا ہے کہ جس وقت میں اپنے مکان سے نماز کے لئے روانہ ہوتا ہوں، تو اپنے ہمسایہ اور ملنے والوں کو نماز کی دعوت دیتا ہوا مسجد پہنچتا ہوں، راستہ میں اکثر "نماز، نماز" کی آواز بھی لگاتا ہوں۔ میرے اس فعل کو کچھ لوگ بدعت کہتے ہیں اور حدیث یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک مسجد میں نماز کے لئے تشریف لے گئے، تو وہاں ایک شخص نے تثویب شروع کردی، ابن ابی شیبہ مجاہد کے طریق سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مؤذن نے اذان کے بعد "**الصلاۃ الصلاۃ**" کے لفظ سے تثویب کی اور لوگوں کو نماز کی دعوت دی، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجاہد سے فرمایا کہ یہ بدعت ہے، مجھے یہاں سے لے چل۔ (کتاب کا نام ہے "راہ سنت" ص:١٣٢، مصنفہ مولوی محمد سرفراز خان صفدر، فاضل دیوبند، خطیب جامع مسجد گکھڑ منڈی، صدر مدرس مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ)

مولوی عبدالحنان صاحب گجر کھڈہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث مؤذن کے لئے ہے کہ مسجد کی طرف سے مؤذن دوبارہ نماز کا اعلان نہیں کرسکتا۔ اگر کوئی شخص مسجد کے باہر لوگوں کو "نماز، نماز" پکار کر بلاتا ہے، تو یہ بدعت نہیں، اس لئے جائز ہے۔

---

(١) (قوله: والتثويب، الخ): هذا هو التثويب المحدث وإنما اختص بالفجر لاختصاصه بوقت يستحب فيه النوم فاستحب زيادة الاعلام و لم ير عامة مشايخنا اليوم بأسًا في الصلوات كلها لتغير أحوال الناس. (النافع الكبير شرح الجامع الصغير، باب الأذان: ٨٤/١. انيس)

میرے مکان سے مسجد تک کچھ فاصلہ ہے۔راستہ میں کئی مکان پڑتے ہیں،جن کے قریب سے گزرتے ہوئے میں ''نماز،نماز'' کی آواز لگاتا ہوا مسجد کو پہنچتا ہوں۔اب آپ یہ فرمائیں کہ میرا یہ فعل جائز ہے یا بدعت؟ عبدالحنان صاحب نے یہ بھی کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ صبح کے وقت لوگوں کو نماز کیلئے جگایا کرتے تھے۔

بہر حال آپ کا جواب آنے پر میں قطعی فیصلہ کروں گا کہ مجھے یہ کام بند کرنا چاہئے،یا جاری رکھنا چاہئے؟

الجواب

ایک تو تثویب ہے،جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ نماز کے عادی ہیں،لیکن اپنے مشاغل میں مشغول ہیں اور احتمال ہے کہ غفلت ومشغولی کے سبب نماز سے نہ رہ جائیں،ایسے لوگوں کو دوبارہ نماز کی اطلاع دینا۔

لأن معنى التثويب العود إلى الإعلام بعد الإعلام،درر. (ردالمحتار: ۲۸٦/۱)(۱)

متقدمین نے اسے ناجائز کہا ہے اور متأخرین کے نزدیک اس کی گنجائش ہے (گو عملاً آج کل متروک ہے) اور اس کا محل مسجد ہے۔

اور دوسرے دعوت وتبلیغ ہے کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا،اس کو بذریعہ ترغیب وترہیب نماز کا عادی بنایا جائے،یہ بھی جائز ہے،خواہ اذان کے بعد ہو یا اذان سے پہلے۔لیکن اذان کے بعد مسجد کو جاتے ہوئے ''نماز،نماز'' کا نعرہ لگاتے ہوئے جانا نہ تثویب ہے نہ تبلیغ،اس لئے اس کا کوئی خاص فائدہ سمجھ میں نہیں آتا اور نہ سلف سے کہیں منقول لکھا ہے۔

جو لوگ نماز پڑھتے ہیں اور وہ سوئے ہوئے ہیں،ان کو ''الصلاۃ'' کہہ کر جگانا امر آخر ہے،(۲) لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فعل سے استدلال کرنا بظاہر صحیح نہیں۔فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ۔(خیر الفتاویٰ:۲/ ۲۰۲-۲۰۳)

بعد اذان امام اور مقتدیوں کو بلانا کیسا ہے:

سوال: مؤذن کو بعد اذان کے امام یا دیگر نمازیوں کو بلانا درست ہے یا نہیں؟

(۱) ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب الأذان،قبیل مطلب فی أذان الجوق.انیس

(۲) كان عمر بن الخطاب يصلى كل ليلة ماشاء الله أن يصلى،حتى إذا كان من آخر الليل أيقظ أهله للصلاة، الخ.(موطأالإمام محمد،باب صلاة الليل (ح:۱٦۹)

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يمر بباب فاطمة ستة أشهر إذا خرج لصلاة الفجريقول:الصلاة يا أهل البيت،إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَذْهَبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ.(اتحاف المهرة لابن حجر (ح:۱۰۲۲)

عن عائشة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى من الليل إحدىٰ عشرة ركعة فإذا فجر الفجر صلى ركعتين خفيفتين ثم اتكى على شقه الأيمن حتى ياتيه المؤذن يؤذنه للصلاة.(مصنف عبدالرزاق الصنعانى،باب صلاة النبى صلى الله عليه وسلم من الليل (ح:٤۷۰٤)انيس)

الجواب

یہ اچھا نہیں ہے، الا بضرورت کبھی ایسا ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔(١) فقط (فتاویٰ دارالعلوم:٢/١٠٣)

اذان کے بعد مقتدیوں کو آواز دینا کیسا ہے:

سوال: فی زمانہ عوام کی حالت سخت خراب ہے اگر امام ان کا انتظار نہ کرے تو سخت تنگ کرتے ہیں۔ اگر کبھی نماز پڑھ لے اور بعض لوگ رہ جاویں تو سخت تنگ کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں ایک طالب علم نے کہا کہ تثویب طریقۂ مسنونہ ہے، مؤذن امام کو وقتِ نماز پر جب سب نمازی جمع ہو جاویں بلاسکتا ہے اور یہ طریقہ متأخرین کا جاری کردہ ہے کہ بعد اذان قبل اقامت مسجد کے منارہ پر چڑھ کر مقتدیوں کو پکارا جاوے اور حضرت، بلال رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلانا ثابت ہے۔

"إن بلالاً كان يجيء بباب النبى صلى اللّٰه عليه واٰله وسلم بين الأذانين ويؤذنه بالصلاة"، (٢)
سو قول فیصل تحریر فرمائیں؟

الجواب

درمختار میں ہے:

"(ويثوب) بين الأذان والإقامة فى الكل للكل. (الدرالمختار)

(قوله فى الكل): أى كل الصلاة لظهور التوانى فى الأمور الدينية، قال فى العناية: أحدث المتأخرون التثويب بين الأذان والإقامة علٰى حسب ماتعارفوه فى جميع الصلوات سوى المغرب مع إبقاء الأول يعنى الأصل وهو تثويب الفجر، وماراٰه المسلمون حسناً فهو عنداللّٰه حسن.

(قوله للكل): أى لكل أحد وخصه أبويوسف بمن يشتغل بمصالح العامة كالقاضى والمفتى والمدرس، واختاره قاضى خان وغيره، نهر. (٣)

(١) قال أصحابنا المتقدمون: إنه مكروه فى غير الفجر؛ لماروى الترمذى وابن ماجة من حديث ابن أبى ليلٰى عن بلال قال: "أمرنى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن لا أثوب فى شيء من الصلٰوة إلا فى الفجر". قال أصحابنا: هو أن يقول بين الأذان والإقامة "حَيَّ على الصلٰوة، حيَّ على الفلاح" مرتين، وقال غيرهم: هو أن يقول فى أذان الفجر "الصلٰوة خير من النوم" مرتين. ولماروى أن علياً رضى اللّٰه عنه رأى مؤذناً يثوب فى العشاء قال: "أخرجوا هذاالمبتدع من المسجد، وكذا كرهه مالك والشافعى مطلقاً. (شرح النقاية: ٦٢/١) ظفير

(٢) عن سعيد بن المسيب عن بلال أنه أتى النبى صلى اللّٰه عليه وسلم يؤذنه بصلاة الفجر فقيل: هو نائم، فقال: "الصلاة خير من النوم" فأقرت فى تأذين الفجر فثبت الأمر على ذلك. (سنن ابن ماجة، باب السنة فى الأذان (ح: ٧١٦)/ وكذا فى سنن الدارمى، التثويب فى أذان الفجر (ح: ١٢٢٨) عن سعد القرظى، انيس)

(٣) دیکھئے! رد المحتار، باب الأذان، قبيل مطلب فى أذان الجوق: ٣٦١/١-٣٦٢. ظفير

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ تثویب احداث متأخرین سے ہے اور امام ابو یوسف نے اس کو قاضی ومفتی کے واسطے خاص کیا ہے۔ پس اجتناب اس سے بہتر ہے اور کوئی ضرورت خاصہ ہو تو جائز ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم:۲/۱۲۶-۱۲۷)

اذان کے بعد یہ اعلان کہ ''پندرہ منٹ باقی ہیں'':

سوال: دار العلوم میں اذان لاؤڈ اسپیکر پر دی جاتی ہے اور لڑکے یہ بھی کہنے لگیں کہ پندرہ منٹ پہلے یہ اعلان بھی کر دیا جایا کرے کہ نماز تیار ہے یا نماز کا وقت ہو گیا ہے اور اس کو منظور کر لیا جاوے، تو کوئی نقص یا کراہت تو نہیں آتی، یا بدعت کے اندر داخل تو نہیں؟ جو بھی ہو، اس کو مع حوالہ ذکر کریں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

لاؤڈ اسپیکر پر اذان ہوتی ہے، گھڑی عامۃً ہاتھ پر یا جیب میں موجود رہتی ہے، اذان ونماز کا فصل متعین ہے، وقت کی تبدیلی کا اعلان باقاعدہ ہوتا ہے، ماشاء اللہ سبھی نماز و جماعت کا اہتمام رکھنے والے ہیں، اتفاقیہ کسی ایک کو غفلت ہو جائے، تو دوسرے ساتھی تنبیہ کر دیتے ہیں۔

ان حالات میں پندرہ منٹ پہلے نماز تیار ہے کا اعلان کرنا گویا کہ اذان کو غیر معتبر قرار دینا ہے، جن عوارض کے تحت تثویب کی گنجائش دی گئی ہے، وہ یہاں موجود نہیں۔

"قالوا: لابأس بالتثويب المحدث في سائر الصدور لفرط غلبة الغفلة على الناس في زماننا و شدة ركونهم إلى الدنيا وتبادرهم بأمور الدنيا، آه". (بدائع الصنائع: ۱/۱۴۸)(۱) **فقط واللّٰه سبحانه تعالىٰ**

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ ۲۸/۱/۱۳۸۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۴۹۹-۵۰۰)

نماز کے لیے بار بار اعلان کرنا کیسا ہے:

سوال: محلے میں ایک مسجد سے (بلکہ چند مساجد سے) صبح فجر کی نماز کے بعد اعلان ہوتا ہے کہ: ''فجر کی نماز میں دس منٹ باقی رہ گئے ہیں''، اس کے بعد ''پانچ منٹ باقی رہ گئے ہیں''۔ یہ جملے تین تین مرتبہ دہرائے جاتے ہیں اور ان مساجد سے بار بار اعلان سے محلے میں دوسری مساجد میں جہاں لوگ سنت کی ادائیگی، قرآن کی تلاوت یا گھر میں

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في كيفية الأذان: ۱/۶۴۱، دار الكتب العلمية، بيروت

والمتأخرون استحسنوه في الصلوات كلها لظهور التواني في الأمور الدينية، ولهذا أطلقه في الكتاب". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۲۴۵، دار الكتب العلمية، بيروت)

وأما المتأخرون فاستحسنوا التثويب في جميع الصلوات؛ لأن الناس قد ازداد بهم الغفلة، وقلما يقومون عند سماع الأذان، فيستحسن التثويب للمبالغة في الإعلام، ومثل هذا يختلف باختلاف أحوال الناس". (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۲۷۴، المكتبة الغفارية، كوئٹة)

خواتین نماز کی ادائیگی میں مصروف ہوتی ہیں۔اسی طرح بعض حضرات نماز کے لیے مسجد کی طرف جاتے ہیں،تو یہ اعلان کرتے ہوئے گزرتے ہیں کہ:''بھائیو! نماز کا وقت ہوگیا ہے،اٹھ جائیے'' کہاں تک درست ہے؟

الجواب

نماز کی اطلاع کے لیے شریعت نے اذان مشروع کی ہے،اوراذان کے ذریعے سے نماز کے وقت کا اعلان کیا جاتا ہے،اذان کے بعد یہ جو دوسرا اعلان ہوتا ہے،اس کو''تثویب'' کہتے ہیں،اور فقہائے امت نے اس کو بدعت اور مکروہ قرار دیا ہے۔(۱)اور یہ کہ کوئی آدمی کسی دینی کام میں منہمک ہو،تو اس کو نماز کے وقت کی اطلاع کردینا جائز ہے۔(۲)

الغرض! آپ کے ہاں جو رواج چلا آتا ہے یہ شرعاً جائز نہیں،اس کو بند کردینا چاہیے۔(۳)

(آپ کے مسائل اوران کا حل:۲۹۹/۳-۳۰۰)

اذان کے بعد جماعت سے پہلے اسپیکر پر بلند آواز سے ''سبحان اللہ،سبحان اللہ'' کہنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان کے بعد جماعت سے کچھ منٹ پہلے ایک آدمی یہ کلمات لاؤڈ اسپیکر میں کہتا ہے،مثلاً ''**سبحان اللّٰہ،سبحان اللّٰہ**'' اٹھو،نماز کا وقت ہوگیا ہے،جلدی مسجد میں آؤ،نماز کا وقت قریب ہے،وغیرہ وغیرہ۔کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ نیز کیا ان کلمات سے اذان کی اہمیت میں تو کوئی فرق نہیں آتا؟

الجواب

اذان واقامت کے درمیان مذکورہ کلمات کہنا اصطلاح شرع میں تثویب کہلاتا ہے۔(۴)

فتاویٰ امدادالاحکام میں اسے مکروہ لکھا ہے۔(جلد:۱/۳۴۱)فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،نائب مفتی،۱۳/۱۱/۱۴۰۷ھ۔(خیر الفتاویٰ:۲۱۹/۲-۲۲۰)

(۱) التثويب في الفجر حي على الصلاة حي على الفلاح مرتين بين الأذان والإقامة حسن لأنه وقت نوم و غفلة وكره في سائر الصلوات.(الهداية: ۸۹/۱،باب الأذان،طبع مكتبة شركة علمية،ملتان)

(۲) قوله للكل)وخصه أبويوسف بمن يشتغل بمصالح العامة كالقاضي والمفتي والمدرس واختاره قاضيخان وغيره نهر.(ردالمحتار: ۳۸۹/۱، مطلب في أوّل من بنى المنابر للأذان)

(۳) ناجائز کسی فقیہ کا قول نظر سے نہیں گذرا،البتہ مکروہ کہا گیا ہے۔انیس

(۴) {ثوب} إذا ثوب بالصلاة فأتوها أي أقيمت ، وأصل التثويب أن يجيء مستصرخ فيلوح بثوبه ليرى ويشتهر فسمي به الدعاء ،وقيل:من ثاب إذا رجع فهو رجوع إلى الأمر بالمبادرة إلى الصلاة بقوله:الصلاة خير من النوم بعدقوله حي على الصلاة.(مجمع بحارالأنوار،مادة ثوب: ۳۰۹/۱)

التثويب: هو الإعلام بعد الإعلام بنحو''الصلاة خير من النوم'' أو''الصلاة الصلاة'' أو'' الصلاة حاضرة'' أو نحو ذلك ، بأي لسان كان وقدكان يسمى في العهد النبوي وعهد أصحابه زيادة الصلاة خير من النوم في أذان الفجر تثويباً.(التعريفات الفقهية،مادة التثويب: ۵۱/۱.انيس)

عشاوتراویح میں تثویب کا حکم:

سوال: ہمارے یہاں رمضان المبارک میں عشا کی اذان کے بعد فرض نماز شروع کرنے سے تقریباً چار پانچ منٹ قبل ایک آدمی قبلہ رو کھڑا ہوکر بلند آواز میں مثل اذان کے پکارتا ہے۔"الصلاۃ سنۃ التراویح رحمکم اللّٰہ" دومرتبہ۔اس کے بعد وقت مقررہ پر نماز عشا ادا کی جاتی ہے۔۲رسنت،۲رنفل کے بعد تراویح نماز کے لئے اٹھنے سے قبل "فضل من اللّٰہ ونعمۃ ومغفرۃ ورحمۃ وعافیۃ والسلامۃ لا إلٰہ إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر وللّٰہ الحمد" یہ کلمات ہر دو رکعت کے سلام پھیرتے ہی پڑھی جاتی ہے، بلکہ جتنی کلمات پڑھی جاتی ہے، مندرجہ ذیل وضاحت سے مذکور ہے۔

(۲) بعد وتر "سبحان ذی الملک والملکوت،الخ" تین بار، اب کچھ لوگ ان تسبیحات کے قائل ہیں اور کچھ لوگ "سبحان ذی الملک،الخ" کا قائل ہیں۔دونوں میں بحث ومباحثہ ہوکر لڑائی ہوجاتی ہے، وہ ان کو بدعتی کہتے ہیں، یہ ان کو بدعتی کہتے ہیں، صحیح کیا ہے؟

هــــو المـصـــوب

(۱) صورت مسئولہ میں نماز عشا سے قبل اس طرح کا اعلان کرنے یا تراویح کی نماز سے قبل اس طرح کے الفاظ ادا کرنے کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے، اس طرح کے اعلان کو تثویب کہتے ہیں، جمہور کے نزدیک تثویب مکروہ ہے۔فقہاء احناف میں بھی اختلاف ہے، بعض جواز کے قائل ہیں۔(۱)

(۲) سبھی فقہا تراویح میں ہر چار رکعت بعد جلسۂ استراحت کے قائل ہیں، اس دوران متعین طور پر کوئی تسبیح مشروع نہیں ہے، انفرادی طور پر کوئی تسبیح، استغفار، درود وغیرہ پڑھ سکتا ہے۔اسی طرح خاموش رہے، تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔تسبیح یا دعا پڑھنے میں یہ خیال رہے کہ دوسروں کے حق میں خلل نہ ہو۔(۲)

(۱) والتثویب فی الفجر "حی علی الصلاۃ وحی علی الفلاح" مرتین بین الأذان والإقامۃ؛ لأنہ وقت نوم وغفلۃ وکرہ فی سائر الصلوات ومعناہ العود إلی الإعلام بعد الإعلام وھو علٰی حسب ماتعارفوہ وھذا التثویب أحدثہ علماء الکوفۃ بعد عھد الصحابۃ لتغیر أحوال الناس وخصوا الفجر بہ لما ذکرنا والمتأخرون استحسنوہ فی الصلوات کلھا لظھور التوانی فی الأمور الدینیۃ.(الھدایۃ مع الفتح: ۱/: ۲۴۹)

(۲) (الفصل الرابع فی الانتظار بعد کل ترویحتین) وھو مستحب ھکذا عن أبی حنیفۃ لأنھا سمیت بھذا الاسم لمعنی الاستراحۃ وأنھا مأخوذۃ عن السلف وأھل الحرمین فإن أھل مکۃ یطوفون سبعا بین کل ترویحتین کما حکینا عن مالک.(المبسوط للسرخسی،فصل الانتظار بعد کل ترویحتین: ۲/۱۴۵.انیس)

سوالنامہ میں مذکور دعائیں وتسبیحات انفرادی طور پر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ اس کو دوسروں پر لازم قرار دینا اور بآواز بلند اجتماعی طور پر پڑھنا درست نہیں ہے۔ بہر حال صحابۂ کرام کے دور میں یہ امور نہ تھے۔(١)

تحریر: ساجد علی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:١/٣٨٨-٣٨٩)

جماعت کیلئے نقارہ بجانا کیسا ہے:

سوال: محلّہ شیش گران میں صرف ایک مسجد ہے اور محلّہ وسیع ہے، اذان کی آواز بھی سب جگہ نہیں جاتی۔ باشندگانِ محلّہ سب نمازی ہیں، جوکاری گر لوگ ہیں سب نمازوں کے وقت ان کے کام کے ہیں اور کام پر سے اٹھنا ان کے حرج ونقصان کا باعث ہوتا ہے اس لئے وہ جماعت کی پابندی نہیں کر سکتے۔ نظر برآں یہ ترکیب کی گئی تھی کہ اذان وقت پر ہوتی تھی اور جماعت کی تیاری پر نقارہ کے ذریعہ سے جو خارج مسجد رکھا ہوا ہے کاریگروں کو اطلاع کر دی جاتی تھی اور سب کاریگر آجاتے تھے، اس میں ان کو جماعت کا انتظار نہیں کرنا پڑتا تھا اور جم غفیر کے ساتھ جماعت ہو جاتی تھی۔ اب بعض حضرات نے نقارہ کی ممانعت کی اور جماعت ٹوٹ گئی جس کو توفیق ہوتی ہے فرداً فرداً نماز پڑھ لیتا ہے، ورنہ کچھ ضروری نہیں سمجھتا۔ ایسی صورت میں نقارہ کے اعلان کو جو خارج از مسجد ہے کیسا سمجھا جاتا ہے اور اس کی بابت کیا حکم ہے اور کون ذریعہ اطلاع کا مستحسن ہے؟

الجواب

اعلام بعد الاذان جس کو تثویب کہتے ہیں۔ علماء متقدمین نے اس کو مکروہ اور بدعت کہا ہے اور علماء متاخرین نے بوجہ تساہل کے اس کو جائز رکھا ہے۔ پس بر بنائے مذہب متاخرین اگر اعلام کے واسطے کوئی صورت جماعت کے انتظام کی نہ ہو تو نقارہ کے ساتھ اعلام جائز ہے۔ **کما فی الدر المختار و رد المحتار:**

"(ويثوب) بين الأذان والإقامة في الكل للكل بما تعارفوه". (الدر المختار) "كتنحنح أو "قامت قامت" أو "الصلاة الصلاة" ولو أحدثوا إعلاماً مخالفاً لذلك جاز. (رد المحتار)(٢) فقط

(اور جبکہ اذان کی آواز پہنچ جاتی ہو، تو بلا ضرورت نقارہ بجانے سے بچنا چاہئے، اس وجہ سے کہ ابتدائے امر اذان میں اس طرح کی تمام صورتیں رد کر دی گئی تھیں۔ ظفیر) (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:٢/١٠٤-١٠٥)

---

(١) **(والمستحب في الجلوس بين الترويحتين مقدار الترويحة) كان من حقه أن يقول: والمستحب في الانتظار بين الترويحتين لأنه استدل بعادة أهل الحرمين على ذلك وأهل الحرمين لا يجلسون فإن أهل مكة يطوفون بين كل ترويحتين سبعاً وأهل المدينة يصلون بدل ذلك أربعاً وأهل كل بلدة بالخيار يسبحون أويهللون أوينتظرون سكوتاً. (العناية شرح الهداية، فصل في قيام شهر رمضان: ١/٤٦٨)**

بلند آواز سے تسبیح پڑھنے سے دوسروں کو خلل ہوگا، اس لیے مناسب نہیں ہے۔ انیس

(٢) دیکھئے! **رد المحتار للشامي، باب الأذان، قبيل مطلب في أذان الجوق: ١/٣٦٢، ظفير**

نمازیوں کی خبر کے لئے مسجد میں نقّارہ بجانا کیسا ہے:

سوال:　مسجد میں واسطے حاضری نمازیوں کے نقارہ بجانا کیسا ہے؟

الجواب

اذان کہیں، (۱) نقارہ مسجد میں حاضری کے واسطے درست نہیں۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۲۵/۲)

اذانِ جمعہ کیلئے نقارہ بجانا اوراس کے متعلق چند سوالات:

سوال:　آج کل دیہاتوں میں یہ قاعدہ ہے اختیار کیا ہے کہ ہر ایک مسجد میں ایک ایک نقارہ رکھا ہوا ہے، اس واسطے کہ جمعہ کے روز اس کو واسطے اعلان نمازِ جمعہ کے بجایا جاوے۔ کیونکہ اکثر لوگ دیہاتوں کے باہر کھیتوں میں دور دور ہوتے ہیں، اذان کی آواز وہاں تک نہیں پہنچ سکتی ہے۔ اس وجہ سے مسجدوں میں نقارے رکھے گئے ہیں، اس واسطے وہ نقارہ جمعہ کے روز اور روزہ افطاری کے وقت اور سحری کے وقت بجایا جاتا ہے اور مسجد کے روپے سے وہ نقارہ بنایا گیا ہے، سواس طرح یہ نقارہ بجانا اعلان کے واسطے اور مسجد کے روپے سے اس کو بجانا جائز ہے کہ نہیں اور اس کو جائز جاننا کیسا ہے؟

دوسرے بیماریِ طاعون کے واسطے اس نقارے پر ایک دعا لکھ کر اس کو بجایا جاتا ہے، اس واسطے کہ اس کی آواز جہاں تک جائے گی بیماری طاعون دور ہو جائے گی، اس طرح بجانا اوراس کو جائز جاننا کیسا ہے، اور نقارہ کو مسجد کے اندر رکھنا اور بجانا کیسا ہے، خلاصہ جواب باصواب مع حوالۂ کتبِ احادیث کے مرحمت فرمادیں؟ بینوا وتوجروا۔ فقط

الجواب

افطار اور سحری کے لئے تو نقارہ بجانا جائز ہے، لیکن اذانِ جمعہ کی اطلاع کے لئے جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں نقارہ سے اذان کا کام لینا لازم آئے گا اور یہ حدیث کے خلاف ہے۔

---

(۱)　" لأن الأذان من أعلام الدين". (الكبيرى شرح منية المصلى: ۳۵۷، ظفير)

(۲)　وفى حديث أبى داؤد عن عبد الله بن زيد. رضى الله عنه. قال:" لما أمر النبى صلى الله عليه وسلم بالناقوس يعمل ليضرب به الناس لجمع الصلوٰة طاف بى وأنا نائم (إلىٰ قوله) تقول:"الله أكبر، الله أكبر" (إلىٰ آخر الحديث). (الكبيرى شرح منية المصلى: ۳۵۷)

اس سے پہلے مفتی علام نے نقارہ کی اجازت دی ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ جب وہ اذان کے بعد نماز کی مزید اطلاع کے لئے ہو، اور جماعت کے انتظام کی اس کے سوا کوئی اور صورت نہ ہو۔ یہاں سوال مختصر ہے اور کسی مجبوری کا ذکر نہیں ہے، اس لئے اجازت نہیں دی ہے۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

فإنه صلى اللّٰه عليه وسلم اهتمّ أوّلا بأن يضرب الناقوس أوالبوق فتركه حذرًا عن التشبه بالكفارفلا يجوزلنا إحداث ماتركه النبى صلى اللّٰه عليه وسلم لإعلام الصلاة. (۱)

دوسرے دیہات والوں کے ذمہ جمعہ کی نماز فرض نہیں تو ان کو اطلاع کی ضرورت ہی کیا ہے جو شخص بدوں اطلاع کے آسکے پڑھ لے، ورنہ خیر۔

اور مسجد کے روپیہ سے نقارہ بنانا اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ لوگوں نے مسجد میں اس غرض سے روپیہ دیا ہو کہ اس سے نقارہ بنایا جائے، یہ صورت تو جائز ہے، ایک یہ کہ جو روپیہ مصارفِ مسجد کے لئے جمع تھا، اس سے نقارہ بنایا جائے، یہ جائز نہیں۔

فقد صرح فى الخلاصة أنه لايجوزلقيم المسجد أن يشترى جنازة أوتختًا لغسل الأموات من مال المسجد. (۲)

اور طاعون کے زمانہ میں نقارہ پر دعا لکھ کر بجانا بھی جائز نہیں، **لفساد عقيدة العوام فيه**، اور نقارہ کو مسجد کے اندر یا مسجد کی چھت پر رکھ کر بھی بجانا جائز نہیں، بلکہ جن مواقع میں بجانا جائز ہے، اس وقت مسجد سے باہر رکھ کر بجایا جائے اور نقارۂ مسجد کو مسجد میں رکھنا اس شرط سے جائز ہے کہ اس کے رکھنے سے نمازیوں کو تنگی نہ ہوتی ہو، ورنہ باہر رکھا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۶ رشوال ۱۳۴۷ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۴۶-۴۷)

---

(۱) عن أبى عميربن أنس عن عمومة له من الأنصار قال: اهتم النبى صلى اللّٰه عليه وسلم للصلاة كيف يجمع الناس لها، فقيل له: انصب رأية عند حضورالصلاة فإذا رأوها آذن بعضهم بعضًا، فلم يعجبه ذلك، قال: فذكرله القنع يعنى الشبور، وقال زياد: شبورالیهود، فلم يعجبه ذلك وقال: هومن أمراليهود، قال: فذكر له الناقوس، فقال: هومن أمرالنصارىٰ، فانصرف عبداللّٰه بن زيد بن عبدربه وهومهتم لهم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأرى الأذان فى منامه، قال: فغدا على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأخبره فقال له: يارسول اللّٰه ! إنى لبين نائم ويقظان إذ أتانى آتٍ فأرانى الأذان، قال: وكان عمربن الخطاب رضى اللّٰه عنه قد رآه قبل ذلك فكتمه عشرين يومًا، قال: ثم أخبر النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فقال له: مامنعك أن تخبرنى؟ فقال: سبقنى عبداللّٰه بن زيد، فاستحييت، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: يابلال! قم فانظرمايأمرك عبداللّٰه بن زيد، فافعله، قال: فأذن بلال، قال أبوبشر: فأخبرنى أبوعمير أن الأنصار تزعم أن عبداللّٰه بن زيد لولا كان يومئذ مريضًا لجعله رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مؤذناً. (سنن أبى داؤد، باب بدء الأذان (ح: ٤٩٨) / السنن الكبرىٰ للبيهقى، باب بدء الأذان (ح: ١٨٣٤) انيس)

(۲) ليس لقيم المسجد أن يشترى جنازةً وإن ذكرالواقف أن القيم يشترى جنازة، كذا فى السراجية. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الثانى فى الوقف وتصرف القيم وغيره: ٤٦٢/٢ . انيس)

اذان کے بعد نقارہ:

سوال: ضربِ نقارہ قبل یا بعد اذان بغرض ہوشیاری وبداری غافلین ومتساہلین واطلاع دور دور مسجد سے رہنے والے مسلمانوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ علاقہ مدراس میں اکثر شہروں میں رواج ہے۔ بینوا وتوجروا۔
(محمد صالح، مدراسی، ۱۷/اپریل/۱۹۳۵ء)

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اذان کے بعد دوبارہ اعلان کرنے کو تثویب کہتے ہیں، متأخرین نے علی الاطلاق اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

فی المراقی،ص: ١٤٤: ”ویثوب بعد الأذان فی جمیع الأوقات لظھور التوانی فی الأمور الدینیة فی الأصح،وتثویب کل بلد بحسب ما تعارفه أھلھا“.

قال الطحطاوی:(قوله فی جمیع الأوقات)استحسنه المتأخرون،الخ. (۱)

قال الشامی: ٢٤٧/٥:”أقول:وینبغی أن یکون طبل المسحرفی رمضان لإیقاظ النائمین للسحور کبوق الحمام،تأمل“. (۲)

مسلمانوں کو خود شرم وحیا کا موقعہ ہے کہ فریضۂ مذہبی ادا کرنے کے لئے اذان کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ نقارہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔ ۲۸/۱/۱۳۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔ ۳۰/محرم الحرام/۱۳۵۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۰۳/۵)

نمازیوں کا گھنٹی کی آواز پر حاضر ہونا نہ کہ اذان کی آواز پر:

سوال: توقیر آواز اذان چہ قدر ست مصلیاں چند بمقابلہ جرس سرکاری ہیچ توقیر اذان کہ نقارۂ حاکم حقیقی ست نمی کنند تا جرس سرکاری کہ مقرر شدہ است آواز ندہد بمسجد برائے صلوٰۃ نمی آیند چہ حکم مابین است مشرح مطلع فرمایند واجر توقیر کردن وتادیب غیر توقیر کردن چہ قدر راست؟ بینوا توجروا۔ (۳)

---

(۱) حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح،کتاب الصلاة،باب الأذان:١٩٨،قدیمی

(۲) رد المحتار،کتاب الحظر والإباحة،قبیل فصل فی اللبس:٣٥٠/٦.سعید

”وأطلق فی التثویب،فأفاد أنه لیس لفظ یخصه،بل تثویب کل بلد علی ما تعارفوه،إما بالتنحنح أوبقوله:”الصلاة الصلاة“،أو”قامت قامت“؛لأنه للمبالغة فی الإعلام،وإنما یحصل بما تعارفوه،فعلی ھذا إذا أحدث الناس إعلاماً مخالفاً لما ذکر جاز“.(البحر الرائق،کتاب الصلاة،باب الأذان: ٤٥٣/١،رشیدیة)

(۳) ترجمۂ سوال: اذان کا کتنا احترام چاہئے؟ بعض نمازی سرکاری گھنٹی کے مقابل اذان کی کوئی توقیر نہیں کرتے، ==

الجواب

بر جرس آمدن و براذان نیامدن اگر بنا برتوقیر جرس وعدم توقیر اذان بودے ہرآئینہ امرے بس قبیح وشنیع بود لیکن جائے چنیں دیدہ وشنیدہ نشد بلکہ دراصل مدارنماز بروقت است واز جملہ معرفات وقت جرس ہم است چوں معرفات وآلات دیگر مثل مقیاس کہ در دائرۂ ہندیہ منتصب می باشد وفقہاء نیز اعتبارش کردہ اند پس ہرکہ بر جرس می آید نہ بایں حیثیت کہ مقصودش خصوصیت جرس است، بلکہ بایں حیثیت کہ آوازمعرفات وقت ست، وبرمسلمانان بدگمانی کردن خود بےتوقیری اسلام است کہ از بےتوقیری اذان اشد است۔(۱) واللہ اعلم وعلمہ اتم

۹رشوال ۱۳۲۳ھ۔امداد،صفحہ:۶۶رجلد:۱(حوادث صفحہ:۶۹،جلد:۱-۲)(امدادالفتاویٰ جدید:۱۶۰/۱-۱۶۱)

اذان کے بعد گھنٹہ وغیرہ بجا کرلوگوں کونماز کے لئے بلانا مکروہ اور بدعت ہے:

سوال: ہمارے اس دیہات میں بعض نے ایسے رواج کرلیا کہ ہرنماز یا بعض نماز جیسے فجر وعصر وجمعہ کی اذان کے آگے یا پیچھے گھنٹے بجاتے ہیں یا ٹین پر مارتے ہیں،تا کہ لوگوں کونماز کے وقت کا ہونا ......، یا جماعت شروع ہونا معلوم ہوتا کہ جلد مسجد کی طرف روانہ ہوں نماز کے باجماعت ادا کے لئے ،بعض نے مسجد کے ساتھ ہی گھنٹہ لٹکا یا اور ٹین کولٹکا یا،ان سے جب اس کی علت پوچھی گئی تو جواب دیا کہ گھنٹے وٹین کی آواز بہت بلند ہے لوگ بہت دور سے سنتے ہیں کہ جہاں اذان کی آواز نہیں پہنچ سکتی ،بعض کہتے ہیں کہ فجر میں نیند سے بیداری کے لئے ایسا کیا جاتا ہے،غرضیکہ کسی صورت سے یہ نامشروع فعل جائز ہوسکتا ہے یانہیں ،نادان کا یہ خیال ہے کہ ایسا فعل قطعاً حرام ہوگا ، کیونکہ اس سے اذان مسنونہ بالکل بیکار ہوجاتی ہے،اس کی کوئی حاجت ہی نہیں رہتی ،اس پر اعتماد کرکے لوگ بھی گھنٹے کی آواز کی طرف تاک لگائے رہتے ہیں، حالانکہ اذان کوایسے بیکار چھوڑنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے،اوراس سے تشابہ بالکفار بھی لازم آتا ہے؟

== حالانکہ اذان حاکمِ حقیقی کا نقارہ ہے ۔سرکاری گھنٹی (جس کے بجنے کا وقت مقرر ہے) جب تک نہیں بجتی وہ لوگ نماز کے لئے مسجد نہیں آتے ان کے بارے میں جو حکم ہو،وہ مشرح بیان فرمایا جائے اور اذان کے احترام کرنے کا کتنا ثواب ہے؟اور بے حرمتی کی کیا سزا ہے؟ بینوا توجروا۔سعید پالنپوری

(۱) ترجمۂ جواب:۔گھنٹی بجنے پر آنا اور اذان پر نہ آنا اگر گھنٹی کے احترام اور اذان کی بے حرمتی کی وجہ سے ہے تو واقعی یہ بہت قبیح وشنیع حرکت ہے لیکن کہیں ایسا سنا گیا نہ دیکھا گیا بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ نماز کا مدار وقت پر ہے اور وقت کی علامات میں سے دیگر آلات کی طرح گھنٹی بجنا بھی ہے جیسے دائرۂ ہندیہ کا مقیاس کہ اسے فقہانے بھی معتبر مانا ہے، لہٰذا جو شخص گھنٹی بجنے پر مسجد آتا ہے، اس کا مقصد گھنٹی کی کوئی خصوصیت نہیں ہوتی ، بلکہ اس نے اس کی آواز کو منجملہ معرفات وقت قرار دیا ہے اور مسلمانوں کے بارے میں بدگمانی کرنا خود اسلام کی بےتوقیری ہے، جواذان کی بےتوقیری سے بڑھی ہوئی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔سعید پالنپوری

الجواب

صورت مسئولہ سوال مکروہ ہے اور بدعت، اس لئے اس سے احتراز لازم ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اعلان نماز کے لئے طریق اعلان نماز کی فکر ہوئی تو حضور نے ان سب طریقوں کو ناپسند فرمایا اور الہام ووحی کے بعد اذان کو اختیار فرمایا، اب اذان کے ساتھ دوسرے طریقے اعلان کے لئے اختیار کرنا بدعت ہے۔

وأيضًا ففي الجرس للعبادة مثل الصلاة تشبهًا بالهنود.(۱)

البتہ اگر اذان سے پہلے گھنٹہ اس واسطے بجایا جائے تاکہ بستی والوں کو وقت کی اطلاع ہوجائے اور مؤذن وقت کو معلوم کر کے اذان دے تو اس میں گنجائش ہے۔

لكون الجرس لغير الصلاة من بيان الأوقات وفيه سعة. والله أعلم

۱۵/ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/ ۴۹-۵۰)

اذان کے بعد جماعت کے لئے گھنٹہ بجانا مکروہ ہے:

سوال: شہر پیران پٹن علاقہ گجرات میں مسجدوں کی اذان گاہ پر بعد اذان مسنونہ صلوٰۃ خمسہ کے ایک پیتل کی تختی جسے عرف عام میں گھنٹہ کہتے ہیں بجایا جاتا ہے، اس کا بجانا شریعت محمدی سے جائز ہے یا نہیں؟

(المستفتی نمبر: ۱۲۲۳، محمد سعید، ناگدیوی، اسٹریٹ نمبر ۱۵۰، ممبئی نمبر ۳-۲۱/ رجب ۱۳۵۵ھ، م ۸/ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

(از اشرف علی مفتی اول بلدہ وصدارت عالیہ)

حامدًا ومصليًا: ابتداء زمانۂ اسلام میں لوگ بہ یک وقت نماز کے لئے جمع نہ ہو سکتے تھے اور ضرورت تھی کہ نماز کے اعلان کا کوئی مخصوص طریقہ ہو۔ صحابۂ کرام میں سے بعض نے بوق اور بعض نے ناقوس وغیرہ کی بابت رائے دی جو بوجہ تشبہ یہود ونصاریٰ ناپسند ہوئی، ابھی اس امر کی بابت کوئی تصفیہ نہ ہوا تھا کہ حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ انصاری نے ایسی غنودگی کی حالت میں جو نیند اور بیداری کے درمیان تھی دیکھا کہ ایک شخص آسمان سے نازل ہوا جس کے ہاتھ میں ناقوس کے مشابہ کوئی شے تھی حضرت عبداللہ بن زید انصاری نے اسے خریدنا چاہا تو اس نے پوچھا کہ کیا کروگے، انہوں نے جواب دیا کہ ہم اپنی نمازوں کا اس سے اعلان کریں گے۔ اس نے کہا کہ میں کیوں ایسی شے

(۱) عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الجرس مزامير الشيطان. (الصحيح لمسلم، باب كراهة الكلب والجرس في السفر (ح: ٢١١٤) انيس)

تمھیں نہ بتاؤں جواس سے بہتر ہو، بہرحال اس شخص نے اذان کی تعلیم دی اور یہ خواب سماعت فرما کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق فرمائی۔

والمشهور أنه صلى اللّٰه عليه وسلم لما قدم المدينة كان يؤخر الصلاة تارة ويعجلها أخرىٰ فاستشار الصحابة فى علامة يعرفون بها وقت أداء الصلاة لكى لاتفوتهم الجماعة،فقال بعضهم ننصب علامة حتى إذا رآها الناس أذن بعضهم بعضًا فلم يعجبه ذلك وأشاربعضهم بضرب الناقوس فكرهه لأجل النصارى وبعضهم بالنفخ فى الشبورفكرهه لأجل اليهود وبعضهم بالبوق فكرهه لأجل المجوس فتفرقوا قبل أن يجتمعوا علىٰ شيء،قال عبد اللّٰه بن زيد الأنصارى فبت لايأخذ فى النوم وكنت بين النائم واليقظان إذا رأيت شخصًا نزل من السماء وعليه ثوبان أخضران وفى يده شبه الناقوس فقلت:أتبيعنى هذا؟ فقال ماتصنع به؟ فقلت: نضربه عند صلاتنا،فقال:ألا أدلك علىٰ ما هو خيرمن هذا ؟ فقلت:نعم،الخ. (المبسوط للسرخسي: ۱۲۷/۱،المبسوط، باب الأذان)

اسلام میں اذان ہی طریقۂ اعلان نماز پنجگانہ ہے،اذان کے بجائے یااذان کے بعد ناقوس یااسی سے مشابہ کسی چیز سے اعلان نماز شرعادرست نہیں ہے۔ایسے طریقہ ہائے اعلان کوحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا ہے۔فقط

اشرف علی مفتی اول بلدہ وصدارت العالیہ۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

(ازحضرت مفتی اعظم)

بےشک بجائے اذان کے یااذان کے بعد گھنٹہ بجانااوراس کونماز باجماعت کااعلان قرار دینا مکروہ اور بدعت ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔(کفایت المفتی:۵۱/۳-۵۲)

گھنٹہ کی آواز سے نماز کی اطلاع:

سوال: جہاں اہل محلّہ کواذان کی آواز نہ آتی ہو،کیاوہاں گھنٹہ سے جیسے دربان آپ کے یہاں اسباق کے لئے بجاتا ہے،تثویب کرنا کیسا ہے،یعنی جائز ہے یانہیں؟اگرنہیں توعلامہ شامی کے :’’**وإن خـــــالف ذلك**‘‘(۲)کا کیا مطلب ہےاور جائز ہےتو تشبہ بالکفار ہے؟ مع حوالہ کتب مفصل تحریر فرماویں۔

---

(۱) ولا تثويب إلا فى صلاة الفجرلما روى أن علياً رضى اللّٰه عنه رأى مؤذناً يثوب فى العشاء،فقال: ”أخرجواهذا المبتدع من المسجد،الخ“... ولحديث مجاهد.(المبسوط للسرخسى،باب الأذان: ۱۳۰/۱، ط:دارالمعرفة،بيروت،لبنان)

(۲) ولوأحدثوا إعلامًا مخالفًا لذلك جاز،نهرعن المجتبىٰ.(رد المحتار،كتاب الصلاة، باب الأذان، قبيل مطلب فى أذان الجوق: ۳۸۹/۱،سعيد)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر کوئی اور صورت غیر مخدوش تثویب کی نہ ہوتو پھر اس طرح بھی درست ہے اور کیفیتِ دق کو ممتاز کر دیا جائے تاکہ تشبہ نہ رہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی ۲/۲/۶۴ ۱۳ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۰۱)

گھنٹی اذان کے قائم مقام ہر گز نہیں:

سوال: اگر کسی گاؤں میں مسجد ایک کنارے پر ہے اور اذان پورے گاؤں میں نہ پہنچتی ہو، نمازی لوگ جماعت سے رہ جاتے ہوں تو اذان پڑھ کر اگر خبر کرنے کے لئے گھنٹی بجادی جائے تو ٹھیک ہے یا نہیں، اگر ٹھیک ہے تو کس طرح؟ پوری تفصیل سے تحریر فرمائیں، کیونکہ کچھ حضرات کا قول ہے کہ گھنٹی بجانا جائز نہیں، جب کہ ہمارے مذہب نے خبر دینے کے لئے اذان مقرر کی ہے، اس لئے صحیح جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اذان کو ترک کر کے اس کی جگہ گھنٹی بجانے کی کسی طرح اجازت نہیں، اذان کے بعد بھی گھنٹی نہ بجائی جائے، خاص کر جب کہ لوگوں کے پاس آج کل گھڑی کا بھی دستور ہے، ہر شخص کا نماز کی طرف دھیان لگا رہنا چاہئے، بے فکر نہیں رہنا چاہئے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۰۲)

---

(۱) ویثوب بین الأذان والإقامة فی الکل للکل بما تعارفوہ کتنحنح،أو"قامت قامت"،أو"الصلاۃ الصلاۃ"، ولو أحدثوا إعلامًا مخالفًا لذلک جاز،نہر عن المجتبیٰ". (الدر المختار)

(قولہ باتعارفوہ).(رد المحتار،کتاب الصلاۃ،باب الأذان،قبیل مطلب فی أذان الجوق: ۱/۳۸۹، سعید) (کذا فی النہر الفائق،باب الأذان: ۱/۱۷۷.انیس)

"وأطلق فی التثویب،فأفاد أنہ لیس لفظ یخصہ،بل تثویب کل بلد علیٰ ما تعارفوہ،إما بالتنحنح أو بقولہ"الصلاۃ الصلاۃ"،أو"قامت قامت"؛لأنہ للمبالغة فی الإعلام،وإنما یحصل بما تعارفوہ،فعلیٰ ہذا إذا أحدث الناس إعلاماً مخالفاً لما ذکر جاز". (البحر الرائق،کتاب الصلاۃ،باب الأذان: ۱/٤٥٣،رشیدیة)

"ثم التثویب فی کل بلد علیٰ ما تعارفوہ ... إما بالتنحنح،أو بقولہ"الصلاۃ الصلاۃ"،أو"قامت قامت"، أو"بایک بایک"،کما یفعل أہل بخاری؛لأنہ الإعلام،والإعلام وإنما یحصل بما یتعارفونہ". (بدائع الصنائع،کتاب الصلاۃ، فصل فی کیفیة الأذان: ۱/٦٤١،دار الکتب العلمیة،بیروت)

(۲) شریعتِ مقدسہ نے نمازوں کی اطلاع کے لئے اذان مقرر فرمائی ہے اور وہ شعائر اسلام میں سے ہے:

"عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال:کان المسلمون حین قدموا المدینة یجتمعون فیتحینون الصلوات==

جھنڈوں اورنعروں کے ذریعہ لوگوں کونماز کے لئے اٹھانے کی شرعی حیثیت:

سوال: لوگوں کونماز کے لئے جمع کرنے کے واسطے جھنڈا گلی گلی لے کرگھومنا، نعرۂ تکبیر بالجہر المفرط کرتے رہنا لوگوں کے گلوں میں پرتلہ ڈالناوغیرہ وغیرہ یہ امور کیسے ہیں؟ اگرمنع ہیں تو مخالفت کی تصریح ممانعت کے الفاظ تلاش کر کے لکھیں کہ علاوہ غزوات کے جھنڈا اٹھانا ثابت نہیں ہے، اگر ثابت ہے تو اس کومع حوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں؟

الجواب

اصل اس باب میں یہ ہے کہ اذان اور نماز کے درمیان لوگوں کونماز کے لئے بلانا اور جمع کرنا (کسی متعارف ذریعہ سے) مشائخ اور ائمہ نے بضرورت جائز بلکہ!

(۱) مستحسن قرار دیا ہے، جس کو اصطلاح میں تثویب کہتے ہیں۔ کیوں کہ مسلمانوں میں روز افزوں غفلت اس کی مقتضی ہے کہ باربار تنبیہ کی جائے اوراس تنبیہ کے لئے مشائخ رحمہم اللہ نے کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں فرمایا بلکہ!

(۲) ہرزمانہ اور ہر جگہ کے عرف پر چھوڑا ہے کہ جو چیز لوگوں میں نماز کو بلانے کے لئے متعارف ہوجائے وہی ہر جگہ میں لائی جائے اور یہ بعینہ ایسا ہے جیسے رمضان المبارک میں ابتداء اور انتہائے سحر کے لئے ہر شہر وقصبہ میں اپنے عرف کے موافق مختلف صورتیں اختیار کی جاتی ہیں۔ کہیں گھنٹہ بجاتے ہیں کہیں نقارہ وطبل اور کہیں گولہ یا توپ چھوڑی جاتی ہے۔

اور عموماً فقہانے اس کو جائز ومستحسن قرار دیا ہے جیسا کہ شامی نے **کتاب الحظر والإباحة** میں ذکر کیا ہے، اس لئے امور مذکورہ سوال میں جو چیزیں فی نفسہ جائز ومباح ہوں اور کسی جگہ وہ نماز کے بلانے کا ذریعہ متعارف بن جائیں تو ان کا استعمال جائز ہوگا۔ اور یہ طریقہ اگرچہ تثویب کے معروف طریقہ سے کچھ جداگانہ صورت ہے لیکن اشتراک مقصد سے اس کا حکم اختیار کرسکتا ہے۔ البتہ اس میں دو چیزوں کی رعایت زیادہ ضروری ہے ایک تو یہ کہ ان امور میں کوئی چیز ایسی داخل نہ ہو جو فی نفسہ ناجائز ومکروہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ان میں غلو اور تعدی نہ کی جائے۔

(۳) مثلاً امور مندرجہ سوال میں بہت سے آدمیوں کا جمع ہونا غزل خوانی کرتے ہوئے بازاروں اور کوچوں میں پھرنا مکروہ ہے اس کو ترک کرنا چاہئے۔

== و ليس ينادى بها أحد، تكلموا يومًا في ذلك، فقال بعضهم: اتخذوا ناقوسًا مثل ناقوس النصارىٰ، وقال بعضهم: اتخذوا قرناً مثل قرن اليهود، قال: فقال عمر: أولا تبعثون رجلاً ينادى بالصلاة؟ قال: فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "يا بلال! قم فنادِ بالصلاة". (سنن الترمذى، أبواب الصلاة، باب ماجاء فى بدء الأذان: ٤٨/١، سعيد)

لماروى أن علياً رضى الله تعالىٰ عنه رأى مؤذناً يثوب فى العشاء فقال: "أخرجوا هذا المبتدع من المسجد". (المبسوط للسرخسى، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٢٧٤/١، المكتبة الغفارية، كوئٹہ)

(۴) جھنڈا اٹھانا فی نفسہ جائز ومباح ہے اور کسی نص میں اس کی ممانعت وارد نہیں، لیکن ابتدائے اذان کے وقت جھنڈے کی تجویز بعض صحابہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضور میں پیش کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کچھ پسند نہ فرمایا، سواگرچہ وہ اذان کا معاملہ تھا اور یہ ایک درمیانی بے ضابطہ اعلان ہے اور ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا تاہم ذوقاً ترک بہتر معلوم ہوتا ہے۔

(۵) امر دوم یعنی غلو اور تعدی کی توضیح یہ ہے کہ اس میں کسی خاص وضع واطوار کو تمام شہروں اور قصبوں کے لئے لازم وضروری نہ قرار دیا جائے، بلکہ ہر جگہ کے لوگوں کو اپنے اپنے طرز پر اپنی تجویز کے موافق آزاد چھوڑا جائے۔ نیز اگر کچھ لوگ بالکل بھی اس کو نہ کریں اور اس میں شریک نہ ہوں تو ان کو ہرگز برا بھلا نہ کہا جائے۔ ان پر کسی قسم کا طعن وتشنیع نہ کی جائے

(٦) اور جب اس قسم کا غلو ہونے لگے تو پھر اس کا ترک ضروری ہو جائے گا۔

والدليل علٰى ماقلنا، أما أولاً،فلما فى الدرالمختار:

(ويثوب)بين الأذان والإقامة فى الكل للكل بماتعارفوه.

وفى الشامية:لظهور التوانى فى الأمور الدينية،قال فى العناية:أحدث المتأخرون التثويب بين الأذان والإقامة علٰى حسب ما تعارفوه فى جميع الصلوات سوى المغرب،آه. (رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الأذان،قبيل مطلب فى أذان الجوق: ۲٦۱/۱)

وقال فى البحر:وهو اختيار المتأخرين لزيادة غفلة الناس وقلما يقومون عند سماع الأذان و عند المتقدمين هومكروه فى غير الفجر. (البحر الرائق،كتاب الصلاة،باب الأذان: ۲۷۵/۱)

وأما ما قلنا ثانياً فلما فى البحر:

ليس له لفظ يخصصه بل تثويب كل بلد علٰى ما تعارفوه إما بالتنحنح أوبقوله"الصلاة الصلاة"أو"قامت قامت"لأنه للمبالغة فى الإعلام وإنما يحصل بما تعارفوا فعلٰى هذا إذا أحدث الناس إعلاماً مخالفاً لما ذكرجاز،كذا فى المجتبٰى. (البحر الرائق، كتاب الصلاة،باب الأذان: ۲۷۵/۱)

وذكره الشامى بلفظه عن النهر والمجتبٰى. (ردالمحتار: ۲٦۱/۱)

وأما ما قلنا ثالثاً:فلما شاع فى عامة كتب الفقه والحديث من منع التغنى للناس ولاسيما بالاجتماع والسعى فى الشوارع و الرساتيق وهوأغنى من أن يذكر له نقل ولذا نكتفى فيه ببعض الكلمات.

قال فى الفتاوىٰ الخيرية من كتاب الكراهة والاستحسان (۱۷۹/۲): ذكرمحمد فى السير الكبيرعن أنس بن مالك أنه دخل علٰى أخيه البراء بن مالك وهو يتغنى بالحديث(قوله وهو يتغنى)بظاهره حجة لمن يقول لابأس للإنسان أن يتغنى إذا كان يسمع ويونس نفسه وإنما يكره إذاكان يسمع ويونس غيره،انتهٰى كلام الخيرية.

وبمثله قال الشامی من الحظر والإباحة وقال: وبه أخذ السرخسی وذکر شیخ الإسلام أن کل ذٰلک مکروہ عندعلمائنا. (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، قبیل فصل فی اللبس: ٢٤٢/٥)

وأیضاً قال فی الخیریة: لأن التغنی واستماع الغناء حرام أجمع علیه العلماء وبالغوا فیه ومن أباحه من المشائخ الصوفیة فلمن تخلی عن الهویٰ وتحلی بالتقویٰ، ثم قال: والحاصل أنه لا رخصة فی باب السماع فی زماننا لأن جنیدًا رحمه اللّٰه تاب عن السماع فی زماننا. (الفتاویٰ الخیریة: ١٧٩/٢)

وأما ما قلنا رابعاً: فلما فی السنن الکبریٰ للبیهقی من أبی عمیر بن أنس عن عمومة له من الأنصار قال: اهتم النبی صلی اللّٰه علیه وسلم للصلاة کیف یجمع الناس لها فقیل له انصب رایة عند حضور الصلٰوة فإذا رأوها آذن بعضهم بعضاً فلم یعجبه ذٰلک. (سنن البیهقی: ٣٩٠، دائرة المعارف)(۱)

وأما ما قلنا خامساً وسادساً: فلما قال الطیبی فی شرح حدیث الانصراف من الصلاة إلی الیمین ما نصه: فیه أن من أصر علٰی مندوب وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال فکیف من أصر علٰی بدعة أو منکر. (۲) من مجموعة الفتاویٰ لمولانا الشیخ عبد الحیء اللکهنوی. (مجموعة الفتاویٰ: ٢٩٥/٢)

تنبیہ: یہ تمام افعال مذکورہ فی السوال چونکہ زیادہ تر ان کا مقصد بے نماز لوگوں کو نماز کی ترغیب دینا اور نمازی بنانا ہے۔ نمازیوں کو جماعت کے وقت پر مطلع کر دینا بھی اس کے ضمن میں متحقق ہوسکتا ہے۔ اس لئے یہ افعال ایک حیثیت سے تثویب ہیں اور ایک حیثیت سے تبلیغ۔ لہٰذا اس کو کلیۃً تثویب کا حکم بھی نہیں دیا جاسکتا۔ مثلاً! تثویب کے لئے بتصریح فقہا موذن ہی ہونا شرط ہے۔ یہاں تک یہ شرط نہیں، رواج تثویب کو بعض اکابر نے پسند نہیں کیا تو اس سے اس خاص طرز کا ناپسند ہونا لازم نہیں آتا۔ لیکن بایں ہمہ مجموعی حیثیت سے ایک تماشہ کی صورت بنا دینا مکروہ معلوم ہوتا ہے اگر صرف اس پر اکتفا کیا جائے کہ چند آدمی تکبیر یا اور کوئی کلمہ مناسب کہتے ہوئے نکل جائیں تو مضائقہ نہیں، ڈھونگ بنانا مناسب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد شفیع غفرلہ۔ الجواب صحیح: بندہ اصغر حسین عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: محمد رسول خاں عفا عنہ۔

الجواب صحیح حقیق بالاتباع والعمل ولعل الحق لایعدوہ ولابد لما یفعل للعبادة أن یفعل عبادة لا تلهیاً وتلعباً۔

محمد اعزاز علی غفرلہ۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مسمیٰ امداد المفتین: ۲/۲۷۰-۲۷۲)

---

(۱) سنن أبی داؤد، باب بدء الأذان (ح: ٤٩٨)/السنن الکبریٰ للبیهقی، باب بدء الأذان (ح: ١٨٣٤) انیس)

(۲) شرح المشکاة الکاشف عن حقائق السنن للطیبی، باب الدعاء فی التشهد: ١٠٥١/٣. انیس

اذان کے بعد دوبارہ نمازیوں کو بلانا:

سوال: بعد اذان کے اگر نمازی نہ آویں تو ان کو بلالانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر احیاناً کسی کو بعد اذان بوجہ ضرورت بلوالیں تو درست ہے۔ مگر اس کی عادت ڈالنی اور ہمیشہ کا التزام نادرست ہے۔ فقط (١) (تالیفات رشیدیہ:٢٦٠)

سنت جمعہ کیلئے مؤذن کا آواز دینا ثابت نہیں:

سوال: سنت جمعہ پڑھنے کے لئے ملک گجرات کی مسجدوں میں جو ایک ''صلاة سنة قبل الجمعة'' پڑھنے کے واسطے مؤذن بلند آواز سے کہتا ہے اور بغیر ''صلاة سنة قبل الجمعة'' کہنے کے سنت قبل الجمعہ کی لوگ نہیں پڑھتے اور اس ''صلاة سنة قبل الجمعة'' کا مسجد میں جمع ہوکر انتظار کرتے ہیں تا مؤذن یہ ''صلوٰۃ'' کہے تو سنت جمعہ پڑھیں۔ بدیں الفاظ مؤذن پکارتا ہے ''الصلاة سنة قبل الجمعة، الصلوٰة رحمكم الله'' کا کہنا فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب؟ اور ابتدا اس صلوٰۃ سنت کی کہاں سے ہوئی؟ اور یہ ''صلاة سنة قبل الجمعة'' اگر نہ کہی جاوے اور سنتیں جمعہ کی پڑھ لیں تو سنت جمعہ ہوجاتی ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ ''صلاة سنة قبل الجمعة'' اگر کوئی نہ پکارے اور نہ کہے اور سنت قبل الجمعہ اور نماز جمعہ پڑھ لے تو غیر مقلد، نجدی، وہابڑہ بن جاتا ہے؟ اور حنفی مذہب اور اسلام سے نکل کر بے ایمان بددین ہوجاتا ہے؟ کیا تثویب جس کو فقہاء حنفیہ نے مستحسن جانا ہے وہ نمازوں کے لئے مخصوص ہے یا سنت قبل الجمعہ کے واسطے بھی صلوٰۃ مذکورہ شریعت محمدیہ میں ثابت ہے؟ معتبر کتب حنفیہ سے ثبوت اس صلوٰۃ مذکورہ کا مع دلائل شرعیہ مع نقل اصل عبارت کتب مستندہ ونام کتاب ونام مصنف کتاب وغیرہ صاف تحریر فرما کر اجر عظیم حاصل کریں؟

الجواب

''صلاة سنة قبل الجمعة'' پکارنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے، بلکہ جس وقت زوال ہوجائے اور اذان اول جمعہ کی ہوجائے نمازیوں کو چاہئے کہ خود سنت قبل الجمعہ ادا کرلیں اور جبکہ وقت سنتوں کا ہوجائے تو بغیر پکارے ''الصلاة سنة قبل الجمعة، الخ'' کے، اگر کوئی شخص سنت قبل الجمعہ پڑھ لے گا، سنت ادا ہوگئی اور اس سے غیر مقلد

(١) من أصر علٰى مندوب وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصر علٰى بدعة أو منكر. (شرح المشكاة الكاشف عن حقائق السنن للطيبى، باب الدعاء فى التشهد: ١٠٥١/٣. انيس)

وغیرہ نہیں بنتا، یہ جاہلوں کے خیالات ہیں اور تثویب جس کو بعض فقہا(۱) نے بعض نمازوں میں بعض اشخاص کیلئے مستحب فرمایا تھا وہ فرائض کے ساتھ مخصوص ہے اور تثویب بھی متروک ہے بسبب خلاف سنت ہونے کے کہ صحابہ(۲) نے اس پر انکار فرمایا ہے۔(۳) فقط

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ، مفتی مدرسہ عالیہ دیو بند۔ (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۲/۱۲۷-۱۲۸)

اذان ثانی سے پہلے ''استووا رحمکم اللّٰہ'' کہنا کیسا ہے:

سوال: وقت خطبہ کے اذان سے پہلے'' استووا رحمکم اللّٰہ'' کہنا کیسا ہے؟

الجواب

وقت خطبہ کے جو اذان خطیب کے سامنے ہو، اس کے شروع میں اس لفظ کے کہنے کی کچھ ضرورت نہیں، البتہ اگر امام بوقت تکبیر تحریمہ ایسا کہے، تو مضائقہ نہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۲/۱۲۹)

☆☆☆

---

(۱) یعنی من المتأخرین کما فی الهداية وغيرها و إلا فالمتقد مون من فقهاء الحنفية منعوا عنه كما فی كتب الفقه وللفاضل اللكهنوى فيه رسالة مستقلة للتحقيق العجيب فی التثويب فراجعها.

(۲) كعلى وابن عمر رضى اللّٰه عنهم، كما فی كتب الحديث.

(وروى عن مجاهد قال: دخلت مع عبداللّٰه بن عمر مسجداً وقد أذن فيه، ونحن نريد أن نصلى فيه، فثوب المؤذن، فخرج عبداللّٰه بن عمر من المسجد وقال: اخرج بنا من عند هذا المبتدع ولم يصل فيه. (سنن الترمذى، باب ماجاء في التثويب في الفجر (ح: ۱۹۸) انیس)

(وعن على رضى اللّٰه عنه إنكاره بقوله: أخرجوا هذا المبتدع من المسجد. (مرقاة المفاتيح، باب الأذان: ۲/۱/۵۵۰. انیس)

(۳) والتثويب فی الفجر ''حَيَّ على الصلوٰة، حيَّ على الفلاح'' بين الأذان والإقامة حسن لأنه وقت نوم وغفلة وكره فی سائر الصلوات ومعناه العود إلى الإعلام وهو علىٰ حسب ما تعارفوه، هذا تثويب أحدثه علماء الكوفة بعد عهد الصحابة لتغير أحوال الناس الخ والمتأخرون استحسنوه فی الصلوات كلها لظهور التوانى فی الأمور الدينية وقال أبو يوسف: لا أرىٰ بأساً أن يقول المؤذن للأمير، الخ، واستبعده محمد لأن الناس سواسية فی أمر الجماعة، الخ. (الهداية، باب الأذان: ۱/۸٤، ظفير)

اذان کا جواب-احکام ومسائل

اجابت اذان قولاً واجب ہے یا فعلاً:

سوال: اجابت اذان قولی وفعلی دونوں واجب ہیں یا اول واجب ہے، دوسری مستحب یا عکس اس کا؟

الجواب

اجابتِ اذان قولاً مستحب ہے اور بالقدم واجب ہے۔

قال الشامی: (قوله وقال الحلوانی ندباً، الخ) أی قال الحلوانی: إن الإجابة باللسان مندوبة والواجبة هی الإجابة بالقدم، الخ. (۱)

والتحقیق فی الشامی، وقد ذکر إشکالاً فی وجوبها ثم أجاب عنه فلینظر ثمه. (۲) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۸۶-۸۷) ☆

(۱) ردالمحتار، باب الأذان، قبیل مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد: ۱/۳۶۷-۳۶۸، ظفیر

(۲) قال فی النهر: وقوله بوجوب الإجابة بالقدم مشکل، لأنه یلزم علیه وجوب الأداء فی أول الوقت وفی المسجد، إذ لا معنی لإیجاب الذهاب دون الصلاة، ومافی شهادات المجتبیٰ "سمع الأذان وانتظر الإقامة فی بیته لاتقبل شهادته مخرج علیٰ قوله کما لایخفیٰ، وقد سألت شیخنا الأخ (المراد بشیخه أخوه الشیخ زین بن نجیم صاحب البحر، منه) عن هذا فلم یبد جواباً، آه.

أقول وبالله التوفیق: ما قاله الإمام الحلوانی مبنی علیٰ ماکان فی زمن السلف من صلاة الجماعة مرة واحدة وعدم تکرارها کما هو فی زمنه صلی الله علیه وسلم وزمن الخلفاء بعده، وقد علمت أن تکرارها مکروه فی ظاهر الروایة إلا فی روایة عن الإمام وروایة عن أبی یوسف، کما قدمناه قریباً وسیأتی أن الراجح عند أهل المذهب وجوب الجماعة وأنه یأثم بتفویتها اتفاقاً، وحینئذٍ یجب السعی بالقدم لا لأجل الأداء فی أول الوقت أو فی المسجد بل لأجل إقامة الجماعة وإلا لزم فوتها أصلاً، أو تکرارها فی مسجد إن وجد جماعة أخریٰ وکل منهما مکروه فلذا قال بوجوب الإجابة بالقدم، لایقال یمکنه أن یجمع بأهله فی بیته فلایلزم شیء من المحذورین، لأنا نقول إن مذهب الإمام الحلوانی أنه بذلک لاینال ثواب الجماعة وأنه یکون بدعةً ومکروهاً بلاعذر، وسیأتی فی الإمامة أن الأصح أنه لو جمع بأهله لایکره وینال فضیلة الجماعة لکن جماعة المسجد أفضل. (ردالمحتار، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد: ۱/۳۶۸، ظفیر)

☆ زبان پر اذان کا جواب دینا مسنون اور بالقدم واجب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان کا جواب واجب ہے یا مسنون یا مستحب، اگر واجب ہے، تو لساناً یا عملاً، توضیح مسئلہ فرما کر ممنوع فرماویں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عبدالقیوم ناظم مدرسہ سراج العلوم ٹیکسلا راولپنڈی-۳۰/ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ) ==

کیا اذان کا جواب دینا واجب ہے:

سوال: اذان کا جواب دینا کیسا ہے، جو شخص مسجد میں موجود ہو، تو کیا اس کے لئے جواب دینا واجب ہے اور مسجد کے باہر ہو، تو اس کے لئے مستحب ہے؟ مولانا مشتاق احمد صاحب انبیٹھوی نے اپنے ایک رسالہ میں تحریر کیا ہے کہ ''اذان کا جواب دینا واجب ہے، اس شخص کے واسطے جو مسجد میں موجود ہے اور جو مسجد کے باہر ہے، تو اس کے واسطے مستحب ہے، جو مؤذن کہے سننے والا بھی وہی جواب میں کہے''۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

فقہا کی ایک جماعت نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (کذا فی رد المحتار: ۲۷۹/۱)(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ محمودیہ: ۴۲۲/۵)

==

الجواب ــــــــــــــــــــ

اجابت باللسان مسنون ہے اور بالقدم واجب ہے، اس شخص پر جس پر جماعت واجب ہو۔ (شامیہ)

(قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: والذى ينبغى تحريره فى هذا المحل أن الإجابة باللسان مستحبة و أن الإجابة بالقدم واجبة إن لزم من تركها تفويت الجماعة. (رد المحتارهامش الدرالمختار، باب الأذان، مطلب فى كراهة تكرار الجماعة فى المسجد: ۲۹٤/۱) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۱۸۳/۲)

اجابت بالقدم واجابت باللسان:

مسئلہ: اگر کوئی شخص اپنے گھر میں تلاوتِ قرآن میں مشغول ہو اور اذان شروع ہو جائے تو اس پر اجابت بالقدم یعنی قرآن کریم کی تلاوت موقوف کر کے جماعت کی حاضری کے لئے مسجد کی طرف چل دینا واجب ہے، جب کہ ایسا نہ کرنے سے جماعت فوت ہو جاتی ہو، اور اگر جماعت کے ساتھ نماز فوت نہ ہوتی ہو تو پھر واجب نہیں، اور اگر وہ مسجد میں تلاوت کر رہا ہو تو تلاوت موقوف کر کے زبان سے اذان کا جواب دینا مستحب ہے۔

(الحجة علىٰ ما قلنا: ما فى التنوير وشرحه مع الشامية: (ويجيب) وجوباً، وقال الحلوانى ندباً، والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان) ولو جنباً لا حائضاً ونفساء... بخلاف قرآن... (ولو كان فى المسجد حين سمعه ليس عليه الإجابة، ولو كان خارجه أجاب) بالمشى إليه (بالقدم، ولو أجاب باللسان لا به لا يكون مجيباً) وهذا (بناء علىٰ أن الإجابة المطلوبة بقدمه لا بلسانه) كما هو قول الحلوانى، وعليه (فيقطع قراءة القرآن لو) كان يقرأ (بمنزله، ويجيب) لو أذان مسجده كما يأتى (ولو بمسجد لا) لأنه أجاب بالحضور، وهذا متفرع علىٰ قول الحلوانى، وأما عندنا فيقطع و يجيب بلسانه مطلقاً، والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر فى حديث ''إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول''.

قال المحقق ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: والذى ينبغى تحريره فى هذا المحل أن الإجابة باللسان مستحبة وأن الإجابة بالقدم واجبة إن لزم من تركها تفويت الجماعة، وإلا بأن أمكنه إقامتها بجماعة ثانية فى المسجد أو بيته لا تجب، بل تستحب مراعاة لأول الوقت والجماعة الكثيرة فى المسجد بلا تكرار، هذا ماظهر لى. (۶۵/۲ـ۶۹، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فى كراهة تكرار الجماعة فى المسجد) (اہم مسائل: ۵۶/۶)

==

(۱) ''يجب على السامعين عند الأذان الإجابة: وهى أن يقول مثل ما قال المؤذن،

اذان کا جواب دینا سنت ہے:

سوال: جب مؤذن اذان پڑھتا ہے،تو اذان کے الفاظ دہرانا اور بعد میں دعا کا پڑھنا واجب ہے یا سنت یا مستحب اور نہ پڑھنے سے کوئی گناہ تو نہیں ہوتا؟

(المستفتی نمبر:۱۶۷۳،فقیر سید منور علی صاحب (ہمت نگر) ٦/جمادی الثانی ۱۳۵٦ھ،م۱۴/اگست ۱۹۳۷ء)

الجواب

اذان کے وقت اذان کے الفاظ کو دہرانا اور "**حی علی الصلاۃ**"، "**حی علی الفلاح**" کی جگہ "**لاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ**" کہنا اور ختم اذان کے بعد "**اللّٰھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ،الخ**" دعا پڑھنا سنت (۱) ہے، نہ پڑھنے سے ترک سنت ہوگا۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۵۴)

== إلا فی قولہ:"حی علی الصلاۃ"،"حی علی الفلاح"،فإنہ یقول مکان "حی علی الصلاۃ" "لاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ العلی العظیم"،ومکان قولہ"حی علی الفلاح""ما شاء اللّٰہ کان ومالم یشأ لم یکن"،کذا فی محیط السرخسی.(الفتاویٰ الھندیۃ،کتاب الصلاۃ،الباب الثانی فی الأذان،ومما یتصل بذلک إجابۃ المؤذن: ۵۷/۱،رشیدیۃ)

لیکن راجح قول یہ ہے کہ جو آدمی مسجد میں موجود ہو،اس پر اذان کا جواب دینا مستحب ہے۔(رد المحتار،کتاب الصلوٰۃ،باب الأذان،قبیل باب شروط الصلاۃ:۴۰۰/۱،دارالکتب العلمیۃ،بیروت.انیس)

(۱) یہاں سنت سے مراد مستحب ہے۔انیس

(۲) (ویجیب)وجوبًا،وقال الحلوانی:"ندبا"والواجب الإجابۃ بالقدم(من سمع الأذان)بأن یقول بلسانہ کمقالتہ إلا الحیعلتین فیحوقل وفی"الصلوٰۃ خیرمن النوم "فیقول:"صدقت وبررت".ویدعوعند فراغہ بالوسیلۃ لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم.(تنویرالأبصارمع الدرالمختارعلی صدررد المحتار،باب الأذان : ۳۹۶/۱-۳۹۸،ط:سعید)

عن عبداللّٰہ بن علقمۃ بن وقاص قال:إنی لعند معاویۃ إذا أذن مؤذنہ فقال معاویۃ:کما قال مؤذنہ حتی إذاقال:حی علی الصلاۃ ،قال:لاحول ولاقوۃ إلا باللّٰہ ولماقال:حی علی الفلاح،قال:لاحول ولاقوۃ إلا باللّٰہ (ولاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ ، قیل معناہ لاحول عن المعصیۃ ولاقوۃ علی الطاعۃ إلا بتوفیق اللّٰہ وقیل الحول الحرکۃ تقول حال الشخص إذا تحرک فالمعنی لاحرکۃ ولااستطاعۃ إلا بمشیۃ اللّٰہ وقیل الحول والحیلۃ والاحتیال والتحیل الحذق وجودۃ النظروالقدرۃ علی دقۃ التصرف أی لا إجادۃ للعمل ولا قدرۃ للإنسان علیہ إلا بمعونۃ اللّٰہ وقدفھم من ھذا أن السنۃ أن یتابع السامع المؤذن فیمایقول إلافی الحیعلتین فلہ أن یتابعہ بدل ماقال المؤذن لاحول ولاقوۃ إلا باللّٰہ وھکذا مذھب الحنفیۃ)ثم قال بعد ذلک ما قال المؤذن،ثم قال:سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول ذلک.(مسند الشافعی بترتیب السندی،الباب الثانی فی الأذان (ح:۱۸۲)

قال العینی بعد ذکرحدیث إذاسمعتم النداء فقولوا مثل مایقول المؤذن،الخ: ... ثم الذی یستفاد من عموم ھذاالحدیث أن یقول من یسمع الأذان مثل مایقول المؤذن حتی یفرغ من أذانہ کلہ ==

اذان کے جواب کا استحباب:

سوال: جو آدمی مسجد میں ہوں ان پر جواب اذان کا واجب ہے یا مستحب؟

الجواب

مستحب ہے۔

في الدرالمختار: (ولوبمسجد لا)لأنه أجاب بالحضور،الخ.ورجح الاستحباب في رد المحتار.(۱)

(تتمہ اولیٰ صفحہ:۳۴،ج:۱)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۱۶۹)

کیا اذان کا جواب دینا ضروری ہے؟ نیز کس طرح دیں:

سوال: جب مؤذن نماز کے لیے اذان دیتا ہے، تو ہمیں اذان کا جواب دینا چاہیے کہ نہیں؟

الجواب

زبان سے اذان واقامت کا جواب دینا مستحب ہے، جو کلمات مؤذن کہتا ہے، انہی کلمات کو جواب دینے والا بھی دہرائے اور ''**حي على الصلاة**'' اور ''**حي على الفلاح**'' کے جواب میں ''**لا حول ولا قوة إلا بالله**'' کہا جائے۔ فجر کی اذان میں ''**الصلاة خير من النوم**'' کے جواب میں ''**صدقت وبررت**'' کہا جائے، اور اقامت میں ''**قد قامت الصلاة**'' کے جواب میں ''**أقامها الله وأدامها**'' کہا جائے۔(۲)(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۳۱۰)

== وهومذهب الشافعي وعندأصحابنا يقول مثل مايقول المؤذن في التكبيروالشهادتين ويقول في الحيعلتين: لاحول ولاقوة إلابالله،لحديث عمركمايجي ... وقالوا:إن حديث أبي سعيدالخدري مخصوص بحديث عمر رضي الله عنه.(شرح سنن أبي داؤد للعيني،باب مايقول إذا سمع المؤذن:۲/۴۷۸)انيس)

عن عبد الله بن عمروبن العاص أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول:''إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مايقول ثم صلوا عليّ فإنه من صلي عليّ صلاة صلى الله عليه بها عشرًا ثم سلوا الله لي الوسيلة فإنها منزلة في الجنة ولاتنبغي إلا لعبد من عبادالله وأرجو أن أكون أنا هو،فمن سأل لي الوسيلة حلت له الشفاعة''.(الصحيح لمسلم،كتاب الصلاة،باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه (ح:۳۸۴)انيس)

(۱) والذي ينبغي تحريره في هذا المحل أن الإجابة باللسان مستحبة و أن الإجابة بالقدم واجبة إن لزم من تركها تفويت الجماعة وإلا بأن أمكنه إقامتها بجماعة ثانية في المسجد أو بيته لاتجب بل تستحب مراعاة لأول الوقت والجماعة الكثيرة في المسجد بلا تكرارهذا ما ظهرلي.(رد المحتار،كتاب الصلوٰة،باب الأذان،قبل باب شروط الصلاة:۱/۳۹۹،دارالكتب العلمية،بيروت۔انيس)

(۲) وفي فتاوى قاضيخان:إجابة المؤذّن فضيلة وإن تركها لايأثم ... وفي المحيط:يجب على السامع للأذان الإجابة ويقول مكان حي على الصلاة:''لا حول ولا قوة إلا بالله''،وكذا إذا قال''الصلاة خيرمن النوم''فإنه يقول:''صدقت وبررت'' ... وفي غيره أنه يقول إذا سمع''قد قامت الصلاة'':''أقامها الله وأدامها''.(البحرالرائق:۱/۲۷۳،باب الأذان) ==

اذان کا جواب:

سوال: اذان کے جواب دینے کا کیا حکم ہے؟ اور کیا خواتین پر بھی اذان کا جواب دینا فرض ہے؟
(مہر سلطانہ، باغ جہاں آرا)

الجواب

حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم اذان سنو تو جو مؤذن کہے وہی تم بھی کہو''۔(۱)

البتہ بخاری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''**حی علی الصلاۃ**'' اور ''**حي علی الفلاح**'' کے جواب میں ''**لاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ**'' کہا جائے''۔(۲)

بعض اہل علم کے نزدیک اذان کا جواب دینا اس حدیث کی وجہ سے واجب ہے، لیکن اکثر فقہا کے نزدیک زبان سے اذان کا جواب دینا مستحب ہے نہ کہ واجب، جواب دے تو ثواب ہوگا اور جواب نہ دے تو گناہ بھی نہ ہوگا، البتہ جن لوگون پر نماز واجب ہے ان کے لئے اپنے عمل سے اذان کا جواب دینا یعنی چل کر مسجد جانا واجب ہے۔(۳)

اور حدیث میں زبان سے جواب دینے کا جو حکم دیا گیا ہے، وہ استحباب کے درجہ کا حکم ہے۔اس لئے زبان سے جواب دینا نہ مردوں پر فرض ہے اور نہ عورتوں پر، اور مستحب مردوں کے لئے بھی ہے اور عورتوں کے لئے بھی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انے مردوں کے ساتھ مخصوص کر کے یہ حکم نہیں دیا ہے، دوسرے اذان کے جواب کا مقصد اللہ تعالی سے اطاعت اور احکام خداوندی سے وفا شعاری کا اظہار ہے، جیسا کہ حج میں تلبیہ کا مقصد ہے اور ظاہر ہے مسلمان مرد ہو یا عورت، ہر ایک کو حکم خداوندی کے سامنے سر جھکانے کا اظہار کرنا چاہیئے۔(۴) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۳۳-۱۳۴)

== عن أبی أمامة أوعن بعض أصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم أن بلالاأخذ فی الإقامة فلما أن قال: قدقامت الصلاۃ قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم:أقامهااللّٰہ وأدامها، ... یستفاد من الحدیث فائدتان: یستحب أن یقال عند الإقامة مثل ما یقول المؤذن،إلا فی الحیعلتین یقول فیهما:لاحول ولاقوۃ إلا باللّٰہ،کما فی الأذان، والثانیة:یستحب أن یقال عند قوله " قد قامت الصلاۃ " : " أقامها اللّٰہ وأدامها ".(شرح أبی داؤد للعینی،باب ما یقول إذا سمع المؤذن :۲/۴۹۰-۴۹۱ (ح:۵۱۰)انیس)

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۲۰۸، باب مایقول إذا أذن المؤذن ،نیز دیکھئے:صحیح البخاری ،حدیث نمبر:۶۱۱،صحیح مسلم،حدیث نمبر:۸۴۸،سنن ابی داؤد،حدیث نمبر:۵۲۲۔محشی

(۲) صحیح البخاری ،حدیث نمبر:۶۱۳،باب ما یقول إذا سمع المنادی،الصحیح لمسلم،حدیث نمبر:۸۵۰،باب استجاب القول مثل قول المؤذن،الخ۔محشی

(۳) دیکھئے! الکبیری شرح منیة المصلی:۳۶۳.

(۳) دیکھئے! الترغیب والترهیب:۱/۱۱۵.انیس

تہجداوراذان کا جواب مستحب ہے:

سوال: تہجد سنت مؤکدہ ہے یا مستحب اور جواب اذان اور دعا بعد اذان اور سننا اذان کا واجب ہے، یا کیا؟

الجواب

تہجد میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک مؤکدہ اور بعض کے نزدیک مستحب اور اذان کا سننا مستحب اور اس کا جواب بھی مستحب [ہے]۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص ٥٦) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۴۲)

اذان کا جواب اور دعا:

سوال: وقتِ اذان حکم در حدیث ایجاب بود حالانکہ دریں زمان بعد ختم اذان کلمہ طیبہ می گویند چہ حکمِ شرعی است؟(۲)

الجواب

بوقتِ اذان سامعین را مستحب است کہ ہماں کلمات را کہ مؤذن می گوید سامعین ہم می گویند و در حیعلتین "لاحول ولاقوۃ إلا باللّٰہ" گویند و بعد ختمِ اذان دعاءِ ماثورہ "اللّٰھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ، الخ بگویند وظاہر است کہ اتباعِ ماثور اولیٰ واحب است۔(۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۹۷)

(۱) احادیث میں اذان کا جواب کسی خاص وقت کی اذان کے ساتھ مقید نہیں ہے۔اس لیے تہجد کی اذان کا جواب دینا بھی مستحب ہوگا۔

عن أبی سعید الخدری أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: إذا سمعتم النداء فقولوا مثل مایقول المؤذن. (سنن أبی داؤد، باب مایقول إذا سمع المؤذن (ح: ٥٠٤)/الصحیح للبخاری، باب الأذان، باب مایقول إذا سمع المنادی (ح: ٦١١)/الصحیح لمسلم، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، الخ (ح: ٣٨٣)/سنن الترمذی، باب مایقول الرجل إذا أذن المؤذن (ح:٢٠٨)/سنن ابن ماجة، باب مایقال إذا أذن المؤذن (ح: ٧٢٠) انیس)

(۲) خلاصۂ سوال: اذان کے وقت حدیث میں حکم اذان کا جواب دینا ہے، حالانکہ اس زمانے میں لوگ اذان ختم ہونے کے بعد کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں، حکمِ شرعی کیا ہے؟ انیس

(۳) خلاصۂ جواب: اذان کے وقت سامعین کے لئے مستحب ہے کہ مؤذن جو کلمات کہے وہی کلمات وہ کہیں، اور حیعلتین میں "لاحول ولاقوۃ إلا باللّٰہ" کہیں، اور اذان کے ختم کے بعد دعاء ماثورہ "اللّٰھم رب ھذہ الدعوۃ، الخ پڑھیں اور ظاہر ہے کہ منقول کی اتباع زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے۔انیس)

(ویجیب) وجوباً، وقال الحلوانی: ندباً، والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان)، الخ بأن یقول بلسانه کمقالته، الخ إلا فی الحیعلتین فیحوقل وفی "الصلٰوۃ خیر من النوم" فیقول "صدقت وبررت" الخ ویدعو عند فراغه بالوسیلة لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم. (الدر المختار) ... وروی البخاری وغیره: من قال حین یسمع النداء "اللّٰھم ربَّ ھذہ الدعوة التامة والصلٰوة القائمة اٰتِ محمدًا الوسیلة والفضیلة وابعثه مقاماً محمودًا نِ الذی وعدتَّه" حلت له شفاعتی یوم القیامة، الخ. (ردالمحتار، باب الأذان، قبل باب شروط الصلاة: ١/ ٣٦٧-٣٧٠، ظفیر) ==

اذان کے جواب دینے کا حکم سب پر ہے:

سوال: اذان جس وقت ہواور کسی جگہ دس پانچ آدمی بیٹھے ہوں، تو ایک کا جواب دینا سب کی جانب سے کافی ہوگا یا نہیں؟

الجواب

نہیں۔ **لعدم دليل عليه.** (۱)

(تتمہ اولیٰ،ص:۳۴،ج:۱)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۱۶۸۔۱۶۹)

خواتین کو اذان کا جواب دینا چاہئے:

سوال: جس طرح مرد اذان کا جواب دیتے ہیں تو خواتین کیلئے بھی اسی طرح اذان کا جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب

اذان کا جواب جس طرح مرد دیتے ہیں، اسی طرح خواتین بھی اذان کا جواب دے سکتی ہیں، بلکہ ان کی بھی یہ دینی ذمہ داری بنتی ہے کہ اذان کا جواب دیا کریں۔

عن ميمونة. رضى الله عنها. أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قام بين صف الرجال و النساء فقال: ''يا معشر النساء إذا سمعتن أذان هذا الحبشى و إقامته فقلن كما يقول؛ فإن لكُنّ بكل حرف ألف ألف درجة''. قال عمر: فهذا للنساء يارسول الله! فما للرجال؟ قال: ''ضعفان يا عمر''. (الترغيب و الترهيب: ۱/ ۱۱۵، الترغيب فى إجابة المؤذن)(۲)(فتاویٰ حقانیہ:۳/۶۷)

== عن عبدالله بن مسعود أنه قال: إن من الجفاء أربعة: أن يسمع المؤذن يقول: الله أكبر، الله أكبر، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله، فلايقول مثل مايقول و أن يمسح وجهه قبل أن يقضى صلاته و أن يبول قائمًا و أن يصلى وليس بينه وبين القبلة شىء يستره. (المعجم الكبير للطبرانى، باب (ح: ۹۵۰۱) انيس)

(۱) کسی ایک آدمی کا اذان کا جواب دینا کافی نہیں ہوگا، بلکہ ہر شخص کو علاحدہ علاحدہ جواب دینا مستحب ہے۔ حدیث میں ہے:

عن أبى سعيد الخدرى. رضى الله عنه. أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ''إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن''. (الصحيح لمسلم، باب استحباب القول مثل قول المؤذن و الصلوٰة على النبى وسؤال الوسيلة له (ح: ۳۸۳)/ سنن ابن ماجة، باب ما يقال إذا أذن المؤذن، كتاب الأذان، السنة فيه (ح: ۷۲۰)

إذا أذن المؤذن فقولوا مثل قوله (أى إلا فى الحيعلتين فيأتى بِ''لاحول ولاقوة إلا بالله'' لحديث عمرو غيره فهو عام مخصوص و هذا هو الذى يؤيده فى المعنى؛ لأن إجابة ''حى على الصلوٰة'' بمثله يعد استهزاءً و هذا التخصيص قد صرح به علماء نا الحنفية أيضًا فيمكن أن يقال مثل هذا التخصيص ممايؤيده العقل و النقل جميعاً. (حاشية السندى على سنن ابن ماجة، ۱/ ۲۴۵، دارالجيل، بيروت. انيس)

(۲) قال العلامة عبد الحىء اللكهنوى: قلت يستنبط منه أن الإجابة باللسان واجبة على النساء الطاهرات أيضًا وهو ظاهر عبارات فقهائنا. (السعاية، باب الأذان: ۱/۵۱) ==

عورت اذان کا جواب کب دے:

سوال: کیا عورتوں کو بھی اذان کا جواب دینا چاہیے؟

الجواب

جی ہاں! مگر حیض ونفاس والی جواب نہ دیں۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۳۱۷)

حائضہ عورت اذان کا جواب نہ دے:

سوال: کیا خواتین حالت حیض میں اذان کا جواب دے سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب

علماء کرام نے لکھا ہے کہ حائضہ اور نفاس والی خواتین کو اذان کا جواب دینا صحیح نہیں۔

لما قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی: لایجیب الجنب ولا الحائض لعجزهما عن الإجابة بالفعل. (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی، باب الأذان:۱۶۳)(۲) (فتاویٰ حقانیہ:۳/۶۷-۶۸)

جنبی کو جوابِ اذان جائز ہے یا نہیں:

سوال: درحالت جنابت اجابت اذان جائز است یانہ؟(۳)

الجواب

فی الدرالمختار: (ویجیب)... (من سمع الأذان) ولو جنباً، الخ.

یعنی ہر کہ اذان بشنود اجابت کند اگرچہ جنبی باشد،(۴) **وعلله فی الشامی: بأن إجابة الأذان لیست بأذان، بحر عن الخلاصة.** (۵) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۸۶)

== أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، العالیة بنت سبیع عن میمونة (ح:۲۸) انیس

(۱) (ویجیب)... (من سمع الأذان)... لاحائضًا ونفساء. (الدرالمختار)

وفی الشامیة: (قوله لاحائضًا ونفساء) لأنهما لیسا من أهل الإجابة بالفعل فکذا بالقول... إلخ. (رد المحتار: ۱/۳۹۶، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد)

وفی المجتبیٰ فی ثمانیة مواضع إذا سمع الأذان لا یجیب: فی الصلاة واستماع خطبة الجمعة وثلاث خطب الموسم والجنازة وفی تعلم العلم وتعلیمه والجماع والمستراح وقضاء الحاجة والتغوّط، قال أبوحنیفة: لا یثنی بلسانه وکذا الحائض والنفساء لایجوز أذانهما وکذا ثناؤهما، آه. (البحرالرائق، إجابة المؤذن: ۱/۲۷۴. انیس)

(۲) قال العلامة عبد الحیء اللکهنوی: لایجیب الحائض والنفساء بعجزهما عن الإجابة بالفعل فکذا بالقول. (السعایة، باب الأذان: ۲/۵۱) ==

جنبی کو اذان کا جواب دینا چاہئے:

سوال: جنبی اور محتلم آدمی اذان کا جواب دے سکتا ہے یا نہیں؟ علما سے سنا ہے کہ اذان نہیں پڑھ سکتا ہے، کیا جواب اذان بھی نہیں دے سکتا؟ (محمد ادریس ٹوبہ ٹیک سنگھ)

الجواب

جنبی کو اذان کا جواب دینا چاہیے۔

ومن سمع الأذان فعليه أن يجيب وإن كان جنباً؛ لأن إجابة الأذان ليس بأذان آه. (خلاصة الفتاویٰ: ١/٥) كذا فى الشامية: ١/٢٩٢، باب الأذان، مطلب فى تكرار الجماعة فى المسجد) **فقط والله أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان۔ ۱۹/۲/۱۴۰۲ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۳۵-۲۳۶)

ٹی وی، ریڈیو والی اذان کا جواب دینا:

سوال: ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر جو اذانیں ہوتی ہیں، تو کیا ان کو سن کر اذان کا جواب دیا جاسکتا ہے؟

الجواب

ٹی وی اور ریڈیو پر ہونے والی اَذان، اذان نہیں، بلکہ اذان کی آواز ہے، جسے ٹیپ کرلیا جاتا ہے اور اذان کے وقت وہی ٹیپ لگادی جاتی ہے، اس لیے اس کا حکم اذان کا نہیں، لہٰذا اس کا جواب بھی مسنون نہیں۔ (۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۰۹)

اذان کے بعد مسجد کی طرف چلنا ضروری ہے یا نہیں:

سوال: سنا ہے کہ اذان ہونے پر جو شخص مسجد میں نہ جاوے تو گنہگار ہے، اگر دوسرے شخص کے تاکید کرنے سے بھی وہ نماز کو نہ جاوے تو کافر ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟

==(۳) خلاصۂ سوال: جنابت کی حالت میں اذان کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟ انیس

(۴) خلاصۂ جواب: اگر جنبی شخص اذان سنے تو وہ بھی اذان کا جواب دے، کیونکہ اذان کا جواب دینا اذان کے حکم میں نہیں ہے، جیسا کہ درمختار وشامی میں ہے۔ انیس

(۵) ردالمحتار، باب الأذان، مطلب فى تكرار الجماعة فى المسجد: ١/٣٦٧-٣٦٨، ظفير

حاشیہ صفحہ ھذا

(۱) وأما أذان الصبى الذى لايعقل فلا يجزئ ويعاد لأنّ ما يصدر لا عن عقل لا يعتد به كصوت الطيور. (بدائع الصنائع: ١/١٥٠، كتاب الصلاة، فصل فى بيان سنن الأذان)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

اس میں شک نہیں ہے کہ جوشخص اذان سن کر مسجد میں نہ جاوے اور با جماعت نماز ادانہ کرے وہ بھی گنہگار رہے۔(۱) اور اگر بالکل ہی تارک نماز ہے کہ نہ مسجد میں نماز پڑھنے کو جاتا ہے اور نہ اپنے گھر پر نماز ادا کرتا ہے تو وہ اشد درجہ کا فاسق وعاصی ہے اور بعض ائمہ اس کو کافر کہتے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

''من ترک الصلاة متعمدًا فقد کفر''.(۲)

یعنی جس نے قصدًا نماز ترک کی وہ کافر ہوگیا یعنی قریب کفر کے ہوگیا اور انکار کرنا فرضیت نماز کا باتفاق کفر ہے۔(أعاذنا اللّٰه تعالٰی منه) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۰۲)

اذان سن کر مسجد نہ جانا کیسا ہے:

سوال: ایک مولوی صاحب نے کہا کہ اذان سن کر جو مسجد میں نہ آیا، اس نے اپنی ماں کے ساتھ ہزار بار زنا کیا۔ یہ امر کس آیت یا حدیث سے ثابت ہے؟ اور کیا عذاب ہے اذان سن کر مسجد نہ آنے کا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ و باللّٰه التوفیق

مولوی صاحب کا یہ کہنا تو صحیح نہیں ہے، لیکن ہاں! جوشخص اذان سن کر بلا وجہ شرعی مسجد میں جا کر نماز نہ پڑھے گا وہ سخت گنہگار ہوگا۔(۳) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔۱۳/۵/۱۳۴۵ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۱۲۱)

---

(۱) الجماعة سنة مؤكدة لقوله عليه السلام: الجماعة من سنن الهدىٰ لايتخلف عنها إلامنافق. (الهداية، باب الإمامة: ۱/۱۰۹، ظفير)

قال عبدالله: لقدرأيتنا ومايتخلف عن الصلاة إلا منافق قد علم نفاقه أومريض إن كان المريض ليمشى بين رجلين حتى يأتى الصلاة وقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم علمنا سنن الهدىٰ وإن من سنن الهدىٰ الصلاة فى المسجد الذى يؤذن فيه. (الصحيح لمسلم، باب فضل صلاة الجماعة (ح:٦٥٤) انيس)

(۲) فيض القدير، حرف الميم: ١٠٢/٦، میں یہ حدیث طبرانی کی معجم اوسط سے منقول ہے اور مسند احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:
''من ترک الصلوٰة متعمدًا فقد برأت منه ذمة محمد صلى الله عليه وسلم''

المعجم الأوسط، من اسمه جعفر (ح:٣٣٤٨) بلفظ: من ترک الصلاة متعمدًا فقد كفرجهارًا، آه/مسند الإمام أحمد، حديث معاذ بن جبل (ح:٢٢٠٧٥) بلفظ: ولاتتركن صلاة مكتوبة متعمداً فان من ترک صلاة مكتوبة متعمداً فقد برئت منه ذمة الله، آه. (انيس)

(۳) عن أبى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''والذى نفسى بيده لقد هممت أن آمر بحطب فيُحطب ثم آمر بالصلوٰة فيؤذن لها ثم آمر رجلاً فيؤم الناس ثم أخالف إلٰى رجال وفى رواية: لايشهدون الصلاة فأحرق عليهم بيوتهم'' الخ. (مشكوٰة المصابيح: ٩٥/١، مجاهد) ==

اذان سن کر مسجد نہ جانے والا کیا کافر ہے:

سوال: زید نے نماز کی اذان سنی نماز کے لئے جانے میں دو چار منٹ کی دیر ہوگئی، زید نے بکر سے کہا کہ میں تو کافر ہوگیا ہوں، بکر نے کہا کہ کیوں زید نے جواب دیا؛ اس لئے کہ میں اذان سنکر فوراً نماز پڑھنے نہیں گیا۔ دریافت یہ ہے کہ زید کافر ہوایا کہ نہیں؟

الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

لغو جملہ بول گیا؛ جو ہرگز نہ بولنا چاہئے، لیکن کافر نہیں ہوا ہے۔ آئندہ ایسے جملہ بولنے سے احتیاط واجب ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور۔ ۱۹/۹/۱۳۸۵ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۲۲۵)

اذان کے بعد مسجد سے جانا:

سوال: بلا عذر شرعی کے بعد اذان مسجد سے نکلنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصواب

جو شخص مسجد کی حدود کے اندر ہو، اس کے لئے اذان کے بعد بلاضرورت شدیدہ نکلنا مکروہ ہے، البتہ اگر واپس آکر اسی مسجد میں نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو بلا کراہت جائز ہے۔ اگر مسجد کی شرعی حدود سے باہر ہے یا مسجد کے اندر تنہا ہو تو بھی چلے جانا بلا کراہت جائز ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱/ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۲۹۱)

== صحيح البخاری، أبواب صلوٰة الجماعة و الإمامة، باب وجوب صلوٰة الجماعة (ح: ٦١٨)/ وفي رواية مسلم: "فقد ناسًا في بعض الصلوات فقال:" لقد هممت أن آمر رجلا يصلي بالناس ثم أخالف الٰى رجال يتخلفون عنها فآمر بهم فيحرقوا عليهم بحزم الحطب". (باب فضل صلوٰة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها، كتاب المساجد ومواضع الصلوٰة، وفي رواية أبي داؤد في باب في التشديد في ترك الجماعة (ح: ٥٤٨) بلفظ: لايشهدون، الخ. انيس)

(۱) وقال: ﴿وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ﴾ (سورة القصص: ٥٥) يعني الكفر والكلام القبيح. (أحكام القرآن للجصاص، ت: قمحاوی، في تفسير سورة البقرة: ٢/٤٣، انيس)

(۲) (وكره خروجه من مسجد أذن فيه) أو في غيره (حتى يصلي) لقوله صلى الله عليه وسلم: لايخرج من المسجد بعد النداء إلا منافق أو رجل يخرج لحاجة يريد الرجوع (إلا إذا كان مقيم جماعة أخرىٰ) كإمام ومؤذن لمسجد آخر لأنه تكميل معنى (وإن خرج بعد صلاته منفرداً لايكره) لأنه قد أجاب داعي الله مرة فلايجب عليه ثانياً (إلا) أنه يكره خروجه... لأن من صلى وحده ارتكب الكراهة، بحر. (حاشية الطحطاوی على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، باب إدراك الفريضة: ١/٤٥٧. انيس)

اذان کے بعد ایک مسجد سے نکل کر دوسری مسجد میں جمعہ پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد میں ساڑھے بارہ بجے اذان ہوتی ہے، اور ایک بجے نماز جمعہ شروع ہوتی ہے اور دوسری مسجد میں پون بجے نماز جمعہ ہوتی ہے، لوگ پہلی مسجد میں آکر وضو کرتے ہیں، سنت پڑھتے ہیں، اذان بھی سنتے ہیں اور جمعہ پڑھنے کے لئے دوسری مسجد میں جہاں پون بجے نماز جمعہ ہوتی ہے، چلے جاتے ہیں، دوسری مسجد میں نماز جمعہ پڑھ کر واپس پہلی مسجد میں آجاتے ہیں اور بقیہ سنتیں اس پہلی مسجد میں پڑھ کر گھروں کو چلے جاتے ہیں، کیا ان لوگوں کا طرز عمل از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ، واضح رہے کہ اذان کے وقت جو لوگ مسجد میں موجود ہوں، یا اذان ہو جانے کے بعد مسجد میں داخل ہوں، ان کے لئے نماز ادا کرنے سے پہلے بلا ضرورت شدیدہ کے مسجد سے نکلنا مکروہ تحریمی ہے۔

لما فی الحدیث: عن أبی هريرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال:" أمرنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی عليه و سلم إذا كنتم فی المسجد فنودی بالصلاة فلايخرج أحدكم حتٰی يصلی". (رواه أحمد)(١)

عن أبی الشعثاء رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال: خرج رجل من المسجد بعد ما أذن فيه، فقال أبوهريرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه: أما هذا فقد عصی أبا القاسم صلی اللّٰه عليه وسلم. (رواه مسلم)(٢)

عن عثمان بن عفان رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم:"من أدركه الأذان فی المسجد ثم خرج لم يخرج لحاجة وهو لايريد الرجعة فهو منافق". رواه ابن ماجة. (مشكوة : ٩٧/١)(٣)

وفی الدرالمختار، باب إدراک الفريضة: (وكره) تحريمًا.

للنهی (خروج من لم يصل من مسجد أذن فيه) ... (إلا لمن ينتظم به أمر جماعة أخریٰ) ... و(لمن صلی الظهر والعشاء) وحده (مرة) فلا يكره خروجه بل تركه للجماعة (إلا عند) الشروع فی (الإقامة) فيكره لمخالفة الجماعة بلا عذر. (٤)

(١) كما فی ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٥٤/١، طبع ايچ ايم سعيد، كراچی (أخرجه الإمام أحمد فی مسنده من مسند أبی هريرة (ح:١٠٩٣٤)/ والجعد فی مسنده، شريک عن أشعث بن أبی الشعثاء (ح:٢٢٤٨) انيس)

(٢) مشكوٰة المصابيح ، باب الجماعة وفضلها، الفصل الثالث (أخرجه مسلم فی صحيحه، باب النهی عن الخروج من المسجد (ح:٦٥٥)/ وابن ماجة فی سننه، باب إذا أذن وأنت فی المسجد فلاتخرج (ح:٧٣٣) انيس)

(٣) مشكوٰة المصابيح، باب الجماعة وفضلها، الفصل الثالث (أخرجه ابن ماجة فی سننه، باب إذا أذن وأنت فی المسجد فلاتخرج (ح:٧٣٤) انيس)

(٤) الدرالمختار، مطلب فی كراهة الخروج من المسجد بعد الأذان: ٥٤/٢-٥٥، طبع ايچ ايم سعيد، كراچی

وفی الکنز،ص: ٣٦:"وکره خروجه من مسجد أذن فيه حتٰى يصلی وإن صلی لا، إلا فی الظهر والعشاء إن شرع فی الإقامة"الخ.(۱)

وفی فتح المعين:"(کره خروجه،الخ)تحريمًا لقوله عليه السلام:"لا يخرج من المسجد بعد النداء إلا منافق أورجل يخرج لحاجة يريد الرجوع وقوله أذن فيه أی علی الغالب والمراد دخول الوقت أذن فيه أولا ولا فرق بين ما أذن وهوفيه أودخل بعد الأذان،وقالوا:إذاكان ينتظم به أمرجماعة بأن كان مؤذناً أوإماماً فی مسجد آخرتتفرق الجماعة لغيبته يخرج بعد النداء؛لأنه ترک صورة تکميل معنی.(۲)

وفی النهاية:إذا خرج يصلی فی مسجد حيّه مع الجماعة فلا بأس به مطلقاً من غيرقيد بالإمام والمؤذن فلايخفٰی مافيه إذ خروجه مکروه تحريمًاوالصلاة فی مسجد حيه مندوبة فلا يرتکب المکروه لأجل المندوب بخلاف الخروج لحاجة إذاکان علی عزم العود؛لأنه مستثنٰی بنص الحديث.(۳)

ان احادیث اورفقہی جزئیات سے واضح ہوا کہ صورت مسئولہ میں ان لوگوں کے لئے پہلی مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں جانا مکروہ تحریمی ہے،(البتہ اگر ان لوگوں میں کوئی دوسری مسجد کا مؤذن یا امام ہو جو وہاں جا کر جمعہ قائم کرتا ہو،ان کے لئے نکلنا جائز ہے)لہٰذا یہ لوگ پہلی ہی مسجد میں نماز جمعہ ادا کریں کہ اس مسجد کا ان پر حق ہے اور ثواب بھی اس میں زیادہ ہے۔

"أفضل المساجد مكة، ثم المدينة، ثم القدس، ثم قبا، ثم الأقدم، ثم الأعظم، ثم الأقرب،الخ".(الدرالمختار)(۴)واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ مفتی محمود:۱/۸۳۷-۸۳۹)

---

(۱) کنز الدقائق،باب إدراک الفريضة،ص:٣٦،طبع بلوچستان بکڈپو کوئٹة

(۲-۳) کذا فی الدرالمختار،باب إدراک الفريضة،مطلب فی کراهة الخروج من المسجد بعدالأذان: ٥٤/٢،دارالفکر.انیس

(ومن دخل مسجداً قد أذن فيه)فيه تفصيل:وذلک أن من دخل مسجداًقدأذن فيه،فإما أن يكون قدصلی أو لا؟فإن لم يصل فإما أن يكون مسجدحيه أو لا؟فإن کان کره له أن يخرج قبل الصلاة لأن المؤذن دعاه ليصلی فيه،وإن لم يکن فإن صلی فی مسجد حيه فکذلک،لأنه صاربالدخول فيه من أهله،وإن لم يصل فيه فهو يخرج لأن يصلی فيه لا بأس به؛لأن الواجب عليه أن يصلی فی مسجد حيه.(العناية شرح الهداية،باب إدراک الفريضة: ٤٧٤/١/وکذا فی البناية شرح الهداية،باب إدارک الفريضة:٥٦٨/٢-انیس)

(۴) الدرالمختار،باب ما يفسد الصلاة وما يکره فيها،مطلب فی أفضل المساجد: ٦٥٨/١،ط:ایچ ایم سعید، کراچی

اذان کے وقت ریڈیو بلند آواز سے لگانے والے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جو کہ ہوش وحواس کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے لیکن جب اذان شروع ہو جاتی ہے تو وہ ریڈیو کو بلند آواز سے لگاتا ہے اور ریڈیو بند کرنے کو جب کہا جاتا ہے تو انکار کرتا ہے، نیز نماز کے لئے بلا کر بھی انکار کرتا ہے، اس شخص کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: سید غلام حیدر شاہ......۱۰/۱۰/۱۹۸۹ء)

الجواب

ایسے شخص کے ساتھ ترک موالات کرنا چاہئے،(۱) کیونکہ حکم شرعی (حبس دائم) ہمارے بس میں نہیں ہے۔

وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۰۶-۲۰۷) ☆

(۱) قال العلامة ابن حجر العسقلاني:فتبين هنا السبب المسوغ للهجر وهو لمن صدرت منه معصية ويسوغ لمن اطلع عليها منه هجره عليها ليكف عنها...قال المهلب:غرض البخاري في هذا الباب أن يبين صفة الهجران الجائز وأنه يتنوع بقدر الجرم،فمن كان من أهل العصيان يستحق الهجران بترك المكالمة كما في قصة كعب وصاحبيه...وقال الطبري:قصة كعب بن مالك.رضي الله عنه.أصل في هجران أهل المعاصي.(فتح الباري شرح صحيح البخاري،باب ما يجوز من الهجران لمن عصیٰ:۱۳/۵۹۸)

☆ اذان کے بعد اِدھر اُدھر کھڑے ہو کر باتیں کرنا:

مسئلہ: اذان کے بعد نماز کے لئے مسجد کی طرف چل دینا واجب ہے، کیونکہ عام مشائخ کے نزدیک نماز با جماعت واجب ہے۔(الحجة علىٰ ما قلنا:مافي بدائع الصنائع:أما الأول فقد قال عامة مشائخنا:إنها واجبة...وجه قول العامة الكتاب،والسنة وتوارث الأمة،أما الكتاب فقوله تعالىٰ:﴿وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ﴾(سورة البقرة: ۴۳).أمر الله تعالىٰ بالركوع مع الراكعين،وذلك يكون في حالة المشاركة في الركوع،فكان أمرًا بإقامة الصلاة بالجماعة،ومطلق الأمر لوجوب العمل. (آیت مذکورہ میں ''ارکعوا'' صیغۂ امر مطلق ہے، اور مطلق امر وجوب کے لئے ہوتا ہے، مرتب) وأما السنة:فماروى عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال:"لقد هممتُ أن آمرًا رجلاً يصلي بالناس، فأنصرف إلىٰ أقوام تخلفوا عن الصلاة فأحرق عليهم بيوتهم".ومثل هٰذا الوعيد لايلحق إلابترك الواجب.وأما توارث الأمة:فلأن الأمة من لدن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلىٰ يومنا هٰذا واظبت عليها،وعلىٰ النكير علىٰ تاركها،والمواظبة علىٰ هٰذا الوجه دليل الوجوب، آه. (یعنی جو لوگ نماز با جماعت نہیں پڑھتے، میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان کے گھروں کو جلا دوں، اور اس طرح کی سخت وعید ترک واجب پر ہی ہوتی ہے۔ مرتب)(۱/۳۸۴، كتاب الصلاة،صلاة الجماعة وأحكامه: ۱/۶۶۱-۶۶۲، فصل فيما يجب علىٰ السامعين)

اور ہر ایسا کام جو ترکِ واجب کا سبب ہو وہ مکروہ تحریمی ہوتا ہے، اس لئے اذان کے بعد اِدھر اُدھر کھڑے ہو کر، اس طرح باتوں میں مشغول ہونا کہ نماز با جماعت چھوٹ جائے، شرعاً مکروہِ تحریمی ہے۔(ما في البحر الرائق:عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت:"إذا سمع الأذان فما عمل بعده فهو حرام".(۱/۵۱۴، كتاب الصلاة،باب الأذان: ۱/۵۱۲)(اہم مسائل:۱/۳۲)

کیا اذان کا جواب دینے کے لئے باوضو ہونا ضروری ہے:

سوال: اذان کا جواب دیتے وقت وضو میں ہونا ضروری ہے کہ نہیں؟

الجواب

باوضو جواب دینا افضل ہے، بے وضو جائز ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳۱۰/۳)

جمعہ کی اذان کا جواب وغیرہ کے احکام:

سوال: جمعہ کی اذان کا جواب دینا اور ختم پر اذان کی دعا پڑھنا، أشهد أن محمدًا رسول الله، پر شہادت کی انگلی چومنا اور آنکھوں پر لگانا، اوراذان کے بعد درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

هو المصوب

جمعہ کی اذان اول کا جواب دینا مستحب ہے۔

عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: "إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما یقول المؤذن". (۲)

اذان ثانی کا جواب نہیں دینا چاہئے۔(۳) کلمۂ شہادت پر انگلی چومنا اوراس موقعہ پر درود شریف پڑھنا ثابت ہے، اس کا التزام ثابت نہیں ہے۔(۴)

تحریر: محمد اختر جمال ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳۷۹/۱-۳۸۰)

---

(۱) کیوں کہ بے وضو جب اذان دینا جائز ہے، تو اذان کا جواب دینا بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔ (وینبغی أن یؤذن ویقیم علی الوضوء) فإن ترک الوضوء فی الأذان جاز وهو الصحیح لأنّه ذکر ولیس بصلاة فلا یضره ترکه. (الجوهرة النیرة: ٤٤، باب الأذان، طبع دهلی)

(۲) صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب ما یقول إذا سمع المنادی، رقم الحدیث: ٦١١۔

(۳) قوله: وإذا خرج الإمام فلا صلاة ولا کلام، لمارواه ابن أبی شیبة فی مصنفه عن علی وابن عباس وابن عمر رضی اللّٰه عنهم کانوا یکرهون الصلاة والکلام بعد خروج الإمام وقول الصحابی حجة ولأن الکلام یمتد طبعا فیخل بالاستماع والصلاة قد یستلزمه. (البحر الرائق: ٢٧٠/٢)

وینبغی أن لایجیب بلسانه اتفاقاً فی الأذان بین یدی الخطیب وأن یجیب بقدمه اتفاقاً فی الأذان الأول یوم الجمعة لوجوب السعی بالنص. (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، باب الأذان، قبل باب شروط الصلاة: ٣٩٩/١)

(۴) إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی. (الصحیح لمسلم، کتاب الصلاة، باب القول مثل قول المؤذن، رقم الحدیث: ٣٨٤)

جمعہ کی دوسری اذان کا جواب:

سوال: جمعہ کے روز منبر کے روبرو جو اذان کہی جاتی ہے اس کے جواب دینے کو درمختار نے مکروہ لکھا ہے، مگر اس کے حاشیہ ردالمحتار یعنی شامی اور طحطاوی وغیرہ فقہاء محققین نے ترجیح دی ہے یا کہ اس کے خلاف جواب دینے کا استحباب ثابت کیا ہے اور ترجیح وتائید جواب دینے کو دی ہے؟

الجواب

أقول: لكن في الشامي، باب الجمعة: والظاهر أن مثل ذلك يقال أيضًا في تلقين المرقي الأذان للمؤذن والظاهر أن الكراهة على المؤذن دون المرقي لأن سنة الأذان الذي بين يدي الخطيب تحصل بأذان المرقي فيكون المؤذن مجيبًا لأذان المرقي وإجابة الأذان حينئذ مكروهة، الخ. (ردالمحتار: ۱/۵۵۱) (۱) **وفيه أيضاً وذكر الزيلعي أن الأحوط الإنصات.**

حاصل یہ ہے کہ اذان ثانی کا جواب دینا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۹۱) ☆

جمعہ کے روز اذان ثانی کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں:

سوال: کوئی کہتا ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی کی اجابت اور مناجات مکروہ تحریمی ہے، کوئی کہتا ہے مکروہ تنزیہی ہے، کوئی کہتا ہے بدعت ہے اور کوئی کہتا ہے کہ مستحب ہے۔ لہذا عرض پرداز ہوں کہ کونسی بات صحیح ہے، معہ ادلہ تحریر فرماویں گے؟

(۱) ردالمحتار، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقي بين يدي الخطيب: ۱/۷٦۹، ظفير

☆ **جمعہ کی اذان ثانی کا جواب:**

سوال: ہمارے ایک دوست کا کہنا ہے کہ جمعہ کے دن اذانِ ثانی جو امام کے سامنے کھڑے ہو کر کہی جاتی ہے اس کا جواب صرف امام ہی کو دینا چاہئے، سامعین کو جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

(احمد سعید احمد صابری، منچریال)

الجواب

آپ کے دوست نے صحیح رہنمائی کی ہے، خطیب کے سوا کسی اور شخص کو زبان سے اذان کا جواب نہیں دینا چاہئے، فقہا نے لکھا ہے کہ خواہ کوئی بھی خطبہ ہو، خطبہ کے درمیان سامعین اذان کا جواب نہ دیں۔

"**لا حائضًا و نفساء وسامع خطبة ... أي خطبة كانت**". (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد: ۱/۳۹٦ ـ انیس) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۴۰)

الجواب

جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا مختلف فیہ ہے، صاحبین کے نزدیک جائز ہے، اور امام صاحبؒ کے قول میں مختلف روایات ہیں، ایک روایت سے کراہت معلوم ہوتی ہے اور ایک روایت سے جواز معلوم ہوتا ہے اور طحطاوی نے اس کا اصح ہونا نقل کیا ہے اور امام صاحبؒ سے جو یہ قول مشہور ہے کہ خروج امام قاطع صلوٰۃ وکلام ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ خروج امام قاطع کلام الناس ہے، اور قاطع سائر الکلام خطبہ کا شروع ہوجانا ہے، پس ابتداء خطبہ سے پہلے کلام دینی یعنی تسبیح وجواب اذان جائز ہے۔

وبه وردت الأحاديث ناطقة كما ذكرته في إعلاء السنن فعن أبي هريرة مرفوعاً خروج الإمام يوم الجمعة للصلوٰة يقطع الصلوٰة وكلامه يقطع الكلام.(أخرجه البيهقي وسنده حسن)(۱)

وعن ابن شهاب عن ثعلبة ابن مالك القرظي أنه أخبره (أي ابن شهاب) أنهم كانوا في زمن عمربن الخطاب يصلون يوم الجمعة حتى يخرج عمرفإذاخرج عمر وجلس على المنبروأذن المؤذنون،قال ثعلبة:وجلسنا نتحدث فإذا سكت المؤذنون وقام عمربن الخطاب يخطب أنصتنا فلم يتكلم منا أحد. (أخرجه مالك في الموطأ وسنده صحيح) (۲) وثعلبة مختلف في صحبته قال صاحب التهذيب له صحبة ،آه.

وقال الطحطاوي في حاشيته علىٰ مراقي الفلاح:وفي البحرعن العناية والنهاية اختلف المشائخ على قول الإمام في الكلام قبل الخطبة فقيل:إنما يكره ماكان من جنس كلام الناس أما التسبيح ونحوه فلا وقيل ذلك مكروه.(أيضاً)(۳) والأول أصح.

ومن ثمه قال في البرهان:وخروجه قاطع للكلام أي كلام الناس عند الإمام فعلم بهذا أنه لاخلاف بينهم في جوازغيرالدنيوي على الأصح ويحمل لفظة الكلام في الأثرعلى الدنيوي ويشهد له ما أخرجه البخاري أن معاوية رضي اللّٰه عنه أجاب المؤذن بين يديه فلما أن قضى التأذين قال: يا أيها الناس إني سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على هذا المجلس حين أذن المؤذن يقول ماسمعتم مني من مقالتي،آه.(ص:۳۰۱)(۴)والبسط في الإعلاء.(۲/۵۹-۶۱)

۷/رجب ۱۳۴۵ھ۔(امدادالاحکام:۲/۳۳-۳۴)

(۱) السنن الكبرىٰ للبيهقي،باب الصلاة يوم الجمعة نصف النهار وقبله (ح:۵۶۸۷)انيس

(۲) أخرجه مالك في الموطأ،ت:الأعظمي،ماجاء في الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب (ح:۳۴۳)انيس

(۳) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح،باب الجمعة:۵۱۸/۱.انيس

(۴) الصحيح للبخاري،باب يجيب الإمام على المنبرإذا سمع النداء (ح:۹۱۴)انيس

خطبہ کی اذان کا جواب:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ خطبہ کی اذان کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

درست نہیں۔

کما فی الدرالمختار: وینبغی أن لایجیب بلسانه اتفاقاً فی الأذان بین یدی الخطیب. (۱) **فقط واللّٰہ اعلم** (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۲/۱۳۴) ☆

جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا جائز ہے، مگر دعا کرنا جائز نہیں:

سوال: جمعہ میں اذان ثانی کا جواب دینا اوراذان کی دعا پڑھنا ازروئے مذہبِ حنفیہ جائز ہے یا نہیں؟ حضرت مولانا عبدالحی صاحب مرحوم لکھنوی نے سعایہ فی کشف شرح الوقایہ میں اس کے متعلق بہت بحث کی ہے اورآخر میں اپنی رائے سے یہ لکھی ہے کہ جواب دینا جائز ہے۔لہذا آپ سے امید کرتا ہوں کہ اس کے متعلق کافی بحث کریں گے، بندہ اب تک جواب نہیں دیتا اورنہ دعا پڑھتا ہے، لیکن سعایہ کے دیکھنے سے اب شبہ پڑ گیا ہے۔

الجواب

جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا تو جائز ہے، کیونکہ وہ قبل از خطبہ ہے، مگر اذان کے بعد دعا پڑھنا جائز نہیں، کیونکہ وہ خطبہ کا وقت ہے۔

وکلام الإمام یقطع سائر أنواع الکلام،والبسط فی إعلاء السنن. (٦٠/٢)

۲۷/شعبان ۱۳۴٦ھ۔(امدادالاحکام:۲/۴۵)

---

(۱) **الدرالمختار،مجتبائی ،باب الأذان،قبل باب شروط الصلاۃ: ٦٥/١ ،ظفیر**

☆ **خطبے کی اذان کا جواب اوردعا:**

سوال: جمعے کے دن خطبے کی اذان کا جواب زبان سے دینا اوراس کے بعد دعا پڑھنا، درست ہے یا کیا حکم ہے؟

الجواب

خطبے کی اذان کا جواب نہیں دیا جاتا، نہ اس کے بعد دعا ہے۔(**وفی المجتبٰی: فی ثمانیة مواضع إذا سمع الأذان لا یجیب: فی الصلاۃ،واستماع خطبة الجمعة،إلخ.(البحر الرائق: ٢٧٤/١ ،کتاب الصلاۃ، باب الأذان،طبع دارالمعرفة، بیروت**)(آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۳۱۰)

نوٹ: جیسا کہ قبل میں تحقیق ہوچکی ہے کہ جمعہ کے اذان ثانی کے جواب میں دوقول ہیں، یہ جواب امام اعظم کے ایک قول کے موافق ہے۔انیس

خطبہ کی اذان کا جواب اور اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا:

سوال جو اذان کہ خطبۂ جمعہ کے واسطے کہی جاتی ہے اس کا جواب دینا اور ہاتھ اٹھا کر ''اللّٰھم رب ھذہ الدعوة'' پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

جائز نہیں اور جب امام اپنی جگہ سے اٹھے اسی وقت سے سکوت واجب ہے۔(۱) فقط (تالیفات رشیدیہ:۲۶۰)

جمعہ کے دن شہر کی متعدد اذانوں میں سے پہلی اذان پر خرید وفروخت کے مکروہ ہونے کی تحقیق:

سوال: جمعہ کے روز جس وقت اذان خطبہ کہی جاوے، اس وقت تو بیع وفروخت منع ہے، آیا کل شہر پر یکساں حکم ہے، یا مختلف، کیونکہ اذان کسی مسجد میں پیشتر ہوتی ہے، کسی میں بعد کو، ہر محلّہ کی مسجد کے موافق حکم علیٰحدہ علیٰحدہ ہے، یا کل شہر کے لئے حکم یکساں ہے؟

الجواب

جو بیع مخل سعی ہو، وقت اذان اول جمعہ کے مکروہ ہے، اور اگر چند جا اذان کہی جاوے، تو اظہر یہ ہے کہ اذان اول کے ساتھ کراہت ثابت ہوجائے، اگر چہ اس کی روایت صریحہ احقر نے نہیں دیکھی، لیکن تعدد اذان میں اجابت اذان اول کو لکھا ہے۔ اس قیاس پر وجوب سعی وکراہت بیع بھی اذان اول پر چاہئے خواہ مسجد محلّہ میں ہو یا غیر میں۔(۲)

---

(۱) وكذا كل ماشغل عن سماع الخطبة من التسبيح والتهليل والكتابة ونحوها بل يجب عليه أن يستمع ويسكت وأصله قوله تعالىٰ ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ (الأعراف: ٢٠٤) قيل نزلت الآية فى شأن الخطبة أمر بالاستماع والإنصات ومطلق الأمر للوجوب. (بدائع الصنائع، حكم الخطبة: ٢٦٤/١. انيس)

(۲) روایتِ صریحہ تو اس سلسلہ میں ہے نہیں، جیسا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، بلکہ جواب ''اجابت اذان اول'' پر قیاس کر کے لکھا گیا ہے، لیکن یہ قیاس صحیح نہیں معلوم ہوتا؛ کیونکہ درمختار کی جس عبارت سے استشہاد کیا گیا ہے، وہ ایک مسجد کی چند اذانوں کے متعلق ہے اور زیر بحث متعدد مساجد کی اذانیں ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اجابت اذان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اجابت بالقدم، یعنی اذان سنکر مسجد میں جانا اور دوسری اجابت باللسان یعنی اذان سنکر منھ سے اس کا جواب دینا، اول واجب ہے اور ثانی مستحب ہے،۔۔۔اسی طرح چند اذانوں کی بھی دو صورتیں ہیں۔ اول ایک ہی مسجد میں چند اذانیں ہوں۔ دوم چند اذانیں الگ الگ مساجد میں ہوں، قسم اول کا حکم درمختار میں یہ بیان کیا ہے کہ صرف اذان اول کا جواب دے۔

ولو تكرر أجاب الاول، آه. (الدر المختار، باب الأذان، مطلب فى كراهة تكرار الجماعة فى المسجد)

(قوله ولو تكرر) أى بأن أذن واحد بعد واحد أما لو سمعهم فى اٰن واحد من جهات فسيأتى، آه. (رد المحتار)

علامہ شامی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ درمختار کا مذکور قول اس صورت کا حکم ہے، جبکہ متعدد اذانیں ایک ہی مسجد میں ہوں اور اس حکم کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حرمت وعظمت صرف اذان اول کے لئے ہے؛ کیونکہ بعد کی اذانیں مسنون نہیں ہیں۔ ==

ولو تکرر أجاب الأول. (الدر المختار)

(قوله أجاب الأول) سواء كان مؤذن مسجده أو غيره. (ردالمحتار: ۳۶٦/۱)(۱)

اور اس حکم میں سب اہل شہر یکساں ہیں، البتہ جن پر جمعہ واجب نہیں، وہ مستثنیٰ ہیں، ان کو بیع جائز ہے۔

وكره البيع عند الأذان الأول وقد خص منه من لا جمعة عليه۔(الدر المختار باب الجمعة: ۱۳۲/۲)

۱۳ / جمادی الاول ۱۳۰۳ھ (امداد صفحہ ۱۰۶- ج ۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱۶۶/۱-۱۶۸) ☆

== ويفيده ما في البحر أيضا عن التفاريق إذا كان في المسجد أكثر من مؤذن واحد، أذنوا واحدًا بعد واحد فالحرمة للأول، آه. (رد المحتار: ۳٦۹/۱)

اور قسم دوم (یعنی جب متعدد مساجد کی اذانیں سنے) کے متعلق علامہ شامیؒ نے ترجیح اس کو دی ہے کہ زبان سے تمام اذانوں کا جواب دے۔

بخلاف ما إذا كان من محلات مختلفة تأمل. ويظهر لي إجابة الكل بالقول لتعدد السبب وهو السماع كما اعتمده بعض الشافعية آه (رد المحتار)

یعنی داعی الی اللہ کے ساتھ حسن ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اجابت باللسان تمام مساجد کی اذانوں کی مستحب ہو۔

رہی اجابت بالقدم، تو درمختار میں ہے:

وفي التتارخانية: إنما يجيب أذان مسجده، وسئل ظهير الدين عمن سمعه في آن من جهات ماذا يجب عليه؟ قال: إجابة مسجده بالفعل، آه.

قال الشامي: (قوله إنما يجيب أذان مسجده) أي بالقدم، اھ۔(۳۷۱/۱)

یعنی اجابت بالقدم صرف مسجد محلّہ کی اذان کی واجب ہے۔

ادھر قول مختار کے مطابق جمعہ کی اذان اول کے وقت اجابت بالقدم واجب ہے۔

(وأن يجيب بقدمه اتفاقًا في الأذان الأول يوم الجمعة لوجوب السعي، آه. (الدر المختار)

کیونکہ آیت کریمہ: ''اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ الخ'' سے مستفاد یہی ہے کہ اذان جمعہ سنتے ہی تمام کاروبار اور مشاغل چھوڑ کر علی الفور اجابت بالقدم واجب ہے اور جب ایک بستی میں متعدد جگہ نماز جمعہ جائز ہے، تو اجابت بالقدم ہر مسجد کی طرف تو واجب ہو نہیں سکتی؛ کہ یہ محال ہے اور نہ اس مسجد کی طرف واجب ہے جہاں سب سے پہلے اذان ہوئی ہے، ورنہ تعدد جمعہ کا جواز ہی ختم ہو جائے گا؛ کیونکہ جب سب لوگوں کے لئے اسی مسجد کی طرف اجابت بالقدم واجب ہوئی، تو اب اور جگہ جمعہ جائز کہاں رہا؟ بلکہ اجابت بالقدم مسجد محلّہ (جہاں سامع جمعہ پڑھا کرتا ہے، یا اس دن کا جمعہ پڑھنے کی نیت کی ہے) کی طرف واجب ہے، لہٰذا کراہت بیع اور وجوب سعی کا حکم بھی اسی مسجد محلّہ کی اذان اول کے ساتھ متعلق ہوگا۔

والظاهر أن المأمورين بترك البيع هم المأمورون بالسعي إلى الصلوٰة، آه. (روح المعاني: ۹۱/۲۸) والله سبحانه أعلم وعلمه أتم، سعيد)

(۱) كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد، انيس

☆ **جمعہ کے روز خرید وفروخت چھوڑنے کا حکم:**

سوال: بروز جمعہ ترک بیع وشراء کا حکم اذان اول سے ہے، یا اذان ثانی سے؟ بینوا توجروا۔ ==

چند اذانوں میں سے کس اذان کا جواب دینا چاہئے:

سوال: چند روز ہوئے ایک عریضہ خدمت شریف میں روانہ کیا تھا اور اس کا ایک سوال یہ بھی تھا جو حسب ذیل معہ جواب بعینہ اسی عبارت میں مذکور ہے۔

سوال: ایک وقت میں اذان کا جواب ایک ہی دفعہ دینا واجب ہے، یا جتنی دفعہ سنے اتنی ہی دفعہ واجب۔

جواب: خود واجب ہونے کی کیا دلیل؟

اب عرض یہ ہے کہ مجھ میں اتنی بصارت وطاقت نہیں جو حضور کے سامنے کوئی دلیل پیش کروں، لیکن بہشتی گوہر کی عبارت نقل کی جاتی ہے، بعد ملاحظہ، سوال کا جواب برائے کرم اس طرح عنایت فرمایئے جس سے تشفی کامل ہو جائے۔

عبارت بہشتی گوہر حسبِ ذیل ہے:

بہشتی زیور کا گیارہواں حصہ اذان واقامت کی احکام صفحہ:۲۴، میں مسئلہ:"جو شخص اذان سُنے مرد ہو یا عورت، طاہر ہو یا جنب، اس پر اذان کا جواب دینا واجب ہے"۔

الجواب

اجابت واجبہ میں اختلاف ہے کہ بالقدم ہے، یا باللسان، بہشتی گوہر کا فتویٰ قول ثانی پر مبنی ہے اور دلیل سے راجح قول اول ہے۔ (شامی) اور اس صورت میں اجابت باللسان مستحب ہوگی۔(۱) پھر اگر کئی اذانیں سنے، تو درمختار میں صرف اذان اول کی اجابت کو اختیار کیا ہے،(۲) خواہ واجب ہو یا مستحب ہو اور شامی کی رائے سب کی اجابت کی ہے۔ **کما فصله تحت قول الدر المختار: ولو تكرر أجاب الأول.** (۴۱۲/۱)

۱۰/ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ۔ (تتمہ خامسہ صفحہ:۲۵۸) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۱۶۹-۱۷۰)

== الجواب ——— حامداً ومصلیاً ومسلماً

بعد زوال اذان اول سے بیع وشراء حرام ہو جاتی ہے۔

في التنوير: ووجب سعي إليها وترك البيع بالأذان الأول (في الأصح).

وفي الشامية: (قوله: في الأصح) قال في شرح المنية: ...والأصح أنه الأول باعتبار الوقت و هو الذي يكون على المنارة بعد الزوال. (۵۵۲/۱) **(الدر المختار مع رد المحتار، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقى بين يدى الخطيب. انيس) والله أعلم بالصواب**

کتبہ: محمد حمزہ عفی عنہ ۲۸/۱۱/۱۴۱۴ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم:۲/۳۱۵-۳۱۶)

(۱) اس لئے بہشتی گوہر کی عبارت اب اس طرح بدل دی گئی ہے:"جو شخص اذان سنے مرد ہو یا عورت، طاہر ہو یا جنب، اس پر اذان کا جواب دینا مستحب ہے، اور بعض نے واجب بھی کہا ہے، مگر معتمد اور ظاہر مذہب استحباب ہی ہے"۔ ==

متعدد اذانوں میں سے کس کا جواب دے:

سوال: اگر کئی مسجد سے اذان سنائی دے، تو کس مسجد کی اذان کا جواب دے؟ صرف اپنے محلّہ کی مسجد کا جواب کافی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

بہتر یہ ہے کہ سب اذانوں کا جواب دے۔ اگر اس میں تکلف ہو تو پہلی اذان کا زیادہ حق ہے اس کا جواب دے۔ خواہ محلّہ کی مسجد میں ہو یا دوسری جگہ۔

قال في العلائية: ولو تكرر أجاب الأول. (الدرالمختار)

وفي الشامية: سواء كان مؤذن مسجده أوغيره (بحرعن الفتح بحثًا) (إلى قوله) ويظهر لي إجابة الكل بالقول لتعدد السبب وهو السماع كما اعتمده بعض الشافعية. (رد المحتار: ٣٦٩/١)(١) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

۱۲ ربیع الآخر ۱۳۹۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/ ۲۹۲) ☆

اذان کے جواب میں درود شریف پڑھنا:

سوال: بعض لوگ اذان کے جواب میں درود شریف پڑھتے ہیں، کیا اس کا پڑھنا سنت ہے؟

== اختلف في الإجابة فقيل واجبة وهو ظاهر ما في الخانية والخلاصة والتحفة وإليه مال الكمال وقيل: مندوبة وبه قال مالك والشافعي وأحمد وجمهور الفقهاء واختاره العيني، آه. (الطحطاوي على المراقي: ١٠٩. سعيد)

(۲) اس میں تسامح ہوا ہے جس کی تفصیل اس سے قبل بحوالہ امداد الفتاویٰ والے جواب میں حاشیہ میں بیان ہو چکی ہے۔ سعید

حاشيه صفحه هذا:

(١) كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد، انيس

☆ **متعدد اذانوں میں سے کس کا جواب دے:**

سوال: ہماری بستی میں کم وبیش پانچ مسجدیں ہیں، کیا ان تمام مسجدوں کی اذان پر جواب دینا چاہئے؟ یا جو مسجد گھر سے قریب ہے، صرف اسی مسجد کی اذان کا جواب دینا چاہئے؟ (عظیم صدیقی، سبحان پورہ)

الجواب ــــــــــــــ

اگر بیک وقت کئی مسجدوں میں اذان ہو رہی ہو تو قریبی مسجد کی نیت سے جواب دے اور اگر یکے بعد دیگرے اذان ہو تو پہلی اذان کا جواب دینا بہتر ہے، خواہ وہ قریب کی مسجد ہو یا نسبتاً دور کی۔ علامہ شامی ابن ہمام سے نقل کرتے ہیں:

" والذي ينبغي إجابة الأوّل سواء كان مؤذن مسجده أوغيره، فإن سمعهم معًا أجاب معتبرًا كون إجابته لمؤذن مسجده". (رد المحتار، باب الأذان، قبيل باب شروط الصلاة: ٢/ ٧٠) (کتاب الفتاویٰ: ۲/ ۱۳۹-۱۴۰)

الجواب

درود شریف کا پڑھنا ایک امر مستحسن ہے، لیکن اذان کے جواب میں اس کے پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ اذان کے جواب میں اجابت مسنون ہے، یعنی جو کلمہ مؤذن سے سنے وہ سامع کہے،(۱) البتہ چند کلموں میں اختلاف کو مدنظر رکھتے ہوئے اذان کا جواب دیا جائے، البتہ اگر کسی نے درود شریف پڑھ لیا، تو کوئی حرج نہیں، تاہم اذان کے بعد دعا سے قبل درود شریف پڑھنا مسنون ہے۔

لما قال النبی(صلی اللّٰہ علیہ وسلم): "إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی فإنہ من صلی صلاۃ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بها عشرًا". (الحدیث)(الصحیح لمسلم: ۱۶۶/۱)(۲)

وفی الھندیۃ: یجب علی السامعین عند الأذان الإجابۃ وھی أن یقول مثل ما قال المؤذن إلا فی قولہ حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح، فإنہ یقول مکان حی علی الصلاۃ "لاحول ولاقوۃ إلا باللّٰہ العلی العظیم". إلٰی اٰخرہ. (الفتاویٰ الھندیۃ: ۵۷/۱، الفصل الثانی فی کلمات الأذان)(۳)(فتاویٰ حقانیہ:۴۸/۳)

مؤذن کے کلمات اذان کی تکمیل سے قبل جواب دینے کا حکم:

سوال: اذان کے کلمات کا جواب کب دیا جائے؟ یعنی اگر کوئی شخص مؤذن کے کلمات اذان مکمل طور پر پڑھنے سے قبل جوابی کلمات پڑھے، تو کیا اس سے اذان کا جواب ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب

اذان کا جواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مؤذن کے کلمات اذان ختم کرنے کے بعد ان کا جواب دیا جائے اور اگر کوئی شخص مؤذن کے کلمات اذان مکمل پڑھنے سے قبل ان کا جواب دیدے، تو یہ فلسفۂ جواب اذان کے خلاف ہے۔

قال الشیخ الدکتور وھبۃ الزحیلی: أن یقول مثل مایقول مثنٰی مثنٰی عقب کل جملۃ إلا فی الحیعلتین فیحوقل، الخ. (الفقہ الإسلامی وأدلتہ، باب الأذان: ۵۵۳/۱)(۴)(فتاویٰ حقانیہ:۶۶/۳)

---

(۱) یعنی جس طرح مؤذن دو بار ہر کلمہ کو کہتا ہے، اسی طرح سامع بھی دوبارہ دہرائے۔انیس

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الصلاۃ، باب الأذان، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعہ، الخ (ح: ۳۸۴)انیس

(۳) (و)صفۃ الإجابۃ أن یقول کما قال أی مثل ألفاظ المؤذن (و)لکن(حوقل) أی قال" لاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ"أی لا حول لنا عن معصیۃ ولا قوۃ لنا علٰی طاعۃ إلابفضل اللّٰہ(فی)سماعہ (الحیعلتین). (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی: ۱۱۰)

(۴) عبارت درج بالا مسئلہ میں الفتاویٰ الھندیۃ، الباب الثانی فی الأذان، الفصل الثانی: ۵۷/۱. کے حوالہ سے آچکی ہے۔

اذان کا جواب مؤذن کے ساتھ ساتھ دے یا بعد میں:

سوال: اذان کا جواب مؤذن کے ساتھ ساتھ دے یا اس کے بعد دے، مثلاً جب مؤذن ”أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه“ شروع کرے، تو جواب دینے والا بھی ساتھ ہی شروع کردے، یا یہ کہ مؤذن کے إلا اللّٰه پر پہنچنے کے بعد جواب دینا شروع کرے؟ (صوفی بشیر احمد رب بھروسے، عطر فروش میاں چنول)

الجواب

مؤذن کے ختم کرنے کے بعد مجیب شروع کرے، ہر جملہ میں ایسے ہی کرے۔

واستفيدمن هذا أن المجيب لايسبق المؤذن بل يعقب كل جملة منه بجملة منه، قال فى الفتح: وفى حديث عمربن أبى أمامة التنصيص علٰى ذلك، آه، قلت: وظاهره أنه لاتكفى المقارنة لأن الجواب يعقب الكلام بخلاف متابعة المقتدى للإمام، آه. (ردالمحتار: ۲۹۳/۱)(۱)**فقط واللّٰه أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس، ملتان-۱۴/۷/۱۴۰۴ھ-(خیر الفتاویٰ:۲/۲۲۳)

اذان کے ساتھ جواب نہیں دیا تو بعد میں دے:

سوال: کسی نے غفلت سے اذان کے ساتھ جواب نہیں دیا اور اذان ختم ہوگئی تو کیا اب پوری اذان کا جواب دے سکتا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب　باسم ملهم الصواب

اگر اذان کے بعد زیادہ وقت نہیں گزرا تو جواب دینا مندوب ہے.

قال فى العلائية: ولو لم يجبه حتٰى فرغ لم أره وينبغى تداركه إن قصر الفصل. (الدرالمختار)

وفى الشامية: (قوله لم أره، الخ) البحث لصاحب البحر وصرح به ابن حجر فى شرح المنهاج حيث قال: فلوسكت حتىٰ فرغ كل الأذان ثم أجاب قبل فاصل طويل كفى فى أصل سنة الإجابة كما هو ظاهر، آه. (رد المحتار، باب الأذان، مطلب فى كراهة تكرار الجماعة فى المسجد: ۳۶۹/۱)**فقط واللّٰه تعالٰى أعلم**

۱۳/ربیع الآخر ۱۳۹۹ھ-(احسن الفتاویٰ:۲/۲۹۲)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فى كراهة تكرار الجماعة فى المسجد: ۳۹۸/۱. دارالفكر

عن عبد اللّٰه بن عمروبن العاص أنه سمع النبى صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم يقول: ”إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مايقول ثم صلوا علىّ فإنه من صلى علىّ صلاة صلى اللّٰه عليه بها عشرًا ثم سلوا اللّٰه لى الوسيلة فإنها منزلة فى الجنة ولاتنبغى إلا لعبد من عباداللّٰه وأرجوا أن أكون أنا هو، فمن سأل لى الوسيلة حلت له الشفاعة“. (سنن أبى داؤد، باب مايقول إذا سمع المؤذن (ح: ۵۲۳)/سنن الترمذى، باب فى فضل النبى صلى اللّٰه عليه وسلم (ح: ۳۶۱۴)/سنن النسائى، الصلاة على النبى صلى اللّٰه عليه وسلم (ح: ۶۷۸) انيس)

کن الفاظ میں اذان کا جواب دیا جائے:

سوال (۱) اذان کے جواب میں وہی الفاظ کہیں یا دوسرے؟
(۲)　مسجد میں ہو تو اذان کا جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟
(۳)　اگر تعلیم وتقریر ہو رہی ہو تو اس کو بند کر کے جواب دینا افضل ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱)　مسجد میں یا باہر سب جگہ وہی الفاظ کہیں البتہ ''حی علی الصلاۃ'' و ''حی علی الفلاح'' پر ''لاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ'' کہیں۔(۱)
(۲)　مسجد میں رہتے ہوئے جب اذان ہو، تب بھی جواب دینا چاہئے۔(۲)
(۳)　تقریر وتعلیم بند کر کے جواب دینا افضل ہے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۴۲۱/۵-۴۲۲)

---

(۱)　ویجب من سمع الأذان بأن یقول کمقالته،إلا فی الحیعلتین،فیحوقل'' (التنویر متن الدرالمختار، کتاب الصلاۃ،باب الأذان،مطلب فی کراھة تکرار الجماعة فی المسجد: ۳۹۶/۱-۳۹۷،سعید)

''یجب علی السامعین عند الأذان الإجابة:وھی أن یقول مثل ما قال المؤذن،إلا فی قوله:''حی علی الصلاۃ'' حی علی الفلاح،فإنه یقول مکان''حی علی الصلاۃ''لاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ العلی العظیم،ومکان قوله''حی علی الفلاح'': ما شاء اللّٰہ کان وما لم یشأ لم یکن،کذا فی محیط السرخسی''.(الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاۃ،الباب الثانی فی الأذان،ومما یتصل بذلک إجابة المؤذن : ۵۷/۱،رشیدیة)

عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰہ تعالٰی عنه أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال:''إذا سمعتم النداء،فقولوا مثل ما یقول المؤذن''.(الحدیث)

حدثنا إسحاق قال حدثنا وھب بن جریرقال حدثنا ھشام عن یحیٰی نحوه،قال یحیٰی وحدثنی بعض إخواننا أنه قال:لما قال''حی علی الصلاۃ''،قال:''لا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ''،وقال:ھکذا سمعنا نبیکم صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول''.(الصحیح للبخاری،کتاب الأذان،باب ما یقول إذا سمع المنادی: ۸۶/۱،قدیمی)

عن عبداللّٰہ بن علقمة بن وقاص قال:إنی لعندمعاویة إذ أذن مؤذنه فقال معاویة کما قال مؤذنه،حتی إذا قال حی علی الصلاۃ قال:لا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ ولما قال:حی علی الفلاح،قال:لا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ ثم قال بعد ذلک ماقال المؤذن ثم قال:سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم.(مسند الشافعی،ت:السندی،الباب الثانی فی الأذان (ح: ۱۸۲)/ معرفة السنن والآثار،القول مثل مایقول المؤذن (ح:۲۵۶۸)/ شرح السنة للبغوی،باب إجابة المؤذن (ح:۴۲۲)انیس)

(۲-۳)　''(فیقطع قراءۃ القرآن لو)کان یقرأ (بمنزله،ویجیب) لوأذان مسجده کما یأتی، ولوبمسجدٍ لا؛لأنه أجاب بالحضور،وھذا متفرع علٰی قول الحلوانی، وأما عندنا فیقطع ویجیب بلسانه مطلقاً، والظاھروجوبها باللسان لظاھرالأمرفی حدیث''إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول المؤذن ''.(الدرالمختار)

(قوله:ولو بمسجدٍ،لا)أی لایجب قطعها بالمعنی الذی ذکرناه آنفاً،فلا ینافی ما قدمه من أن إجابة اللسان مندوبة عند الحلوانی،فافهم''.(رد المحتار، کتاب الصلاۃ،باب الأذان،قبل باب شروط الصلاۃ: ۳۹۸/۱-۳۹۹،سعید)

اذان کے جواب میں ''اللّٰه أكبر'' کے بجائے ''جلّ جلا له'' کہنا:

سوال:　اذان سننے کے وقت سامع کو ''اللّٰـه أكبر '' کے ساتھ جواب دینا افضل اور بہتر اور مرجح ہے، یا ''جل جلاله'' اور اگر ''جل جلاله '' کہنا جائز ہے، تو کوئی اس بارہ میں حدیث وارد ہوئی ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

قال في الحصن:

وإذا سمع المؤذن فليقل كما يقول (ع ى) وبعد الحيعلتين لاحول ولا قوة إلاّ بالله. (ص: ٨٠)(١)

اس سے معلوم ہوا کہ اذان میں '' اللّٰه أكبر '' کے جواب میں '' اللّٰه أكبر '' کہنا ہی افضل ہے۔

لورود الأمر فيه وأقله السنية أو الاستحباب، ہاں ''اللّٰه أكبر '' کے بعد ''جل جلاله'' بڑھاوے تو اچھا ہے۔ **لكونه زيادة في الثناء** باقی حدیث میں کہیں ہم کو ثابت نہیں ہوا، اور اگر '' اللّٰه أكبر '' نہ کہے بلکہ صرف ''جل جلاله'' کہے تو جواز میں تو شک نہیں۔

لكون التكبير في الأذان أقل تأكدًا منه في افتتاح الصلاة فلما جاز فيه عند الحنفية أن يقول: اللّٰه أجل أو أعظم أو الرحمٰن أكبر أو مايؤدى معنى التعظيم ففي الأذان أولٰى. (٢)

لیکن خلاف سنت ضرور ہے۔ (امداد الاحکام: ٣٠/٢)

''أشهد أن لا إلهَ إلاَّ اللّٰهُ'' کے آخر میں ہا ہا کہنا:

سوال:　ہمارے علاقے میں جب اذان دی جاتی ہے تو بعض لوگ ''أشهد أن لا إلـهَ إلاَّ اللّٰهُ'' کے آخر میں ہا، ہا کہتے ہیں، تو اس (طرح) پڑھنے کا حکم عندالشرع کیا ہے؟

---

(١)　الحديث الأول: أخرجه البخاري في باب ما يقول إذا سمع المؤذن (ح: ٦١١)/ومسلم في باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، الخ (ح: ٣٨٣)/وابن ماجة في باب مايقال إذا أذن المؤذن (ح: ٧١٩)/وأبوداؤد، في باب مايقول إذا سمع المؤذن (ح: ٥٢٢)/والترمذي في باب مايقول إذا أذن المؤذن (ح: ٢٠٨)/والنسائي في باب القول مثل مايقول المؤذن (ح: ٦٧٣) انيس)

والحديث الثاني أخرجه مسلم في باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه (ح: ٣٨٥)/ وأبوداؤد، باب ما يقول إذا سمع المؤذن (ح: ٥٢٧)/والبزار عن حفص بن عاصم عن أبيه عن عمربن الخطاب (ح: ٢٥٨) انيس)

(٢)　(ويصح الافتتاح) أى افتتاح الصلاة (بالتكبير) وهو اللّٰه أكبر (والتهليل) وهو لاإله إلااللّٰه (والتسمية) وهو بسم اللّٰه الرحمن الرحيم (وبكل اسم من أسماء اللّٰه تعالىٰ) نحو: اللّٰه أجل، أواللّٰه أعظم، أوالرحمن أكبر، أوالرحيم أكبر، أوالحمد للّٰه، أوسبحان اللّٰه وهذا عندأبي حنيفة ومحمد، الخ. (منحة السلوك في شرح تحفة الملوك، فصل في شروط الصلاة، الشرط السادس: ١٢٣/١. انيس)

الجواب ـــــــــــــــــــ

اگر کسی لفظ کی زیادتی یا کمی سے معنی میں تغیر فاحش لازم آئے تو شرعا ایسا کرنا جائز نہیں۔ اگر تغیر معنی نہ آئے، تو یہ جائز ہے۔ مذکورہ غلطی سے فساد معنی اگر چہ نہیں آتا؛ لیکن بچنا لازمی ہے۔

قال الحصكفي: ومنها القراءة بالألحان إن غير المعنى وإلا لا إلا في حرف مد ولين ... فلو في إعراب أو تخفيف مشدد وعكسه أو بزيادة حرف فأكثر. (الدرالمختار علیٰ صدر رد المحتار: ۶۳۰/۱، باب مايفسد الصلوٰة، مطلب مسائل زلة القارى)(۱) (فتاویٰ حقانیہ: ۴۸/۳-۴۹)

حیعلتین کا جواب:

سوال: بہشتی زیور جلد نمبر:۱۱، باب اجابت المؤذن کے ایک مسئلہ سے شبہ واقع ہوتا ہے مہربانی کر کے اس کا ازالہ فرمائیں حضرت مولانا یہ بیان فرماتے ہیں:

''جو لفظ مؤذن کی زبان سے سنے وہی کہے مگر ''حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلاَحِ'' کے جواب میں ''لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ'' بھی کہے''۔(۲)

بظاہر اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ وحَيَّ عَلَى الْفَلاَحِ'' کے جواب میں اس لفظ کو بھی دہرائے اور ساتھ ہی ''لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ'' بھی کہے۔ لیکن اس مسئلہ کے حوالہ میں جو عبارت مراقی الفلاح کی پیش کی گئی ہے، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ''لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ'' بھی کہے؛ اس کے ساتھ حیعلتین بھی کہے۔ پوری عبارت مراقی الفلاح کی ملاحظہ فرمائیں:

''حيعلتين هما: ''حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ'' و''حَيَّ عَلَى الْفَلاَحِ'' كما ورد؛ لأنه لوقال مثلهما صار

(۱) أما إن قرأ حرفا مكان حرف أوزاد حرفا أونقص أوقدم المؤخر أوأخر المقدم وأما إن كان كلمة أوزاد كلمة أو نقص أوقدم أوأخر وأما إن قرأ آية مكان آية أونقص أوزاد أوقدم المؤخر أوأخر المقدم أما إذا قرأ حرفاً مكان حرف و لم يغير المعنى بأن قرأ ''إن المسلمين'' ''إن المسلمون'' لايفسد. (خلاصة الفتاوىٰ: ۱۰۶/۱، الفصل الثانى فى زلة القارى)

وفي الحديث: رب قارىء للقرآن والقرآن يلعنه، وهو متناول لمن يخل بمبانيه أومعانيه أو بالعمل بما فيه وذلك موقوف على بيان اللحن وهو إلى جلى أو خفى فالجلى خطأ يعرض للفظ ويخل بالمعنى بأن بدل حرفاً مكان حرف بأن يقول مثلاً الطالحات بدل الصالحات، وبالإعراب كرفع المجرور ونصبه سواء تغير المعنى به أم لا إذا قرأ: اِنَّ اللّٰهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُولِهِ، بجر رسوله، والخفى خطأ يخل بالعرف والضابطة كترك الإخفاء والإدغام والإظهار والقلب وكترقيق المفخم وعكسه ومد المقصور وقصر الممدود وأمثال ذلك ولا شك أن هذا النوع مما ليس بفرض عين يترتب عليه العقاب الشديد وإنما فيه التهديد وخوف العقاب. (روح البيان، من تفسير سورة المزمل: ۲۰۶/۱۰. انيس)

(۲) بہشتی زیور حصہ یازدہم، اذان واقامت کے احکام، ص: ۷۴۵، دار الاشاعت کراچی

کالمستھزی؛لأنہ من حکی لفظ الآخر بشیء کان مستھزیا بخلاف باقی الکلمات؛لأنہ ثناء، والدعاء مستجاب بعد إجابتہ بمثل ما قال''.(باب الأذان: ۱/ ۳٤)(۱)

الجواب ـــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

مراقی الفلاح کی شرح طحطاوی،ص:۱۱۰، میں ہے:

''واختار المحقق فی الفتح:الجمع بین الحیعلۃ والحوقلۃ عملاً بالأحادیث الواردۃ وجمعاً بینھما''. (۲)**فقط واللّٰہ سبحانہ تعالیٰ أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۲/ ۱۰/ ۱۳۸۸ھ۔الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/ ۴۲۸-۴۲۹)

حیعلتین وغیرہ کے جواب میں الفاظ کے فرق کی دلیل کیا ہے:

سوال: تمام کلمات اذان کا جواب بعینہ انہیں کلمات کے ساتھ دینے کا حکم ہے،سوائے ''**حَیَّ عَلَی الصَّلاۃِ**'' اور ''**حَیَّ عَلَی الْفَلاحِ**'' کے اور ''**اَلصَّلاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ**'' کے، (کہ) ان کے جواب میں ''**لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ**'' اور ''**صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ**'' کہا جاتا ہے۔اس کی دلیل عقلی کیا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــ

اس کی دلیل نقلی ہی کافی ہے۔فقط (عقلی دلیل یہ ہے کہ انسان اعتراف کرتا ہے کہ عبادات اور دوسری نیکیوں کی بجا آوری رب العزت کی توفیق پر ہے، پھر بلانے والے کے جواب میں خود کو بلانا کوئی عقل سے لگتی بات نہیں۔ظفیر)(۳)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/ ۱۱۱)☆

---

(۱) مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب الأذان: ۱/ ۲۰۳-۲۰٤، قدیمی

(۲) حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الصلاۃ، باب الأذان، ص: ۲۰۳، قدیمی/ وکذا فی الدالمحتار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الأذان: ۱/ ۳۹۷، سعید)

یعنی دونوں ایک ساتھ پڑھ لیا جائے، لیکن اگر صرف ''لا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ'' پر ہی اکتفا کیا تو بھی کافی ہے۔انیس

(۳) ''حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ'' اور ''حَیَّ عَلَی الْفَلاَحِ'' کے جواب میں ان الفاظ کو بھی دہرانا چاہئے اور ''لاحول'' الخ بھی پڑھنا چاہئے؛ کیونکہ دونوں طرح کی روایت موجود ہے۔واختار فی الفتح:الجمع بینھما عملاً بالأحادیث.(رد المحتار) اور ''لاحول'' پڑھنے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ مؤذن جب نماز اور فلاح کی طرف بلاتا ہے، تو سننے والا جواب میں کہتا ہے یہ عظیم الشان ذمہ داری ہے اور اس کی بجا آوری ایک اہم کام ہے؛ کیونکہ یہ وہ امانت ہے جو زمین و آسمان پر پیش کی گئی، تو وہ بھی تھرّا اٹھے اور قبول سے گریز کیا۔''فَأَبَیْنَ أَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَأَشْفَقْنَ مِنْھَا (القرآن، آخر سورۃ الأحزاب) تو پھر ہم جیسے ضعیف وناتواں کا کیا پوچھنا، سوائے اس کے کہ خود رب العالمین کی توفیق رفیق راہ ہو اور دستگیری فرمائے۔اس لئے کہ '' لاَحَوْلَ وَلاَقُوَّۃَ إِلَّا بِاللّٰہِ '' کا مفہوم یہ ہے کہ گناہ وناگواری سے خلاصی اور طاعت اللہ کی بجا آوری سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہو سکتی ہے۔واللہ اعلم ==

فجر کی اذان میں ’’اَلصَّلاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ‘‘ کا جواب:

سوال: صبح کی اذان میں ’’اَلصَّلاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ‘‘ کے جواب میں ’’صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ‘‘ کہنا حدیث سے ثابت ہے؟

الجواب

یہ کہنا چاہیے، ثابت ہے۔ (تالیفات رشیدیہ:۲۶۰)

اذان فجر میں ’’اَلصَّلاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ‘‘ کے جواب میں ’’صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ‘‘ کہنے کا حکم:

سوال: اذان فجر میں ’’الصلاۃ خیر من النوم ‘‘ کے جواب میں ’’صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ‘‘ کہنا کسی روایت میں وارد ہے یا نہیں؟ نیز کہنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

اذان فجر میں ’’ اَلصَّلاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ‘‘ کے جواب میں ’’صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ‘‘ کہنا کسی روایت میں وارد نہیں ہے اور بعض فقہا نے جس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، محدثین کے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں ہے، البتہ علامہ شرنبلالیؒ نے فرمایا ہے کہ بعض سلف سے منقول ہیں، لہذا کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اسی طرح شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بھی کہنا مستحسن ہے۔لیکن مالکیہ کے نزدیک مستحسن نہیں ہے۔

== اور ’’اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ‘‘ کے جواب میں ’’صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ‘‘ کہہ کر مؤذن کی تصدیق وتائید کی جاتی ہے اور اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے، اس لئے کہ یہ موقع اسی کا ہے، ان الفاظ میں نہ خدا کی بڑائی ہے اور نہ شہادتین، اس لئے دہرانا مفید نہیں۔ واللہ اعلم۔ظفیر

☆ **’’اَلصَّلاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ‘‘ کا کیا جواب ہے:**

سوال: جواب اذان میں ’’حَیَّ عَلَی الصَّلاۃِ‘‘، ’’حَیَّ عَلَی الْفَلاَحِ‘‘ کے مقابلے میں تو ’’لاَحَوْلَ وَلاَقُوَّۃَ إِلَّابِاللّٰہ‘‘ پڑھا جائے گا لیکن فجر کی اذان میں ’’اَلصَّلاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ‘‘ کے جواب میں کیا پڑھا جائے گا؟

الجواب

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جب مؤذن اذان فجر میں ’’اَلصَّلاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ‘‘ کہے تو جواب دینے والا جواباً ’’صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ‘‘ کے الفاظ یا ’’مَاشَاءَ اللّٰہُ‘‘ کے الفاظ کہے۔

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالي رحمه الله: في أذان الفجر قال المجيب: ’’صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ‘‘ بفتح الراء الأولٰى وكسرها أو يقول ’’مَاشَاءَ اللّٰهُ‘‘ عند قول المؤذن في أذان الفجر: ’’اَلصَّلاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ‘‘.
(مراقي الفلاح علٰى هامش الطحطاوي: ۱۱۰، باب الأذان) (وفي الهندية: كذا قول المؤذن ’’اَلصَّلاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ‘‘ لايقول السامع مثله ولكن يقول ’’صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ‘‘ كذا في المحيط. (الفتاوىٰ الهندية: ۵۷/۱، الباب الثاني في الأذان)
(فتاویٰ حقانیہ: ۶۴/۳-۶۵)

محدثین کے اقوال ملاحظہ ہوں:

قال ابن الملقن فی تخریج أحادیث الرافعی: لم أقف علیٰ أصله فی کتب الحدیث، وقال ابن حجر: لا أصل له. (الجد الحثیث فی بیان ما لیس بحدیث: ۱۲۳/۱)

وقال القاری: لا أصل له. (کذا فی کشف الخفاء ومزیل الإلباس عما اشتهر من الأحادیث علیٰ ألسنة الناس: ۲۱/۲)

قال الألبانی فی إرواء الغلیل فی تخریج أحادیث منار السبیل: ۲۵۹/۱ : لا أصل لها.

فقہا کی عبارت ملاحظہ ہو:

درمختار مع شامی میں ہے:

وفی: ''اَلصَّلاةُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' فیقول: ''صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ''، لورود خبر فیه، ورد بأنه غیر معروف وأجیب بأن من حفظ حجة علیٰ من لم یحفظ. (ردالمحتار: ۳۹۷/۱، سعید)

وفی تقریرات الرافعی: قال الرحمتی: ویأتی فی هذا ماتقدم فی الحیعلتین بل أولیٰ؛ لأن حدیث ''قولوا مثل ما یقول'' یشمله ولم یرد حدیث آخر فی ''صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ'' بل نقلوه عن بعض السلف، سندی. (تقریرات الرافعی: ۴۷/۱، سعید)

علامہ شرنبلالی امداد الفتاح میں فرماتے ہیں:

(وقال: ''صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ'') مروی ذلک عن بعض السلف کذا فی التجنیس والمزید. (إمداد الفتاح: ۲۲۱، بیروت)

مذہب شافعیہ:

قال النووی فی شرح مسلم فی باب الأذان: إذا ثوب المؤذن فی صلاة الصبح فقال: ''اَلصَّلٰوةُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' قال سامعه: ''صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ''، هذا تفصیل مذهبنا. (۲)

مذہب حنابلہ: کشاف القناع میں ہے:

''ویقول المجیب عند التثویب: أی قول المؤذن فی أذان الفجر: ''اَلصَّلٰوةُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' ''صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ''. (کشاف القناع: ۱۷۹/۲، وکذا فی فقه العبادات الحنبلی: ۱۴۶/۱)

مذہب مالکیہ:

الشرح الکبیر میں ہے:

''ولا یحکی ''اَلصَّلٰوةُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' ولا یبدلها بقوله: ''صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ''. (الشرح الکبیر: ۱۹۷/۱، کذا فی حاشیة الدسوقی: ۲۲۶/۲. وحاشیة الصاوی: ۴۳۱/۱) واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۱۰۱/۲-۱۰۲)

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد. انیس

(۲) شرح النووی لمسلم، کتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، الخ: ۸۸/۴. انیس

مسجد کے اندر رہتے ہوئے جواب دینا ضروری نہیں:

سوال: زید مغرب کی اذان سے پیشتر مسجد میں بیٹھا ہوا چند آدمیوں سے کوئی مسئلہ بیان کررہا تھا کہ اذان مغرب شروع ہوگئی، مگر زید نے اپنی تقریر کو بند نہیں کیا، نہ اذان سنی اور نہ جواب دیا۔ وہ کہتا ہے کہ علم دین سکھانے والے پر جواب اذان واجب نہیں، اس بارہ میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

جو شخص مسجد میں بوقت اذان موجود ہو اس کو اجابت باللسان کرنا مستحب ہے۔ پس اگر کسی مسئلہ کے بیان کی وجہ سے وہ خاموش نہ ہوا اور اذان کا جواب نہ دیا تو گنہ گار نہیں ہوا۔ البتہ بہتر یہ تھا کہ خاموش ہوکر اذان کا جواب دیتا، لیکن ترک مستحب پر طعن نہیں ہوسکتا اور بعض فقہا اگرچہ وجوب اجابت باللسان کے بھی قائل ہیں؛ مگر صحیح وراجح عدم وجوب ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۰۶) ☆

اذان کا جواب حاضرین مسجد پر واجب نہیں، اس کی کیا وجہ:

سوال: اذان اور اقامت کا جواب دینا سامع پر واجب ہے، مگر جو شخص حاضر مسجد ہے، اس پر اذان کا جواب دینا واجب نہیں ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب

اذان واقامت کا جواب مستحب ہے، بعض علما جواب اذان کو واجب کہتے ہیں، مگر زیادہ معتمد یہی ہے کہ اجابت فعلی (اذان سن کر مسجد کی طرف جانا) واجب ہے اور اجابت قولی (اذان سن کر منہ سے اس کا جواب دینا) مستحب ہے، حاضرین مسجد کیلئے ایک ہی صورت ہے کہ منہ سے جواب دیں اور یہ مستحب ہے۔(۲) فقط واللہ اعلم بالصواب

(فتاویٰ رحیمیہ:۱/۱۳۵)

---

(۱) (ویجیب)وجوباً،وقال الحلوانی ندباً،الخ(من سمع الأذان).(الدر المختار)

أی قال الحلوانی:إن الإجابة باللسان مندوبة والواجبة هی الإجابة بالقدم.(رد المحتار،باب الأذان،قبیل مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد: ۱/ ۳٦۷،ظفیر)

☆ **جو شخص مسجد میں ہو اس کو جوابِ اذان دینا واجب ہے یا نہیں:**

سوال: مسجد کے اندر جوابِ اذان دینا واجب ہے یا نہیں، کیونکہ کتاب ''القول المتین'' میں لکھا ہے کہ جواب دینا ضروری نہیں ہے، اگر جواب دے تو صواب ہے؟ ==

اذان صحیح سمجھ نہ آرہی ہو، تو جواب دیں یا نہ دیں:

سوال: اگر اذان کی آواز ہوا کی وجہ سے صحیح نہ آرہی ہو، کوئی لفظ سنائی دیتا ہو اور کوئی نہیں، تو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب

الفاظ سمجھ میں آئیں، تو جواب دیں، ورنہ نہیں۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۰۹)

مسجد میں تلاوت کرنے والے کو جواب اذان افضل ہے یا تلاوت:

سوال: تالی القرآن فی المسجد کو خواہ عامی ہو یا عالم جواب الاذان افضل ہے یا مشغولی تلاوت؟

الجواب

جواب اذان افضل ہے۔

فی الدر المختار: (ویجب) (۲) وجوبًا، وقال الحلوانی ندبًا والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان) ولو جنباً لا حائضاً ونفساء وسامع خطبة وفی صلاة جنازة وجماع، ومستراح وأكل وتعليم علم وتعلمه بخلاف قرآن.

وقال الشامی تحت قوله بخلاف قرآن: لأنه لا يفوت (جوهرة) ولعله لأن تكرار القراءة إنما هو للأجر فلا يفوت بالإجابة، بخلاف التعلّم، فعلٰى هذا لو يقرأ تعليماً أو تعلماً لا يقطع، سائحانی. (۱/۴۱۱)(۳)

==

الجواب

بیشک اس صورت میں جواب دینا ضروری نہیں، البتہ مستحب ہے، لہذا بلا وجہ ترک کرنا بہتر نہیں۔ واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفا عنہ، الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۰/ شعبان ۱۳۴۸ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۴۷)

(۲) قال شمس الأئمة الحلوانی: تكلم الناس فی الإجابة قال بعضهم هی الإجابة بالقدم لا باللسان حتى لو أجاب باللسان ولم يمش إلى المسجد لا يكون مجيباً ولو كان حاضرًا فی المسجد حين سمع الأذان فليس عليه الإجابة وقوله عليه السلام: "من قال مثل ما يقول المؤذن، فله من الأجر كذا" فهو كذلك إن قاله نال الثواب الموعود، وإن لم يقل لم ينل الثواب الموعود، فأما أن يأثم أَوَ يكره له ذلك، فلا، وإذا رد الجواب باللسان لنيل الثواب الموعود، فكل ما هو ثناء وشهادة يقول كما يقول المؤذن وعند قوله: "حی علی الصلاة" يقول لا حول ولا قوة إلا باللّٰه "ما شاء اللّٰه كان". (المحيط البرهانی، الفصل السادس عشر فی التغنی والإلحان: ۱/۳۵۰-۳۵۱. انيس)

حاشیہ صفحہ هذا:

(۱) (قوله من سمع الأذان) يفهم منه أنه لو لم يسمع لصمم أو لبعد أنّه لا يجيب... إلخ. (ردالمحتار: ۱/۳۹۶)

(۲) هكذا فی الأصل والصحيح يجيب. منه (دار الفکر بیروت کے نسخہ میں "ویجیب" ہے۔ انیس)

(۳) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی كراهة تكرار الجماعة فی المسجد، انيس

وقال الشامی أیضاً: ۱/ ۴۱۴: (قوله ولو بمسجد لا)أی لایجب قطعها بالمعنی الذی ذکرناه آنفاً فلاینافی ماقدمه من أن إجابة اللسان مندوبة عند الحلوانی.

وفی الصفحة المذکورة أیضًا بعد نقل حدیث (۱) عن الطحاوی: فهذه قرینة صارفة للأمر عن الوجوب وبه تأید ماصرح به جماعة من أصحابنا من عدم وجوب الإجابة باللسان وأنها مستحبة، وهذا ظاهر فی ترجیح قول الحلوانی، وعلیه مشی فی الخانیة والفیض، الخ. (۲)

۲۱ر ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ ۔ (امداد الاحکام: ۲/ ۳۵)

وضو، تلاوت اور تعلیم کرتے وقت اذان کا جواب:

سوال: ایک آدمی مسجد میں وضو کر رہا ہے، یا قرآن پڑھ رہا ہے یا حدیث وفقہ پڑھ رہا ہے یا وعظ وتقریر کر رہا ہے اور ادھر مؤذن نے اذان شروع کر دی تو کیا یہ اپنا عمل روک کر اذان کا جواب دے یا اپنا عمل جاری رکھے؟ مفصل تحریر فرمائیں کہ کن صورتوں میں کیا کیا احکام ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

وضو کرتا رہے، بقیہ امور میں افضل یہ ہے کہ ان کو بند کر کے اذان کا جواب دے، لیکن اگر ان کو جاری رکھا تب بھی گناہ نہیں ہے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/ ۴۲۴-۴۲۵)

---

(۱) ''عن عبداللّٰه قال: کنا مع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی بعض أسفاره، فسمع منادیاً وهو یقول: اللّٰه أکبر، اللّٰه أکبر، فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: علی الفطرة، فقال: أشهدأن لا إله إلا اللّٰه، فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: خرج من النار، قال: فابتدرناه فإذا هو صاحب ماشیة أدرکته الصلاة فنادیٰ بها''.

فهذا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قدسمع المنادی ینادی فقال غیر ماقال، فدل ذلک علی أن قوله''إذا سمعتم المنادی فقولوا مثل الذی یقول، أن ذلک لیس علی الإیجاب وأنه علی الاستحباب والندبة إلی الخیر وإصابة الفضل کما علم الناس من الدعاء الذی أمرهم أن یقولوه فی دبر الصلاة وماأشبه ذلک. (شرح معانی الآثار، باب مایستحب للرجل أن یقوله إذا سمع الأذان: ۱/ ۱۴٦ (ح: ۸۹۷)انیس)

(۲) رد المحتار، باب الأذان، قبل باب شروط الصلاة: ۱/ ۳۹۹، انیس

(۳) عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰه تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: ''إذا سمعتم النداء، فقولوا مثل ما یقول المؤذن''. (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب ما یقول إذا سمع النداء: ۱/ ۸٦، قدیمی)

''(ویجیب)وجوباً، وقال الحلوانی: ندباً، والواجب الإجابة بالقدم(من سمع الأذان)الخ (بأن یقول)... (کمقالته) الخ (إلا فی الحیعلتین)... (وفی''الصلاة خیر من النوم'')الخ(فیقطع قراءة القرآن لو)کان یقرأ(بمنزله، ویجیب)الخ (ولو بمسجد، لا)؛ لأنه أجاب بالحضور، وهذا متفرع علیٰ قول الحلوانی، وأما عندنا فیقطع ویجیب بلسانه مطلقاً، و الظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر فی حدیث: ''اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول'' الخ. (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد: ۱/ ۳۹٦-۳۹۹، سعید)

تلاوت اور وضو وغیرہ کے درمیان اذان کا جواب:

سوال: اذان کے وقت قضا نمازیں، نوافل، یا تلاوتِ قرآن پاک جائز ہے یا نہیں؟ تلاوت جاری رکھے یا اذان کا جواب دے؟ اسی طرح وضو کرتے وقت اذان سنائی دے تو کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر نماز قضا یا نفل نماز پہلے شروع کردی ہے اور درمیان میں اذان ہوجائے تو بہتر یہ ہے کہ اول اذان کا جواب دے پھر دعاءِ وسیلہ پڑھے؛ پھر نماز شروع کردے۔(۱)

اگر حالتِ تلاوت میں اذان ہوجائے، تو یہ بہتر ہے کہ تلاوت روک کر اذان کا جواب دے، پھر دعا پڑھے، پھر ''أعوذ بکلمات، الخ'' پڑھ کر تلاوت شروع کردے۔(۲)

وضو کی حالت میں اذان کا جواب بھی دیتا رہے، وضو بھی کرتا رہے۔(شامی: ۱/۲٦۷)(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔(فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۲۵-۴۲٦)

---

(۱) **نوٹ:** اس جواب میں حضرت ؒ سے سہو ہوا ہے، اصل مسئلہ یہ ہے کہ جب قضا یا نفل نماز شروع کردی گئی تو اذان کا جواب نہیں دیا جائے گا، اس لیے کہ دوران نماز کوئی بات کرنی یا کوئی دوسری دعا نہیں پڑھی جاسکتی ہے۔

(ولا یجیب فی الصلاة) ولو أجاب فسدت (ولو جنازة و خطبة) أی خطبة کانت (وسماعها وتعلم العلم و تعلیمه والأکل وقضاء الحاجة). (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب الأذان: ۲۰۳، دار الکتب العلمیة. انیس)

(۲) ''(ویجیب)...(من سمع الأذان)... لا حائضًا ونفساء [أی لا یجیب إذا کان السامع حائضاً وما بعده] وسامع خطبة وفی صلاة جنازة وجماع، ومستراح وأکل وتعلیم علم وتعلمه، بخلاف قرآن''. (الدر المختار)

وقال ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالیٰ: (قوله بخلاف قرآن)؛ لأنه لا یفوت، جوهرة، ولعله؛ لأن تکرار القراء ة إنما هو للأجر، فلا یفوت بالإجابة، بخلاف التعلم، فعلی هذا لو یقرأ تعلیمًا أو تعلمًا، لا یقطع. سائحانی.''. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد: ۱/۳۹٦، سعید)

(۳) ''(ویجیب)...(من سمع الأذان)...(بأن یقول) بلسانه (کمقالته)...(إلا فی الحیعلتین) فیحوقل (وفی ''الصلاة خیر من النوم'')... ویدعوا عند فراغه بالوسیلة لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم.. (فیقطع قراء ة القرآن لو) کان یقرأ (بمنزله، ویجیب) لو أذان مسجده کما یأتی (ولو بمسجد لا)؛ لأنه أجاب بالحضور، وهذا متفرع علیٰ قول الحلوانی، وأما عندنا فیقطع ویجیب بلسانه مطلقاً، والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر فی حدیث: ''إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول''. (الدر المختار علی صدر رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد: ۱/۳۹٦-۳۹۹، سعید)

''ولا یشتغل بقراء ة القرآن ولا بشیء من الأعمال سوی الإجابة، ولو کان فی القراء ة ینبغی أن یقطع ویشتغل بالاستماع والإجابة، کذا فی البدائع''. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الثانی فی الأذان، ومما یتصل بذلک إجابة المؤذن: ۱/۵۷، رشیدیة)

قرآن کا درس پڑھنے کے دوران اذان ہو جائے تو جواب کا حکم:

سوال: تلاوتِ قرآن پاک کرتے ہوئے اگر اذان شروع ہو جائے، تو جواب دینا ضروری ہے، یا تلاوت جاری رکھے۔ (سائل: مولوی عبید اللہ کبیر والا)

الجواب

اگر تعلیم وتعلم کے لئے پڑھ رہے ہوں، تو قراءت جاری رکھیں اور اگر صرف تلاوت کر رہے ہوں، تو تلاوت روک کر پہلے اذان کا جواب دیں۔ فارغ ہونے کے بعد پھر تلاوت شروع کر دیں۔

(ويجيب) وجوباً، وقال الحلواني ندباً والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان) ولو جنباً لا حائضاً ونفساء وسامع خطبة وفي صلاة جنازة وجماع ومستراح وأكل وتعليم علم وتعلمه، بخلاف قرآن، آه. (الدر المختار)

(قوله بخلاف قرآن) لأنه لايفوت. جوهرة. ولعله لأن تكرار القراءة إنما هو للأجر فلايفوت بالإجابة بخلاف التعلم فعلٰى هذا لو يقرأ تعليماً أو تعلماً لايقطع، سائحاني، آه. (ردالمحتار، باب الأذان: ۱/۲۹۲، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد) فقط واللّٰه أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔ ۲۷/۱۱/۱۴۱۰ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۳۰-۲۳۱)

قرآن پڑھتے ہوئے اذان سنے تو کیا کرے:

سوال: قرآن کے حفظ کرنے یا دیکھ کر پڑھنے میں اذان کا جواب جو کہ واجب ہے دینا چاہئے یا قرآن کی تلاوت جاری رکھنا جائز ہے؟

الجواب

اذان کا جواب دینا مستحب ہے اگر قرآن شریف کو بند کر کے جواب اذان کا دے تو اچھا ہے اور اگر قرآن شریف ہی پڑھتا رہے اور جواب نہ دے، تو کچھ گناہ نہیں ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۹۳) ☆

(۱) (ويجيب) وجوباً، وقال الحلواني ندباً، والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان) ولو جنباً لا حائضاً ونفساء وسامع خطبة الخ، بخلاف قرآن (الدر المختار)

لأنه لايفوت (جوهرة) ولعله لأن تكرار القراءة إنما هو للأجر فلايفوت بالإجابة بخلاف التعلم فعلٰى هذا لو يقرأ تعليماً أو تعلماً لايقطع. (ردالمحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد: ۱/۳٦۷-۳٦۸، ظفير)

☆ قرآن و درود شریف پڑھتے ہوئے اذان سنے تو......:

سوال: کلام مجید یا درود شریف پڑھتا ہو اور اذان ہونے لگے تو اذان کا جواب دے یا نہ دے اور پڑھتا رہے؟ ==

بوقت اذان تلاوت کو جاری رکھے یا موقوف کردے:

سوال: جس وقت کوئی شخص اذان سنے اس وقت تلاوت موقف کردے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر مسجد میں تلاوت کررہا تھا، تب تو تلاوت کو جاری رکھے، اگر خارج مسجد یا اپنے مکان وغیرہ میں تھا، تو تلاوت کو موقوف کرکے اذان کا جوب دے۔(تنویر الأبصار: ١/ ٤١٤)(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۴۲۷/۵)

بوقت تلاوت اذان شروع ہوجائے، تو کیا حکم ہے:

سوال: اگر تلاوت کرنے وقت اذان شروع ہوجائے، تو اذان کا جواب دے، یا تلاوت کرتا رہے؟ بندہ نے کسی بڑے عالم حضرت مولانا تھانویؒ یا حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کے ملفوظات میں دیکھا ہے کہ اذان ہوتے وقت تلاوت نہ کرنا چاہیے۔

ایک عالم صاحب نے بتلایا کہ آدمی اگر مسجد میں تلاوت کررہا ہے، تو اذان کا جواب نہ دے، اور اگر باہر تلاوت کررہا ہے تو تلاوت بند کرکے اذان کا جواب دے، جواب تفصیل کے ساتھ مرحمت فرمائیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب ـــــــــــــــ

درمختار اور شامی میں ہے کہ قرآن شریف کی تلاوت موقوف کرکے جواب اذان کا دے۔ پس درود شریف کا بھی یہی حکم ہے۔(لو كان في المسجد حين سمعه ليس عليه الإجابة، ولو كان خارجه أجاب)الخ(فيقطع قراء ة القرآن لو) كان يقرأ (بمنزله، ويجيب)لوأذان مسجده كما يأتي(ولو بمسجد، لا).(الدر المختار)

الظاهر أن المراد المسارعة للإجابة وعدم القعود لأجل القراء ة لإخلال القعود بالسعي الواجب، وإلا فلامانع من القراء ة ماشياً، إلا أن يراد يقطعها ندباً للإجابة باللسان أيضاً، الخ.(رد المحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد: ١/ ٣٧٠، ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۹۵/۲)

(۱) ”(ويجيب)...(من سمع الأذان)...(بأن يقول)بلسانه (كمقالته)...(إلا في الحيعلتين)فيحوقل(وفي ”الصلاة خير من النوم“)...ويدعوعند فراغه بالوسيلة لرسول الله صلى الله عليه وسلم...(فيقطع قراء ة القرآن لو) كان يقرأ(بمنزله،ويجيب)...(ولو بمسجد،لا)؛لأنه أجاب بالحضور،وهذا متفرع علىٰ قول الحلواني،وأما عندنا فيقطع ويجيب بلسانه مطلقاً،والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر في حديث:”إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مايقول“.(الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ١/ ٣٩٦ - ٣٩٩، سعيد)

”ولا يشتغل بقراء ة القرآن ولا بشيء من الأعمال سوى الإجابة، ولو كان في القراء ة ينبغي أن يقطع، ويشتغل بالاستماع والإجابة، كذا في البدائع“.(الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، ومما يتصل بذلك إجابة المؤذن: ١/ ٥٧، رشيدية)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

صرح فی العنوان بأن الإمساک عن التلاوۃ والاستماع إنما ھو أفضل. (الطحطاوی علی المراقی: ۱۲۰)(باب الأذان: ۱۳۵، مصری)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تلاوت منقطع کر کے کلمات اذان کا سننا اور جواب دینا افضل وبہتر ہے، خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر، اور کتب فقہیہ میں جو یہ مذکور ہے کہ مسجد میں ہو تو جواب نہ دے، اس کا مطلب صاحب طحطاوی نے یہ بیان فرمایا ہے کہ قدم سے جواب نہ دے، کیوں کہ وہ پہلے ہی سے حاصل ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تلاوت قطع کر کے زبان سے جواب دینا بھی افضل نہیں ہے، (۱) اور درمختار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں ہوتے ہوئے جواب نہ دینے والا قول مرجوح وغیر مفتی بہ ہے، (۲) بہر حال عالم صاحب کی بات خلاف تحقیق ہے، حق وہی ہے جو آپ نے حضرت اقدس تھانوی یا حضرت مولانا ابرارالحق صاحب کے ملفوظات میں دیکھا ہے۔

قولہ: یمضی علیٰ قرأتہ إن کان فی المسجد مبنی علیٰ وجوب الإجابۃ بالقدم، ومن قال بھا لاینفی ندب الإجابۃ باللسان. (الطحطاوی علی المراقی: ۱۲۰)(باب الأذان: ۱۳۵، مصری)

وفی أحسن الفتاویٰ: مستحب یہ ہے کہ تلاوت چھوڑ کر اذان کی طرف متوجہ ہو، اور اس کا جواب دے۔ (أحسن الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ، باب الأذان والإقامۃ: ۲/۲۸۸، زکریا، دیوبند)

کتبہ: عبداللہ غفرلہ: ۲۷/۲/۱۴۰۷ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/۲۸۷-۲۸۹)

تلاوت کے درمیان اذان:

سوال: اگر کوئی مکان میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہو اور اس درمیان کسی مسجد سے اذان کی آواز آنے لگے تو کیا اس دوران تلاوت روک دی جائے؟ چونکہ یہاں کئی مساجد ہیں، اور وقفہ وقفہ سے اذان کی آواز آتی رہتی ہے، تو کیا ہر دفعہ تلاوت قرآن روک دی جائے؟ اور اگر قرآن کی تلاوت کرنے والا مسجد میں ہو تو کیا اس کے لئے بھی تلاوت روک دینے کا حکم ہے؟ بعض حضرات اذان کے دوران وضو کرنا بھی روک دیتے ہیں، شرعی حکم کیا ہے؟

(محمد عبدالرشید، اعظم پورہ)

---

(۱) فی المراقی: وإذا سمع المسنون منہ أمسک حتی عن التلاوۃ لیجیب المؤذن ولو فی المسجد وھو الأفضل وفی الفوائد: یمضی علیٰ قراءتہ إن کان فی المسجد.

وفی الطحطاوی: (قولہ یمضی علیٰ قراءتہ إن کان فی المسجد) مبنی علیٰ وجوب الإجابۃ بالقدم ومن قال بھا لاینفی ندب الإجابۃ باللسان. (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی، باب الأذان: ۱۳۵، مصری)

(۲) فی الدرالمختار: (فیقطع قراءۃ القرآن لو) کان یقرأ (بمنزلہ، ویجیب)... (ولو بمسجد، لا)؛ لأنہ أجاب بالحضور وھذا متفرع علیٰ قول الحلوانی، وأما عندنا فیقطع ویجیب بلسانہ مطلقاً. (الدرالمختار علی صدرالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الأذان، مطلب فی کراھۃ تکرار الجماعۃ فی المسجد: ۱/۲٦۷، نعمانیۃ، دیوبند)

الجواب

جب آپ گھر میں قرآن کی تلاوت کررہے ہوں، اور اذان کی آواز آئے تو تلاوت روک کر اذان کا جواب دینا چاہئے، اگر کئی مسجدوں سے آواز آئے تو اپنے محلّہ کی مسجد کی اذان کا جواب دیں، اس کے بعد تلاوت جاری رکھیں۔

"...وعليه (فيقطع قراءة القرآن لو) كان (يقرأ بمنزله، ويجيب) أذان مسجده كما يأتي". (١)

اگر مسجد میں تلاوت کررہے ہوں تو کیا تلاوت روک کر جواب دیں؟ اس میں اختلاف ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ تلاوت روک کر جواب دینا چاہئے، کیونکہ تلاوت بعد میں بھی کی جاسکتی ہے، اذان کا جواب بعد میں نہیں دیا جاسکتا۔

وضو کرتے ہوئے بھی اذان کا جواب دینا بہتر ہے، کیونکہ جب اذان ہو تو جواب دینے کا عمومی حکم دیا گیا ہے اور وضو کرتے ہوئے جواب دینے میں بہ ظاہر کوئی قباحت سمجھ میں نہیں آتی۔ (کتاب الفتاویٰ:٢/٦ ١٣-١٣٧)

اذان اور خطبہ کے وقت تلاوتِ قرآن مجید:

سوال: جمعہ کا احترام کرکے لوگ قبل از وقت مسجد میں آکر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں، اذان کی آواز سن کر بھی تلاوت کرنے سے رکتے نہیں، حتیٰ کہ خطبۂ اولیٰ کے ختم تک تلاوت کرتے رہتے ہیں، کیا اس طرح اذان اور خطبۂ اولیٰ کے شروع ہونے پر قرآن مجید کی تلاوت کرنا شرعاً درست ہے؟ (عبد المنعم، نرمل)

الجواب

اگر تلاوتِ قرآن مجید کے درمیان اذان ہوجائے تو گو تلاوت جاری رکھنے کی اجازت ہے، لیکن بہتر ہے کہ تلاوت سے رک کر اذان کا جواب دے، گو مسجد پہنچ چکا ہو پھر بھی مستحب طریقہ یہی ہے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب "مراقی الفلاح" میں ہے:

(وإذا سمع المسنون منه) أي الأذان ... (أمسک) حتّٰى عن التلاوة ليجيب المؤذن ولو في المسجد وهو الأفضل. (٢)

البتہ خطیب کے ممبر پر آنے کے بعد تلاوتِ قرآن مکروہ ہے اور اس سے اجتناب ضروری ہے، (٣) کہ حدیث شریف میں خطبہ کے دوران کسی بھی ایسے عمل کی ممانعت آئی ہے، جس سے خطبہ سننے میں حرج ہو۔ (٤)

(کتاب الفتاویٰ:٢/١٣٧-١٣٨)

---

(١) ردالمحتار، باب الأذان، قبل باب شروط الصلاة: ٦٨/٢۔

(٢) مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي، باب الأذان: ٨٠۔

(٣) مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي، باب صلاة الجمعة: ٢٨٣۔

(٤) اس بارے میں حدیث میں اتنی سخت ممانعت وارد ہوئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے خطبہ دیتے وقت دوسرے گفتگو میں مشغول شخص کو خاموش کرنے کو بھی ناپسند فرمایا ہے۔ ==

اذان کے وقت تلاوت قرآن کا حکم:

سوال: اذان کے وقت قرآن پاک کی تلاوت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر پہلے سے تلاوت کر رہے ہوں اور اذان ہونے لگے تو تلاوت بند کر دینی چاہئے یا جاری رکھنی چاہئے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

اگر تلاوت کرنے والا مسجد میں ہو تو اس کے لئے تلاوت جائز ہے، اس پر اذان کا جواب ضروری نہیں ہے اور اگر تلاوت کرنے والا مسجد سے باہر ہے تو اس کو بند کر کے اذان کا جواب دینا چاہئے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔۲۳/۱/۵۷ ۱۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۱۲۰/۲) ☆

بوقت اذان تلاوت چھوڑ دینا مستحب ہے:

سوال: تلاوت کرتے ہوئے اذان شروع ہو جائے تو تلاوت میں مشغول رہے یا کہ تلاوت چھوڑ کر اذان سنے، اور اذان ختم ہونے کے بعد پھر تلاوت کرے؟ بینوا تو جروا۔

== أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال:"إذا قلت لصاحبک یوم الجمعة أنصت و الإمام یخطب فقد لغوت". (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۹۳٤، باب الإنصات یوم الجمعة والإمام یخطب)

نیز دیکھئے: الصحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۸۵۱، أبو داؤد، رقم الحدیث: ۱۱۱۲، محشی)

(۱) دونوں صورتوں میں افضل و مستحب یہی ہے کہ جب تک اذان ہو قرآن کریم کی تلاوت موقوف کر کے اذان کا جواب دیتا رہے، اس لئے کہ بالاتفاق زبان سے اذان کا جواب دینا مندوب و مستحب ہے خواہ اذان سننے والا مسجد میں ہو یا مسجد کے باہر۔[مجاھد]

"(وإذا سمع المسنون منه) أی الأذان وهو ما لا لحن فیه ولا تلحین (أمسک) حتی عن التلاوة لیجیب المؤذن ولو فی المسجد وهو الأفضل". (مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی: ۱۰۹)

وصرح فی العیون بأن الإمساک عن التلاوة والاستماع إنما هو أفضل وصرح جماعة بنفی وجوبها باللسان و أنها مستحبة حتی قالوا إن فعل نال الثواب وإلا فلا إثم ولا کراهة. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح : ۱۰۹)

☆ اذان کے وقت تعلیم قرآن کا حکم:

سوال: اذان کے وقت قرآن خود پڑھتا یا بچوں کو پڑھاتا ہے تو روک دے یا پڑھاتا رہے؟

حامداً و مصلیًا، الجواب ـــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

اذان کے وقت تلاوت قرآن یا تعلیم موقوف کر دینا اور اذان کو سننا اور اس کا جواب دینا افضل ہے۔ (کذا فی نفع المفتی، ص: ٦٣) (... قاری سمع الأذان فالأفضل له أن یمسک ویستمع الأذان لورود الأثر. (نفع المفتی و السائل، ص: ٤٥/ ذخیرة المسائل ترجمة نفع المفتی والسائل، ص: ۱۳٦) واللّٰہ تعالیٰ أعلم وعلمه أتم وأحکم (مرغوب الفتاویٰ:۱۲۴/۲)

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

مستحب یہ ہے کہ تلاوت چھوڑ کر اذان کی طرف متوجہ ہو، اور اس کا جواب دے۔

نقل العلاء رحمه اللّٰه تعالٰى عن النهرمعز يًا إلى المحيط وغيره: أنه لايرد السلام ولايسلم و لايقرأ بل يقطعها ويجيب ولايشتغل بغير الإجابة. (الدرالمختار)

وقال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالٰى: وقال فى المعراج: وفى التحفة: وينبغى للسامع أن لايتكلم ولا يشتغل بشىء فى حالة الأذان والإقامة ولايرد السلام أيضاً؛ لأن الكل يخل بالنظم، آه.

أقول: يظهر من هذا أن قوله لايرد السلام ليس للوجوب، وأنه يتفرع على القولين وإلا لزم وجوب ذلك فى الإقامة مع أن أصل إجابة الإقامة مستحبة، الخ. (رد المحتار: ۳۷۱/۱)(۱) **فقط واللّٰه تعالٰى أعلم**

۲۰ رشوال ۱۳۹۲ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲۸۸/۲-۲۸۹)

اذان کے وقت ریڈیو سے تلاوت سننا:

سوال: ایک طرف مسجد سے تلاوت یا اذان ہورہی ہو اور دوسری طرف ریڈیو پر اذان یا تلاوت ہورہی ہو، تو ہمیں ریڈیو بند کر لینا چاہیے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

ریڈیو کی تلاوت عموماً جو ریڈیو پر نشر کرنے سے پہلے ٹیپ کر لی جاتی ہے، تلاوت کا حکم نہیں رکھتی۔ اس لیے اذان سن کر اسے فوراً بند کر دینا چاہیے، (۲) یوں بھی اذان سن کر تلاوت بند کر دینے کا حکم ہے۔ (۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۱۲/۳)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، قبيل باب شروط الصلاة: ۳۹۹/۱.

(وكذلك لا يقرأ ولايسلم ولايرد السلام) ولايشتغل بعمل غير الإجابة، قوله (ويقطع القراءة لهما) أى للأذان والإقامة، فإن قلت: أليس هذا بتكرار لأنه قال أولاً (ولايقرأ)؟ قلت: لأن المراد بقوله: لايقرأ، هو أن لايشرع فى القراءة عند الأذان والإقامة والمراد من قوله: ويقطع القراءة، هو أن يكون قارئاً فابتدى الأذان والإقامة، فافهم. (منحة السلوك شرح تحفة الملوك، فصل فى شروط الصلاة، باب الأذان: ۹۸/۱. انيس)

(۲) وأمّا أذان الصبى الذى لايعقل فلا يجزئ ويعاد لأن مايصدر لا عن عقل لايعتد به كصوت الطيور، الخ. (بدائع الصنائع: ۱۵۰/۱، كتاب الصلاة، فصل فى بيان سنن الأذان)

(۳) ولوكان السامع يقرأ يقطع القراءة ويجيب... إلخ. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، إجابة المؤذن: ۲۷۳/۱)

ولاينبغى أن يتكلم السامع فى حال الأذان والإقامة ولايشتغل بقراءة القرآن ولابشىء من الأعمال سوى الإجابة ولوكان فى القراءة ينبغى أن يقطع ويشتغل بالاستماع والإجابة، كذا فى الفتاوىٰ. (بدائع الصنائع، فصل وأما بيان ماتجب على السامعين عندالأذان: ۱۵۵/۱. انيس)

اذان کے وقت نفل نماز:

سوال: ایک شخص مغرب کی اذان کے وقت نفل پڑھتا ہے، آیا اذان کا جواب دینا بہتر ہے یا نفل پڑھنا اچھا ہے، پھر اوابین بھی نہیں پڑھتا، لیکن اذان کے وقت نفل ضرور پڑھتا ہے، ان حالات میں کیا زیادہ بہتر ہے؟

ھو المصوب

بعض روایتوں سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام مغرب کے وقت فوراً دو رکعت نفل پڑھ لیا کرتے تھے، اس لئے اگر کوئی ایسا کرتا ہے، تو جائز ہے۔ (۱)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۹۰)

اگر تقریر کے درمیان اذان ہو جائے:

سوال: ہمارے محلّہ کی جامع مسجد میں دینی اجتماع تھا، ایک مشہور عالم دین کی تقریر تھی، تقریر کے دوران اذان کا وقت ہو چکا تھا، مؤذن صاحب نے اذان شروع کی، لیکن ان صاحب نے اپنی تقریر جاری رکھی، کیا ان کا یہ عمل درست ہے؟ (عبدالباسط، باکارم)

الجواب

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو مؤذن کہے وہی تم کہو۔ (۲) اسی لئے فقہا کی رائے ہے کہ اذان کا جواب دینا مستحب ہے۔ (۳)

لیکن سوال یہ ہے کہ کوئی شخص ذکر، یا تذکیر میں مشغول ہو تو اسے اذان کا جواب دینا چاہئے یا اپنے عمل کو جاری رکھنا اس کے حق میں بہتر ہے؟ اس سلسلہ میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ذکر، تلاوت اور تسبیح وغیرہ میں مشغول ہو، تو اس سے

---

(۱) عن أنس بن مالک. رضی اللّٰہ عنہ. قال: کان المؤذن إذا أذن قام ناس من أصحاب النبی یبتدرون السواری حتی یخرج النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھم کذلک یصلون الرکعتین قبل المغرب. (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب کم بین الأذان والإقامة، رقم الحدیث: ۶۲۵/الصحیح لمسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب استحباب الرکعتین قبل صلوٰۃ المغرب، رقم الحدیث: ۸۳۷)

قولہ ''وحرر إباحة رکعتین خفیفتین قبل المغرب'' فإنہ ذکرہ أنہ ذھبت طائفة إلٰی ندب فعلھا وأنہ أنکرہ کثیر من السلف وأصحابنا ومالک واستدل لذلک بما حقہ أن یکتب بسواد الأحداق ثم قال: والثابت بعد ھذا ھو نفی المندوبیة أما ثبوت الکراھة فلا، إلا أن یدل دلیل آخر. (رد المحتار: ۲/۳۵۳، البحر الرائق: ۱/۴۳۹)

(۲) سنن أبي داؤد، رقم الحدیث: ۵۲۲، باب ما یقول إذا سمع المؤذن

(۳) الکبیری شرح منیة المصلی، ص: ۳۷۸، رد المحتار، باب الأذان: ۲/۶۵.

رک کر اذان کا جواب دینا چاہئے، یہ زیادہ بہتر ہے؛ کیونکہ ذکر کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں، بعد میں بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن اذان کا جواب دینے کے لئے یہی وقت مقرر ہے، ورنہ اس ثواب اور فضیلت سے محروم رہے گا؛ البتہ تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری ہو، تو سلسلہ منقطع کرنے کی ضرورت نہیں۔

”**لا حائضا... و تعليم علم و تعلمه** (الدر المختار) **فعلى هذا لو يقرأ تعليما أو تعلما لا يقطع**“. (١)

بیان بھی چوں کہ ایک حد تک تعلیم وتعلم کا درجہ رکھتا ہے، اس لیے مقرر صاحب کا تقریر جاری رکھنا درست تھا، ... البتہ اگر اذان کا جواب کے لیے رکنے کے بعد بھی مقرر اپنا مضمون پورا کر سکتا ہو، تو بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اذان کا جواب دے کر پھر سلسلۂ کلام کو پورا کرے؛ کیوں کہ اس میں تذکیر ودعوت کے مقصد کی بھی تکمیل ہوتی ہے، اور ایک شعائر اسلامی کا پورا پورا احترام بھی برقرار رہتا ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ٢/ ١٣٨-١٣٩)

وعظ کے دوران اذان شروع ہو جائے:

سوال: ایک شخص چند آدمیوں کو لے کر مسجد میں یا بیرونِ مسجد درس کی صورت میں کوئی دینی کتاب پڑھ کر سنا رہا ہے، یا زبانی وعظ کر رہا ہے، اسی دوران کسی نماز کی اذان کا وقت ہو جاتا ہے اور اذان کی آواز سنائی دیتی ہے، اب کتاب سنانے والے کو کتاب پڑھنا بند کر دینا چاہئے یا یہ کہ جاری رکھنا چاہئے؟ نیز اس صورت میں کتاب پڑھنے والے یا وعظ کہنے والے کو اور سننے والے اصحاب کو اذان کا جواب دینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اعلیٰ بات یہ ہے کہ جب اذان شروع ہو جائے تو کتاب، تلاوت، وعظ، تقریر بند کر کے اذان کا جواب دیا جائے پھر دعاء اذان پڑھ کر کتاب، تلاوت، وعظ، تقریر حسبِ موقع شروع کریں۔ ردالمحتار وغیرہ کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ (٢)

---

(١) رد المحتار، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة: ١/ ٣٩٦-

(٢) (”(ويجيب)... (من سمع الأذان)... (بأن يقول) بلسانه (كمقالته)... (إلا في الحيعلتين) فيحوقل (وفي ”الصلاة خير من النوم“)... ويدعوا عند فراغه بالوسيلة لرسول الله صلى الله عليه وسلم... (فيقطع قراءة القرآن لو كان يقرأ (بمنزله، ويجيب) لو أذان مسجده كما يأتي (ولو بمسجد، لا)؛ لأنه أجاب بالحضور، وهذا متفرع على قول الحلواني، وأما عندنا فيقطع ويجيب بلسانه مطلقاً، والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر في حديث: ”إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول “. (الدر المختار متن رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة: ١/ ٣٩٨-٣٩٩، سعيد) ==

حدیث شریف میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"قولوا مثل ما یقول المؤذن". (۱)

فتح القدیر میں اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۲۷-۴۲۸)

دوران وعظ اذان شروع ہوجائے، تو وعظ بند کر کے اذان کا جواب دینا چاہئے:

سوال: ایک شخص دین کی باتیں کر رہا ہے، اذان شروع ہوگئی، تو کیا اس کو وہ دین کا وعظ اور تکرار بند کر کے اذان کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟

اور مسجد کے اندر یا باہر بھی کوئی فرق ہے کہ مسجد میں جواب واجب نہیں اور باہر واجب ہے؟

الجواب

اگر وعظ وتکرار کو بند کر کے جواب دے تو اچھا ہے، اور اگر وعظ وتکرار کو جاری رکھے اور جواب نہ دے، تو کچھ گناہ نہیں، اس لئے کہ اذان کا جواب دینا مستحب ہے۔

درمختار میں ہے:

"(ویجیب وجوباً) وقال الحلوانی ندباً والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان) ولو جنباً لا حائضاً ونفساء وسامع خطبة، الخ". (الدرالمختار: ۱/۳۶۷)

اور ردالمحتار میں ہے:

(قوله بخلاف قرآن) لأنه لایفوت (جوهرة) ولعله لأن تكرار القراءة إنما هو للأجر فلایفوت بالإجابة بخلاف التعلم، فعلى هذا لو يقرأ تعليماً أو تعلماً لايقطع، سائحانی. (۱/۳۶۸)

== "ولا يشتغل بقراءة القرآن ولا بشيء من الأعمال سوى الإجابة، ولو كان فی القراءة ينبغی أن يقطع، ويشتغل بالاستماع والإجابة، كذا فی البدائع". (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثانی فی الأذان، ومما يتصل بذلك إجابة المؤذن: ۱/۵۷، رشيدية)

(۱) صحيح البخاری، كتاب الأذان، باب ما يقول إذا سمع المنادی: ۱/۸۶، قديمی

(۲) "لكن ظاهر الأمر فی قوله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول" الوجوب؛ إذ لا تظهر قرينة تصرفه عنه بل ربما يظهر استنكار تركه أنه يشبه عدم الالتفات إليه والتشاغل عنه. وفی التحفة: ينبغی أن لايتكلم ولايشتغل بشیء حال الأذان أو الإقامة"۔ (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۲۴۸-۲۴۹، مصطفى ألبانی الحلبی بمصر) (تحفة الفقهاء، والإقامة المعتبرة: ۱/۱۱۷. انيس)

(قولہ وقال الحلوانی ندباً):أی قال الحلوانی:إن الإجابة باللسان مندوبة والواجبة هی الإجابة بالقدم.(ردالمحتار:۳٦٧/۱.باب الأذان،مطلب فی کراهة تکرار الجماعة)فقط واللّٰہ أعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ، نائب مفتی خیر المدارس، ملتان۔

مسجد وخارج کی تفریق حلوانی کے قول پر مبنی ہے۔

وأما عندنا فیقطع ویجیب بلسانه مطلقاً.(الدرالمختار،باب الأذان،قبل باب شروط الصلاة:۳٧۰/۱)

والجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس، ملتان۔(خیر الفتاویٰ:۲/۲۱۲-۲۱۳)

اذان ہوتے وقت مؤذن اور سننے والوں کو سلام کرنا کیسا ہے:

سوال: حالت اذان میں مؤذن اور اذان سننے والوں کو سلام کرنا کیسا ہے؟

الجواب

حالت اذان میں مؤذن کو سلام کرنا مکروہ ہے اور اس کے ذمہ جواب دینا لازم نہیں، لیکن اگر حالت اذان میں سوائے مؤذن کے اور کسی کو سلام کرے، تو مکروہ نہیں۔ کما فی الشامی المجلد الأول، وحاصلها:أنه یأثم بالسلام علی المشغولین بالخطبة ... أو الأذان أو الإقامة،الخ.(۱)فقط

دستخط۔ ۴/صفر۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۳۰)

کیا اذان کھڑے ہوکر سننا چاہئے:

سوال: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اذان کے کلمات جب کان میں پڑیں، تو سننے والوں کو کھڑا ہوجانا چاہئے اور کھڑے ہوکر اذان کو سننا چاہئے، کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب حامدًا و مصلیًا

محض زبان سے جواب دینے کے لئے کھڑا ہونا نہ مستحب اور نہ مسنون ہے، نہ کھڑے ہوکر اذان سننا مسنون ہے، البتہ اذان سن کر نماز کی تیاری کے لئے کھڑا ہوجانا بہتر اور مستحب ہے۔

"ویندب القیام عند سماع الأذان"،بزازیة.(الدرالمختار)

قال ابن عابدین:قلتُ:ویحتمل أن یراد بالقیام الإجابة بالقدم،وقد أخرج السیوطی عن أبی نعیم فی الحلیة بسند فیه مقال"إذا سمعتم النداء فقوموا فإنها عزمة من اللّٰہ".(۲)

قال شارحه المناوی:أی اسعوا إلی الصلاة.(رد المحتار:۲٦٦/۱)(۳)فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔(حبیب الفتاویٰ:۲/٦٧-٦٨)

---

(۱) رد المحتار،باب مایفسد الصلوٰة، مطلب المواضع التی لایجب فیها ردالسلام:۵٧٧/۱،ظفیر) ==

چلتے ہوئے اذان سنائی دے، تو کیسے جواب دے:

سوال: بسا اوقات راستے میں چل رہے ہوتے ہیں کہ اذان کی آواز سنائی دیتی ہے، ایسی صورت میں چلتے چلتے جواب دیتے رہیں، یا رک کر جواب دیں؟

الجواب

بہتر یہ ہے کہ رک جائیں اور اذان کا جواب دیتے رہیں، فارغ ہونے پر چلنا شروع کردیں۔

سمع الأذان وهويمشی فالأولٰی أن يقف ساعةً ويجيب كذا فی القنية. (الفتاویٰ الهندية،الفصل الثانی فی كلمات الأذان والإقامة: ۲۹/۱) **فقط والله تعالٰی أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان ـ ۲/۷/۱۴۱۰ھ ـ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۲۶)

افطار کی حالت میں اذان کے جواب کا حکم:

سوال: رمضان کے دنوں میں روزہ دار اذان کی آواز کے منتظر رہتے ہیں، اذان کی آواز کان میں پڑتے ہی افطار کرنے لگ جاتے ہیں، اذان کا جواب نہیں دیتے تو سوال یہ ہے کہ جو لوگ جوابِ اذان ترک کر کے افطار میں لگ جاتے ہیں ان پر کسی قسم کا مؤاخذہ تو نہیں ہوگا؟ اذان کا جواب دینا شرعاً کیسا ہے اور کھانے پینے میں مشغول ہو جانا کیسا ہے؟

حامداً ومصليًا، الجواب ــــــــ وبالله التوفيق

اذان کا جواب دینا بعض فقہا کے نزدیک واجب ہے، لیکن معتمد اور ظاہر ومفتیٰ بہ مذہب کی رو سے مستحب ہے۔

اختلف فی الإجابة فقيل: واجبة وهوظاهر ما فی الخانية والخلاصة والتحفة وإليه مال الكمال، وقيل مندوبة وبه قال مالک والشافعي وأحمد وجمهور الفقهاء واختاره العينی. (الطحطاوی: ۱۰۹) (۱)

افطار کی حالت میں اذان کا جواب دینا ضروری نہیں ہے۔

"وكذا لا تجب عند الأكل". (البحر الرائق: ۲۶۰/۱. باب الأذان)

== (وهكذا فی الكبيری للعلامة الحلبی،ص: ۳۶۳. قال: وفی التجنيس: لايكره الكلام عند الأذان بالإجماع،الخ. (جميل الرحمن)

(۲) حلية الأولياء لأبی نعيم، سعيد بن المسيب عن عثمان بن عفان عن النبی صلی الله عليه وسلم (ح: ۱۹۸۲) انيس)

(۳) ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب فی كراهة تكرار الجماعة فی المسجد. انيس

حاشيه صفحه هذا:

(۱) حاشية الطحطاوی،باب الأذان: ص ۲۰۲ ـ مذکورہ عبارت میں درمیانی دو سطر ترک کی گئی ہے۔

اگر مسجد کی طرف جا رہا ہو؛ یا مسجد ہی میں ہو؛ تو بوجہ اجابت فعلی پائے جانے کے؛ زبان سے اذان کا جواب دینا ضروری نہیں۔

تکلم الناس فی الإجابة قال بعضهم هی الإجابة بالقدم لا باللسان حتی لو أجاب باللسان ولم یمش إلی المسجد لایکون مجیباً ولو کان حاضرًا فی المسجد حین سمع الأذان فلیس علیه الإجابة.(۱)

اگر جواب دیا تو ثواب ملے گا، جواب نہیں دیا تو ثواب نہیں ملے گا، لیکن مکروہ و گناہ نہیں۔(فتاویٰ قاضیخان: ۷۵/۱ ـ ۷٦،برحاشیة الفتاویٰ الهندیة،مصر)(۲) **واللّٰہ تعالٰی أعلم وعلمه أتم وأحکم**

(مرغوب الفتاویٰ:۲/۱۲۵ـ۱۲٦)

اذان کے وقت پانی پینا:

سوال: ایک دن مغرب کی اذان کے وقت میں پانی پینے لگا،تو میرے ایک دوست نے کہا کہ اذان کے وقت پانی پینے سے سخت گناہ ہوتا ہے، میں وقتی طور پر اس کی بات مان گیا،لیکن دل میں یہ عہد کرلیا کہ اس مسئلے کو آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔امید ہے کہ آپ اسے بھی ضرور حل کرنے کی کوشش کریں گے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

مغرب کی اذان یا کسی بھی اذان کے وقت پانی پینا جائز ہے،آپ کے دوست کا خیال صحیح نہیں۔(۳)

(آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۱۱۳)

سامعین اذان پر سلام کا جواب واجب نہیں:

سوال: سامعین اذان کو خواہ وہ جواب اذان دے رہے ہوں یا سکوت میں ہوں کسی آئندہ شخص کے سلام کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں اور کسی شخص کو ایسے مواقع پر سلام کرنا چاہئے یا نہیں؟

---

(۱) المحیط البرهانی،الفصل السادس عشر فی التغنی والإلحان: ۳۵۰/۱ـ۳۵۱.انیس

(۲) ... : ۷۹/۱،وفیه:قوله علیه السلام:"من قال مثل ما یقول المؤذن فله من الأجر کذا " فهو کذلک إن قاله نال ثواب الموعود وإن لم یقل لم ینل ثواب الموعود فأما أن یأثم أویکره له ذلک فلا.(مسائل الأذان)

(۳) وینبغی لسامع الأذان أن لایتکلم فی حال الأذان والإقامة ولایشتغل بشیء سوی الإجابة.(الجوهرة النیرة،باب الأذان: ٤٤/۱)

فقہاء کرام کے مذکورہ جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان واقامت کے وقت بہتر ہے کہ خاموش رہ کر اذان کا جواب دیا جائے، دوسرے کسی عمل میں مشغول نہ ہوا جائے،لیکن اگر کوئی کسی عمل میں مشغول ہوگیا تو گناہ گار نہیں ہوگا۔انیس

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

ایسے وقت میں سلام نہ کرنا چاہئے اور اگر سلام کہا ہو، تو جواذان کا جواب دے رہا ہے، اس پر تو اس سلام کا جواب دینا واجب نہیں اور جو ساکت ہے، ظاہر یہ ہے کہ اس پر بھی واجب نہیں۔

لأن سماع الذكر كالذكر، كما في الدر المختار: وسلامک مكروه على ... مصل وتال ذاكر ومحدث خطيب ومن يصغى إليهم ويسمع.(۱) فقط

(تتمہ اولیٰ، ص: ۳۷)(امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱۷۱)

دورانِ اذان مسجد میں سلام کہنا:

سوال: جب مؤذن اذان کہہ رہا ہو، تو مسجد میں داخل ہوتے وقت **السلام علیکم** کہنا چاہیے، یا خاموشی سے بیٹھ جانا چاہیے، یا کہ اذان سننے کے لیے کھڑا رہنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

اس وقت سلام نہیں کہنا چاہیے، بلکہ خاموشی سے بیٹھ جانا چاہیے۔(۲)(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۱۰)

باتیں کرتے ہوئے اذان کا جواب دینا:

سوال: ''بوقت اذان جو شخص باتیں کر رہا ہے اس کا خاتمہ ایمان پر نہ ہوگا'' یہ لکھا ہے بہار شریعت میں۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اذان کا جواب دینا چاہئے، باتیں بند کر دینا چاہئے، یہ طریقہ ناپسند ہے کہ باتیں ہوتی رہیں اور اذان کا جواب نہ دیا جائے۔(۳) مگر یہ غلط ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۲۹/۷/۱۳۸۸ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۲۹)

---

(۱) **الدر المختار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب المواضع التي يكره فيها السلام: ۱/۶۱۶. انيس**

(۲) **ولايسلم ولا يرد السلام، إلخ. (البحر الرائق: ۱/۲۷۳، كتاب الصلاة، باب الأذان)**

(۳) **(ويجيب) وجوباً، وقال الحلواني ندباً، والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان) ... (بأن يقول) بلسانه (كمقالته) ... (إلا في الحيعلتين) فيحوقل. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة: ۱/۳۹۶، سعيد)**

''فإذا كان يتكلم في الفقه والأصول يجب عليه الإجابة''. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۲۰۲، قديمي)

اذان کے وقت مسجد میں باتیں کرنا:

سوال: دو حدیثوں کا مفہوم ہے کہ ''اذان کے وقت بات کرنے سے ایمان جاتے رہنے کا خوف ہے'' اور'' مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے سے ۴۰؍برس کی نیکیاں ضائع ہوجاتی ہیں''۔

اب سوال یہ ہے کہ اکثر بازاروں میں یا نماز کے لئے آتے وقت یا بوقتِ اذان لین دین کی باتیں کرتے ہیں، اگر کوئی شخص خاموش رہے، تو شدید تکلیف ہوگی، ایسے مواقع پر کیا کیا جائے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اذان کے وقت باتیں کرنے سے ایمان کے جاتے رہنے کا خوف کس حدیث میں ہے، مجھے وہ حدیث محفوظ نہیں، آپ لکھیں تو اس کو دیکھا جائے۔ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے کے لئے بیٹھنا منع ہے۔ اگر نماز کے لئے مسجد میں جائے اور وہاں کوئی اتفاقیہ تجارت وملازمت وغیرہ کی باتیں بھی کسی سے کرلے؛ تو یہ اس حکم میں نہیں ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۸؍۱؍۱۳۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵؍۴۳۰)

---

(۱) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن تناشد الأشعار في المسجد وعن البيع و الاشتراء فيه، وأن يتحلق الناس يوم الجمعة قبل الصلاة في المسجد. (رواه أبوداؤد والترمذي)

(أخرجه أبوداؤد في باب التحلق يوم الجمعة قبل الصلاة (ح: ١٠٧٩)/والترمذي في باب ماجاء في كراهية البيع والشراء (ح: ٣٢٢) انيس)

''وعن الحسن مرسلاً قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''يأتي على الناس زمان يكون حديثهم في مساجدهم في أمر دنياهم، فلا تجالسوهم، فليس لله فيهم حاجة ''. رواه البيهقي في شعب الإيمان. (مشكوٰة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة: ٧٠/١، قديمي)

(أخرجه البيهقي في السنن الكبرىٰ في باب فضل المشي إلى الصلاة (ح: ٢٧٠١)/وابن أبي شيبة في باب كلام الحسن البصري (ح: ٣٥٣١٠)/وابن حبان في باب ذكر الأخبار بأن من أمارة آخر الزمان (ح: ٦٧٦١) وكذا في موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، باب الجلوس في المسجد لغير الطاعة (ح: ٣١١) انيس)

''والكلام المباح، وقيده في الظهيرية بأن يجلس لأجله''. (الدر المختار)

(قوله بأن يجلس لأجله) فإنه حينئذٍ لا يباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا. وفي صلاة الجلابي: الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز في المساجد وإن كان الأولىٰ أن يشتغل بذكر الله تعالىٰ''. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ٦٦٢/١، سعيد)

بوقت اذان خاموش رہنا مستحب ہے:

سوال: اذان کے وقت دنیوی بات کرنا کیسا ہے؟ مکروہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

بوقت اذان خاموش رہنا مستحب ہے، لہذا بلا ضرورت بات نہیں کرنا چاہئے.

قال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالىٰ تحت(قوله لايرد السلام):وقال في المعراج: وفي التحفة: وينبغي للسامع أن لايتكلم ولايشتغل بشيء في حالة الأذان والإقامة ولايرد السلام أيضاً؛لأن الكل يخل بالنظم،آه.

أقول: يظهر من هذا أن قوله لا يرد السلام ليس للوجوب وأنه يتفرع على القولين(وجوب إجابة الأذان وندبها)وإلا لزم وجوب ذلك في الإقامة مع أن أصل إجابة الإقامة مستحبة، الخ.(رد المحتار: ۳۷۱/۱،باب الأذان،قل باب شروط الصلاة)**فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم**

غرہ جمادی الأولیٰ ۱۳۸۹ھ۔(احسن الفتاویٰ:۲/۲۸۳-۲۸۴)

اذان کا جواب دینے کے دوران وقت ہو تو اس میں کلام کرنے کا حکم:

سوال: اگر اتنی لمبی اذان دی جاتی ہو کہ جس میں جواب دینے کے بعد بہت وقت بچتا ہو؛ کیونکہ ایک کلمہ کے جواب میں تین سیکنڈ خرچ ہوتے ہیں اور مؤذن کی ادائیگی ۱۵/۲۰ سیکنڈ ہوتی ہے، تو درمیان میں کوئی کلام کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

اصل چیز اذان کا جواب دینا ہے، اسی وجہ سے فقہا نے اذان کے وقت سلام کرنے سے منع کیا ہے؛ کیونکہ اجابت میں خلل واقع ہوگا۔ لیکن اگر درمیان میں اتنا وقفہ ہے کہ جواب دینے کے بعد وقت بچ جاتا ہے، تو اس وقفہ میں ذکر یا کوئی اور کلام کیا جاسکتا ہے۔ بخاری شریف میں ہے:

عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال:إذا سمعتم النداء فقولوا مثل مايقول المؤذن.(رواه البخاري: ۸٦/۱)

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

دنیا کی بات اثنائے سکوت مؤذن بھی درست ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ:۲۹۰)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

کلمات کے درمیان وقفہ میں یہ امور؛ یعنی سلام وجواب سلام کرلینا جواب دینے کے منافی نہیں۔ (عمدۃ الفقہ:۲/۴۲)

واللہ اعلم (فتاویٰ دار العلوم زکریا:۲/۱۰۰-۱۰۱)

اذان کے وقت باتیں کرنے اور وعظ کرنے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!

(۱) اذان سے پہلے مسجد میں بیٹھے ہوئے کچھ لوگ باتوں میں مشغول تھے، کہ اذان شروع ہوگئی، اب باتیں بند کر کے اذان کے الفاظ کا جواب دینا ضروری ہے یا باتیں جاری رکھیں؟

(۲) اگر کسی مجمع میں وعظ ہو رہا ہو، اور اذان کی آواز آنے لگے تو اذان کی تکریم میں وعظ بھی بند کرنا چاہئے یا وعظ جاری رکھا جائے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد ایوب خان محلّہ شیام گنج مردان......۱۰؍صفر ۱۳۹۲ھ)

الجواب

(۱) باتیں جاری رکھنا خلاف سنت کام ہے۔(۱)لأن إجابة الأذان سنة.(۲)

(۲) اگر اس وعظ میں تعلیم دین ہو رہی ہو، تو وعظ کو جاری رکھنا مشروع ہے۔(رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان)(۳)وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۱۷۱/۱)

بیت الخلا میں اذان کا جواب اور درود:

سوال: اگر کوئی شخص بیت الخلا میں ہو اور اسی حالت میں اذان کی آواز آنے لگے، یا مسجد گھر کے قریب ہو اور خطبہ یا بیان کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آجائے تو کیا اس حالت میں اذان کا جواب دیا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے گا؟ (ایک بہن، جگتیال)

(۱) قال العلامة ابن عابدين: وقال في المعراج: وفي التحفة: و ينبغي للسامع أن لايتكلم ولايشتغل بشيء في حالة الأذان والإقامة ولا يرد السلام أيضاً؛ لأن الكل يخل بالنظم. آه. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، قبيل باب شروط الصلاة: ۲۹٤/۱)

(۲) قال العلامة ابن نجيم: ومن سمع الأذان فعليه أن يجيب وإن كان جنباً؛ لأن إجابة المؤذن ليست بأذان، وفي فتاویٰ قاضي خان: إجابة المؤذن فضيلة وإن تركها لايأثم وأما قوله عليه الصلاة والسلام: من لم يجب الأذان فلاصلاة له فمعناه الإجابة بالقدم لا باللسان فقط، وفي المحيط: يجب على السامع للأذان الإجابة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۲۵۹/۱)

(۳) قال ابن عابدين: (قوله وتعليم علم) أي شرعي فيما يظهر، ولذا عبر في الجوهرة بقراءة الفقه (قوله بخلاف قرآن) لأنه لا يفوت (جوهرة) ولعله؛ لأن تكرار القراءة إنما هو للأجر فلا يفوت بالإجابة بخلاف التعلم فعلیٰ هذا لو يقرأ تعليماً أو تعلماً لايقطع، سائحاني. (رد المحتار هامش الدر المختار، باب الأذان، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد: ۲۹۲/۱)

الجواب ــــــــــــــــــــ

قضاء حاجت کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا مکروہ ہے، (۱) اس لئے بیت الخلا میں زبان سے نہ اذان کا جواب دیا جاسکتا ہے اور نہ درود کے الفاظ پڑھے جاسکتے ہیں، دل ہی دل میں جواب دینے اور درود پڑھ لینے کی گنجائش ہے۔

(کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۳۴)

بوقت اذان قضاء حاجت کا حکم:

سوال: اذان ہوتے وقت بعض لوگ پیشاب و پائخانہ کی فراغت کے لئے منع کرتے ہیں اس کا کیا شرعی حکم ہے۔

خادم مشتاق احمد (محمد پور صدر اعظم گڑھ)

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

جب اذان شروع ہوجائے تو پیشاب پائخانہ میں مشغول ہونا منع ہے، بلکہ باہر ہی رک کر اذان کا جواب دینا چاہئے۔ (۲)

اور اگر آدمی بیت الخلا میں ہے، تو وہ اذان کا جواب نہیں دے گا۔

وأجمعوا أن المتغوط لايلزمه الرد فى الحال ولا بعده. (۳) فقط والله أعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔ ۱۴۰۱/۳/۵ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۲۱۷)

---

(۱) عن ابن عمر: أن رجلاً مر ورسول الله صلى الله عليه وسلم يبول فسلم فلم يرد عليه. (الصحيح لمسلم، باب التيمم (ح: ۳۷۰)

قال النووى: فيه أن المسلم فى هذا الحال لايستحق جواباً، وهذا متفق عليه قال أصحابنا: ويكره أن يسلم على المشتغل بقضاء حاجة البول والغائط فإن سلم عليه كره له ردالسلام، قالوا: ويكره للقاعد علىٰ قضاء الحاجة أن يذكر الله تعالىٰ بشىء من الأذكار، قالوا: فلايسبح ولايهلل ولايرد السلام ولايشمت العاطس ولايحمد الله تعالىٰ إذا عطس ولايقول مثل مايقول المؤذن، قالوا: وكذلك لايأتى بشىء من هذه الأذكار فى حال الجماع وإذا عطس فى هذه الأحوال يحمد الله تعالىٰ فى نفسه ولايحرك به لسانه وهذا الذى ذكرناه من كراهية الذكر فى حال البول والجماع هو كراهة تنزيه لاتحريم فلاإثم على فاعله. وكذلك يكره الكلام على قضاء الحاجة بأى نوع كان من أنواع الكلام ويستثنىٰ من هذا كله موضع الضرورة. (شرح النووى لمسلم، باب التيمم: ٦٥/٤. انيس)

(۲) بشرطیکہ پیشاب و پاخانہ کا شدید تقاضہ نہ ہو، ورنہ تقاضہ کی حالت میں اسے پورا کرنا چاہئے۔ انیس

ولاينبغى أن يتكلم السامع فى خلال الأذان والإمامة ولايشتغل بقراءة القرآن ولا بشىء من الأعمال سوى الإجابة. (الفتاوىٰ الهندية: ٥٧/١)

(۳) البحر الرائق، استقبال القبلة بالأذان والإقامة: ٤٤٩/١ - (كذا فى ردالمحتار، باب الأذان: ٣٩٧/١. انيس)

اذان شروع ہونے کے بعد پاخانہ پیشاب کو جانا کیسا ہے:

سوال: اذان شروع ہونے کے بعد پائخانہ پیشاب کو جانا درست ہے، یا جب اذان ختم ہوجاوے اس وقت جاوے؟ اور اگر بہت زور سے آرہا ہوتو کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر ضرورت زیادہ ہو فوراً پوری کرے، انتظار ختم اذان کا نہ کرے اور اگر سخت ضرورت نہیں تو بہتر ہے کہ بعد اذان پوری کرے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۳۰)

اذان کے وقت وضو کرنا کیسا ہے:

سوال (۱) اذان ہو رہی ہو، اس وقت وضو کرنا کیسا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ خاموش بیٹھ جاؤ، اذان ہو جائے، پھر وضو کرو، اسی طرح قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہو اور اذان کی آواز سنائی دے، تو کیا ایسی صورت میں تلاوت بند کر کے اذان سننا ضروری ہے، یا تلاوت جاری رکھی جائے؟

(۲) امام کے ساتھ نماز پڑھتے وقت مقتدی سے کوئی غلطی ہو جائے تو کیا امام کے سلام پھیرتے وقت مقتدی کے لئے سجدہ سہو کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) وقت میں گنجائش ہو تو اذان کا جواب دے پھر وضو کرنے میں مشغول ہو، اگر وقت میں گنجائش نہ ہو تو اذان کی حالت میں وضو کرنے میں مضائقہ نہیں ہے، مکان میں تلاوت کرتا ہو تو مستحب یہ ہے کہ اذان سنتے ہی تلاوت موقوف کرے مسجد میں تلاوت کرنے والے کو اختیار ہے بند کرے یا پڑھتا رہے۔(۲)

(۲) اس صورت میں مقتدی سجدۂ سہو نہ کرے؛ ہاں! امام کے سلام کے بعد مسبوق مقتدی (باقی رہی ہوئی نماز کو پوری کرنے میں) کو ایسی غلطی کرے جو موجب سجدۂ سہو ہو تو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ (۳) فقط واللہ اعلم بالصواب

(فتاویٰ رحیمیہ:۳/۳۶-۳۷)

---

(۱) ويندب القيام عند سماع الأذان،بزازية.(الدر المختار)

قال الشارح:لم أره فيها فلتراجع نسخة أخرىٰ، نعم رأيت فيها:سمع وهويمشى،فالأفضل أن يقف للإجابة ليكون فى مكان واحد.(ردالمحتار،باب الأذان،مطلب فى تكرار الجماعة فى المسجد:١/ ٣٦٩،جميل الرحمن)

(۲) إجابة المؤذن فضيلة وإن تركها لايأثم .(البحر الرائق،باب إجابة المؤذن: ٢٧٣/١ .انيس)

(۳) (السهو باعتبار الإمام والمأموم ويجب على المأموم بسهو الإمام فإن تركه الإمام وافقه المأموم وسهو المأموم لايوجب السجود)لأنه إن سجد هو خالف إمامه وإن سجد الإمام يؤدى إلى قلب الموضوع.(منحة السلوك شرح تحفة الملوك،فصل فى السهو: ١/ ٢٠٠.انيس)

اذان کے بعد دعا-احکام ومسائل

اذان کے بعد دعا کا حکم:

سوال: اذان کے بعد مناجات کیسی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اذان کے بعد دعائے وسیلہ مستحب ہے:

"ويندب القيام عند سماع الأذان ... ويدعوعند فراغه بالوسيلة لرسول صلى الله عليه وسلم". (الدرالمختار: ۴۱۳/۱)(۱) **فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم**

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور-۹/۱۰/۱۳۵۹ھ-

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۹/۱۰/۱۳۵۹ھ-صحیح: عبداللطیف-۹/۱۰/۱۳۵۹ھ-(فتاویٰ محمودیہ: ۴۳۱/۵)

اذان کے بعد کی دعا مانگنے کا فائدہ:

سوال: اذان کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے، اس میں ہے **"وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِيْ وَعَدتَّهُ" الخ**، جب یہ بات یقینی ہے کہ مقام محمود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو ملنا ہے، تو پھر دعا کی کیا ضرورت ہے؟

(سائل: مولوی عبید اللہ شجاع آبادی، متعلم الافتاء خیر المدارس، ملتان)

---

(۱) الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد: ۳۹۷/۱-۳۹۸، سعيد

"عن جابر بن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من قال حين يسمع النداء: " اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلاَةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُوْدَنِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ"، حلت له شفاعتي يوم القيامة ". (رواه البخاري)

"دلالة أحاديث الباب على الباب ظاهرة، والأمر محمول على الاستحباب". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب الدعاء للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد الأذان والصلاة عليه: ۱۱۰/۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچى)

أخرجه البخاري في باب الدعاء عندالنداء (ح: ۶۱۴)/وابن ماجة في باب مايقال إذا أذن المؤذن (ح: ۷۲۲)/ وأبو داؤد، في باب ماجاء في الدعاء عندالأذان (ح: ۵۲۹)/والترمذي في باب منه أيضًا (ح: ۲۱۱)/وابن أبي عاصم في السنة في باب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال، الخ (ح: ۸۲۶)/والنسائي في باب الدعاء عندالأذان (ح: ۶۸۰)انيس)

الجواب

ہمارے دعا مانگنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس دعا پر جس ثواب کا وعدہ ہے، وہ ہمیں حاصل ہو جائے گا۔

عن جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم:"من قال حین یسمع النداء "اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلاَةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهُ"، حلت له شفاعتی یوم القیامة". (رواہ البخاری)(۱)(مراقی)

وفائدة هذا الدعاء مع تحقق مدلوله علیه الصلاة والسلام الامتثال أو ترتب الثواب الموعود لقائله آه. (حاشیة الطحطاوی، ص: ۱۱۱) **فقط واللّٰہ أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان۔ ۷/۹/۱۴۰۳ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۳۱)

اذان کے بعد دعا میں "والدرجة الرفیعة" اور "وارزقنا شفاعته" کا اضافہ:

سوال: اذان کی دعا میں بعد "والفضیلة" کے "والدرجة الرفیعة" اور بعد "وعدته" کے "وارزقنا شفاعته" اکثر لوگ پڑھتے ہیں، کیا ان کلمات کی کوئی اصل ہے؟

الجواب

اذان کے بعد دعائے مسنون یہ ہے۔

" اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلاَةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهُ ". (کذا فی البخاری، ص: ۸٦)(۲)

اور "**وَالدَّرَجَةَ الرَّفِیْعَةَ**" اور "**وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ**" کا ثبوت نہیں۔ ہاں آخر میں "**اِنَّکَ لاَ تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ**" بیہقی کی ایک روایت میں آیا ہے۔ (کذا فی الشامی: ۲/ ٦۸)(۳)

پس غیر ثابت الفاظ کو نہ پڑھنا ہی بہتر ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں، پڑھ لے، تو مضائقہ بھی نہیں۔ فقط (کفایت المفتی: ۳-۶۰، ۶۱)

(۱-۲) أخرجه البخاری فی باب الدعاء عندالنداء (ح: ٦١٤)، وأصحاب السنة کما تقدم. انیس

(۲) وروی البخاری وغیره: "من قال: حین یسمع النداء "اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ" الخ ، قال ابن حجر فی شرح المنهاج : وزیادة "وَالدَّرَجَةَ الرَّفِیْعَةَ" وختمه بـ "یا أرحم الراحمین" لا أصل لهما ". (رد المحتار، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد: ۱/ ۳۹۸، ط: سعید کمپنی)

وحذف من أصله وغیره (والدرجة الرفیعة) وختمه بـ یا أرحم الراحمین؛ لأنه لا أصل لهما. (تحفة المحتاج فی شرح المنهاج، فصل فی الأذان والإقامة: ۱/ ٤۸۲)

دعا بعد الاذان میں ''وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ'' کے الفاظ کا ثبوت:

سوال: اکثر مؤذنین سے سنا گیا ہے کہ وہ اذان کے بعد دعا میں، ''وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّکَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ کے الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں، کیا یہ الفاظ احادیث مبارکہ میں مذکور ہیں یا نہیں؟

الجواب

مستند اور معتبر کتب حدیث میں اذان کے بعد کی دعا ان الفاظ سے مروی ہے۔

'' اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلاَةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُوْدًا الَّذِیْ وَعَدْتَّهُ''، امام بیہقی نے ''اِنَّکَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ'' کی زیادتی نقل فرمائی ہے، اس کے علاوہ اس دعا میں دیگر الفاظ کی زیادتی بے اصل ہے، ان کو نہیں پڑھنا چاہئے۔

لما قال العلامة ابن عابدين: وروى البخاري وغيره: ''من قال: حين يسمع النداء ''اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلاَةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُوْدًا الَّذِیْ وَعَدْتَّهُ'' حلت له شفاعتي يوم القيامة وزاد البيهقي ''اِنَّکَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ''. وتمامه في البحر والفتح وقال ابن حجر في شرح المنهاج وزيادة ''والدرجة الرفيعة'' وختمه بـ ''ياأرحم الراحمين'' لا أصل لهما. (رد المحتار: ۳۹۸/۱، باب الأذان) (۱) (فتاویٰ حقانیہ: ۶۱/۳)

دعا بعد الاذان میں ''وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ'' کے الفاظ احادیث میں منقول نہیں:

سوال: اذان کے بعد جو دعا معروف ہے، اس کے بارے میں تحقیق مطلوب ہے کہ اس کے صحیح الفاظ کیا ہیں؟ بالخصوص ''وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّکَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ '' کے بارے میں وضاحت فرمائیں کہ یہ الفاظ درست ہیں یا نہیں اور انہیں پڑھنے سے ثواب ہوگا یا نہیں؟

الجواب

تمام معتبر و مستند کتب حدیث میں یہ دعا بایں الفاظ منقول ہے:

''أَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلاَةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُوْدًا الَّذِیْ وَعَدْتَهُ''، بیہقی نے اس کے آخر میں '' اِنَّکَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ '' کی زیادتی بھی کی ہے۔

(۱) قال الشيخ خليل أحمد السهارنفوري: وأما زيادة ''والدرجة الرفيعة '' المشتهرة على الألسنة، فقال السخاوي: لم أره في شيء من الروايات وزاد البيهقي في رواية ''اِنَّکَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ'' وأما زيادة'' يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ'' فلا وجود لها في كتب الحديث. (بذل المجهود: ۳۰۲/۱، باب ما جاء في الدعاء عند الأذان) ==

علامہ شامی نے حافظ ابن حجر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اس دعا میں ''وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ'' کا لفظ اور ایسے ہی اس کے اختتام پر ''يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ'' کہنا بے اصل ہے۔ولفظه:

وروى البخارى وغيره: من قال حين يسمع النداء: ''أَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُوْدًا الَّذِىْ وَعَدْتَّهُ''. حلت له شفاعتى يوم القيامة، وزاد البيهقى ''اِنَّكَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ'' وتمامه فى الإمداد والفتح، وقال ابن حجر فى شرح المنهاج: وزيادة ''وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ'' وختمه بِ'' يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ'' لا أصل لهما، آه. (ردالمحتار: ١/ ٣٧٠)(١)

علامہ سخاویؒ سے بھی ایسے ہی منقول ہے۔

وأما زيادة ''وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ'' المشتهرة على الألسنة، فقال السخاوى: لم أره فى شىء من الروايات وزاد البيهقى فى رواية ''اِنَّكَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ'' وأما زيادة '' يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ'' فلا وجود لها فى كتب الحديث. (بذل المجهود فى حل أبى داؤد: ١/ ٣٠٢)(٢)

مسنون الفاظ پر اضافہ کر کے پڑھنے سے دعاء مسنون کی برکت حاصل نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، ١٨/ ٤/ ١٤٠٦ھ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاوی: ٢/ ٢١٧-٢١٨)

اذان کی دعا میں زیادتی:

سوال: اذان کی دعا میں ''والفضيلة'' کے بعد ''الدرجة الرفيعة'' اور بعد ''وعدته'' کے ''وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهُ'' بڑھانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

''الدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ'' اور ''وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' کا ثبوت نہیں ہے، پس غیر ثابت الفاظ کو نہ پڑھنا ہی بہتر ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں پڑھے تو مضائقہ بھی نہیں۔ (کفایت المفتی: ٣/ ٢١)

---

(١) قال العلامة ابن حجر: وليس فى شىء من طرقه ذكر ''الدرجة الرفيعة'' وزاد الرافعى فى المحرر فى آخره ''يا أرحم الراحمين'' وليست أيضاً فى شىء من طرقه. (التلخيص الحبير، باب الأذان: ١/ ٥١٨-٥١٩، دار الكتب العلمية. انيس)

(١) قال السخاوى: حديث: الدرجة الرفيعة، المدرج فيما يقال بعد الأذان، لم أره فى شىء من الروايات. (المقاصد الحسنة، حرف الدال المهملة: ١/ ٣٤٣)

والرواية أخرجه البيهقى فى السنن الصغير فى باب مايقال إذا سمع المؤذن يؤذن ويقيم (ح: ٢٩٦)/ وفى السنن الكبرىٰ فى باب مايقال إذا فرغ من ذلك. وقال: رواه البخارى فى الصحيح عن على بن عياش (ح: ١٩٣٣) انيس)

یہ موقع انفرادی دعا کا ہے اور فرائض کے بعد کا موقعہ اجتماعی دعا کا موقعہ ہے اور عوام سے غیر ثابت کلمات کے بارے میں عدم اعتقاد کی توقع رکھنا مشکل ہے، بلکہ وہ تو اس کو مسنون ہی سمجھیں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

(فتاویٰ رحیمیہ: ۱۴۴/۵)

دعائے اذان میں بعض اضافی الفاظ کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان کی دعا میں ''وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهُ'' وغیرہ بعض الفاظ کی زیادت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔　　(المستفتی: عبداللہ تورڈ حیر صوابی)

الجواب

چونکہ یہ زیادتی احادیث مرفوعہ میں نہیں پائی گئی ہے، البتہ فقہاء کرام نے اس کو ذکر کیا ہے، لہٰذا ماثور پر اکتفا کرنا اور زیادتی پر اعتراض نہ کرنا اعتدال ہے۔ (۱) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۰۳/۲)

اذان کے بعد دیگر کلمات کا ذکر واذکار:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان کے بعد دعائے مسنونہ کے علاوہ دیگر ذکر واذکار یا کلمہ طیبہ کا اگر کوئی شخص ورد کرے، تو کیا اس کو بدعت کہا جا سکتا ہے، اور کیا اس شخص کو اس سے منع کرنا جائز ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: ظہو احمد متعلم دار العلوم حقانیہ.....۵/محرم ۱۴۰۳ھ)

---

(۱) وفي منهاج السنن: ثبت أذكار بعد التأذين، منها الصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كما في حديث عبد الله بن عمرو عند مسلم. وقال ابن القيم: الأفضل صلاة التشهد، ومنها دعاء الوسيلة وهو ''أَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلاَةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُوْدًا الَّذِیْ وَعَدْتَهُ''. رواه البخاري.

قال الحافظ: وزيادة ''وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ'' ليس لها أصل.

وقال السخاوي: لا أصل لها.

وفي معارف السنن: وردت هذه الزيادة عند ابن السني في عمل اليوم والليلة، وذكرها الشاه ولي الله في حجة الله البالغة وزيادة قوله ''اِنَّکَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ'' ثابتة في السنن الكبرىٰ للبيهقي بسند قوي، وأما زيادة ''وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهُ'' فلا أصل لها أيضاً وكذا لم يثبت في شيء من طرقه زيادة ''يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ'' كما في التلخيص. (التلخيص الحبير، باب الأذان: ۵۱۸/۱-۵۱۹، دارالكتب العلمية) / منهاج السنن شرح جامع السنن، باب ما يقول إذا أذن المؤذن: ۸۶/۲) (تحفة المحتاج في شرح المنهاج، فصل في الأذان والإقامة: ۴۸۲/۱) / المقاصد الحسنة، حرف الدال المهملة: ۳۴۳/۱) / والرواية أخرجه البيهقي في السنن الكبرىٰ في باب مايقال إذا فرغ من ذلك. وقال: رواه البخاري في الصحيح عن علي بن عياش (ح: ۱۹۳۳) انيس)

الجواب

ذکر مندوبہ کے علاوہ دیگر ذکر نہ مندوب ہے اور نہ ممنوع ہے، ایسے مفتیوں پر تعجب ہے کہ حرمت کو خود بخود ثابت کرتے ہیں، حالانکہ ''الأصل فی الأشیاء الإباحة''.(۱) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲/۱۸۴)

اذان کے بعد درود شریف پڑھنا مستحب ہے:

سوال: اذان سے متصل بعد جہر سے درود شریف پڑھنے کا ثبوت قرآن وسنت یا ائمہ اربعہ کے اقوال میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر ایسا نہیں، تو کیا اس بدعت کو بند کرنا علما پر فرض نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد جان شنکیاری مانسہرہ......۱۲/۹/۲/۱۹۷ء)

الجواب

اذان کی اجابت کے بعد درود شریف پڑھنا مندوب اور مستحب ہے۔

لحدیث رواہ مسلم:''إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول ثم صلوا علی فإنه من صلی علی، الحدیث.(مشکوٰة المصابیح: ص:٦٨)(۲)

قلت: والإجابة مثل عین الأذان، فالظاهر أن حکمهما واحد فیستحب للمؤذن أن یصلی و یجیب لا علی الجهر ولو جهر فلا یستحق الملام إلا عند الالتزام.(۳) **فافهم وتدبر وهو الموفق**

(فتاویٰ فریدیہ:۱/۱۸۰)

---

(۱) قال العلامة ابن عابدین رحمه اللّٰه:(قوله فالتعریف بناء علیه)أی علیٰ أن الأصل الإباحة.أقول:هذا الجواب نافع فیما سکت عنه الشارع وبقی علی الإباحة الأصلیة،أما ما نص علیٰ إباحته أوفعله علیه الصلاة والسلام فلا ینفع،وقد نص فی التحریرعلیٰ أن المباح یطلق علیٰ متعلق الإباحة الأصلیة کمایطلق علیٰ متعلق الإباحة الشرعیة.

فالأحسن فی الجواب أن یقال:المراد بقوله فی التعریف ما ثبت ثبوت طلبه لا ثبوته شرعیته والمباح غیر مطلوب الفعل وإنما هومخیرفیه.(ردالمحتارعلی هامش الدرالمختار،کتاب الطهارة، مطلب المختارأن الأصل فی الأشیاء الإباحة: ۱/۷۸)

(۲) عن عبد اللّٰه بن عمروبن العاص أنه سمع النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم یقول:''إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول ثم صلوا علیّ فإنه من صلی علیّ صلاة صلی اللّٰه علیه بها عشرًا ثم سلوا اللّٰه لی الوسیلة فإنها منزلة فی الجنة ولاتنبغی إلا لعبد من عباداللّٰه وأرجوا أن أکون أنا هو،فمن سأل لی الوسیلة حلت له الشفاعة''.(مشکوٰة،باب فضل الأذان وإجابة المؤذن)(الصحیح لمسلم،کتاب الصلاة،باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه (ح:٣٨٤)انیس)

(۳) قال العلامة الشامی:أن تخصیص الذکربوقت لم یرد به الشرع غیرمشروع.(رد المحتارهامش الدرالمختار، باب العیدین: ۱/٦١٣)

اذان واقامت کے درمیان میں درود پڑھنا کیسا ہے:

سوال: اقامت واذان میں مؤذن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر درود پڑھے یا بہتر کیا ہے؟

الجواب

مؤذن کو درمیان اذان واقامت حکم درود شریف پڑھنے کا نہیں ہے اور ایسا ثابت نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۹۴-۹۵)

جمعہ کی اذانِ ثانی کے بعد دعا:

سوال: اجابتِ اذانِ ثانی جمعہ وبعد دعا ''اللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ'' الخ، خواندن جائز است یانہ؟(۱)

الجواب

صحیح این است کہ اجابتِ اذان ثانی جمعہ مکروہ است وہم چنیں دعائے ماثورہ ''اللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ'' **الخ** . (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۹۹-۱۰۰)

خطبہ کی اذان کے بعد دعا:

سوال: خطبہ کی اذان کے بعد دعا مانگی جائے گی کہ نہیں؟

الجواب ـــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

خطبہ کی اذان کا جواب زبان سے دینا یا اذان کے بعد دعا پڑھنا مناسب نہیں ہے، البتہ دل ہی دل میں پڑھ لے۔ **کذا فی الشامی**، (۳) اذان ثانی کے بعد دعا پڑھنا بھی اسی قبیل سے ہے، نیز حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر وغیرہ امام کے خطبہ کے لئے نکلنے کے بعد نماز پڑھنے اور کسی طرح کی گفتگو کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ (۴)

(فتاویٰ قاضی مجاہد الاسلام: ۷۷-۷۸)

---

(۱) ترجمہ سوال: جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا اور اس کے بعد دعا ''اللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ'' الخ، پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
ترجمہ جواب: صحیح یہ ہے کہ جمعہ کی اذانِ ثانی کا جواب دینا اور دعائے ماثورہ ''اللّٰهم رب هذه الدعوة'' الخ، مکروہ ہے۔ انیس

(۲-۳) وينبغي أن لا يجيب بلسانه اتفاقاً في الأذان بين يدي الخطيب. (الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار، باب الأذان: ۱/۳۷۱، ظفير (قبل باب شروط الصلاة)
وإجابة الأذان حينئذٍ مكروهة. (رد المحتار، باب الجمعة: ۱/۷٦۹، ظفير)

(۴) المصنف لأبي بكر بن أبي شيبة: ۱/۴۵۷-۴۵۸.
(عن ابن عباس وابن عمر: أنهما كانا يكرهان الصلاة والكلام يوم الجمعة بعد خروج الإمام. (أيضاً (ح: ۵۲۹۷)
عن ثعلبة بن مالك القرظي قال: أدركت عمر وعثمان فكان الإمام إذا خرج يوم الجمعة تركنا الصلاة فإذا تكلم تركنا الكلام. (مصنف ابن أبي شيبة، في الكلام إذا صعد الإمام المنبر (ح: ۵۲۹٦) انيس) ==

اذان خطبہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا:

سوال: جمعہ کی اذان ثانی کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگا کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

خطبہ کی اذان کے بعد امام ابوحنیفہ دعا کرنے کو منع کرتے ہیں، اگر چہ صاحبین اجازت دیتے ہیں، اس لئے اگر دعا ہی کرنا ہو تو بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے دعا کرنی چاہئے۔(۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔ ۶ رمحرم الحرام ۱۳۷۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۱۱۶/۲)

== عن عبداللّٰہ قال: کفی لغواً إذا صعد الإمام المنبر، أن تقول لصاحبک: أنصت. (أیضا (ح:۵۲۹۲)

عن أبی هريرة قال: إذا قلت لصاحبک أنصت فقد لغوت. (أیضاً (ح:۵۲۹۵)

عن أبی الهیثم قال: سلمت علی إبراهیم والإمام یخطب یوم الجمعة فلم یرد علی، وقال حسین: صل إن الکلام یکره. (أیضاً، (ح:۵۲۶۸)

عن إبراهیم قال: قلت لعلقمة متی یکره الکلام یوم الجمعة؟ قال: إذا صعدالإمام المنبر وإذا خطب الإمام وإذا تکلم الإمام. (أیضاً (ح:۵۲۹۳) انیس)

(۱) امام کے منبر پر خطبہ کے لئے جانے کے بعد سے خطبہ ختم ہونے تک کوئی ایسا کام کرنا جس سے خطبہ سننے میں خلل ہو، ممنوع ہے، اس لئے کہ خطبہ کا سننا واجب ہے اور جو عمل اداء واجب میں مخل ہو، وہ ممنوع ہے۔ اسی لئے دوران خطبہ بات کرنا منع ہے، امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین اس پر متفق ہیں کہ کلام دنیاوی ممنوع ہے۔ صاحبین اور امام صاحب اپنے ایک قول کے مطابق کلام دینی مثلاً تسبیح، اذکار اور کلمات اذان جیسی چیزوں کو جو خطبہ سننے میں مخل نہیں ہوتے، حکم ممانعت سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے جائز قرار دیتے ہیں۔ اذان کے بعد کی دعا کلام دنیاوی نہیں اور سماع خطبہ میں مخل بھی نہیں، اس لئے باتفاق یہ دعا پڑھی جاسکتی ہے، البتہ اس خاص موقع پر دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں، اس لئے بہتر یہی ہے کہ بغیر ہاتھ اٹھائے دعا پڑھ لینی چاہئے [مجاهد]

وفی النهاية: اختلف المشائخ علی قول أبی حنيفة قال بعضهم: إنما یکره ما کان من کلام الناس أما التسبيح و نحوه فلا، وقال بعضهم: کل ذلک مکروه والأول أصح اهـ وکذا فی العناية. (البحر الرائق، باب الجمعة: ۱۶۸/۲)

ومن ثمة قال فی البرهان: وخروجه قاطع للکلام أی کلام الناس عند الإمام، اهـ، فعلم بهذا أنه لا خلاف بينهم فی جوازغیرالدنيوی علی الأصح. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب الجمعة: ۲۸۲)

لأن الحرمة الکلام إنما باعتبار الإخلال بفرض الاستماع لکونه فی نفسه مباحا ولا استماع فلا إخلال فی هذين الوقتين بخلاف الصلاة فإنها قد تمتد فتفضی إلی الإخلال. (العناية شرح الهداية علی شرح فتح القدير: ۶۷/۲)

ويحمل الکلام الوارد فی الأثرعلی الدنيوی ويشهد له ما أخرجه البخاری أن معاوية أجاب المؤذن بين يديه فلما أن قضی الأذان قال: يأيها الناس إنی سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم علی هذا المجلس حين أذن المؤذن يقول ما سمعتم من مقالتی. (حاشية الطحطاوی باب الجمعة، ص: ۲۸۲)

اذان کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں:

سوال: بعدالاذان عندالدعاء رفع یدین ثابت ہے یانہیں۔اگر جواب عدم میں ہوتو بخاری شریف میں جو حدیث ہے،اس کا کیا مطلب ہے؟

"إذا دعا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رفع يديه" الحديث. (۱)

(المستفتی نمبر:۱۹۶۱،محمد انصارالدین صاحب ۲۵/شعبان ۱۳۵٦ھ/۳۱/اکتوبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

اذان کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانے کا کوئی خاص ثبوت نہیں،پس عموم سے استدلال کر کے ہاتھ اٹھانا اور خصوصی ثبوت نہ ہونے کی بنا پر نہ اٹھانا دونوں باتیں جائز ہیں۔(۲) فقط (کفایت المفتی:۳/۵۴)

اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا:

سوال: اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر مناجات کرنا کیسا ہے اس کا کچھ ثبوت ہے یانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اذان کے بعد جو الفاظ ادا کیے جاتے ہیں وہ دعا کے الفاظ ہیں اور رفع یدین آداب دعا میں سے ہے؛اس لئے ہاتھ اٹھانے میں مضائقہ نہیں۔(۳) (کفایت المفتی:۳/۴۷)

---

(۱) الصحيح للبخاري،باب الدعاء عندالوضوء (ح:٦٣٨٣)انيس

(۲-۳) الأفضل في الدعاء أن يبسط كفيه ويكون بينهما فرجة وإن قلت،الخ. (الفتاوىٰ الهندية،كتاب الكراهية، باب الرابع في الصلوٰة والتسبيح والذكروالدعاء :٣١٨/٥،مكتبة ماجدية،كوئٹه)

عن أبي موسىٰ الأشعري قال:دعا النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بماء فتوضأ به ثم رفع يديه فقال:اللّٰهم اغفرلعبيد بن أبي عامر،ورأيت بياض إبطيه ،فقال:اللّٰهم اجعله يوم القيامة فوق كثير من خلقك من الناس.(الصحيح للبخاري،باب الدعاء عندالوضوء (ح:٦٣٨٣)انيس)

قال ابن عمر:رفع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يديه وقال:اللّٰهم إني أبرأ إليك مما صنع خالد.(الصحيح للبخاري،باب بعث النبي صلى اللّٰه عليه وسلم خالدبن الوليد (ح:٤٣٣٩)

عن أنس بن مالك قال:قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:الدعاء لايردبين الأذان والإقامة،قالوا:فماذا نقول يارسول اللّٰه؟قال:سلوا اللّٰه العافية في الدنياوالآخرة.(سنن الترمذي،باب ماجاء في العفووالعافية (ح:٣٥٩٤)

عن سلمان قال:قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:إن ربكم تبارك وتعالىٰ حيّ كريم يستحيي من عبده إذا رفع يديه إليه أن يردهما صفرًا.(سنن أبي داؤد،باب الدعاء (ح:١٤٨٨)/سنن الترمذي،باب (ح: ٣٥٥٦)/سنن ابن ماجة،باب رفع اليدين في الدعاء (ح:٣٨٦٥)انيس)

بعد اذان ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے یا نہیں:

سوال: بعد اذان رفعِ یدین کر کے مناجات کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب

خصوصیت کے ساتھ اس موقع پر رفعِ یدین ثابت نہیں ہے، اگرچہ عموماً دعا میں رفعِ یدین کا مستحب ہونا اس کے استحباب کو بھی مقتضی ہے، (١) مگر معمول نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:٢/١١٠) ☆

اذان کی دعا میں ہاتھ اٹھانے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین وفقہاء شرع متین اس مسئلہ میں کہ دعا مانگنا ہاتھ اٹھا کر بعد اذان کے کیسا ہے؟

الجواب

بالتخصیص دعائے اذان میں ہاتھ اٹھانا تو نہیں دیکھا گیا، (٢) مگر مطلقاً دعا میں ہاتھ اٹھانا احادیث قولیہ فعلیہ مرفوعہ وموقوفہ کثیرہ شہیرہ سے ثابت ہے۔ **من غير تخصيص بدعاء دون دعاء.**

پس دعا اذان میں بھی ہاتھ اٹھانا سنت ہوگا۔ (٣)

---

(١) عن أبی هريرة أن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: رفع يديه بعدماسلم وهو مستقبل القبلة فقال: اللّٰهم خلص الوليد بن الوليدوعياش بن أبی ربيعة وسلمة بن هشام وضعفة المسلمين الذين لايستطيعون حيلة ولايهتدون سبيلاً من أيدی الكفار. (تفسيربن أبی حاتم، قوله تعالیٰ: من يهاجر فی سبيل الله (ح: ٥٨٧٢): ٣/١٠٤٨. انيس)

☆ **اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مسنون ہے یا نہیں:**

سوال: اذان کی دعا میں ہاتھ اٹھا کر دعا پڑھے، مسنون کیا ہے؟

الجواب

ہر طرح درست ہے، عمل بلا رفع یدین ہے۔ (ويدعو عند فراغه بالوسيلة لرسول الله صلی الله عليه وسلم (الدر المختار) أی بعد أن يصلی علی النبی صلی الله عليه وسلم لمارواه مسلم، الخ. (رد المحتار، باب الأذان، قبل باب شروط الصلاة: ١/٣٧٠، ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ٢/٩٥)

(٢) یعنی کسی کتاب میں نہیں دیکھا گیا۔ سعید پالنپوری

(٣) یہ مطلب نہیں کہ افضل ہوگا، بلکہ یہ مطلب ہے کہ سنت کے خلاف نہ ہوگا، باقی ظاہراً افضل عدم رفع معلوم ہوتا ہے، **لعدم النقل۔ منه** شفیع (یہ بیان اس کے معارض ہے جو کہ ربیع الثانی ١٣٣٥ھ کے الامداد میں بسلسلہ ترجیح الراجح بجواب سوال متعلق بدعاء بعد صلوٰۃ العیدین لکھا گیا ہے، غور کرلیا جائے۔) (قوسین کی عبارت کا اضافہ تصحیح الاغلاط صفحہ: ١٧ سے لیا گیا ہے۔ (نوٹ اس سلسلہ میں اگلے صفحہ پر (''اذان کے بعد کی دعا میں ہاتھ اٹھانا'' میں) بحث آرہی ہے۔ سعید پالنپوری

لإطلاق الدلائل: عن أنس. رضی اللّٰہ عنہ. قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یرفع یدیہ فی الدعاء حتٰی یری بیاض إبطیہ.

وعن السائب بن یزید عن أبیہ. رضی اللّٰہ عنہما. :"أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان إذا دعا فرفع یدیہ فمسح وجہہ بیدیہ". (رواہما البیہقی)(۱)

وعن عکرمۃ عن ابن عباس - رضی اللّٰہ عنہما - قال: المسئلۃ أن ترفع یدیک حذو منکبیک أونحوہا" الحدیث، رواہ أبوداؤد. (۲) کلہا فی المشکوٰۃ، کتاب الدعوات وراء ہا أحادیث متکاثرۃ متوافرۃ فی ہٰذا الباب یفضی ذکرہا إلی الإطناب.

۲۷/ ذی الحجہ ۱۳۰۴ھ (امداد، صفحہ: ۹۸، جلد: ۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۱۶۱-۱۶۲) ☆

---

(۱) الدعوات الکبیر للبیہقی، باب مایستحب للداعی من رفع الیدین فی الدعاء (ح: ۳۰۸)/ وأبوداؤد الطیالسی، ثابت البنانی عن أنس بن مالک (ح: ۲۱۶۰)

عن السائب بن یزید عن أبیہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان إذا دعا فرفع یدیہ، مسح وجہہ بیدیہ. (سنن أبی داؤد، باب الدعاء (ح: ۱۴۹۲)/ الدعوات الکبیر للبیہقی، باب مایستحب للداعی من رفع الیدین فی الدعاء (ح: ۳۱۰) انیس)

(۲) سنن أبی داؤد، باب الدعاء (ح: ۱۴۸۹)/ الدعوات الکبیر للبیہقی، باب مایستحب للداعی من رفع الیدین فی الدعاء (ح: ۳۱۳)/ شرح السنۃ للبغوی، باب رفع الیدین فی الاستسقاء (ح: ۱۱۶۴) انیس)

☆ اذان کے بعد کی دعا میں ہاتھ اٹھانا:

سوال: حضور نے امداد الفتاویٰ جلد اول مطبوعہ صفحہ ۹۸ کے منہیہ میں لکھا ہے کہ اذان کے بعد دعا کے وقت عدم رفع ید افضل ہے، حالانکہ کسی حدیث سے عدم رفع ید بوقت دعائے اذان ثابت نہیں ہے، نہ قولاً نہ فعلاً اور اگر یہ کہا جائے کہ اذان کی دعا والی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اٹھانے کا ثبوت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اظہار دعائے مسنونہ وفضیلت دعا بتانا مقصود ہے، نہ کیفیت؛ جیسا کہ ترجمۃ الباب اور الفاظ حدیث سے ظاہر ہے اور کیفیت دعا میں مستقل حدیثیں موجود ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا بطریقہ شرع مستحب وافضل ہے۔

چنانچہ ابن ماجہ، صفحہ: ۸۴، باب من کان لایرفع یدیہ فی القنوت میں ہے:

عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:" إذا دعوت اللّٰہ فادع بباطن کفیک ولا تدع بظہورہما فإذا فرغت فامسح بہما وجہک". (رقم الحدیث: ۱۱۸۱: ۱/ ۳۷۳، دارإحیاء الکتب العربیۃ. انیس)

پس جبکہ قولی مطلق سے مطلق رفع ید کی فضیلت ثابت ہے، تو اگر کسی حدیث فعلی سے عدم رفع ید عندالاذان کی فضیلت ٹھہرائی جائے، تو اصول فقہ کے دو قاعدوں سے خلاف لازم آئے گا۔ پہلا قاعدہ تو یہ ہے کہ اگر حدیث قولی وفعلی مقابل ہوں تو حدیث قولی کو ترجیح دینا چاہئے۔ ==

== دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جس فعل کی جہت معلوم ہو اس فعل میں اسی جہت کے ساتھ اقتدا کی جائے اور جس کی جہت نہ معلوم ہو اس کو اباحت پر محمول کریں گے اور یہ ظاہر ہے کہ عدم رفع ید کی جہت غیر معلوم ہے، لہٰذا حدیث فعلی سے عدم رفع ید کا مباح ہونا ثابت ہوا اور حدیث قولی سے رفع ید کا مستحب وافضل ہونا ثابت ہوا۔ پہلے قاعدہ کی عبارت نہیں نکل سکی، اس لئے اس کو نقل نہیں کرتے اور دوسرے قاعدہ کی یہ عبارت ہے۔

فی نورالأنوار:۲۱۳،مبحث أفعال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم:

والمصنف ترک هٰذا کله وبین ما هو المختار عنده فقال:والصحیح عندنا أن علمنا من أفعاله صلی اللّٰه علیه وسلم واقعًا علیٰ جهة من الوجوب أوالندب أوالإباحة نقتدی به فی إیقاعه علیٰ تلک الجهة حتی یقوم دلیل الخصوص فماکان واجبًا علیه یکون واجبًا علینا وماکان مندوبًا علیه یکون مندوبًا علینا و ماکان مباحًا علیه یکون مباحًا لنا ومالم نعلم علیٰ أیة جهة فعله قلنا فعله علیٰ أدنیٰ منازل أفعاله و هو الإباحة.

اب اس صورت میں عدم رفع ید کو افضل سمجھا جائے یا رفع ید کو؟ امید ہے کہ جواب سے خاکسار کے شک کو رفع فرمائیں گے؟

الجواب

مجھ کو تتبع روایات کی فرصت نہیں، اس لئے درایت سے جو سمجھا ہوں، اس کو نقل کرتا ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ کسی محقق سے تنقید کرالی جاوے، اگر کسی دلیل سے اس کا خطا ہونا معلوم ہو، مجھ کو بھی اطلاع کردی جاوے۔ میں یہ سمجھا ہوں کہ دعائیں دو قسم کی ہیں، ایک وقتی حاجت مانگنا بدون توظیف الفاظ کے، احادیث رفع یدین اس کے متعلق ہیں، دوسری ادعیہ موظفہ خواہ جوامع ہوں، خواہ موقت ہوں، احادیث رفع اس کے متعلق نہیں، **إلاما ورد فیه بالخصوص**، اول میں رفع ید افضل ہے اور عدم رفع مباح دوسری میں عدم رفع افضل ہے اور رفع مباح اور ہر دعا میں رفع کو افضل کہنا بہت مستبعد ہے، بعض میں تو نفی رفع کی قریب قریب مصرح ہے۔

مثلاً: منکوحہ کی اول خلوت میں یا اشتراء رقیق یا دابہ میں وارد ہے۔

فلیأخذ بناصیتها ولیقل: اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُکَ،الخ.

(عبداللّٰه بن عمرو عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال:إذا أفاد أحدکم امرأة أو خادماً أو دابة فلیأخذ بناصیتها ولیقل:اللّٰهم إنی أسئلک من خیرها وخیرما جبلت علیه وأعوذبک من شرها وشر ماجبلت علیه.(سنن ابن ماجة،باب مایقول الرجل إذا دخلت علیه أهله (ح:۱۹۱۸)انیس)

''أخذ ناصیة'' ظاہر ہے کہ رفع کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا؟

یا مثلاً جماع کے وقت:

''اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ''.الخ.

(عن ابن عباس قال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:لو أن أحدهم إذا أراد أن یأتی أهله قال:باسم اللّٰه، اللّٰهم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا فإنه لایقدر بینهما ولد فی ذلک لم یضره شیطان أبداً.(الصحیح لمسلم،باب مایستحب أن یقوله عندالجماع (ح:۱٤۳٤)انیس) ==

اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا:

سوال: اذان کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کا ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مستحب یا سنت نہیں اور نفس اباحت میں کلام نہیں؛ جب کہ ضروری سمجھنے والوں سے خلط نہ ہو۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور۔۲/۸/۱۴۱۱ھ۔

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن خیرآبادی/محمد ظفیر الدین مفتاحی/کفیل الرحمٰن۔(منتخبات نظام الفتاویٰ:۱/۲۱۵-۲۱۶)

== اس وقت رفع ید کیسے ہوگا؟

یا مثلاً انزال کے وقت:

''اللّٰهُمَّ لاَ تَجْعَلْ لِلشَّيْطَانِ،الخ. علٰى هٰذا. والله أعلم

(امام العصر علامہ انور شاہ صاحب کی رائے بھی یہ ہے کہ اذان کی دعا میں عدم رفع مسنون ہے۔

المسنون فی هذا الدعاء أن لاترفع الأيدی؛لأنه لم يثبت عن النبی صلی الله عليه وسلم رفعها،الخ.(فيض الباری:۲/ ١٦٧)

اور آپ نے بھی نیل الفرقدین،ص:۱۳۳، میں حضرت تھانوی کی تحقیق کے قریب قریب تحقیق بیان فرمائی ہے، جسے فیض الباری (۲/۱۲۷) میں نقل کیا گیا ہے:

ماملخصه:أكثر دعاء النبی صلی الله عليه وسلم كان علٰى شاكلة الذكر،لايزال لسانه رطباً به، ويبسطه علی الحالات المتواردة علی الإنسان ... ومثل هذا فی دوام الذكر علی الأطوار لاينبغی له أن يقصر أمره علی الرفع، الخ.

احقر عرض کرتا ہے کہ اذان کے بعد کا وقت احادیث میں ''محل اجابت دعا'' میں شمار کیا گیا ہے اور اپنی حاجات کے لئے دعا کرنے کا امر بھی وارد ہوا ہے۔

عن عبد الله بن عمرو:قال رجل:يا رسول الله إن المؤذنين يفضلوننا فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم:قل كما يقولون،فإذا انتهيت فسل تعط''.(رواه أبو داؤد،باب ما يقول إذا سمع المؤذن (ح: ٥٢٤)/مسند الإمام أحمد،أول مسند عبدالله بن عمرو بن العاص (ح: ٦٦٠١)

لہٰذا اگر کوئی شخص اذان کے بعد صرف دعاء ماثورہ پڑھنا چاہتا ہو،تو عدم رفع افضل ہے جیسا کہ حضرت مجیب اور علامہ کشمیری کی رائے ہے،لیکن اگر کسی کو دعاء ماثورہ کے علاوہ اپنی حاجات کے لئے بھی دعا کرنا ہے،تو اس کے لئے رفع ید افضل ہے،اسی قاعدہ سے جو حضرت مجیب نے ذکر فرمایا ہے۔واللہ سبحانہ اعلم (سعید احمد)

۱۴/جمادی الاولیٰ ۱۳۴۹ھ (النور،ص: شعبان ۱۳۴۹ھ)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۱۶۲-۱۶۴)

(۱) المسنون فی هذا الدعاء أن لا ترفع الأيدی؛لأنه لم يثبت عن النبی صلی الله عليه وسلم رفعها ==

ہاتھ اٹھا کر اذان کی دعا اور اس سے پہلے بسم اللہ:

سوال: اذان کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے، وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد ہاتھ اٹھا کر پڑھی جائے، یا بغیر ہاتھ اٹھائے پڑھ سکتے ہیں؟ (احمد سعید صابری، منچر یال)

الجواب

میرے علم میں کوئی ایسی حدیث نہیں، جس میں اذان کے بعد کی دعا سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہو، دوسرے مواقع پر یہ بات تو ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرماتے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلقین بھی کی ہے، لیکن دعا سے پہلے خاص طور پر بسم اللہ پڑھنا غالباً منقول نہیں، اس لئے اس موقع سے صرف اذان کی دعا پڑھنے پر اکتفا کریں، جہاں تک اس دعا میں ہاتھ اٹھانے کی بات ہے تو جو دعائیں خاص مواقع (احوال متواردہ) سے متعلق ہیں، جیسے کھانے سے پہلے اور بعد کی دعا، مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعا، اسی طرح اذان کے بعد کی دعا، ان دعاؤں میں میرے حقیر علم کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اٹھانا منقول نہیں، اس لئے اذان کے بعد کی دعا صرف زبان سے پڑھنی چاہئے، کیونکہ اصل مقصود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے میں ہی دنیا اور آخرت کی فلاح ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۴۵) ☆

== والتشبت فيه بالعمومات بعدماورد فيه خصوص فعله صلى الله عليه وسلم لغوفإنه لم يردفيه خصوص عادته صلى الله عليه وسلم لنفعنا التمسک بها وأما إذا نقل إلينا خصوص الفعل فهوالأسوة الحسنة لمن كان يرجو الله والدارالآخرة وينبغي لمن أراد أن يستن بسنة النبي صلى الله عليه وسلم أن يكتفي بتلک الكلمات ولايزيد عليها إلا ماثبت في نسخة الكشميهني من زيادة"إنک لاتخلف الميعاد".في آخره قاله ابن دقيق العيد وعندالبيهقي أيضاً. (فيض الباري علىٰ شرح البخاري،باب الدعاء عندالنداء:٢/٢١٤)انيس)

☆ اذان کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا:

سوال: اذان کے بعد کی دعا دونوں ہاتھ اٹھا کر پڑھنی چاہئے، یا بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے؟ (سید صفی اللہ غوری، کلثوم پورہ)

الجواب

مخصوص مواقع پر جو دعائیں منقول ہیں، جیسے کھانے سے پہلے، کھانے کے بعد، استنجا جانے سے پہلے، فارغ ہونے کے بعد، سونے سے پہلے اور بیدار ہونے کے بعد، اسی طرح اذان کے بعد، ان مواقع پر دعا میں ہاتھ اٹھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، اس لئے بغیر ہاتھ اٹھائے دعا کرنی چاہئے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۳۵)

دعائے اذان میں ہاتھ اٹھانا افضل ہے:

سوال: اذان کے بعد کی دعا میں ہاتھ اٹھانا مسنون ہے یا خلاف سنت؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اذان کے بعد کی دعا میں ہاتھ اٹھانا منقول نہیں ہے، ویسے مطلقاً دعا میں ہاتھ اٹھانا قولی اور فعلی احادیث سے ثابت ہے۔لہذا دعائے اذان میں اٹھانے کو سنت کی خلاف ورزی نہیں کہا جائے گا، مگر چونکہ ثابت نہیں ہے، لہذا افضل بھی نہیں کہا جائے گا، بلکہ افضل ہاتھ نہ اٹھانے کو کہا جائے گا۔فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ:۱۶/۳)

اذان کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا:

سوال: اذان کی جو دعا پڑھی جاتی ہے، اس کے لئے ہاتھ اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً

کتب حدیث وفقہ میں اس دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے کا تذکرہ کہیں نہیں دیکھا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۴۳۱/۵-۴۳۲) ☆

(۱) والمسنون فی هذه الدعاء ألا ترفع الأیدی؛لأنه لم یثبت عن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم رفعها، والتشبث فیه بالعمومات بعد ما ورد فیه خصوص فعله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم لغو، فإنه لو لم یرد فیه خصوص عادته صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم لنفعنا التمسک بها ،وأما إذا نقل إلینا خصوص الفعل فهو الأسوة الحسنة لمن کان یرجو اللّٰه والدار الآخرة"(فیض الباری،کتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء: ۱۶۷/۲،خضر راه بکڈپو دیوبند، الهند)

☆ **اذان کے بعد کی دعا میں رفع یدین:**

سوال: بوقتِ دعائے اذان دست برداشتن چہ حکم دارد؟

(خلاصۂ سوال: اذان کے بعد دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا کیسا ہے؟ انیس)

الجواب حامداً ومصلیاً

دریں مقام خصوصاً رفعِ یدین وعدمِ رفع ہیچ در روایتے از نظر نگذشتہ، ولیکن چونکہ برائے دعا مطلقاً رفع یدین مستحب است، پس دریں موضع نیز اگر کسے بریں استحباب عمل نماید گنجائش دارد، واگر ترک رفع کند نیز لا بأس بہ است، وچوں خصوصاً دریں مقام رفع نیز ثابت نیست، چنانچہ عدم رفع ثابت نیست، پس فوت ثواب استحباب از ترکِ رفع نیز لازم نہ آید۔

(ترجمہ جواب: خاص طور پر اس مقام پر رفع یدین وعدم رفع کسی روایت میں نظر سے نہیں گذری، البتہ چونکہ مطلق دعا کے لیے رفع یدین مستحب ہے تو اس مقام پر بھی اگر کوئی شخص اسی استحباب پر عمل کرے تو گنجائش ہوگی اور اگر ہاتھ نہ اٹھائے تو بھی کوئی حرج نہیں==

اذان کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں:

سوال: اکابر علما کا معمول یہ نظر آتا ہے کہ اذان کے بعد کی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھاتے، حالانکہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ رفع یدین آداب دعا میں سے ہے.

عن الفضل بن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "الصلاۃ مثنٰی مثنٰی تشهد فی کل رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن ثم تقنع یدیک یقول ترفعهما إلٰی ربک مستقبلاً ببطونهما وجهک وتقول یارب یا رب من لم یفعل ذلک فهی کذا وکذا". رواه الترمذی والنسائی وابن خزیمة فی صحیحه ورجاله ثقات. (إعلاء السنن: ۲۰۸/۳)(۱)

اور بھی کئی احادیث ہیں، حافظ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مستقل رسالہ ہے "**فض الوعاء فی أحادیث رفع الیدین فی الدعاء**".

امید ہے کہ مفصل جواب مرحمت فرما کر تشفی فرمائیں گے۔ (جزاکم اللّٰہ تعالٰی أحسن الجزاء)

== اور جیسا کہ خصوصاً اس مقام پر بھی اٹھانا ثابت نہیں، اسی طرح نہ اٹھانا بھی ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا نہ اٹھانے سے استحباب کے ثواب کا فوت ہونا لازم نہیں آئے گا۔ امداد الفتاویٰ، مجموعۃ الفتاویٰ وغیرہ میا سی طرح ہے اور بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم رفع بہتر ہے، واضح نقل نہ ہونے کی وجہ سے۔ انیس)

هکذا فی إمداد الفتاویٰ (إمداد الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ، باب الأذان والإقامة، "حکم رفع ید در دعائے اذان": ۱۰۵/۱، دارالعلوم) **ومجموعة الفتاویٰ** (مجموعة الفتاویٰ (اردو) کتاب الصلاۃ: ۳۰۰/۱، **وأیضًا فی کتاب الحظر والإباحة**: ۲۲۷/۲، سعید) **وغیرهما**۔

واز بعض عبارت معلوم میشود کہ عدم رفع افضل است، **لعدم النقل الصریح. (والمسنون فی هذا الدعاء ألا ترفع الأیدی؛ لأنه لم یثبت عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم رفعها، والتشبث فیه بالعمومات بعد ماورد فیه خصوص فعله صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم لغو، فإنه لو لم یرد فیه خصوص عادته صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم لنفعنا التمسک بها، وأما إذا نقل إلینا خصوص الفعل فهو الأسوة الحسنة لمن کان یرجو اللّٰہ والدار الآخرة"** (فیض الباری، کتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء: ۱٦۷/۲، خضر راہ بکڈپو دیوبند، الهند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۱۳/۴/۱۳۵٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔ ۱۳/ربیع الثانی/۱۳۵٦ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۳۲/۵)

(۲) سنن الترمذی، باب ماجاء فی التخشع فی الصلاۃ (ح: ۳۸۵)/مسند البزار، ربیعة بن الحارث عن الفضل (ح: ۲۱٦۹)/السنن الکبریٰ للنسائی، کیف الرفع (ح: ۱۴۴۴)/المعجم الکبیر للطبرانی، ربیعة بن الحارث عن الفضل بن عباس (ح: ۷۵۷)/الزهد والرقاق لابن المبارک، باب فضل ذکر اللّٰہ تعالٰی (ح: ۱۱۵۲)/الصحیح لابن خزیمة، باب ذکر الأخبار المنصوصة (ح: ۱۲۱۲) انیس)

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

دعا کی دوقسمیں ہیں۔ایک یہ کہ بدون توظیف الفاظ مخصوصہ مطلقاً کوئی حاجت طلب کرنا، دوسری یہ کہ الفاظ موظفہ کسی خاص وقت سے متعلق ہوں؛ یا مطلق ہوں۔احادیث میں مواقع دعا کے تتبع سے ثابت ہوتا ہے کہ رفع یدین کی احادیث قسم اول سے متعلق ہیں، قسم دوم سے متعلق نہیں۔**إلا ما ورد فيه النص.**

چنانچہ بعد وضو مسجد میں دخول وخروج، گھر میں دخول وخروج، بیت الخلا میں دخول وخروج، ابتداء سفر، انتہاء سفر، سوار ہوتے وقت، بازار میں دخول، کوئی چیز خریدتے وقت، کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر، عیادت مریض وغیرہ سے متعلق ادعیہ ماثورہ میں کوئی بھی رفع یدین کا قائل نہیں۔وقت جماع اور وقت انزال سے متعلق بھی دعائیں منقول ہیں، ان میں رفع یدین ویسے ہی مستبعد ہے۔بیوی سے پہلی خلوت میں اور غلام لونڈی یا حیوان کی خرید پر وارد ہے کہ اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر یہ دعا پڑھے۔

" اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ مِنْ خَیْرِهَا وَخَیْرِمَا جَبَلْتَهَا عَلَیْهِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّمَا جَبَلْتَهَا عَلَیْهِ''. (۱)

اس وقت رفع یدین کی بجائے پیشانی کے بال پکڑنے کا حکم ہے، بلکہ اس صورت میں رفع یدین ہو ہی نہیں سکتا۔

اسی طرح کسی فوری حاجت کے لئے مختصر دعا اور کسی کی درخواست پر اس کے لئے دعائیہ کلمات میں رفع یدین ثابت نہیں، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ تھا کہ بدون رفع یدین درخواست کنندہ کو سنانے کی غرض سے بآواز بلند دعائیہ کلمات فرماتے تھے۔

روى البخارى رحمه الله تعالٰى عن جرير رضى الله تعالٰى عنه قال:"كنت لا أثبت على الخيل فضرب النبى صلى الله عليه وسلم فى صدرى حتى رأيت أثر أصابعه فى صدرى وقال:" اللّٰهم اجعله هادياً مهدياً''. (۲)

اس موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے دعا میں رفع یدین کی بجائے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر دعائیہ کلمات فرمائے۔

---

(۱) سنن ابن ماجة، باب مايقول الرجل إذا دخلت عليه أهله (ح:۱۹۱۸)/السنة لابن أبى عاصم، باب (ح:۱۹۱)/مسند أبى يعلى الموصلى، شهر بن حوشب عن أبى هريرة (ح: ٦٦١٠)/الدعاء للطبرانى، باب مايقول من اشترى دأبةً أو عبدًا (ح:۱۳۰۸)/الدعوات الكبير للبيهقى، باب مايقول إذا نكح امرأة ودخل بها (ح:٥٦١)انيس)

(۲) الصحيح للبخارى، باب حرق الدور والنخيل (ح:۳۰۲۰)/الصحيح لمسلم، باب من فضائل جرير بن عبدالله (ح:۲٤٧٥)/شرح مشكل الآثار، باب بيان مشكل ماروى فى اسلام جرير (ح:۲٤٩٧)انيس)

مثال کے طور پر یہ ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ ورنہ احادیث میں اس کی نظائر بہت کثرت سے موجود ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کی طرف سے دعا کی درخواست پر اس کو سنا کر مختصر دعائیہ کلمات فرمائے،(۱) ان مواقع میں عدم رفع یدین ظاہر ہے اور قصہ جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں عدم رفع یدین متیقن، **للمنافاة الظاهرة بين الرفع والضرب فى الصدر.** فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳/ذیقعدہ ۱۳۹۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۲۹۷-۲۹۸)

(۱) مثلاً: عن ابن عمرأن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: اللّٰهم ارحم المحلقين، قالوا: والمقصرين يارسول اللّٰه؟ قال: اللّٰهم ارحم المحلقين، قالوا: والمقصرين يارسول اللّٰه؟ قال: والمقصرين. (موطأالإمام مالک، ت: الأعظمي، الحلاق (ح: ٤٠٤) انیس)

اقامت کے احکام ومسائل

اذان وجماعت میں کتنا وقفہ کیا جائے:

(الجمعیۃ، مورخہ: ۵/جون ۱۹۳۸ء)

سوال: اذان کے بعد کتنی دیر مقتدیوں کا انتظار کرنا چاہئے؟

الجواب

کم ازکم پندرہ منٹ کا وقفہ اذان واقامت کے درمیان ہونا چاہئے، مگر مغرب میں نہیں۔(۱) فقط

(کفایت المفتی: ۳/۱۷)

مغرب کی اذان واقامت میں وقفہ ہے یا نہیں:

سوال: مؤذن مغرب کی اذان چھت پر کہہ کر فوراً اتر آتا ہے اور تکبیر شروع کرتا ہے اس میں کوئی حرج ہے؟ اذان واقامت میں وقفہ کرنے کا حکم ہے یا نہیں؟

الجواب

مغرب کی اذان ختم کر کے چھوٹی تین آیتیں پڑھیں، اتنی دیر بیٹھے (جیسا کہ دوخطبوں کے بیچ میں بیٹھتے ہیں) یا اس قدر کھڑا رہ کر اقامت کہے، چھت سے اترنے میں اتنا وقت ہوجاتا ہے، لہذا کوئی حرج نہیں، تاہم وقفہ کر کے اقامت کہے تو بہتر ہے۔

وفی المغرب بسکتة قدرقراءة ثلاث آیات قصار أوثلاث خطوات. (نورالإیضاح: ۶۲)(۲)

یعنی! مغرب میں اذان اوراقامت میں اس قدر وقفہ کرے کہ چھوٹی تین آیتیں پڑھ سکے یا تین قدم چل سکے۔ واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۳/۱۳)

---

(۱) قال فی التنویر و شرحه: ویجلس بینهما بقدرمایحضرالملازمون مراعیاً لوقت الندب (إلا فی المغرب) فیسکت قائمًا قدرثلاث آیات قصارویکره الوصل إجماعًا. (الدرالمختار، باب الأذان: ۱/۳۸۹، ط: سعید کمپنی)

(۲) (أو)قدر(ثلاث خطوات)هذه روایة عن الإمام وهذه الأحوال متقاربة وعندهما یفصل بینهما بجلسة خفیفة بقدرماتتمکن مقعدته ویستقر کل عضو فی مفصله کما فی الفصل بین الخطبتین والخلاف کما قال الحلوانی فی الأفضلیة لا فی الجواز. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نورالإیضاح، باب الأذان: ۱/۱۹۸. انیس)

کسی دینی کام کی وجہ سے مغرب کی نماز میں تاخیر:

سوال: کئی بار بیان کی وجہ سے یا تفسیر کی وجہ سے مغرب کی اذان کے بیس منٹ بعد نماز ہوتی ہے، تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟

هــو المـصـوب

اس طرح تاخیر کر کے نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔(۱)

تحریر: محمد طارق ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۵۵-۳۵۶)

اذان کے کتنی دیر بعد نماز جائز ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کیا صبح کی اذان کے پندرہ منٹ بعد نمازِ فجر ہو سکتی ہے اور اگر ہو تو کیا سنت کے خلاف ہے؟

الجواب

نمازِ فجر میں عند الحنفیہ اسفار مستحب ہے، مستحب کہنے سے معلوم ہوا کہ غلس میں درست ہے، مگر بہتر اسفار ہے اور اسفار کے معنیٰ ظہور نور اور انکشاف ظلمت کے ہیں، یعنی جس وقت خوب روشنی ہو جاوے، اس کی مقدار درمختار میں لکھی ہے کہ آفتاب کے نکلنے سے اتنی دیر پہلے نماز شروع کریں کہ چالیس آیتیں ترتیل سے پڑھ سکیں اور پھر اعادہ کی ضرورت ہو، تو اعادہ کر لیں، غرض تقریباً آدھ گھنٹہ پہلے آفتاب نکلنے سے جماعت کریں، اذان فجر کے پندرہ منٹ بعد نماز فجر جائز ہے، غلس میں پڑھنا بھی احادیث سے ثابت ہے، اختلاف صرف افضلیت وعدم افضلیت میں ہے، جواز میں اختلاف نہیں۔

"والمستحب للرجل الابتداء فی الفجر بإسفار والختم به وهو المختار بحیث یرتل أربعین آیة ثم یعیده بطهارة لو فسد. (الدر المختار)

وفی الشامی: (قوله بإسفار) أی فی وقت ظهور النور وانکشاف الظلمة. (ردالمحتار: ۱/۲۶۹)(۲)

وعن رافع بن خدیج. رضی اللّٰه عنه. قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "أسفروا

---

(۱) "لاتزال أمتی بخیر أو قال علی الفطرة مالم یؤخروا المغرب حتی تشتبک النجوم". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب وقت المغرب، رقم الحدیث: ۴۱۸) (کذا فی الکنیٰ والأسماء للدولابی، أبو أیوب الأنصاری خالد بن زید رضی اللّٰه عنه (ح: ۱۰۲) / الصحیح لابن خزیمة، باب التغلیظ فی تأخیر صلاة المغرب (ح: ۳۴۰) انیس)

(۲) الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۶۶، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

بالفجر فإنه أعظم للأجر". رواه الترمذی وأبو داؤد والدارمی. (مشکوٰة، باب تعجیل الصلاة: ٦١)(۱)

عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: "أن کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم لیصلی الصبح فینصرف النساء متلفعات بمروطهن ما یعرفن من الغلس". متفق علیه. (مشکوٰة، باب تعجیل الصلاة: ٦٠)(۲) فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم (فتاویٰ مفتی محمود: ۱/۸۶۶)

اقامت واذان صرف فرائض کے لئے ہے:

سوال: تکبیر فقط فرض سے پہلے کہی جاتی ہے، یا سنت سے پہلے بھی؟

الجواب

اذان اور تکبیر فرائض کے لئے ہے، سنتوں کے لئے نہیں۔ (هکذا فی الدر المختار)(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۱۱۱-۱۱۲)

(۱) وکذا فی مشکوٰة المصابیح، کتاب الصلاة، باب تعجیل الصلاة: ٦١/١، طبع قدیمی کتب خانه کراچی)

(سنن الترمذی، باب ما جاء فی الإسفار بالفجر (ح: ١٥٤)/سنن أبی داؤد، باب وقت الصبح (ح: ٤٢٤)/سنن النسائی: ٢٧٢/١ (ح: ٥٤٨)/مسند أبی حنیفة روایة أبی نعیم: ٤١/١/ مسند الشافعی ترتیب سنجر، باب الإسفار بالصبح (ح: ١٣٢)/المصنف لابن أبی شیبة، مارواه رافع بن خدیج (ح: ٦٤-٣٢٤٢)/مسند الإمام أحمد، حدیث رافع بن خدیج (ح: ١٧٢٨٦-٢٣٦٣٥)/مسند البزار، ومماروی جابر عن أبی بکر عن بلال (ح: ١٣٥٧)/المسند للشاشی، ماروی بلال بن رباح مؤذن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم (ح: ٩٤٢)/الصحیح لابن حبان، ذکر لفظة تعلق بها من جهل صناعة الحدیث (ح: ١٤٩٠)/المعجم الأوسط للطبرانی، ذکر من اسمه: هاشم (ح: ٩٢٨٩)/وقال الترمذی حدیث حسن صحیح)

فی سنن الدارمی، باب الإسفار بالفجر (ح: ١٢٥٤): عن رافع بن خدیج قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: نوروا بصلاة الفجر فإنه أعظم للأجر. /وکذا فی شرح معانی الآثار، باب الوقت الذی یصلی فیه الفجر أی وقت هو؟ (ح: ١٠٦٨)، والمعجم الأوسط للطبرانی، من اسمه ثابت (ح: ٣٣١٩) انیس)

(۲) وکذا أیضاً، کتاب الصلاة، باب تعجیل الصلاة: ٦١/١، طبع قدیمی کتب خانه کراچی

(الصحیح للبخاری، باب خروج النساء إلی المساجد باللیل والغلس (ح: ٨٦٧)/الصحیح لمسلم، کتاب المساجد، باب استحباب التبکیر بالصبح فی أول وقتها، الخ (ح: ٦٤٥) انیس)

هکذا فی المبسوط للسرخسی: وحدیث الصدیق عن بلال رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما أن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم قال: "نوروا بالفجر أو قال أصبحوا بالصبح یبارک لکم ولأن فی الإسفار تکثیر الجماعة وفی التغلیس تقلیلها و ما یؤدی... الخ. (باب مواقیت الصلاة: ١٤٦/١، طبع إدارة القرآن، کراچی)

(۱) (والإقامة کالأذان) فیمامر. (الدر المختار) (قوله فیمامر، الخ) وأراد بمامر أحکام الأذان العشرة المذکورة فی المتن، وهی أنه سنة للفرائض، وأنه یعاد إن قدم علی الوقت، وأنه یبدأ بأربع تکبیرات وعدم الترجیع وعدم اللحن والترسل والالتفات والاستدارة وزیادة الصلاة خیر من النوم، فی أذان الفجر وجعل أصبعیه فی أذنیه ثم استثنیٰ من العشرة ثلاثة أحکام لاتکون فی الإقامة فأبدل الترسل بالحدر والصلاة خیر من النوم بقدقامت الصلاة وذکر أنه لایضع أصبعیه فی أذنیه، فبقیت الأحکام السبعة مشترکة ویرد علیه الاستدارة فی المنارة فإنها لاتکون فی المنارة فکان علیه أن یتعرض لذلک. آه. (ردالمحتار، باب الأذان، مطلب فی أول من بنی المنابر للأذان: ٣٦٠/١، ظفیر)

اقامت کے بغیر نماز:

سوال: نماز جمعہ یا کسی اور نماز میں مؤذن نے تکبیر نہیں کہی اور امام نے نماز پڑھادی کیا نماز ہوگئی؟

ھــو المصــوب

نماز درست ہوجائے گی، لیکن ایسا نہیں کرنا چاہئے، یہ طریقہ سنت کے خلاف ہوگا۔(۱) نماز بلا اقامت پڑھی ہوئی سمجھی جائیگی۔

تحریر: محمد طارق ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳۹۲)

عورت بلا اقامت نماز پڑھے:

سوال: عورت اکیلی نماز پڑھے یا عورتوں کی جماعت ہوتو اس میں اقامت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــ باسم ملهم الصواب

عورت نماز بدون اقامت پڑھے۔عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔مع ہذا اگر جماعت کریں گی،تو اس میں اقامت نہیں۔

قال فی العلائية:(ولایسن)ذلک (فیماتصلیه النساء أداءً وقضاءً)ولو جماعةً کجماعة صبیان و عبید. (الدرالمختار) **وقال ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالٰی:(قوله ولوجماعةً)وکان الأولٰی للشارح أن یقول ولومنفردةً لأن جماعتهن الٰان غیرمشروعة فتفطن.**(رد المحتار: ۱/۳٦۳)(۲)**فقط واللّٰه تعالٰی أعلم**

۱۱/رجب ۱۳۸۹ھ۔(احسن الفتاویٰ:۲/۲۸۳)

عورت پر اقامت نہ ہونے کی وجہ:

سوال: عورت پر تکبیر اقامت نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟　　(فتح محمد کشمیری (بمقام شاہ پورہ ضلع بارہ مولہ کشمیر)

الجواب ــــــــــ وباللّٰه التوفیق

اس لئے کہ عورت کے ذمہ نماز باجماعت نہیں بلکہ تنہائی میں نمازیں پڑھنا بہتر ہوتا ہے اور اقامت جماعت کے لئے ہوتی ہے۔(۲) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی،مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔۵/۱۰/۱۴۰۱ھ۔(منتخبات نظام الفتاویٰ:۱/۲۱٦۔۲۱۷)

---

(۱) وعامة المشائخ قالوا:إنهما سنتان مؤکدتان لما روی أبویوسف عن أبی حنیفة أنه قال فی قوم صلوا الظهر والعصر فی المصربجماعة بغیرأذان وإقامة فقد أخطأوا وخالفوا وأثموا.(بدائع الصنائع: ۱/۳٦٤)

(۲) الدرالمختارمع ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب فی أذان الجوق.انیس

(۲) (و)یکره تحریمًا(جماعة النساء)ولوفی التراویح. (الدرالمختارعلی صدر رد المحتار: ۲/۳۰۵،باب الإمامة،مطلب إذا صلی الشافعی قبل الحنفی،الخ.)

==

نماز کے باطل ہونے کی صورت میں اعادۂ نماز کے وقت تکبیر کہی جاوے یا نہیں:

سوال: امام نے بجائے چار رکعت عصر کے سہواً پانچ رکعت ادا کی، کسی نے متنبہ نہیں کیا، اب امام اور مقتدی درود و وظائف سے فارغ ہوکر دعا مانگنے کو تیار تھے کہ تعدادِ رکعت کی بحث شروع ہوئی نماز کا اعادہ کیا گیا اور دوبارہ تکبیر کہی گئی، یہ جائز ہے یا نہ؟

الجواب

اس صورت میں دوبارہ اقامت کہنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر دوبارہ کہہ دی جاوے اس وجہ سے کہ فصل طویل ہوگیا ہے، تو کچھ حرج نہیں ہے۔ کتبِ فقہ میں تو یہ لکھا ہے:

”صلی السنة بعد الإقامة أو حضر الإمام بعدها لایعیدها، بزازیة. وینبغی إن طال الفصل أو وجد مایعدّ قاطعاً کأکل أن تعاد، الخ. (الدرالمختار)(١) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۱۰/۲)

== قال: (جماعة النساء) أی کره جماعة النساء وحدهن لقوله علیه الصلاة والسلام: (”صلاة المرأة فی بیتها أفضل من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی مخدعها أفضل من صلاتها فی بیتها“ ولأنه یلزمهن أحدالمحظورین إماقیام الإمام وسط الصف وهو مکروه أو تقدم الإمام وهو أیضاًمکروه فی حقهن فصرن کالعراة لم یشرع فی حقهن الجماعة أصلاً. ولهذا لم یشرع لهن الأذان وهو دعاء إلی الجماعة ولولا کراهیة جماعتهن لشرع. (تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق، الأحق بالإمامة: ١٣٥/١)(والحدیث أخرجه أبوداؤد، باب التشدید فی ذلک (ح: ٥٧٠)انیس)

عن أم سلمة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم أنه قال: خیرمساجدالنساء قعربیوتهن. (مسند الإمام أحمد، حدیث أم سلمة زوج النبی صلی الله علیه وسلم (ح: ٢٦٥٤٢)/الصحیح لابن خزیمة، باب اختیارصلاة المرأة فی بیتها (ح: ١٦٨٣)/المستدرک للحاکم، ومن کتاب الإمامة وصلاة الجماعة (ح: ٧٥٦)/مسندالشهاب القضاعی. خیرمساجدالنساء قعربیوتهن (ح:١٢٥٢)

عن عبدالله عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشیطان وأقرب ماتکون من وجه ربّها وهی فی قعر بیتها. (مسندالبزار، مورق عن أبی الأحوص عن عبدالله (ح: ٢٠٦١)/الصحیح لابن خزیمة، باب اختیارصلاة المرأة فی بیتها (ح:١٦٨٥)الصحیح لابن حبان، ذکرالأمر بلزوم قعربیتها (ح:٥٥٩٩)انیس)

(١) الدرالمختارعلیٰ هامش رد المحتار، باب الأذان، تحت الفروع، قبیل باب شروط الصلاة: ٣٧١/١، ظفیر (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الأذان: ٣٥/٤. انیس)

☆ کیا بوقت اعادۂ صلاۃ مع الجماعت اقامت کا بھی اعادہ ہوگا:

سوال: اگر کسی وجہ سے نماز باجماعت فاسد ہوجائے تو کیا بصورت اعادۂ نماز اقامت کا بھی اعادہ ہوگا؟ بینوا وتوجروا۔ ==

ترک واجب کی وجہ سے اعادہ کی جانے والی نماز کے لئے تکبیر کی حاجت نہیں:

سوال (١) اگر امام کسی واجب کے ترک سے سجدۂ سہو بھول جائے اور سلام پھیر دے، تو جب اس نماز کا اعادہ کیا جائے، تو کیا اس نماز کے لئے تکبیر کہنی پڑے گی یا نہیں؟ اگر کہنی پڑتی ہو اور نہ کہی گئی ہو تو کیا دوسری نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو تیسری دفعہ نماز مع تکبیر ادا کی جائے؟

(٢) اگر کوئی سجدۂ سہو بھول گیا، تو سلام کے بعد کتنی دیر تک سجدۂ سہو کر سکتا ہے؟

الجواب

ترک واجب کی وجہ سے اگر نماز دوبارہ پڑھی جائے، تو اعادۂ تکبیر کی حاجت نہیں، وہیں کھڑے ہو کر بدونِ اعادۂ تکبیر نماز لوٹا لی جائے، اعادہ وقت کے اندر طویل فصل کے بغیر ہو، تو اقامت نہ کہی جائے، وگرنہ؛ کہی جائے۔

"قوم ذكروا فساد صلاة صلوها في المسجد في الوقت قضوها بجماعة فيه ولا يعيدون الأذان والإقامة". (ردالمحتار، باب الأذان، مطلب في أذان الجوق: ١/٣٦٣)

٢۔ جب تک دنیوی بات نہیں کی، سینہ قبلہ سے منحرف نہیں ہوا، وضو نہیں ٹوٹا، تو سلام پھیر لینے کے بعد وہیں بیٹھے بیٹھے سجدۂ سہو کر سکتا ہے۔ (١) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ٢/٢١٣-٢١٤)

تکرار جماعت کے وقت تکبیر کہی جاوے یا نہیں:

سوال: جو مسجد لب سڑک ہو اس میں پہلی جماعت ہو چکی ہو، اگر دوسری جماعت کرائی جاوے تو کیا اس دوسری جماعت کے لئے بھی تکبیر ثانی کہنی چاہئے یا نہیں؟

== الجواب حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر وقت کے اندر ہی کچھ دیر کے بعد کی جائے تو اقامت بھی پھر سے کہی جائے اور اگر دیر نہ ہو، تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔ (في المجتبىٰ: قوم ذكروا فساد صلاة صلوها في المسجد في الوقت قضوها بجماعة فيه ولا يعيدون الأذان والإقامة، وإن قضوها بعد الوقت، قضوها في غير ذلك المسجد بأذان وإقامة، لكن سيأتي أن الإقامة تعاد لو طال الفصل. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في أذان الجوق: ١/٢٥٨، نعمانيه، ديوبند) وكذا في البناية شرح الهداية ماينبغي للمؤذن والمقيم: ٢/١٠٩، والبحر الرائق، جلوس المؤذن بين الأذان والإقامة: ١/٢٧٦. انيس) والله اعلم بالصواب

کتبہ: محمد حمزہ عفی عنہ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ ٢١/٧/١٤١٤ھ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ٢/٣١٦)

(١) (يجب بعد سلام واحد عن يمينه فقط)... (سجدتان)... (تشهد وسلام)... (إذا كان الوقت صالحاً) فلو طلعت الشمس في الفجر أو احمرت في القضاء أو وجد ما يقطع البناء بعد السلام سقط عنه، فتح. (الدر المختار)

قال الشامي: (قوله مايقطع البناء) كحدث عمد وعمل مناف، إمداد. (ردالمحتار، باب سجود السهو: ٢/٧٧-٧٩، انيس)

الجواب ـــ

اگرامام ومؤذن اس مسجد کا مقرر نہ ہو؛ تو جماعت ثانیہ اس مسجد میں درست ہے اور اقامت یعنی تکبیر ثانی کہی جاوے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۱۸)☆

جماعتِ ثانیہ کے لئے اقامت:

سوال: اگر جماعت ثانیہ مسجد سے باہر ہو تو تکبیر کہی جائے گی کہ نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

حصہ مسجد سے خارج وضوخانہ وغیرہ میں جب جماعت کی جائے تب بھی تکبیر کہی جائے۔(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔۱۵/۶/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔۱۸/۶/۱۳۸۷ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۴۶۱-۴۶۲)

(۱) بل يكره فعلهما وتكرار الجماعة إلا فى مسجد علىٰ طريق فلا بأس بذلك،جوهرة.(الدرالمختار)
(قوله إلا فى مسجد علىٰ طريق) هو ماليس له إمام ومؤذن راتب فلايكره التكرارفيه بأذان وإقامة بل هوالأفضل، خانية.(ردالمحتار،باب الأذان،قبيل مطلب فى كراهة تكرارالجماعة فى المسجد:۱/۳۶۷،ظفير)

☆ **دوبارہ جماعت میں اقامت:**

سوال: مسجد میں جماعت ہوچکی ہو اور دوبارہ جماعت کی جائے تو اقامت کہنی چاہئے یانہیں؟
(صبغت اللہ، بخارہ ہلز)

الجواب ـــ

اگرایسی مسجد ہو کہ وہاں امام ومؤذن مقرر نہ ہو، مسجد شاہراہ، بازار، یا اسٹیشن وغیرہ پر واقع ہو، گزرنے والے نماز پڑھ لیا کرتے ہوں، تو ایسی صورت میں ہر گروہ کو اذان واقامت کے ساتھ نماز ادا کرنا بہتر ہے:

كمافي مسجد ليس له إمام ولامؤذن ويصلى الناس فيه فوجًا فوجًا فإن الأفضل أن يصلى كل فريق بأذان وإقامة علىٰ حدة، كما فى أمالى قاضى خان.(رد المحتار ،باب الإمامة:۱/۵۵۳،دارالفكر)

لیکن محلّہ کی مسجد میں جہاں باضابطہ نماز ہوا کرتی ہو، اگر دوسری جماعت کرنی پڑے تو دوسری جماعت میں نہ اذان دینی چاہئے اور نہ اقامت کہنی چاہئے:

’’ويكره تكرارالجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة لا فى مسجد طريق أو مسجد لا إمام له ولا مؤذن‘‘.(الدرالمختار ، باب الإمامة: ۱/۵۵۲)(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۵۲-۱۵۳)

(۴) مسجد ليس له مؤذن و إمام معلوم،يصلى فيه الناس فوجًا فوجًا بجماعة،فالأفضل أن يصلى ==

ٹرین میں نماز پڑھیں، تو کیا اقامت ہر جماعت کے لئے علیحدہ کہنی چاہیے:

سوال: سفر میں جاتے ہوئے ٹرین میں نماز کے وقت اذان دیتے ہیں اور پندرہ بیس ساتھی ہوتے ہیں، تین یا چار ساتھی مل کر جماعت کرتے ہیں، اس طرح ایک دوسرے کے بعد کئی جماعتیں ہوتی ہیں، کیا ہر ایک دفعہ اقامت کہنا ضروری ہے؟

الجواب

ہر ایک جماعت کے لیے اقامت سنت ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳۱۵/۳)

تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے اقامت:

سوال: کیا گھر میں یا کسی اور جگہ تنہا فرض نماز پڑھنے والے کو اقامت کہنا ضروری ہے؟

(ڈاکٹر سراج الدین، کریم نگر)

الجواب

اقامت کہنا سنتِ مؤکدہ ہے؛ بشرطیکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے، اگر تنہا نماز ادا کی جائے؛ تب بھی اقامت کہہ دینا بہتر ہے۔ البتہ تنہا پڑھنے والے کے لئے سنتِ مؤکدہ نہیں۔

طحطاوی میں ہے:

"إتيان المنفرد به على سبيل الأفضلية فلايسن في حقه مؤكدًا والمكروه له ترك الأذان والإقامة معاً حتى لوترك الأذان وأتى بالإقامة لايكره". (۲) (کتاب الفتاویٰ:۱۴۷/۲)☆

== کل فريق بأذان وإقامة علىٰ حدة، كذا فى فتاوىٰ قاضى خان". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، باب الأذان، الفصل الأول فى صفة الأذان وأحوال المؤذن: ۵۵/۱، رشيدية) / وكذا رد المحتار، باب الإمامة: ۵۵۳/۱، دارالفكر)

"وإن كان المسجد على الطريق فلا بأس أن يؤذنوا فيه ويقيموا آه". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۴٦۲/۱، رشيدية)

(۱) والإقامة مثله أى مثل الأذان فى كونه سنّة للفرائض فقط. (البحر الرائق: ۳۷۰/۱)

(۲) حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب الأذان: ۱۰۵۔

☆ **تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے اقامت ہے یا نہیں، اور کتنی آواز سے کہنی چاہیے:**

سوال: ایک آدمی گھر میں یا مسجد میں جماعت ہوجانے کے بعد کسی وقت کی نماز پڑھے، تو تکبیر اقامت اس کو کہنا چاہیے کہ نہیں؟ اگر کہنا چاہیے، تو کیا زور سے قراءت کرنے والی اور آہستہ قراءت کرنے والی دونوں کی فرض نماز میں زور سے کہنا چاہیے؟ ==

منفرد کے لئے اقامت کہنا اور اگر جماعت کے ساتھ ہو تو اقامت کا جواب دینا کیسا ہے:

سوال (١) اگر اکیلے نماز ادا کروں تو اقامت کہوں گا یا نہیں؟

(٢) جماعت کی نماز میں مؤذن کے ساتھ مقتدیوں کو بھی اقامت کے الفاظ کو دہرانے ہوں گے یا صرف نیت ہی کافی ہے؟

(٣) سنت اور نفل میں اقامت ہے یا نہیں؟

(٤) اقامت کے الفاظ کو دہرانا فرض ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

فرض نماز اگر اکیلے پڑھیں تو اقامت کہہ لیا کریں۔(١) فرض نماز جب جماعت سے پڑھیں تو اقامت کے الفاظ کو دہرا سکتے ہیں، اس میں ثواب ہے، جب مؤذن "قد قامت الصلاة" کہے تو آپ کہئے "أقامها الله وأدامها"، (٢) پھر نیت کر کے جماعت میں شریک ہو جائیں، سنت ونفل میں اقامت نہیں ہے۔(٣) اقامت کے الفاظ کا دہرانا فرض ولازم نہیں ہے۔(٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالصمد رحمانی۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:٢/٢٨٩)

==　　الجوابــــــــــــــــــــ

اقامت تنہا نماز پڑھنے والے کے لیے بھی مسنون ہے، اتنی آواز سے کہے کہ سنائی دے۔(وندبا لهما أى الأذان و الإقامة للمسافر والمصلّى فى بيته فى المصر.(البحر الرائق،باب شروط الصلاة: ٢٨٠/١)

(وندباً)أى الأذان والإقامة (لهما)أى للمسافر والمصلى فى بيته فى المصر ليكون الأداء على هيئة الجماعة (لا للنساء)لكراهة جماعتهن.(النهر الفائق،باب الأذان: ١٨٠/١.انيس)(آپ کے مسائل اور ان کا حل:٣/٣١٥)

(١) "ولايكره تركهما لمن يصلى فى المصر إذا وجد فى المحلة ولافرق بين الواحد والجماعة،هكذا فى التبيين. والأفضل أن يصلى بالأذان والإقامة".(الفتاوىٰ الهندية،الفصل الأول فى صفة الأذان وأحوال المؤذن: ٥٤/١)

(٢) (ويجيب الإقامة)ندبًا إجماعًا (كالأذان)ويقول عند "قد قامت الصلاة": "أقامها الله وأدامها".(الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار،باب الأذان،قبيل باب شروط الصلاة: ٧١/٢)

عن أبى أمامة أوعن بعض أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم أن بلالاً أخذ فى الإقامة فلماأن قال:قدقامت الصلاة، قال النبى صلى الله عليه وسلم :أقامها الله وأدامها،الخ.(سنن أبى داؤد،باب مايقول إذا سمع الإقامة (ح:٥٢٨)انيس)

(٣) وليس لغير الصلوات الخمس والجمعة نحو السنن والوتر والتطوعات والتراويح والعيدين أذان ولا إقامة، كذا فى المحيط.(الفتاوىٰ الهندية،الفصل الأول فى صفة الأذان وأحوال المؤذن: ٥٣/١)

(٤) (قوله إجماعاً) ... أى إن القائلين بإجابتها أجمعوا على الندب ولم يقل أحد منهم بالوجوب كما قيل فى الأذان.(ردالمحتار،باب الأذان ، قبيل باب شروط الصلاة: ٤٠٠/١.انيس)

قضا نماز میں اقامت:

سوال: فرض نماز قضا پڑھنے کی حالت میں اقامت کہہ کر نماز پڑھے یا بغیر اقامت بھی نماز ہوسکتی ہے، اگر بلا اقامت نماز پڑھی ہوں، تو ان کا اعادہ کرے یا کہ درست ہوگئی؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

بلا اقامت بھی درست ہے، لہٰذا جو پڑھی گئی، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔(۱) اگر جماعت کے ساتھ قضا کی جائے تو اقامت مسنون ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۲۶/۱۲/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ ۲۹/ ذی الحجہ ۶۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۶۹/۵)

متنفل کی اقامت مکروہ ہے:

سوال: جو آدمی فرض پڑھ چکا ہے، پھر جماعت کے ساتھ شریک ہوا وہ اقامت کہہ سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

عبارت ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ متنفل کی اقامت مکروہ ہے۔

قال فی العلائية: يكره له أن يؤذن فی مسجدين. (الدرالمختار)

وفی الشامية: (قوله فی مسجدين) أنه إذا صلی فی المسجد الأول يكون متنفلاً بالأذان فی المسجد الثانی و التنفل بالأذان غيرمشروع ولأن الأذان للمكتوبة وهوفی المسجد الثانی يصلی النافلة فلا ينبغی أن يدعوالناس إلی المكتوبة وهو لايساعدهم فيها، آه، بدائع. (رد المحتار: ۳۷۲/۱) فقط و اللّٰه تعالیٰ أعلم

۱۳ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲۹۲/۲-۲۹۳)

---

(۱) (... وهوسنة)... (مؤكدة) هی كالواجب فی لحوق الإثم... والإقامة كالأذان. (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۸۴/۱-۳۸۸، سعيد)

"ترک السنة لا يوجب فسادًا ولا سهوًا، بل إساء ة لوعامدًا". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب سنن الصلاة: ۴۷۳/۱-۴۷۴، سعيد)

(۲) (و) يسن أن (يؤذن ويقيم لفائتة) رافعاً صوته لوبجماعة أوصحراء لا بيته منفردًا. (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی أذان الجوق: ۳۹۰/۱، سعيد)

"ويؤذن للفائتة ويقيم ؛ لأن الأذان سنة للصلوات لا للوقت، فإذا فاتته صلاة تُقضی بأذان وإقامة لحديث أبی داؤد وغيره، أنه صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم أمربلالاً بالأذان والإقامة حين ناموا عن الصبح وصلوها ==

بیوی کی اقامت:

سوال: میاں بیوی دونوں باجماعت نماز پڑھنا چاہتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ عورت تکبیر کہہ سکتی ہے یا نہیں؟ اس کے کہنے میں کوئی قباحت تو نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

عورت کا اذان دینا بھی مکروہ ہے اور تکبیر کہنا بھی مکروہ ہے۔ (کذا فی نور الإیضاح)(۱) لیکن فقہا نے دو علتیں کراہت کی لکھی ہیں: ایک یہ کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے، مگر اس کی تضعیف کی گئی ہے، دوسری علت خوف فتنہ ہے، وہ اس صورت میں مفقود ہے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۶۳/۵)

== بعد ارتفاع الشمس ، وهو الصحيح في مذهب الشافعي، كما ذكره النووي في شرح المهذب". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۴۵۵/۱، رشيدية) (المجموع شرح المهذب، باب مواقيت الصلاة: ۶۹/۳، انيس)

عن إبراهيم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عرس هو وأصحابه فلم يوقظهم إلا حر الشمس فقاموا فأمر بلالاً فأذن ثم أوتر النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه ثم تأخروا عن معرسهم حين استيقظوا فصلوا ركعتين ثم أمر بلالاً فأقام الصلاة فصلى بالناس رسول الله صلى الله عليه وسلم. (الآثار لأبي يوسف، باب افتتاح الصلاة (ح: ۱۱۹) انيس)

(۱) "ويكره التلحين وإقامة المحدث وأذانه وأذان الجنب وصبي لا يعقل ومجنون وسكران وامرأة". (نور الإيضاح متن مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱۹۹، قديمي)

"منها: أن يكون رجلاً، فيكره أذان المرأة باتفاق الروايات؛ لأنها إن رفعت صوتها، فقد ارتكبت معصية، وإن خفضت فقد تركت سنة الجهر". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في مايرجع إلىٰ صفات المؤذن: ۶۴۵/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "وأذان امرأة؛ لأنها إن ... خفضت صوتها أخلت بالإعلام، وإن رفعته ارتكبت معصية؛ لأنه عورة". (مراقي الفلاح)

(قوله لأنه عورة) ضعيف والمعتمد أنه فتنة فلا تفسد برفع صوتها صلاتها". (حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱۹۹، قديمي)

"قال: كأذان المرأة علله قاضي خان وصاحب المحيط بأن صوتها عورة، لكن الأرجح هو أنها ليست بعورة، كما صرح به في شرح المنية. فالأولىٰ أن يعلل كراهة أذانها بأن فيه احتمال وقوع الفتنة برفع الصوت كما علله به في البحر، ولهذا منعن من التسبيح وتعلم القرآن من الأعمىٰ وغيرذلک". (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۳/۲، سهيل اكيڈمی، لاهور)

"وأما أذان المرأة، فلأنها منهية عن رفع صوتها؛ لأنه يؤدي إلى الفتنة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۴۵۸/۱، رشيدية)

مخنث کا اقامت کہنا:

سوال: مخنث اور وہ شخص جس نے اپنے آلۂ تناسل کو کٹوا دیا ہو وہ تکبیر کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

تکبیر اگر یہ کہے تب بھی کافی ہوجائے گی، مگر تکبیر کہنا معزز اور ثقہ آدمی کا حق ہے۔اس لئے مخنث وغیرہ کو اس سے روک دیا جائے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۴۶۴/۵)

لاؤڈ اسپیکر سے اقامت کہنا:

سوال: ہماری مسجد ابوحنیفہ کے حلقہ میں مزدور، ناخواندہ اور دینی اعتبار سے بے شعور لوگ رہائش پذیر ہیں اور الگ الگ طریقہ پر گھروندوں میں رہتے ہیں، اس لیے ہم اپنی مسجد میں اذان کے علاوہ اقامت بھی لاؤڈ اسپیکر پر کہتے ہیں، ایک مقامی عالم اس طرح اقامت کہنے کو روح اسلام کے خلاف کہتے ہیں اور فی سبیل اللہ فساد کہتے ہیں؟

هــو المصـوب ــــــــــــــــ

صورت مسئولہ میں اذان غائبین کے لیے ہے اور اقامت حاضرین کے لیے ہے اور اذان میں بھی لاؤڈ اسپیکر کی اجازت ضرورت کی بنیادی پر دی گئی ہے، لیکن اگر مسجد کافی بڑی ہے اور وہاں بھی اقامت کے لیے لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت پڑ رہی ہے تو استعمال کر سکتے ہیں، جو لوگ مسجد کے باہر ہیں؛ ان کو متنبہ کرنے کے لیے اقامت لاؤڈ اسپیکر سے کہنا بلاضرورت صحیح نہیں ہے۔

نوٹ: اگر نمازی مسجد میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے باہر پائے جا رہے ہیں تو لاؤڈ اسپیکر سے اقامت کہنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

تحریر: محمد طارق ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۳۹۳/۱)

(۱) ”وفی الحاوی القدسی:من سنن المؤذن كونه رجلاً عاقلاً صالحاً عالماً بالسنة والأوقات مواظباً عليه محتسباً ثقةً متطهرًا مستقبلاً“.(السعاية فی كشف ما فی شرح الوقاية،كتاب الصلاة،باب الأذان،ذكر أحوال المؤذن: ۳۸/۲،سهيل اكیڈمی،لاهور)

”وفی الكافی:والأولیٰ أن يتولیٰ العلماء أمر الأذان“.(الفتاویٰ التاتارخانية،كتاب الصلاة،فی أذان المحدث و الجنب وبيان من يكره ومن لا يكره: ۵۱۹/۱،إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)

عن ابن عمر قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:اجعلوا أئمتكم خياركم فإنهم وفدكم فيما بينكم وبين الله عزوجل.(سنن الدارقطنی،باب تخفيف القراءة لحاجة (ح: ۱۸۸۱)/ ==

کیا اقامت وہی کہے جس نے اذان دی ہے:

سوال: کیا مؤذن ہی کو تکبیر پڑھنا چاہئے، دوسرے کیلئے ممنوع ہے۔ اگر مؤذن ملازم مسجد ہو اور اگر کوئی ملازم نہ ہو کبھی کوئی اذان کہتا ہو کبھی کوئی؟

الجواب ــ

خواہ مؤذن تنخواہ دار اور معین ہو اور دائمی اذان کہتا ہو یا ایسا نہ ہو؛ گاہ گاہ اذان کہتا ہو۔ بہرحال علاوہ مؤذن کے دوسرے شخص کو تکبیر کہنا درست ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ! جس نے اذان کہی؛ وہی تکبیر کہے، یا دوسرے کو اجازت دے دے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۹۷) ☆

== السنن الكبرىٰ للبيهقي،باب اجعلوا أئمتكم خياركم (ح: ٥١٣٣)وقال:إسناده ضعيف،لكن روى الحاكم عن مرثد بن أبى مرثدالغنوى وكان بدرياًقال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:إن سركم أن تقبل صلاتكم فليؤمكم خياركم فإنهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم عزوجل.(المستدرك،ذكرمناقب مرثدبن أبى مرثدالغنوى (ح: ٤٩٨١) وروى ابن عساكر فى المعجم عن أبى أمامة عن النبى صلى الله عليه وسلم (ح: ١٢٢٤)وقال:هذا حديث غريب.انيس)

(۱) (أقام غيرمن أذن بغيبته)أى المؤذن (لايكره مطلقاً) وإن بحضوره كره إن لحقه وحشة ، كماكره مشيه فى إقامته. (الدرالمختار)

(قوله كره إن لحقه وحشة) أى بأن لم يرض به وهذا اختيارخواهرزاده،الخ. وقال فى البحر:ويدل عليه إطلاق قول المجمع: ولانكرهها من غيره،الخ،فلابأس بأن يأتى بكل واحد رجل آخرولكن الأفضل أن يكون المؤذن هوالمقيم، آه،أى لحديث من أذن فهويقيم.(ردالمحتار،باب الأذان،قبيل مطلب فى كراهة تكرارالجماعة فى المسجد:١/٢٦٧،ظفير)

☆ کیامؤذن ہی اقامت کہے:

سوال: جس شخص نے اذان دی، کیا ضروری ہے کہ وہی شخص اقامت کہے؟ یا مجبوری کی حالت میں دوسرا شخص بھی اقامت کہہ سکتا ہے؟

(جہانگیرالدین طالب، باغ امجدالدولہ)

الجواب ــ

اصل میں اقامت کہنا مؤذن کا حق ہے، اس لئے اگر مؤذن اقامت کہنا چاہے تو اس کو اقامت کہنے کا موقع دینا چاہئے، چنانچہ ایک بار حضرت زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ نے اذان دی، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہنا چاہا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع فرمادیا اور کہا کہ زیاد ہی اقامت بھی کہیں گے۔(الجامع للترمذی،رقم الحديث: ١٩٩،باب ماجاء أن من أذن فهويقيم/سنن أبي داؤد،رقم الحديث: ٥١٤،باب في الرجل يؤذن ويقيم آخر.محشى)

(بلفظ:عن زيادبن الحارث الصدائى قال:أمرنى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أؤذن فى صلاة الفجر فأذنت فأراد بلال أن يقيم،فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:إن أخا صداء قدأذن،ومن أذن فهويقيم.انيس)==

اذان دینے والے ہی کو اقامت کا حق ہے:

سوال: مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کیا فرماتے ہیں:

کسی مسجد کا مؤذن زید متعین ہے، زید نے بکر کو کسی وقت اذان پڑھنے کی اجازت دیدی ہے، یا ایسا کہ وقت ہو جانے پر بکر نے اذان پڑھ دی، تو اس صورت میں اقامت پڑھنے کا حق کس کو ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــ وباللہ التوفیق

افضل یہی ہے کہ جو اذان کہے، وہی اقامت کہے، اقامت کا حق مؤذن کو ہے، اگر کسی نے اذان دی اور دوسرے نے اقامت کہی، اگر مؤذن حاضر نہ ہو، تو بلا کراہت جائز ہے، اگر حاضر ہو اور دوسرے کی اقامت سے نہ راضی ہوتا ہے، تو مکروہ ہے، اگر راضی ہے، تو مکروہ نہیں ہے۔

== ہاں اگر کسی مجبوری کی وجہ سے دوسرا شخص اقامت کہے، مثلاً: مؤذن اذان کہہ کر کہیں چلا جائے، تو ایسی صورت میں دوسرے شخص کا اقامت کہنا درست ہے، اسی طرح اگر مؤذن موجود ہو اور وہ خود دوسرے سے اقامت کہنے کی خواہش کرے، یا کوئی دوسرا شخص اس کی رضامندی سے کہے، تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

" وإن أذن رجل، وأقام رجل آخر، إن غاب الأول جاز من غير كراهة، وإن كان حاضرًا وتلحقه الوحشة بإقامة غيره يكره، وإن رضى به لا يكره عندنا ". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، الأذان، نوع آخر فى أذان المحدث والجنب وبيان من يكره أذانه ومن لايكره: ١/ ٥٢٠، نیز دیکھئے! الفتاویٰ الهندية، الفصل الأول فى صفة الأذان وأحوال المؤذن: ٥٤/١) (وكذا فى المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، الفصل السادس عشر فى التغنى والإلحان: ٣٤٦/١/البحر الرائق، كتاب الصلاة: ٢٧٠/١، انيس)

حدیث سے بھی اس کا جائز اور درست ہونا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جب اذان کا سلسلہ شروع ہوا، تو پہلی بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اذان دلوائی اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے اقامت کہلائی۔ (سنن أبي داؤد : ٧٦/١، رقم الحديث: ٥١٢، باب في الرجل يؤذن ويقيم آخر)

عن عبدالله بن زيد قال: أراد النبى صلى الله عليه وسلم فى الأذان أشياء لم يصنع منها شيئاً قال: فأرى عبدالله بن زيد الأذان فى المنام، فأتى النبى صلى الله عليه وسلم فأخبره، فقال: ألقه على بلال، فألقاه عليه، فقال عبدالله: أنا رأيته، وأنا كنت أريده، قال: فأقم أنت. (سنن أبى داؤد، باب الرجل يؤذن ويقيم آخر (ح: ٥١٢)/مسند أبى داؤد الطيالسى، عبدالله بن زيدبن عاصم الأنصارى (ح: ١١٩٩)/مسند الإمام أحمد، حديث عبدالله بن زيدبن عبدربه (ح: ١٦٤٧٦)/المسند للشاشى، ماروى عبدالله بن زيد بن الحارث بن الخزرج بن جشم بن الحارث بن الخزرج عن النبى صلى الله عليه وسلم. انيس)) (کتاب الفتاویٰ: ۱۴۹/۲-۱۵۰)

وأفضل أن يكون المؤذن هو المقيم، كذا في الكافي. وإن أذن رجل وأقام آخر إن غاب الأول جاز من غير كراهة وإن كان حاضرًا ويلحقه الوحشة بإقامة غيره مكروه وإن رضي به لايكره عندنا، كذا في المحيط. (١)

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیو بند۔ ۲۸/۲/۱۳۱۰ھ۔

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن خیرآبادی، مفتی دارالعلوم دیو بند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۸۷-۸۸)

غیر مؤذن کا تکبیر کہنا:

سوال: حقِ تکبیر مؤذن کو ہے یا عام ہے؟ اگر حقِ تکبیر مؤذن ہی کے لیے ہے تو اس کی اجازت سے ہر شخص کا تکبیر پڑھنا جائز ہے یا ناجائز ہے، اگر اجازت نہ ہو تو بلا اجازت پڑھنا غصب حقِ تکبیر ہے یا نہیں؟ اور غاصب کا کیا حکم ہے، تکبیر امام کے مصلی پر آنے کے بعد پڑھنی چاہئے یا بعد میں؟ (محمد یعقوب)

الجواب ________ حامداً و مصلیاً

اگر جماعت کا وقت آ گیا اور مؤذن موجود نہیں تو جس کا دل چاہے تکبیر کہہ لے، اگر مؤذن موجود ہے، تو بغیر اس کی رضا یا اجازت کے دوسرا شخص تکبیر نہ کہے، کیونکہ تکبیر مؤذن کا ہی حق ہے۔

لحديث: "من أذن فهو يقيم، الخ". (مشكوٰة المصابيح: ٦٤/١، كتاب الصلاة، باب الأذان، الفصل الثاني)(٢)

اگر بغیر اس کی رضا یا اجازت کے دوسرا شخص تکبیر کہے تو یہ مکروہ ہے۔

"أقام غير من أذن بغيبته أي المؤذن لا يكره مطلقاً، وإن بحضوره كره إن لحقه وحشة". (الدر)

قال الشامي: "أي بأن لم يرض به". (ردالمحتار: ٣٦٧/١)(٣)

---

(١) الفتاوىٰ الهندية، الفصل الأول في صفة الأذان وأحوال المؤذن: ٥٧/١. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، الفصل السادس عشر في التغني والإلحان: ٣٤٦/١. انيس)

(٢) "قال: ولا بأس بأن يؤذن واحد ويقيم آخر؛ لما روى أن عبد الله بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه سأل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يكون له في الأذان نصيب، فأمر أن يؤذن بلال ويقيم هو"، ولأن كل واحد منهما ذكر مقصود فلا بأس بأن يأتي بكل واحد منهما رجل آخر. والذي روى أن الحارث الصدائي أذن في بعض الأسفار وبلال كان غائبًا، فلما رجع بلال وأراد أن يقيم، قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن أخا صداء أذن، ومن أذن فهو يقيم". إنما قاله علىٰ وجه تعليم حسن العشرة لا أن خلاف ذلك لا يجزيء". (المبسوط، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٢٧٤/١، المكتبة الغفارية، كوئٹة)

(والحديث أخرجه الترمذي، رقم الحديث: ١٩٩، باب ماجاء أن من أذن فهو يقيم/ و أبوداؤد، رقم الحديث: ٥١٤، باب في الرجل يؤذن ويقيم آخر. انيس)

(٣) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، قبيل مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد: ٣٩٥/١، سعيد

امام کے مصلی پر آنے سے پہلے تکبیر جائز ہے بشرطیکہ مصلی کے قریب ہو؛ کہ فصل مزید لازم نہ آئے ،مگر بہتر یہ ہے کہ آنے کے بعد ہو۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔۷/۸/ ۱۳۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف۔۸/ شعبان/ ۱۳۵۲ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۴۶۰/۵-۴۶۱)

مؤذن کا اذان کہنے کے بعد خود جماعت میں شریک نہ ہونا:

سوال (۱) مؤذن اذان کے بعد وضو یا سنتوں یا اور کسی کام میں مشغول ہوجاتے ہیں حتی کہ نماز کھڑی ہوجاتی ہے اور جب امام تکبیر تحریمہ باندھ چکا ہوتا ہے، یا ایک رکعت ہوجاتی ہے، تو اب یہ مؤذن اس مسجد میں نماز نہیں پڑھتے، بلکہ دوسری مسجد میں جا کر تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں، ان کا یہ روزانہ کا معمول ہے، کبھی ظہر کی نماز میں دو منٹ باقی ہوتے ہیں، جبکہ ان کو ٹائم کا بھی علم ہوتا ہے، اس کے باوجود سنتوں کی نیت باندھ لیتے ہیں، جب تک وہ سنتوں سے فارغ ہوتے ہیں اتنے میں نماز کی دو تین رکعتیں نکل جاتی ہیں، اب اس صورت میں بھی یہ نماز چھوڑ کر دوسری مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کرتے ہیں، نیز ظہر کی اور فجر کی سنتوں کو نماز سے پہلے پڑھنا ضروری سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہوں گی ہی نہیں، لہذا ان کا یہ علم کہاں تک درست ہے اور ان کے لئے کون سی صورت بہتر ہے بیان فرمائیں؟

اقامت کون کہے:

(۲) مؤذن صاحب مغرب کی اذان دے کر لوٹتے ہیں تو تکبیر کوئی دوسرا مقتدی پڑھ دیتا ہے، یہ روزانہ کا معمول ہے۔موذن صاحب بعد میں خفا ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تکبیر مؤذن کا حق ہے، آپ حضرات ایک دو منٹ انتظار کرلیا کریں، لہذا شریعت کی روشنی میں بیان فرمائیں کہ کیا واقعی یہ مؤذن کا حق ہے اور اس کے لئے انتظار کی گنجائش بھی ہے یا نہیں؟

---

(۱) ”عن عبد اللّٰہ بن أبی قتادۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ عن أبیہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم: ”إذا أقیمت الصلاۃ فلا تقوموا حتیٰ ترونی“.)

قال ابن حجر العسقلانی رحمہ اللّٰہ تعالٰی: ”وفیہ جواز الإقامۃ والإمام فی منزلہ إذا کان یسمعھا، وتقدم إذنہ فی ذلک“. (فتح الباری، کتاب الأذان، باب متٰی یقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامۃ: ۱۵۲/۲-۱۵۳، قدیمی)

”والقیام لإمام ومؤتم حین قیل: ”حی علی الفلاح“، إن کان الإمام بقرب المحراب، وإلا فیقوم کل صف ینتھی إلیہ الإمام علی الأظھر“ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ: ۴۷۹/۱، سعید)

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

(۱) صورت مسئولہ کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر جماعت کا وقت مقرر ہے اور جماعت اسی وقت مقررہ پر ہوتی ہے تو مؤذن صاحب کا سنتوں میں مشغول رہ کر جماعت چھوڑ دینا جائز نہیں، بلکہ مسئلہ اس طرح ہے کہ اگر ظہر کی سنت ہے تو اگر دوسری رکعت پوری ہونے کے قریب ہے تو دو رکعت پر سلام پھیر کر جماعت میں شریک ہو جائے، اور اگر تین رکعت پڑھ چکا ہے، تو چاروں رکعت بعجلت پوری کر کے جماعت میں شریک ہو جائے، ورنہ سنتوں کی نیت توڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے اور جماعت نہ چھوڑے، ورنہ گنہگار ہوگا۔

"(قوله خلافا لما رجحه الكمال): حيث قال: وقيل يقطع على رأس الركعتين وهو الراجح ... ثم اعلم أن هذا كله حيث لم يقم إلى الثالثة أما إن قام إليها وقيدها بسجدة ففي رواية النوادر يضيف إليها رابعة ويسلم وإن لم يقيدها بسجدة قال في الخانية: لم يذكر في النوادر، واختلف المشائخ فيه قيل يتمها أربعًا ويخفف القراءة". (رد المحتار: ٧٤٩/١)(۱)

اسی طرح اگر فجر کی سنتوں میں غالب گمان ہو کہ سنت پڑھ کر جماعت مل جائے گی جب تو سنت کہیں کنارے پر پڑھ کر فرض میں شریک ہو جائے، ورنہ سنت چھوڑ دے اور فرض میں شریک ہو جائے۔ پھر سنتِ ظہر فرض کے بعد اور سنتِ فجر آفتاب طلوع ہونے کے بعد راجح قول میں پڑھے تو ترک کا گناہ نہ ہوگا۔

"وإذا خاف فوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنتها تركها لكون الجماعة أكمل وإلا بأن رجا إدراك ركعة في ظاهر المذهب وقيل التشهد ... ولا يتركها بل يصليها عند باب المسجد". (الدر المختار: ٤٨٨/١، باب إدراك الفريضة، مطلب هل الإساءة دون الكراهة أو أفحش)

"وقال محمد: أحب إلى أن يقضيها إلى الزوال كما في الدرر، قيل هذا قريب من الاتفاق ... وقال: لايقضي وإن قضى فلا بأس به". (رد المحتار: ٤٨٢/١، مطلب هل الإساءة دون الكراهة أو أفحش)

پس مؤذن کا سنت میں مشغول رہ کر جماعت چھوڑ دینا اور دوسری مسجد میں چلا جانا مکروہ تحریمی ہے اور سخت گناہ ہے، اور جس مسجد میں اذان دے اس کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں جا کر نماز پڑھنا فقہا نے مکروہ تحریمی لکھا ہے اور اس پر سخت نکیر وارد ہوئی ہے، اور نکیر کی صورت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ ایسی قبیح حرکت ہے کہ جیسے کوئی لوگوں کو کھانے کی دعوت دیکر بلائے اور جب لوگ کھانا کھانے کے لئے آویں، تو یہ دعوت دینے والا غائب ہو جائے یہ عند اللہ سخت مبغوض اور ممنوع ہے، پس اگر یہ صورت اذان دیر میں دینے سے پیش آ گئی ہے تو اس پر لازم ہے کہ مقررہ وقت سے اتنا قبل دے کہ مستقل نمازی آ کر طہارت و وضو، سننِ رواتب پڑھ کر اطمینان سے تکبیر اولیٰ پالیں، جب دوسرے نمازی اتنا وقت پا جائیں گے، تو مؤذن کیوں نہ پائے گا، پس اگر اتفاقیہ تاخیر اذان میں ہوگئی ہے جب تو قابلِ رعایت ہوگا۔ ورنہ اس

(۱) ردالمحتار، باب إدراك الفريضة، قبيل مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد. انيس

تاخیر کی عادت کرے گا تو واجب العزل ہوگا اور اس کو ہٹا کر دوسرا مستعد مؤذن مقرر کر لینا چاہئے، کیونکہ اذان کی گڑبڑی اور عدم پابندی وقت سے جماعت کا نظم بھی گڑبڑ ہوسکتا ہے، اسی طرح اگر جماعت کا وقت مقرر نہ ہو، یا اس کا انتظام نہ ہوتو جماعت منظّم نہ ہوگی اور سارے ہی اہل محلّہ عند اللہ ماخوذ ومجرم ہوں گے اور جماعت کا نظم برقرار وقائم رکھنا ضروری ہوگا، ورنہ سارے اہل محلّہ گنہگار رہوں گے۔

اور اگر جماعت کا وقت مقرر ہے، مگر امام سے وقت کی صحیح پابندی نہ ہوتی ہو اور اسی عدم پابندی سے مذکورہ بالا خرابیاں آسکتی ہیں تو امام سے بھی کہہ دیا جائے کہ پابندی اوقات کریں وہ بھی اگر نہ مانیں تو ان کو بھی بدلا جاسکتا ہے۔

(۲)　مغرب کی نماز میں مؤذن کے اذان خانہ سے جماعت گاہ تک آنے میں اتنی دیر نہیں ہوتی کہ وقت مکروہ آجائے یا اس سے نماز میں کراہت آجائے اس لئے مؤذن کے پہنچنے اور تکبیر شروع کرنے کا انتظار کرنا چاہئے اور جب مؤذن کو کسی دوسرے کی تکبیر پڑھنے سے رنج ہوتا ہے تو پھر کسی کو موذن پر سبقت کرنا درست نہ ہوگا۔ ”من أذن فهو يقيم“ کے قاعدے سے تکبیر میں سبقت نہ کرنا چاہئے۔ مؤذن کو ناگواری نہ ہو تو مضائقہ نہیں۔

”أقام غير من أذن بغيبته أى المؤذن لايكره مطلقًا وإن بحضوره كره إن لحقه وحشة“. (الدر المختار)

”(قوله كره إن لحقه وحشة) أى بأن لم يرض به ... الأفضل أن يكون المؤذن هو المقيم، آه، أى لحديث ”من أذن فهو يقم“. (رد المحتار: ۲٦٥/۱، باب الأذان) فقط والله أعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/ ۲۱۷-۲۲۰)

جمعہ میں تکبیر کون کہے جب پہلی اذان کوئی اور پکارے اور دوسری کوئی اور:

سوال: 　جمعہ کے روز اذان اول ایک شخص نے کہی اور اذان جمعہ منبر کے سامنے کی دوسرے نے، تو تکبیر کہنا کس کا حق ہے؟

الجواب

دونوں میں سے جو چاہے تکبیر کہہ دے، تب بھی کچھ حرج نہیں ہے۔(۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/ ۱۲۰)

---

(۱)　وفى الفتاوىٰ الظهيرية: والأفضل أن يكون المقيم هو المؤذن ولو أقام غيره جاز. (البحر الرائق، باب الأذان: ۱/ ۲۷۰-۲۷۱)

معلوم ہوا کہ مؤذن کا تکبیر کہنا افضل ہے اور جمعہ میں دوسری اذان ہی اصل ہے جو منبر کے سامنے ہوتی ہے۔

”واختلف فى المراد بالأذان الأول فقيل الأذان الأول باعتبار المشروعية وهو الذى بين يدى المنبر لأنه الذى كان أولاً فى زمنه عليه السلام وزمن أبى بكر وعمر حتى أحدث عثمان الأذان الثانى على الزوراء حين كثر الناس و الأصح أنه الأول باعتبار الوقت. (غنية المستملى، فصل فى الجمعة، ٥۱۹)

لہٰذا قاعدہ میں منبر والی اذان جو کہے، وہ مقدم ہوگا۔ واللہ اعلم، ظفیر

امام صاحب اذان دیتے ہوں، تو اقامت کون کہے، کوئی دوسرا شخص اقامت کہے تو ان کی اجازت ضروری ہے یا نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ذیل کے مسئلہ میں! ہمارے محلّہ کی ایک مسجد میں مؤذن متعین نہیں ہے؛ اس وجہ سے اکثر امام صاحب ہی اذان دیتے ہیں، تکبیر کہنے کیلئے امام صاحب جس کو اجازت دے دیں وہی تکبیر کہے یا ان کی اجازت کے بغیر کوئی بھی شخص تکبیر کہہ سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

افضل یہی ہے کہ جواذان کہے وہی اقامت (تکبیر) کہے، اقامت کا حق مؤذن کو ہے، البتہ مؤذن کی غیر حاضری میں یا اس کی اجازت سے کوئی دوسرا اقامت کہے تو بلا کراہت جائز ہے۔

والأفضل أن يكون المؤذن هو المقيم (كذا في الكافي) وإن أذن رجل وأقام آخر إن غاب الأول جاز من غير كراهة وإن كان حاضرًا ويلحقه الوحشة بإقامة غيره يكره وإن رضى به لا يكره. (الفتاوىٰ الهندية: ۳۳/۱)

آپ کے یہاں مؤذن متعین نہیں ہے، امام صاحب ہی اذان بھی دیتے ہیں، تو وہ جماعت کے وقت تکبیر کہہ کر مصلی پر پہنچ جائیں۔

"**والأحسن أن يكون المؤذن إماماً فى الصلوٰة**" **كذا فى المعراج الدراية.** (الهندية: ۳۳/۱)

یا ان کی اجازت سے کوئی دوسرا شخص تکبیر کہے، ان کی اجازت کے بغیر اگر دوسرا شخص اقامت کہے اور وہ اس کی اقامت سے ناراض ہوتے ہوں، تو مکروہ ہے۔ (الفتاوىٰ الهندية: ۳۳/۱) (مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو! فتاویٰ رحیمیہ: ۲۰۱/۱۔ ۲۰۲، اردو ایڈیشن) فقط واللہ اعلم بالصواب

۱۵/محرم الحرام ۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۹۷/۴۔ ۲۹۸) ☆

☆ **بلا اذن مؤذن اقامت:**

سوال: بدون اذن مؤذن کوئی شخص اقامت کہہ سکتا ہے؟

الجواب

مؤذن صاحب بروقت موجود نہ ہوں اور ان کے انتظار میں مصلیوں کا حرج ہو، تو ان کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اقامت کہہ سکتا ہے۔

أقام غير من أذن بغيبته أى المؤذن لايكره مطلقًا. (ردالمحتار: ۲٦٥/۱، باب الأذان، قبيل مطلب فى كراهة تكرار الجماعة فى المسجد) فقط (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۲۸/۸۔ ۱۲۹)

==

بدون رضائے مؤذن اقامت کہنا:

سوال: مؤذن کی بغیر اجازت کسی نے تکبیر کہی، تو ثواب تکبیر کہنے کا مؤذن کو ملے گا یا مکبر کو؟ اور مکبر کو بغیر اجازت تکبیر کہنے سے گناہ صغیرہ ہوگا یا کبیرہ، جبکہ مؤذن ناراض ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اقامت کا ثواب اقامت کہنے والے کو ملے گا، مؤذن کی اجازت کے بغیر اقامت کہنا جائز ہے، مگر خلاف اولیٰ ہے۔

قال فی شرح التنویر: (أقام غیر من أذن بغیبته أی المؤذن لایکره مطلقاً) وإن بحضور کره إن لحقه وحشة. (الدر المختار)

ونقل ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالٰی عن الخلاصة والإمام الطحاوی معزیاً إلٰی أئمتنا الثلاثة وعن البحر والکافی أنه لابأس به مطلقاً ولکن الأفضل أن یکون المؤذن هو المقیم. (رد المحتار: ۳٦۷/۱) **فقط واللّٰه تعالٰی أعلم**

۲۴/ ذی قعدہ ۱۳۸٦ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲۷۵/۲) ☆

== **مؤذن کی اجازت کے بغیر اقامت:**

سوال: جس شخص نے اذان کہی؛ بغیر اس شخص کی اجازت کے؛ جب کہ وہ صف میں موجود ہے؛ کوئی دوسرا اقامت کہے، درست ہے؟

الجواب ــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

اقامت درست تو ہوجائے گی مگر ایسا کرنا مناسب نہیں۔

("أقام غیر من أذن بغیبته أی المؤذن لا یکره مطلقاً، إن بحضور کره إن لحقه وحشة، کما کره مشیه فی إقامته". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الأذان، قبیل مطلب فی کراهة تکرار الجماعة: ۳۹۵/۱-۳۹٦، سعید)

"وفی الفتاویٰ الظهیریة: والأفضل أن یکون المقیم هو المؤذن ولو أقام غیره جاز". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان: ٤٤۷/۱، رشیدیة)

"قال: ولا بأس بأن یؤذن واحد ویقیم آخر؛ لما روی أن عبد اللّٰه بن زید رضی اللّٰه تعالٰی عنه سأل رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم أن یکون له فی الأذان نصیب، فأمر بأن یؤذن بلال ویقیم هو"، ولأن کل واحد منهما ذکر مقصود فلا بأس بأن یأتی بکل واحد منهما رجل آخر. والذی روی أن الحارث الصدائی أذن فی بعض الأسفار وبلال کان غائباً، فلما رجع بلال و أراد أن یقیم، قال صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم: "إن أخا صداء أذن، ومن أذن فهو یقیم". انما قاله علی وجه تعلیم حسن العشرة لا أن خلاف ذلک لا یجزئ". (المبسوط، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۲۷٤/۱، المکتبة الغفاریة، کوئٹة) فقط واللّٰه سبحانه تعالیٰ أعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۴۵۹/۵)

☆ **غیر مؤذن کا اقامت کہنا:**

سوال: مؤذن اذان دیتا ہے، تو تکبیر دوسرا بول سکتا ہے یا نہیں؟ مؤذن سے اجازت لے کر تکبیر بولنے کا ہے کہ موذن ہی تکبیر بول سکتا ہے؟ ==

امام کے سوا کوئی اقامت کہنے والا نہیں ہو:

سوال: بسا اوقات مساجد میں ایسا ہوتا ہے کہ امام کے علاوہ کسی کو اقامت کہنا نہیں آتا، تو اس وقت امام صاحب کو کیا کرنا چاہئے؟ (محمد سیف اللہ، بابانگر)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر کسی مسجد میں یہ صورت حال ہو، تو امام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مقتدیوں کی دینی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دے، اور ان کو اس لائق بنائے کہ وہ صحیح طور پر اذان و اقامت کہہ سکیں، خود اپنی نماز پڑھ سکیں، اور بوقتِ ضرورت نماز پڑھا بھی سکیں، تاہم اگر کہیں امام صاحب کے سوا کوئی اور اقامت کہنے کے لائق نہ ہو، تو یہ درست ہے کہ خود امام ہی اقامت بھی کہہ دے، علامہ حصکفی نے نقل کیا ہے کہ ایک موقع پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں اذان بھی کہی ہے، اقامت بھی، اور نماز ظہر بھی پڑھائی ہے۔(۱)

”وفي الضياء: أنه عليه السلام أذن في سفره بنفسه وأقام وصلى الظهر“. (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۵۱)

اقامت سے متعلق چند سوالات:

سوال: امام راتب نے اذان دی اور انہوں نے کسی کو تکبیر کے لئے مقرر نہ کیا تو اگر مقتدیوں میں سے کسی نے تکبیر کہہ دی تو ایسی صورت میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

(۲) کیا تکبیر کہنے والا شخص بالکل امام کے پیچھے کھڑا ہوگا، یا دائیں و بائیں جانب یا کہیں سے بھی تکبیر کہہ سکتا ہے اور نہیں تو کیا قباحت ہے؟

== الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلياً و مسلماً

بول سکتا ہے۔

وفي الفتاویٰ الظهيرية: والأفضل أن يكون المقيم هو المؤذن ولو أقام غيره جاز. (البحر الرائق: ۱/ ۲۷۰، ردالمحتار، باب الأذان: ۲/ ٦٤، زکریا) فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم (محمود الفتاویٰ: ۴/۲۲۹)

(۱) سفر یا حضر میں کسی جگہ بھی صحیح اور صریح روایت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اذان دینا ثابت نہیں ہے، البتہ ترمذی کی ایک روایت سے ایک سفر میں اذان دینے کا کچھ ثبوت بھی ملتا ہے، تو اولاً اس روایت پر کلام ہے، ثانیاً اس میں اختصار ہے۔ دوسرے طرق سے اس کا مفہوم بھی یہی متعین ہوتا ہے کہ حضرت بلالؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اذان و اقامت کہی اور یہ بات سمجھ میں بھی آتی ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن خاص حضرت بلالؓ سفر و حضر ہر جگہ ساتھ رہا کرتے تھے اور وہی اذان و اقامت کہتے تھے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے! فتاویٰ علماء ہند، اذان کے مسائل: ۴/ ۲۸۷-۲۸۸، انیس)

(۲) الدر المختار متن رد المحتار، آخر باب الأذان: ۲/ ۷۱۔

(٣) امام راتب کی اجازت کے بغیر کسی ایسے شخص کو نماز پڑھانے کا حق حاصل ہے جو علم وقراءت کے اعتبار سے امام سے بہتر ہو؟

(٤) اگر مؤذن کی اجازت کے بغیر کسی نے تکبیر کہہ دی تو کیسا ہے؟

(٥) ایسا مقتدی جو امام کی عدم موجودگی میں امام کی غیبت کرے تو اس شخص کی نماز اس امام کی اقتدا میں درست ہے یا کوئی حرج ہے؟

هـــو المصـــوب

(١) دریافت کردہ مسئلہ میں کوئی قباحت نہیں ہے۔(١)

(٢) اولیٰ یہ ہے کہ اقامت کہنے والا شخص امام کے پیچھے کھڑا ہو، بہر صورت کسی بھی جگہ سے اقامت کہہ دینے سے اقامت درست ہو جاتی ہے۔

(٣) امام راتب کی اجازت کے بغیر دوسرے کو نماز پڑھانے کا حق نہیں ہے۔(٢)

(٤) اگر مؤذن کو ناگوار ہو تو مکروہ ہے۔(٣)

(٥) نماز درست ہو جائے گی لیکن اس عمل سے باز آنا چاہئے، کیوں کہ یہ گناہ کبیرہ ہے۔غیبت کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔(٤)

تحریر: محمد طارق ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء: ١/٣٩٩-٤٠٠)

اقامت کہنے میں مؤذن وغیرہ امام کے تابع ہیں:

سوال: ابھی امام فجر کی سنت پڑھ رہے تھے کہ مؤذن نے اقامت شروع کردی تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مؤذن اقامت کہنے کے لئے امام کے حکم یا اشارہ کا تابع ہے، لہذا امام حاضر ہو تو جب تک وہ خود آگے نہ بڑھے یا اقامت کہنے کا حکم یا اشارہ یا مستعدی نہ بتلائے اقامت کہنے میں جلدی نہ کرنی چاہئے۔

---

(١) وفی الفتاویٰ الظهيرية: والأفضل أن يكون المقيم هو المؤذن ولو أقام غيره جاز. (البحر الرائق: ١/٤٤٧)

(٢) واعلم أن صاحب البيت ومثله إمام المسجد الراتب أولٰى بالإمامة من غيره مطلقاً. (الدر المختار مع ردالمحتار: ٢/٢٩٧، باب الإمامة، قبل مطلب البدعة خمسة أقسام)

(٣) (أقام غير من أذن بغيبته) أی المؤذن (لا يكره مطلقاً) وإن بحضوره كره إن لحقه وحشة. (الدر المختار متن ردالمحتار: ٢/٦٤، باب الأذان، قبيل مطلب فی كراهة تكرار الجماعة)

(٤) ﴿أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾. (سورة الحجرات: ١٢)

مقتدیوں کا بھی امام کے آگے بڑھنے سے پہلے کھڑا ہوجانا مکروہ ہے۔

وإن لم يكن حاضرًا يقوم كل صف ينتهي إليه الإمام في الأظهر. (مراقی الفلاح)

وإذا أخذ المؤذن في الإقامة ودخل رجل المسجد فإنه يقعد ولاينتظرقائمًا فإنه مكروه. (الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ١٦١)

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ مؤذن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے ہوئے دیکھتا تو اس وقت اقامت شروع کرتا۔ (مستدرک حاکم: ۱/۲۱۳) (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۴/۳۳۸)

اہل حدیث کا اقامت کہنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسلک اہل حدیث کا ایک آدمی حنفی مسلک کے امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے، اور احناف کی طرح کلمات اقامت کہتا ہے، باقی افعال صلاۃ بمطابق مسلک اہل حدیث ادا کرتا ہے، کیا یہ شخص اقامت کہہ سکتا ہے یا نہیں، اگر اقامت کہہ دے، تو اس کی اقامت سے فریضۂ اقامت ادا ہوجائے گا یا نہیں؟ اور نماز ہوجائے گی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

حنفیوں کی نماز میں اس سے کچھ فرق نہیں آتا اور اقامت کا اعادہ کرنا درست نہیں، (۲) بہتر یہ ہے کہ جس شخص نے اذان کہی، وہی تکبیر کہے، (۳) یا دوسرے کو اجازت دے دے۔ (۴) (کذا فی فتاویٰ دار العلوم) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ مفتی محمود: ۱/۸۲۱)

---

(۱) عن جابربن سمرة قال: كان مؤذن النبي صلى الله عليه وسلم يؤذن ثم يمهل فإذا رأى النبي صلى الله عليه وسلم قد أقبل أخذ في الإقامة. (المستدرك للحاكم، ومن كتاب الإمامة وصلاة الجماعة (ح: ٧٧٣) وقال: هذا حديث صحيح على شرط مسلم/ وكذا في مسند البزار، مسند جابربن سمرة رضي الله عنه (ح: ٤٢٧١)/ الصحيح لابن خزيمة، باب انتظار المؤذن الإمام بالإقامة (ح: ١٥٢٥) انيس)

(۲) كذا في الهندية: ويكره أذان الفاسق ولايعاد هكذا في الذخيرة. (الباب الثاني في الأذان وفيه فصلان، الفصل الأول في صفته و أحوال المؤذن: ١/٥٤، طبع رشيدية، كوئٹة)

(۳) مشكوة المصابيح عن زياد بن الحارث ... ومن أذن فهويقيم. (رواه الترمذي، كتاب الصلاة، باب الأذان: ١/٦٤، طبع قديمي كتب خانة، كراچی)

وهكذا في الدرالمختار: (أقام غيرمن أذن بغيبته) أي المؤذن (لايكره) مطلقاً. (باب الأذان: ١/٣٩٥، ط: سعيد)

(۴) هكذا في البحرالرائق: والأفضل أن يكون المقيم هوالمؤذن ولو أقام غيره جاز. (باب الأذان: ١/٤٤٧)

وهكذا في المبسوط قال: لا بأس بأن يؤذن واحد ويقيم آخر؛ لماروى أن عبد الله بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه سأل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلمأن يكون له في الأذان نصيب فأمربأن يؤذن بلال و يقيم هو، الخ. (باب الأذان: ١/٢٧٤، طبع، غفارية، كوئٹة)

کھڑے کھڑے اقامت کا انتظار کرنا:

سوال: مصلی حضرات مسجد میں آکر بیٹھ نہیں جاتے کھڑے کھڑے اقامت کا انتظار کرتے ہیں اور باتوں میں لگ جاتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مسجد دربار الٰہی ہے دنیوی بادشاہوں کے دربار دربار الٰہی کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتے، خدا کے مقرب بندے مسجد میں قدم رکھنے سے گھبراتے اور کانپتے تھے، لیکن اب حالت یہ ہوگئی ہے کہ مسجد کو بازار کی طرف کی طرح سمجھتے ہیں، کھڑے کھڑے اقامت کا انتظار کرتے ہیں باتوں میں مشغول رہتے ہیں، ثواب اور ملائکہ کی دعاؤں کے بجائے گناہ اور بددعا لے کر جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ فرشتے لوگوں کو مسجد میں باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر کہتے ہیں:

''أُسْكُتْ يَا وَلِيَّ اللّٰهِ''. (اے خدا کے ولی! خاموش رہ)

اگر سلسلۂ کلام جاری رہتا ہے۔۔۔ تو کہتے ہیں: ''أُسْكُتْ يَا بَغِيْضَ اللّٰهِ''. (اے خدا کے دشمن! خاموش ہوجا)

اس کے بعد بھی سلسلۂ کلام بند نہ ہو؛ تو کہتے ہیں:

''أُسْكُتْ عَلَيْكَ لَعْنَةُ اللّٰهِ''. (تجھ پر خدا کی لعنت، خاموش ہوجا) (کتاب المدخل: ۲/۵۵)(۱)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ''إذا دخل الرجل عند الإقامة يكره له الانتظار قائمًا ولكن يقعد ثم يقوم إذا بلغ المؤذن قوله: ''حي على الفلاح''.(۲)

یعنی اقامت کے وقت کوئی شخص مسجد میں آئے تو کھڑے کھڑے اقامت یا امام کا انتظار کرنا مکروہ ہے، اگر امام محراب کے پاس ہو تو ''حي على الفلاح'' کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے اور اگر امام محراب سے دور ہو اور صفوں کے پیچھے سے مصلی پر جاتا ہو؛ تو جس صف کے قریب امام پہونچے وہ صف کھڑی ہوجائے، اگر امام آگے کی جانب سے داخل ہو تو اسے دیکھ کر کھڑے ہوجائیں۔ (شامی: ۱/۴۴۷)(۳)

خلاصہ یہ کہ جب مسجد میں آوے تو اگر مکروہ وقت نہ ہو تو تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو، پڑھے سنتوں کا وقت ہو تو سنتیں پڑھ کر جماعت کے انتظار میں بیٹھا رہے اور ذکر اللہ میں مشغول رہے، جس سے نماز میں خشوع وخضوع بھی نصیب ہوگا، ورنہ دنیوی خیالات میں بھٹکتا رہے گا۔ جیسے ایک شاعر نے کہا ہے:

ہاتھ باندھے کھڑے ہیں صف پر　　سب اپنے اپنے خیال میں ہیں
امام مسجد سے کوئی پوچھے　　نماز کس کو پڑھا رہا ہے

فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۴/۲۸۷-۲۸۸)

---

(۱) المدخل لابن الحاج، فصل رفع الصوت فی المسجد: ۲/۲۲۷، انیس　　==

بوقت اقامت ہاتھ باندھنا خلاف سنت ہے:

سوال: جب مؤذن اقامت کہتا ہے،اس وقت عام طور پر مقتدی ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں،مگراس کو سنت نہیں سمجھتے ،پھر تکبیر تحریمہ کے بعد سنت کے مطابق ہاتھ باندھتے ہیں،معلوم ہوا کہ آپ اس سے منع فرماتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

تکبیر تحریمہ سے قبل ہاتھ باندھنا کہیں ثابت نہیں، (۱)اس کو سنت نہ بھی سمجھا جائے ،تو بھی چونکہ یہ حدود شریعت پر زیادتی ہے،اس لئے مکروہ ہے۔علاوہ ازیں لٹکے ہوئے ہاتھوں کوتکبیر تحریمہ کے وقت کانوں تک لے جانے میں جس قدر احکم الحاکمین کی عظمت شان کا اظہار ہے، بندھے ہوئے ہاتھوں کواٹھانے میں اتنا نہیں۔لہذ ااس رسم کا ترک اور دوسروں کواس سے احتراز کی تبلیغ لازم ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵/ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ۔(احسن الفتاویٰ:۲/۲۹۷)

==(۲) الفتاویٰ الهندية،الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة: ۵۷/۱.انيس

(۳) ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،قبيل الفصل.انيس

حاشيه صفحه هذا:

(۱) عن وائل بن حجر قال،قلت:لأنظرن إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف يصلي؟قال:فنظرت إليه،قام فكبر، ورفع يديه حتى حاذتاأذنيه ثم وضع يده اليمنىٰ على ظهر كفه اليسرىٰ والرسغ والساعد،ثم قال:لماأراد أن يركع،رفع يديه مثلها ووضع يديه على ركبتيه،ثم رفع رأسه،فرفع يديه مثلهاثم سجد،فجعل كفيه حذاء أذنيه،ثم قعدفا فترش رجله اليسرىٰ ووضع كفه اليسرىٰ على فخذه وركبته اليسرىٰ وجعل حد مرفقه الأيمن على فخذه اليمنىٰ ثم قبض بين أصابعه فحلق حلقة ثم رفع إصبعه فرأيته يحركها يدعو بها،ثم جئت بعد ذلك في زمان فيه بردفرأيت الناس عليهم الثياب تحرك ؤيديهم من تحت الثياب من البرد.(مسندالإمام أحمد،حديث وائل بن حجر (ح: ۱۸۸۷۰)/سنن الدارمي،باب صفة صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم (ح: ۱۳۹۷)/الصحيح لابن خزيمة،باب وضع بطن كف اليمنىٰ على كف اليسرىٰ (ح: ۴۸۰)/الصحيح لابن حبان،ذكرمايستحب للمصلي رفع اليدين عند إرادته (ح: ۱۸۶۰)/المعجم الكبير للطبراني،عن وائل بن حجر (ح: ۸۲)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ تکبیر کہنے کے بعد ہاتھ اٹھایا جائے گا۔انیس

☆ اقامت کے وقت ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا ثابت نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب مؤذن تکبیر کہتا ہے تو بعض نمازی ہاتھ باندھ کر کھڑے رہتے ہیں اوراس کو اچھا سمجھتے ہیں اوراسی حالت میں تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے ہاتھ باندھتے ہیں،تواس طرح جماعت کی صف میں کھڑا رہنا سنت ہے یا مستحب،اگر یہ سنت یا مستحب نہ ہو،تواس پر عمل نہ کرنے والے کو بے وقوف، جاہل وغیرہ کہنا کیسا ہے؟ ==

اقامت کے وقت مقتدی کھڑے رہیں یا بیٹھے:

سوال: تکبیر مقتدی کھڑے ہوکر سنیں یا بیٹھ کر؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے، جیسا کہ عالمگیری (۱/۵۷) اور بدائع الصنائع (۱/۲۰۰) پر مذکور ہے کہ!

امام اگر جانب غرب سے مسجد میں داخل ہو؛ مثلاً جدار قبلہ میں یا اس کے آس پاس حجرہ ہو یا دروازہ ہو تو جوں ہی امام نظر پڑے، سب کھڑے ہو جائیں اور اگر امام مقتدی کی پشت کی طرف سے آئے، مثلاً حوض یا وضوخانہ سے تو امام جس صف پر پہنچتا جائے؛ صف کھڑی ہوتی جائے۔ یہاں تک کہ جب امام مصلے پر پہنچے تو سارے مقتدی کھڑے ہو چکے ہوں، ان دونوں صورتوں میں تکبیر کھڑے ہوکر سنے، تیسری صورت یہ ہے کہ امام محراب کے قریب ہو، مثلاً: عصر کی نماز پڑھا کر کتاب سنانا شروع کردے یا وعظ شروع کردے اور سارے مقتدی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں، حتی کہ مغرب کا وقت آجائے، اذان ہو، اس کے بعد تکبیر ہو تو جب مکبر "حی علی الصلاۃ" یا "حی علی الفلاح" پر پہنچے؛ تب سارے لوگ کھڑے ہوں، صرف اس صورت میں تکبیر کا کچھ حصہ بیٹھ کر اور کچھ کھڑے ہوکر سننا ہے۔

نیز کتب فقہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ "حی علی الصلاۃ" پر کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد تک نہ بیٹھا رہے، لہٰذا اگر شروع اقامت ہی سے کوئی کھڑا ہو جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ یہ سب مسائل درمختار اور اس کی شرح طحطاوی میں (ج:۱/ص:۲۱۵، پر) مذکور ہیں۔

نیز امام محمد نے کتاب الصلاۃ میں اس کی تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص شروع اقامت سے کھڑا ہوجاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: "لا حرج"، کوئی حرج نہیں۔(۱)

== اور مستحب و مستحسن طریقہ کیا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

نماز شروع ہونے سے قبل قیام کی حالت میں جب صف صف لگائی جارہی ہو؛ اور قدم درست اور برابر کئے جارہے ہوں اس وقت ہاتھ باندھنا نہ مسنون ہے نہ مستحب۔ لہٰذا اس وقت ہاتھ باندھنے کو مسنون سمجھنا اور نہ باندھنے والے کو بے وقوف جاہل کہنا غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۴/۳)

(۱) قلت: متى يجب على القوم أن يقوموا فى الصف؟ قال: إذا كان الإمام معهم فى المسجد فإنى أحب لهم أن يقوموا فى الصف إذا قال المؤذن: "حى على الصلاة"، وإذا قال: "قدقامت الصلاة" كبر الإمام وكبر القوم معه وأما إذا لم يكن الإمام معهم فإننى أكره، لهم أن يقوموا فى الصف والإمام غائب عنه وهذا قول أبى حنيفة ومحمد وأما فى قول أبى يوسف فإنه لايكبر حتى يفرغ المؤذن من الإقامة، قلت: أرأيت إن أخر الإمام ذلك حتى يفرغ المؤذن من الإقامة ثم كبر ودخل فى الصلاة ؟ قال: لابأس بذلك. (الأصل المعروف بالمبسوط للشيبانى، باب افتتاح الصلاة ومايصنع الإمام: ۱/۱۸-۱۹. انیس)

نیز حضرات فقہانے اس کو نہ واجبات میں شمار کیا ہے، نہ سنن مؤکدہ میں بلکہ ہلکا سا مستحب ہے۔

حضرت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور مبارک میں صحابہ کرام پہلے سے صف بستہ کھڑے ہو جاتے تھے حالانکہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حجرۂ مبارکہ میں تشریف فرما ہوتے اس پر آپ نے فرمایا کہ جب تک میں حجرہ سے باہر نہ آجاؤں تم لوگ کھڑے نہ ہوا کرو پھر یہ معمول ہو گیا تھا کہ صحابہ کرام صف بنا کر بیٹھ جاتے اور مؤذن کی نگاہ حجرۂ شریفہ پر رہتی جونہی سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف آوری کے لئے پردہ ہٹاتے مؤذن کھڑا ہو کر تکبیر شروع کر دیتا اور تمام صحابہ کھڑے ہو جاتے جب سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مصلی پر پہونچتے تو سارے صحابہ کو صف بستہ کھڑا ہوا پاتے،(۱) یہ صورت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو مصلی پر تشریف فرما ہوں اور سارے صحابہ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہیں اور مکبر تنہا کھڑا ہو کر تکبیر کہے اور جب وہ ''حی علی الصلاۃ'' پر پہنچے تب سارے صحابہ کھڑے ہوتے ہوں۔(بذل المجهود: ۳۰۷/۱)**فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب**

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔(حبیب الفتاویٰ:۲/۶۵-۶۶)☆

---

(۱) عن أبی قتادةقال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:"إذا أقیمت الصلاة فلاتقوموا حتی ترونی وعلیکم السکینة". (الصحیح للبخاری،لایسعیٰ إلی الصلاة مستعجلاً(ح: ٦٣٨)/الصحیح لمسلم،باب متی یقوم الناس للصلاة (ح:٦٠٤)انیس)

☆ بیٹھ کر اقامت سننا:

سوال: اقامت بیٹھ کر سننا جائز ہے یا ناجائز؟

ھو المصوب

اقامت بیٹھ کر سننا جائز ہے،(قوله قعد)ویکره له الانتظارقائما ولکن یقعد ثم یقوم إذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح،انتهیٰ،هندیة عن المضمرات.(رد المحتار،آخرباب الأذان،قبیل باب شروط الصلاة:۷۱/۲)

إذا دخل الرجل عند الإقامة یکره له الانتظارقائماًولکن یقعد ثم یقوم إذا بلغ المؤذن قوله:حی علی الفلاح، کذا فی المضمرات.(الفتاویٰ الهندیة،الفصل الثانی فی کلمات الأذان والإقامة: ۵۷/۱.انیس)

البتہ بہتر وافضل یہ ہے کہ اقامت کے شروع میں کھڑے ہو جائیں؛ تاکہ صفوں کی درستگی میں خلل اور تاخیر واقع نہ ہو، کیوں کہ اقامت صف کی بہت تاکید آئی ہے۔حدیث میں ہے:

لتسون صفوفکم أولیخالفن اللّٰه بین وجوهکم. (الصحیح لمسلم،کتاب الصلاة،باب تسویة الصفوف،رقم الحدیث: ٤٣٦-عن النعمان بن بشیر/الصحیح للبخاری،باب تسویة الصفوف عندالإقامة وبعدها ح: ٧١٧)/سنن أبی داؤد،باب تسویة الصفوف (ح: ٦٦٣)/سنن الترمذی،باب ماجاء فی إقامة الصفوف (ح: ٢٢٧)/وفی المعجم الکبیر للطبرانی،سالم بن أبی الجعد عن النعمان (ح: ١١١) بلفظ:لتسون صفوفکم فی صلاتکم أولیخالفن بین قلوبکم.انیس)

تحریر:مسعود حسن حسنی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۴۱۱)

ضعف کی وجہ سے اقامت کے وقت بیٹھنا:

سوال: کیا ابن ماجہ شریف میں یہ حدیث ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بسبب ضعف وکمزوری اقامت کے وقت بیٹھتے تھے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

مجھے یہ محفوظ نہیں کہ ضعف کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اقامت کے وقت بیٹھتے تھے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ ۷/۱۱/۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۶۸/۵)

عند الاقامت امام کو آگاہ کرنے کیلئے مؤذن کھنکھارے تو کیسا ہے:

سوال: امام صاحب صف اول میں بیٹھے ہیں، جماعت کھڑی ہونے کے وقت مؤذن صاحب کھنکھارتے ہیں، اس وقت امام صاحب مصلی پر جاتے ہیں، اس کے بعد مؤذن اقامت کہتے ہیں، تو یہ طریقہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ

جب امام صاحب صف اول میں بیٹھے ہوں، تو کھنکھارنا فضول اور لغو ہے، ہاں حجرہ میں ہوں؛ تو جماعت کا وقت ہونے کی اطلاع دہی کے لئے کھنکھارے تو کوئی حرج نہیں۔(۲) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۹۲/۴)

---

(۱) ابن ماجہ میں یہ روایت نہیں ملی۔البتہ یہ ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں اقامت کے وقت بیٹھے ہوئے تھے اور نماز بھی بیٹھ کر پڑھائی تھی، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مجبوری کے وقت بیٹھ کر اقامت سننا جائز ہے۔ بخاری میں ہے:

عن أنس بن مالک أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رکب فرساً فصرع عنه فجحش شقه الأیمن،فصلی صلاۃ من الصلوات وھو قاعد فصلینا وراء ہ قعوداً،فلما انصرف قال:إنماجعل الإمام لیؤتم به فإذا صلی قائماً فصلوا قیاماً،فإذا رکع فارکعوا وإذا رفع فارفعوا وإذا قال سمع اللّٰہ لمن حمدہ ، فقولوا:ربنالک الحمد،وإذا صلی قائماً فصلوا قیاماً وإذا صلی جالساً فصلوا جلوساً أجمعین.

قال أبوعبداللّٰہ : قال الحمیدی:قوله"إذا صلی جالساً فصلوا جلوساً"بھو فی مرضه القدیم،ثم صلی بعدذلک النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم جالساً، والناس خلفه قیاماً لم یأمرھم بالقعود وإنما یؤخذ بالآخر فالآخر من فعل النبی صلی الله علیه وسلم.(الصحیح للبخاری،باب إنماجعل الإمام لیؤتم به (ح:٦٨٩)

وقال أبوحنیفة والشافعی وجمھورالسلف رحمھم اللّٰہ تعالیٰ:لایجوزللقادرعلی القیام أن یصلی خلف القاعدإلا قائماًواحتجوا بأن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی مرض وفاته بعدھذا قاعداًوأبوبکروالناس خلفه قیاماً.(شرح النووی لمسلم، کتاب الصلاۃ،باب ائتمام المأموم بالإمام: ١٣٣/٤ .انیس)

(۲) ثم التثویب فی کل بلدۃ علی مایتعارفونه إما بالتنحنح أو بقوله:"الصلاۃ الصلاۃ" أو" قامت قامت"،أو "نماز بایک نمازبایک"، کما یفعل أھل بخاریٰ،لأنه الإعلام والإعلام إنمایحصل بما یتعارفونه.(بدائع الصنائع،فصل فی بیان سنن الأذان: ١٤٩/١ .انیس)

غیر مقلد کی تکبیر سے نماز میں نقص نہیں ہوتا:

سوال: ایک غیر مقلد نے بلا اجازت مؤذن کے تکبیر جمعہ اس طرح کہی کہ بجائے دو کلموں کے ایک کلمہ اور بجائے چار کے دو کلمے کہے پھر مؤذن نے دوبارہ تکبیر صحیح طور پر پڑھی، اس پر غیر مقلد نے تیسری بار پھر تکبیر پڑھی، اس سے حنفیوں کی نماز میں تو کچھ نقصان نہیں ہوا؟

الجواب

حنفیوں کی نماز میں اس سے کچھ فرق نہیں آیا؛ باقی غیر مقلد نے جو ضدًا تیسری بار تکبیر کہی؛ یہ برا کیا، اس میں وہ گنہ گار ہوا کہ دین کے کاموں میں ضد اور نفسانیت سے کام لیتا ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/ ۱۲۱-۱۲۲)

اگر امام بغیر تکبیر، بوجہ ضعف سماع، جماعت شروع کردے تو کیا حکم ہے:

سوال: امام مسجد نے مصلی پر کھڑے ہوکر مقتدیوں کو تکبیر کے لئے اذن دیا تکبیر میں کسی وجہ سے تاخیر ہوگئی امام نے بقدر تکبیر تاخیر کرکے بوجہ اپنے ضعف سماع کے نہ سنا اور نیت باندھ لی تو نماز یا ثواب جماعت میں کچھ حرج واقع ہوگا یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں نماز ہوگئی اور ثواب جماعت بھی مل گیا اور اقامت جو کہ سنت ہے متروک ہوگئی۔(۲) لیکن چونکہ بوجہ عدم سماع امام کے ایسا ہوا اس لئے کچھ گناہ نہیں ہوا۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/ ۹۲)

اقامت کتنی بلند آواز سے ہونی چاہیے:

سوال: کسی شخص کا امام کے پیچھے کھڑے ہوکر اس قدر دھیمی آواز سے اقامت کی تکبیر کہنا کہ خود اس کے ساتھ فقط امام اور دائیں بائیں کے دو ہی آدمیوں کو سنائی دے، دوسروں تک آواز نہ پہنچے، کیسا ہے؟ اقامت کی تکبیر کا مقصد کیا سب مقتدیوں اور مسجد میں موجود دوسرے لوگوں تک آواز پہنچانا نہیں؟

---

(۱) (ولا يترك رفع اليدين) عند التكبير لأنه سنة مؤكدة (ولو اعتاد) تركه (يأثم) لا لنفس الترك بل لأنه استخفاف وعدم مبالاة بسنة واظب عليها النبي صلى الله عليه وسلم مدة عمره أما لو تركه بعض الأحيان من غير اعتياد فلا يأثم وهذا مطرد في جميع السنن المؤكدة. (الكبيري شرح منية المصلي، فصل في صفة الصلاة: ۳۰۰. انيس)

(۲) ويكره أداء المكتوبة بالجماعة في المسجد بغير أذان وإقامة، كذا في فتاوىٰ قاضي خان. (الفتاوىٰ الهندية، ط: مصر، الباب الثاني في الأذان: ۱/ ۵۰) (فتاوىٰ قاضي خان، مسائل الأذان: ۱/ ۹۷، ط: اشپاٹک لیتھو گرافس كلكته. انيس) ==

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

اقامت اتنی بلند آواز سے ہونی چاہیے کہ نمازیوں کو سنائی دے، اگر برابر والا ایک ایک آدمی سنے، تو یہ اقامت صحیح نہیں۔(۱)(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳۱۳/۳)

اقامت میں عجلت:

سوال: اقامت جلدی جلدی کہنا چاہئے یا ٹھہر ٹھہر کر، یا ان دونوں کے درمیان؟

الجواب ـــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

”ویترسل فیه،ویحدر فیها “.(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اذان سے اقامت جلدی جلدی کہی جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ: ۴۶۲/۵)

اقامت (تکبیر) شروع کرنے کیلئے امام کا مصلیٰ پر ہونا ضروری نہیں:

سوال: جب جماعت کا وقت ہو جاوے، تو تکبیر کب شروع ہونی چاہیے، یعنی امام صاحب کے مصلیٰ پر آنے سے قبل شروع کرنا یا امام صاحب کا مصلیٰ پر ہونا ضروری ہے یا سب کو” قد قامت الصلوٰة“ پر کھڑا ہونا چاہیے؟

==　”(والإقامة كالأذان)فيما مر.(الدرالمختار)...وأراد بما مرأحكام الأذان العشرة المذكورة فى المتن وهى أنه سنة للفرائض إلخ.(ردالمحتار،باب الأذان، مطلب فى أول من بنى المنائرللأذان: ۳٦٠/۱،ظفير)

(۱)　ومن السنّة أن يأتى بالأذان والإقامة جهرًا رافعاً بهما صوته إلَّا أن الإقامة أخفض منه.(الفتاوىٰ الهندية: ٥٥/۱)

(۲)　عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال لبلال رضى الله تعالىٰ عنه:”يا بلال!إذا أذنت فترسل فى أذانك،وإذا أقمت فاحدر،واجعل بين أذانك وإقامتك قدرما يفرغ الآكل من أكله،والشارب من شربه،والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته،ولا تقوموا حتىٰ ترونى“.(سنن الترمذى،أبواب الصلاة،باب ما جاء فى الترسل فى الأذان: ٤٨/۱،سعيد)

”ومنها:أن يترسل فى الأذان،ويحدرفى الإقامة؛لقول النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لبلال رضى الله تعالىٰ عنه:”إذا أذنت فترسل،وإذا أقمت فاحدر“.(بدائع الصنائع،كتاب الصلاة،فصل فى بيان سنن الأذان: ٤٤٢/۱،دار الكتب العلمية، بيروت)

”(قوله:ويترسل فيه ويحدرفيها):أى يتمهل فى الأذان،ويسرع فى الإقامة “.(البحرالرائق،كتاب الصلاة،باب الأذان: ٤٤٧/۱،رشيدية)

”ويحدربضم الدال:أى يسرع فيها،فلوترسل لم يعدها فى الأصح“.(الدرالمختارعلى صدر ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب الأذان: ۳۸۹/۱، سعيد)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے بھی تکبیر پڑھ دیا کرتے تھے،(۱)اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جب نماز کی تکبیر کہی جاوے، تو اس وقت کھڑے نہ ہو، جب تک مجھے نہ دیکھ لو۔(۲) تیسری حدیث میں (ہے کہ) ایک مرتبہ نماز کی تکبیر کہی گئی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرش مسجد کے ایک طرف ایک شخص سے باتیں کررہے تھے، آپ نماز کو نہ کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ لوگ سو گئے۔(۳) یہ تینوں حدیث کونسی کتاب سے منسوخ ہیں۔حوالہ دیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جب جماعت کا وقت ہو جاوے اور امام موجود ہو، خواہ مصلیٰ پر ہو یا مصلیٰ سے الگ کسی اور جگہ پر ہو، حتی کہ مسجد سے متصل اپنی کوٹھری میں اور نماز کے لیے تیار ہو، تو تکبیر شروع کر دینا جائز ہے۔تکبیر شروع کرنے کے لیے امام کا مصلیٰ پر ہونا ضروری نہیں، بلکہ اس کو ضروری سمجھنا بدعت ہے۔اسی طرح مقتدیوں کو" **قد قامت الصلاۃ**"ہی پر کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے کہ اس کے پہلے کھڑا ہونا جائز ہی نہ ہو، یہ بھی صحیح نہیں ہے اور ایسا سمجھنا ناجائز اور بدعت ہے۔(۴)

حاصل یہ ہے کہ امام جب موجود ہو اور مکبر تکبیر شروع کر دے، تو لوگ صفیں درست کرنا شروع کر دیں، یہاں تک کہ "**قد قامت الصلاۃ**" تک سب کھڑے ہی ہو چکے ہوں اور صفیں سیدھی کرنے میں سہولت ہو۔(۵)

---

(۱) عن أبی هريرة أن الصلاة كانت تقام لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبی صلى اللّٰه عليه وسلم مقامه.(الصحيح لمسلم،باب متى يقوم الناس للصلاة (ح:٦٠٥)/مستخرج أبی عوانة، بيان النهی عن القيام إذا أقيمت الصلاة (ح:١٣٤٥)انيس)

(۲) عن أبی قتادة قال:قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:إذا أقيمت الصلاة فلاتقوموا حتى ترونی وعليكم السكينة.(الصحيح للبخاری،باب لايسعى إلى الصلاة مستعجلاً (ح:٦٣٨)انيس)

(۳) عن أنس رضی اللّٰه عنه قال:أقيمت الصلاة ورجل يناجی رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فمازال يناجيه حتى نام أصحابه ثم قام فصلى.(الصحيح للبخاری،باب طول النجوىٰ (ح:٦٢٩٢)/الصحيح لمسلم،باب الدليل على أن نوم الجالس لاينقض (ح:٣٧٦)انيس)

(۴) والجملة فيه أن المؤذن إذا قال:حی على الفلاح،فإن كان الإمام معهم فی المسجد يستحب للقوم أن يقوموا فی الصف وعندزفروالحسن بن زياديقومون عندقوله:قدقامت الصلاة.(بدائع الصنائع،فصل فی سنن حكم التكبيرأيام التشريق:١/٢٠٠)

من أصر على أمر مندوب وجعله عزماًولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف بمن أصرعلى بدعة أو منكر.(شرح المشكوٰة للطيبی الكاشف عن حقائق السنن،باب الدعاء فی التشهد:١٠٥١/٣.انيس)

(۵) قوله(والقيام حين قيل حی على الفلاح)لأنه أمر به فيستحب المسارعة إليه،أطلقه فشمل الإمام والمأموم إن كان الإمام بقرب المحراب وإلا فيقوم كل صف ينتهی إليه الإمام وهو الأظهر، ==

اس تقریر پران مذکورہ روایات پر کوئی تعارض نہیں رہتا ہے اور نہ کسی کو ناسخ اور کسی کو منسوخ ماننے کی ضرورت ہے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ٢٦/١/١٣٨٦ھ۔ الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔
الجواب صحیح: سید احمد علی سعید۔ الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ١٠٦-١٠٧)

کیا مؤذّن اپنے لیے جگہ مخصوص کرسکتا ہے:

سوال: امام صاحب کے لیے تو جانماز مسجد کے محراب میں بچھانا ضروری ہے، آیا اقامت پڑھنے والے کے لیے جانماز بچھانا ضروری ہے یا نہیں؟ یہ صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ یا تبع تابعینؒ سے ثابت ہے؟

الجواب

جانماز بچھانا ضروری نہیں، بلکہ مسئلے کی رو سے اقامت پڑھنے والے کی جانماز پر کوئی بیٹھ جائے، تو اس کو اٹھانے اور وہاں سے ہٹانے کا کوئی حق نہیں۔(١) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ٣١٢/٣-٣١٣)

☆☆☆

== وإن دخل من قدام وقفوا حين يقع بصرهم عليه،وهذا كله إذا كان المؤذن غير الإمام فإن كان واحدًا أو أقام في المسجد فالقوم لايقومون حتى يفرغ من إقامته، كذا في الظهيرية. (البحر الرائق، سنن الصلاة: ٣٢١/١. انيس)

(١) يكره للإنسان أن يخص لنفسه مكاناً في المسجد يصلي فيه. (الفتاوىٰ الهندية: ١٠٨/١، كتاب الصلاة)

اقامت کس وقت شروع کی جائے!

تکبیر کب شروع کی جائے:

سوال: بروقت جماعت قبل کھڑے ہونے امام کے مصلے پر تکبیر شروع کی جاوے یا بوقت عدم موجودگی پر؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ میں سے تکبیر سن کر تشریف لاتے تھے اور یہی معمول تھا یا کبھی کبھی ایسا ہوا ہے؟

الجواب

یہ ضروری نہیں ہے کہ جب امام مصلے پر کھڑا ہو تب تکبیر شروع کی جائے بلکہ امام جبکہ مسجد میں موجود ہے تکبیر کہنا درست ہے امام تکبیر سن کر خود مصلے پر آجائے گا، جیسا کہ درمختار کی اس عبارت سے ظاہر ہے:

"(والقیام)لإمام ومؤتم (حین قیل"حی علی الفلاح")... إن کا ن الإمام بقرب المحراب وإلا فیقوم کل صف ینتهی إلیه الإمام علی الأظهر. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۱۲) ☆

(۱) الدرالمختارعلٰی هامش ردالمحتار،باب صفة الصلاة،آداب الصلاة:۱/٤٤٧،ظفیر

(والقیام)أی قیام المصلی لوأماماً (حین قیل:حی علی الفلاح)مسارعة لامتثال الأمر هذا إذا کان بقرب المحراب فإن لم یکن وقف کل صف انتهیٰ إلیه الإمام علی الأصح کذا فی الخلاصة.وفی الشرح هو الأظهر ولو دخل إمامهم قاموا حین یقع بصرهم علیه،هذا إذا کان الإمام غیرالمؤذن فإن اتحد وأقام فی المسجد أجمعوا علی أن القوم لا یقومون مالم یفرغ من الإقامة وإن خارجه قام کل صف ینتهی إلیه.(النهرالفائق.باب صفة الصلاة: ۱/۲۰۳.انیس)

☆ اقامت کب کہنا چاہئے:

سوال: امام کے مصلیٰ پر پہنچنے کے بعد اقامت کہنا چاہئے یا امامت کیلئے چلنے پر ہی اقامت کہنا کیسا ہے؟

هو المصوب

دونوں صورتیں جائز ہیں، یعنی امام جب مصلیٰ پر آجائے، اس وقت بھی اقامت کہنا درست ہے اور امام جب مصلیٰ کی طرف آرہا ہو اس وقت بھی اقامت کہنا درست ہے۔(کان مؤذن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یمهل فلا یقیم حتی إذا رأی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قد خرج أقام الصلاة حین رآہ.(سنن الترمذی،أبواب الصلاة، باب أن الإمام أحق بالإقامة،رقم الحدیث:۲۰۲))

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳۹۷)

مقتدی وامام کب کھڑے ہوں:

سوال: تکبیر کے وقت مقتدیوں کو اور امام کو کس وقت کھڑا ہونا چاہئے۔ ایک مولوی صاحب نے ''حی علی الفلاح'' کے وقت مقتدیوں کے کھڑے ہونے کو مستحب فرمایا ہے۔

الجواب

نماز کے آداب میں سے فقہا نے یہ لکھا ہے کہ ''حی علی الفلاح'' کے وقت سب کھڑے ہوجاویں؛ لیکن ظاہر ہے کہ اگر پہلے سے مقتدی کھڑے ہوجاویں تو کچھ محل اعتراض نہیں ہے؛ کیونکہ ترک استحباب اور ترک ادب پر کچھ طعن نہیں ہوسکتا، البتہ بہتر یہی ہے جیسا کہ فقہا نے لکھا ہے اور درمختار میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر امام آگے کی طرف سے یعنی سامنے سے آوے تو جس وقت امام پر نظر پڑے مقتدی کھڑے ہوجاویں۔ بہرحال اس میں ہرطرح وسعت ہے، مگر اتباع تصریحات فقہا کا اولیٰ وافضل ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۱۲-۱۱۳)

امام ومقتدی نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں:

سوال: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ''جب اقامت شروع ہوتی تھی تو ہم لوگ کھڑے ہوجاتے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حجرے سے نکلنے سے پہلے صفوں کی درستگی کر لیتے تھے''۔ یہ حدیث مسلم شریف میں ص: ۲۲۰، پر ہے۔ (۲)

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ''حی علی الفلاح'' کے وقت کھڑے ہونے پر صفوں کی درستگی نہیں ہوسکے گی جس کی احادیث میں تاکید آئی ہے، مذکورہ بالا حدیث کی بنا پر ابتدائے اقامت ہی پر کھڑا ہوجانا ثابت نہیں ہے، اسی طرح صف بندی کی خاطر خلافِ سنت فعل مکروہ نہ کرنا چاہئے۔

---

(۱) (والقيام) لإمام ومؤتم (حين قيل ''حيّ على الفلاح'') خلافاً لزفر، فعنده عند ''حيّ على الصلاة''. ابن كمال. (إن كان الإمام بقرب المحراب وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام على الأظهر) وإن دخل من قدام قاموا حين يقع بصرهم عليه إلا إذا أقام الإمام بنفسه في مسجد فلايقفوا حتى يتم إقامته (ظهيرية) وإن خارجه قام كل صف ينتهي إليه. بحر. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، آخرباب صفة الصلاة، آداب الصلاة: ١/٤٤٧، ظفير)

(۲) عن ابن شهاب أخبرني أبوسلمة بن عبد الرحمٰن بن عوف رضي الله تعالىٰ عنه سمع أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه يقول: ''أقيمت الصلاة، فقمنا، فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فأتىٰ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حتىٰ إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر ذكر فانصرف، وقال لنا: مكانكم'' الخ. (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب متىٰ يقوم الناس للصلاة: ١/٢٠٠، قديمي)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اور اسی طرح بعض اور روایتیں ایسی ہیں جن میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ:

ہم ''سرکار کے مسجد میں تشریف لانے سے پہلے ہی کھڑے ہوجاتے اور صفوں میں اپنی جگہ لے لیتے، نیز صفوں کی درستگی کر لیتے''۔(۱)

لیکن اس سے ابتدائے اقامت سے کھڑے ہونے کا استدلال کس طرح کیا جاسکتا ہے جب کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسی طرزِ عمل پر نکیر فرمائی:

''إذا أقیمت الصلاۃ فلا تقوموا حتٰی ترونی قد خرجتُ''. (بخاری ومسلم وترمذی ومشکوٰۃ)(۲)

یعنی ''اے صحابہ! جب اقامت کہی جائے نماز کے لئے تو تم لوگ اس وقت تک نہ کھڑے ہوا کرو جب تک مجھے نہ دیکھ لو (حجرہ اقدس سے) نکل گیا ہوں'' لہٰذا صحابہ کے اس عمل کے لئے: **''لا تقوموا حتٰی ترونی''** والی حدیث ناسخ ہوگی اور صحابہ کا عمل ابتدائے اقامت سے کھڑا ہونا اس حدیث سے منسوخ ہوگا۔

دینی مدارس کا مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ عمل حدیثِ ناسخ پر ہوتا ہے منسوخ پر نہیں۔ فتح الباری شرح البخاری، جلد دوم، ص:۱۰۰، پر ہے:

''حدیث أبی ہریرۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ کان بسبب النہی عن ذلک فی حدیث أبی قتادۃ''.(۳)

علامہ نووی شرح مسلم میں ص:۲۲۱، میں فرماتے ہیں:

''ولعل قولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم: ''فلا تقوموا حتٰی ترونی'' کان بعد ذلک.(۴)

یعنی سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ ''تم لوگ کھڑے نہ ہوا کرو، یہاں تک کہ مجھے دیکھ لو''،

---

(۱)　''عن ابن جریج عن ابن شہاب: ''أن الناس کانوا ساعۃ یقول المؤذن: ''اَللّٰہ أکبر'' یقومون للصلاۃ، فلا یأتی النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم مقامہ حتٰی تعتدل الصفوف''.)

''وفی الصحیح لمسلم وسنن أبی داؤد ومستخرج أبی عوانۃ: ''أنہم کانوا یعدلون الصفوف قبل خروجہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم''.(نیل الأوطار، أبواب الأذان، المحافظۃ علی الأذان عند دخول وقت الظہر: ۳۱/۲، دار الباز، عباس الباز، مکۃ المکرمۃ)

(۲)　الصحیح لمسلم، کتاب المساجد، باب متٰی یقوم الناس للصلاۃ: ۲۲۰/۱، قدیمی/صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب متی یقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامۃ: ۸۸/۱، قدیمی/سنن الترمذی، أبواب الصلاۃ، باب ماجاء أن الإمام أحق بالإقامۃ: ۵۰/۱، سعید/مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب فیہ فصلان: ۶۷/۱، قدیمی)

(۳)　فتح الباری، کتاب الأذان، باب متٰی یقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامۃ: ۱۵۳/۲، قدیمی

(۴)　النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب المساجد، باب متٰی یقوم الناس للصلاۃ: ۲۲۱/۱، قدیمی

صحابہ کے اس عمل کے بعد ہے، چنانچہ یہی علامہ نووی صحابی رسول حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل شرح مسلم: ۱/۲۲۱، میں نقل فرماتے ہیں:

"وكان أنس رضى الله تعالىٰ عنه يقوم إذا قال المؤذن: "قد قامت الصلاة". (۱)

یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادتِ کریمہ یہ تھی کہ جب مکبر "قد قامت الصلاة" کہتا، اس وقت قیام فرماتے۔

پھر یہی علامہ نووی شارح مسلم اقامت کے متعلق روایاتِ مختلفہ کی توضیح وتشریح کے بعد ائمہ کرام کے اقوال نقل کرتے ہوئے امام المشارق والمغارب امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک بیان فرماتے ہیں:

"قال أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ والكوفيون: يقومون فى الصف إذا قال: "حى على الصلاة". (شرح مسلم: ۱/۲۲۱)(۲)

نیز فتح البارى شرح البخارى: ۲/۱۰۰، میں ہے:

"وعن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ: "يقومون إذا قال: "حى على الفلاح". (۳)

یعنی امام اعظم ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ لوگ "حى على الفلاح" پر کھڑے ہوں۔

شلبی حاشیہ زیلعی کے ص: ۱۰۸، میں ہے:

"قال فى الوجيز: والسنة أن يقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن: "حى على الفلاح". (۴)

یعنی وجیز میں فرمایا کہ جب مکبر "حى على الفلاح" کہے اس وقت امام ومقتدی کا کھڑا ہونا سنت ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب شرح وقایہ: ۱/۱۵۵، پر ہے (یہ کتاب ہر مدرسہ میں پڑھائی جاتی ہے یعنی بریلوی مسلک کے مدرسہ میں بھی اور دیوبندی مسلک کے مدرسہ میں بھی):

"ويقوم الإمام والقوم عند "حى على الصلاة". (۵)

كذا فى نور الإيضاح، ص: ۲۴. (۶)

(۱-۲) النووى على الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب متىٰ يقوم الناس للصلاة: ۱/۲۲۱، قديمى

(۳) فتح البارى، كتاب الأذان، باب متىٰ يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة: ۲/۱۵۳، قديمى

(۴) حاشية الشلبى علىٰ تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۲۸۳، دار الكتب العلمية، بيروت

(۵) شرح الوقاية، كتاب الصلاة، بيان حكم ترك الأذان و الإقامة: ۱/۱۳۶، سعيد

(۶) "والقيام حين قيل: "حى على الفلاح". (نور الإيضاح متن مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، فصل من آدابها، ص: ۲۷۷، قديمى)

درمختار، ص:۲۹۳، پر ہے:

"والمؤذن يقيم قعد". (۱)

ردالمحتار کے اسی صفحہ پر ہے:

"(قوله:قعد)ويكره له الانتظارقائماً ولكن يقعد،ثم يقوم إذا بلغ المؤذن"حي على الفلاح"،انتهىٰ،هندية. (۲)

فتاویٰ عالمگیری:۱/۲۹ پر ہے:

"إذا دخل الرجل عند الإقامة،يكره له الانتظارقائمًا،ولكن يقعد،ثم يقوم إذا بلغ المؤذن قوله:"حي على الفلاح". (۳)

درمختار، ص:۳۵۲،۳۵۳ پر ہے:

"(والقيام) لإمام ومؤتم (حين قيل"حي على الفلاح"). (۴)

طحطاوی مطبوعہ قسطنطنیہ، ص:۱۵۱، پر ہے:

"وإذا أخذ المؤذن في الإقامة،ودخل رجل في المسجد،فإنه يقعد ولاينتظر قائمًا،فإنه مكروه،كذا في المضمرات،قهستاني،ويفهم منه كراهة القيام ابتداءً والناس عنه غافلون". (۵)

یعنی جب مکبر تکبیر کہنے لگے اور کوئی شخص مسجد میں آئے، تو اس کو چاہئے کہ وہ بیٹھ جائے اور کھڑے ہوکر انتظار نہ کرے؛ اس لئے کہ تکبیر کے وقت کھڑا ہونا مکروہ ہے ایسا ہی مضمرات میں ہے (قہستانی) اور اس حکم سے سمجھا جاتا ہے کہ ابتدائے اقامت سے کھڑا ہونا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ہے:

"قال أبوحنيفة ومحمد:يقومون في الصف إذا قال"حي على الصلاة". (٦)

(۱-۲) والعبارة بتمامها: "دخل المسجد والمؤذن يقيم ، قعد إلىٰ قيام الإمام في مصلاه". (الدرالمختارعلى صدر ردالمحتار،كتاب الصلاة،آخرباب الأذان: ١/ ٤٠٠،سعيد)

(۳) الفتاوىٰ الهندية ،كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان ، الفصل الثاني في بيان كلمات الأذان و الإقامة : ٥٧/١،رشيدية.

(۴) الدرالمختارعلى صدر ردالمحتار،كتاب الصلاة،آخرباب صفة الصلاة: ٤٧٩/١،سعيد

(۵) حاشية الطحطاوى علىٰ مراقي الفلاح،كتاب الصلاة،فصل من آدابها: ٢٧٨،قديمي

(٦) عمدة القاري شرح صحيح البخاري،كتاب الأذان،باب متىٰ يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة : ١٥٤/٥، إدارة الطباعة المنيرية، الناشرمحمد أمين دمشق، بيروت

یعنی امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ صف میں لوگ اس وقت کھڑے ہوں جب مکبر ''حی علی الصلاۃ'' کہے۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے صاف ظاہر ہو گیا کہ امام اعظمؒ کا فرمان واجب الاذعان مدلل بحدیث نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، تو یہ حکم امام اعظم و دیگر فقہائے کرام کے نزدیک سنت ٹھہرا، لہٰذا اس کے خلاف عمل کرنا یعنی ابتدائے اقامت سے کھڑا ہونا خلاف سنت اور مکروہ ہے، جو لوگ صفوں کی درستگی کا بہانہ بنا کر شروعِ اقامت سے کھڑے ہونے کو کہتے ہیں وہ اپنی کم علمی اور مسائلِ شرعیہ سے عدمِ واقفیت کا ثبوت دیتے ہیں۔ کیا علماء متقدمین ومتأخرین یہاں تک کہ ائمہ ثلاثہ (حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام ابو یوسف اور محرر مذہب حضرت امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم) جو امام ومقتدی کو ''حی علی الفلاح'' پر کھڑے ہونے کا حکم دیتے ہیں ان لوگوں کے سامنے صفوں کی درستگی کا مسئلہ نہیں تھا اور یقیناً تھا، جتنا ان لوگوں نے احادیثِ کریمہ کے مفہوم کو سمجھا ہے مخالفین سمجھنے سے قاصر ہیں، خود امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ!''إذا صح الحدیث فھو مذھبی''.(۱)

حدیث شریف سے بعد اقامت بھی صفوں کی درستگی کا اہتمام ثابت ہے، حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیرِ تحریمہ کہتے، آپ نے ایک شخص کو دیکھا؛ جس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا، تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''بندو! اپنی صفوں کو برابر کرو''۔ حدیث پاک کے الفاظ یہ ہیں:

''خرج یومًا فقام حتٰی کاد أن یکبر، فرأی رجلاً بادیاً صدرہ من الصف فقال: عباد اللّٰہ! أقیموا صفوفکم''.(۲)

یقیناً صفوں کی درستگی کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے، لیکن تاکید کے معنی ہرگز نہیں کہ صفوں کی درستگی اس کے مقررہ وقت سے پہلے کی جائے، کیا نمازوں کی تاکید قرآن وحدیث میں نہیں آئی ہے؟ اور یقیناً آئی ہے، تو کیا اس کو وقت سے پہلے ادا کریں گے، بلکہ ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا کریں گے۔

نماز باجماعت کے لئے کھڑے ہونے کا وقت قولِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، عملِ صحابہ اور مذہب حنفیہ سے

(۱) شرح عقود رسم المفتی، ٦٧، میر محمد کتب خانہ، کراچی

(۲) عن سماک بن حرب قال: سمعتُ النعمان بن بشیر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ یقول: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم یسوی صفوفنا حتی کأنما یسوی بھا القداح حتٰی رأی أنا قد عقلنا عنہ، ثم خرج یوماً، فقام حتٰی کاد یکبر فرأی رجلاً بادیاً صدرہ من الصف فقال: عباد اللّٰہ! لتسون صفوفکم أو لیخالفن اللّٰہ بین وجوھکم''. (الصحیح لمسلم، کتاب الصلاۃ، باب تسویة الصفوف وإقامتھا: ۱/۱۸۲، قدیمی)

ثابت ہے، اسی وقت پر کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کریں، جیسا کہ محررِ مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اپنی کتاب موطأ امام محمد میں فرماتے ہیں:

"ینبغی للقوم إذا قال المؤذن: "حی علی الفلاح" أن یقیموا إلی الصلاۃ، فیصفوا ویسووا الصفوف". (۱)

یعنی مقتدیوں کو چاہئے کہ جب موذن "حی علی الفلاح" کہے تب نماز کے لئے کھڑے ہوں، پھر صف بندی کریں اور صفوں کو سیدھی کریں۔ خود مخالفین کے علما نے بھی یہی فتوی دیا ہے کہ جب مکبر "حی علی الفلاح" کہے تب امام ومقتدی کو کھڑا ہونا چاہئے۔

چنانچہ نواب قطب الدین خان مشکوٰہ شریف کا اردو ترجمہ "مظاہر حق" جدید مطبوعہ ادارہ اسلامیات دیو بند قسط ہشتم، ص:۳۴، پر لکھتے ہیں:

"فقہا نے لکھا ہے کہ تکبیر کہنے والا جب "حی علی الصلاۃ" کہے، تو مقتدیوں کو اس وقت کھڑا ہونا چاہئے"۔ (۲)

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی مالا بدمنہ، ص:۲۴، میں فرماتے ہیں:

"نزد "حی علی الصلاۃ" امام برخیزد"۔ (۳)

یعنی "حی علی الصلاۃ" کے وقت امام اٹھے۔

اس عبارت کی شرح میں مفتی سعد اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"امام برخیزد ومقتدیان نیز، زیرا کہ "حی علی الصلاۃ" امراست بجا آوردہ شود"۔

امام اٹھے اور مقتدی بھی، اس لئے کہ "حی علی الصلاۃ" میں حکم ہے جس کی بجا آوری کی جائے۔

"صراط مستقیم"، مصدقہ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیو بند ومولوی عبد الماجد صاحب دریابادی مطبوعہ مینار بکڈپو، چارکمان حیدرآباد، ص:۱۸۲ میں ہے:

"ائمہ احناف نے کہا ہے کہ امام ومقتدی سب "حی علی الصلاۃ" کے وقت کھڑے ہو جائیں"۔

فتاویٰ عالمگیری اردو جدید جز:۲ میں ہے (جس کے مترجم ومحشی مفتی کفیل الرحمٰن صاحب نشاط عثمانی فاضل دیو بند ہیں):

"نمازی امام سمیت مسجد میں ہے اس صورت میں جب موذن اقامت کہتے ہوئے "حي علی الفلاح" پر پہونچے تو ہمارے تینوں ائمہ کرام: امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک امام اور نمازیوں کو کھڑا ہونا چاہئے درست یہی ہے"۔ (فتاویٰ عالمگیری اردو جدید، ص:۲۴، جزونمبر:۲، ناشر: وسیم بکڈپو، دیو بند، ضلع سہارنپور)

---

(۱) الموطأ للإمام محمد، باب تسویۃ الصفوف: ۸٦-۸۷، میر محمد کتب خانہ، کراچی

(۲) مظاہر حق، کتاب نماز کی، باب بعض احکام اذان: ۱/۲۴۴، ادارہ اسلامیات، لاہور

(۳) مالا بدمنہ، فصل طریقِ خواندن نماز یں بروجہ سنت، ص:۳۴، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان

مذکورہ بالا حدیث اور فقہ حنفی کی کتابوں سے اچھی طرح یہ مسئلہ واضح ہوگیا کہ امام اور مقتدی کا ''**حی علی الفلاح**'' پر کھڑا ہونا سنت ہے، جولوگ اس کے خلاف کرتے ہیں یا دوسروں کو کرنے کے لئے کہتے ہیں وہ اس سنت کو مٹانا چاہتے ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اس سنت پر عمل کرتے ہوئے ''**حی علی الفلاح**'' پر کھڑے ہوں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''**من تمسک بسنتی عند فساد أمتی فله أجر مائة شهيد**''.(۱)

''جس شخص نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھاما''، یعنی اس پر عمل کیا، تو اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

هذا هو الحق والحق بالاتباع أحق.

حدیث نعمان بن بشیر اور امام محمد کے بیان سے واضح ہوگیا کہ صفوں کی درستگی ''**حی علی الفلاح**'' پر کھڑے ہونے کے بعد کرنا چاہئے، صف بندی کا بہانہ کرکے شروعِ اقامت پر کھڑا ہونا خلاف سنت اور مکروہ و جہالت ہے۔

سید مظہر غفرلہ مہتمم اعلیٰ دارالعلوم ربانیہ باندہ۔ سید غازی ربانی غفرلہ ناظم اعلیٰ دارالعلوم ربانیہ باندہ۔

میں اس فتویٰ کی تصدیق کرتا ہوں۔ سید محمد احسن ربانی غفرلہ امیر شعبۂ تبلیغ

فقیر بھی اس فتویٰ کی تصدیق کرتا ہے۔ سعید محمود القادری غفرلہ (نائب صدر دارالعلوم ربانیہ)

هذا هو الحق والصواب مولانا قاری سرتاج مسعودی غفرلہ (فاضل دارالعلوم ربانیہ)

إذ قول رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعمل الصحابة ومذهب علماء الحنفية شاهد على ما قاله المرتب فهو الصواب ومن يوفق عليه فهو يصاب.

حدیث پاک: ''**أحب الأعمال أدومها**'' (۲) کے تحت مسلسل ''**حی علی الفلاح**'' پر نماز باجماعت کے لئے سنت اور مستحب جانتے ہوئے کھڑا ہونا عنداللہ محبوب ہے۔ اس کو مکروہ تحریمی یعنی حرام کے قریب کہتے ہیں شریعت پر افتراء کررہے ہیں۔

محمد حبیب الدین قادری قادری غفرلہ دارالعلوم ربانیہ (مفتی دارالافتاء شیخ الحدیث دارالعلوم)

---

(۱) مشكوٰة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۳۰/۱، قديمی

(۲) عن عائشة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يحجر حصيرًا بالليل فيصلي عليه، ويبسطه بالنهار فيجلس عليه فجعل الناس يثوبون إلى النبي صلى الله عليه وسلم فيصلون بصلاته حتى كثروا فأقبل فقال: خذوا من الأعمال ماتطيقون فإن الله لا يمل حتى تملوا وإن أحب الأعمال إلى الله مادام وإن قل. (الصحيح للبخاری، باب الجلوس على الحصير ونحوه (ح: ۵۸٦۱)/الصحيح لمسلم، باب فضيلة العمل الدائم من قيام الليل، قبل كتاب فضائل القرآن (ح: ۷۸۲)/مسند البزار، مسند عائشة أم المؤمنين (ح: ۲۹٦) انيس)

قول المرتب صحیح: مولانا قاری سید منظر ربانی مدرس دارالعلوم ربانیہ (مفتی دارالافتاو شیخ الحدیث دارالعلوم)
هذا القول صحیح: مولانا قاری سید خوشتر ربانی مدرس دارالعلوم ربانیہ۔
شائع کردہ: ناظم نشر واشاعت دارالعلوم ربانیہ علی گنج، باندہ، یوپی۔

نوٹ از ناقل:

ایک اشتہار ہے، جسے کسی نے استفتا کے طور پر بھیجا ہے، وہ مطبوعہ اشتہار رجسٹر نقول ''فتاویٰ دارالعلوم ربانیہ باندہ'' میں لگا ہوا ہے، اس سے بعینہ یہ نقل ہے، بغیر کسی ایک لفظ کے ترک کے، الا یہ کہ سہواً ترک ہوگیا ہو، یہ تو کسی کو بھی دعویٰ کا حق نہیں کہ سہواً بھی کچھ نہیں ہوا۔

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

یہ مسئلہ نہ فرائض میں سے ہے، نہ واجبات میں سے، نہ سنن مؤکدہ میں سے، بلکہ مستحبات میں سے ہے۔(۱) اور کسی مستحب چیز پر ایسا اصرار کرنا جیسا کہ واجب پر کیا جاتا ہے درست نہیں، بلکہ اس سے اس کا استحباب ختم ہوکر اس میں کراہیت آجاتی ہے:

''الإصرار علی المندوب یبلغه إلی حد الکراهة''. (سباحة الفکر)(۲)

اور مسئلہ میں بھی تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر امام پہلے ہی سے مصلی کے قریب موجود ہو، مثلاً عصر کی نماز پڑھی اور وہیں مصلی پر بیٹھے ہوئے وعظ کہنا یا کتاب سنانا شروع کیا، یہاں تک کہ مغرب کا وقت آگیا، اذان ہوئی اور اقامت ہوئی ایسی حالت میں کہ جب امام اور مقتدی اپنی اپنی جگہ پر موجود ہیں، تو جس وقت اقامت کہنے والا ''**حی علی الصلاة**'' یا ''**حی علی الفلاح**'' پر پہونچے تو امام اور مقتدی سب کے سب کھڑے ہوجائیں تا کہ ''**حی علی الصلاة**'' کے خطاب پر عمل ہوجائے۔ اگر امام سامنے سے آئے مثلاً جدارِ قبلہ میں اس کا کمرہ ہے یا آنے کا دروازہ ہے

---

(۱) قال العلامة العینی فی العمدة: وقد اختلف السلف متی یقوم الناس إلی الصلاة، فذهب مالک وجمهور العلماء إلی أنه لیس لقیامهم حدٌ، ولکن استحب عامتهم القیام إذا أخذ المؤذن فی الإقامة''. (إعلاء السنن، أبواب الإمامة، باب وقت قیام الإمام والمأمومین للصلاة: ۳۲۷/۴، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) سباحۃ الفکر میں نہیں ملا، البتہ انہی الفاظ کے ساتھ سعایہ میں ہے، دیکھئے! (السعایة فی کشف ما فی شرح الوقایة، کتاب الصلاة، قبیل فصل فی القراءة: ۲۶۵/۲، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(فکم من مباح یصیر بالالتزام من غیر لزوم، والتخصیص من غیر مخصص مکروهاً''. (سباحة الفکر فی الجهر بالذکر: ۳۴، مجموعة رسائل اللکنوی: ۴۹۰/۳؛ إدارة القرآن، کراچی)

من أصر علی أمر مندوب وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال فکیف بمن أصر علی بدعة أو منکر. (شرح المشکوٰة للطیبی الکاشف عن حقائق السنن، باب الدعاء فی التشهد: ۱۰۵۱/۳. انیس)

تو جیسے ہی اس پر نظر پڑے، سب کے سب کھڑے ہو جائیں اور اگر امام مصلیوں کی پشت کی جانب سے مثلاً حوض یا وضوخانہ سے آئے تو جس جس صف پر پہنچتا رہے وہ صف کھڑی ہوتی جائے یہاں تک کہ امام جب مصلیٰ پر پہنچے تو سب کھڑے ہو چکے ہوں:

’’(ولها آداب) تركه لايوجب إساءةً ولا عتاباً كترك سنة الزوائد، لكن فعله أفضل (إلٰى أن قال)... :(والقيام) لإمام ومؤتم (حين قيل حي على الفلاح) خلافاً لزفر، فعنده عند ’’حي على الصلاة‘‘. ابن كمال. (إن كان الإمام بقرب المحراب، وإلا فيقوم كل صفٍ ينتهي إليه الإمام على الأظهر) وإن دخل من قُدام قاموا حين يقع بصرهم عليه آه‘‘. (الدر المختار)

(قوله: وإلا، الخ): أي وإن لم يكن الإمام بقرب المحراب بأن كان في موضع آخر من المسجد أي خارجه ودخل من خلفٍ، آه‘‘. (ردالمحتار: ٣٢٢/١)(١)

نیز طحطاوی علی الدر المختار میں ہے کہ ’’حي على الصلاة‘‘ یا ’’حي على الفلاح‘‘ کے وقت کھڑے ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے بعد تک نہ بیٹھا رہے، پس اگر کوئی شخص شروعِ اقامت کے وقت کھڑا ہو جائے، تو بھی کوئی جرم نہیں۔(٢) مثلاً! ایک شخص وظیفہ پڑھ رہا ہے اور اقامت شروع ہوگئی اور وہ چاہتا ہے کہ اپنا وظیفہ پورا کرے، تو اس کو گنجائش ہے کہ ’’حي على الصلاة‘‘ سے پہلے پہلے جلدی جلدی جس قدر پڑھ سکے پڑھ لے، اس کے بعد نہ بیٹھا رہے، بلکہ کھڑا ہو جائے۔

امام محمد نے امام ابوحنیفہ سے پوچھا کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور اقامت شروع ہوگئی اور وہ ’’حي على الصلاة‘‘ پر کھڑا ہو گیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ جواب دیا کہ ’’لا حرج‘‘ پھر پوچھا کہ ایک شخص شروع اقامت کے وقت کھڑا ہو جائے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو جواب دیا کہ ’’لا حرج‘‘۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ اتنا اہم نہیں جتنا اہم بنالیا ہے اور اس کو ایک شعار قرار دے لیا گیا۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح کی عبارت سے ایک فریق نے استدلال کیا ہے کہ ’’حي على الصلاة‘‘ سے پہلے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔(٣)

---

(١) رد المحتار، كتاب الصلاة، آخر باب صفة الصلاة: ٤٧٧/١ـ ٤٧٩، سعيد

(٢) ’’والظاهر أنه احترازعن التأخير لا التقديم حتٰى لوقام أول الإقامة، لابأس‘‘، آه. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٢١٥/١، دار المعرفة، بيروت)

(٣) دخل المسجد فإنه يقعد، ولاينتظر قائمًا، فإنه مكروه كما في المضمرات قهستاني، ويفهم منه كراهة القيام ابتداء الإقامة والناس عنه غافلون. (حاشية الطحطاوي علٰى مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل من آدابها: ٢٧٨، قديمي)

ایسے ہی قریب قریب عالمگیری کی عبارت ہے۔(۱)

اور اس پر اتنا زور باندھا کہ مستقل نزاعات شروع ہوگئے، حالاں کہ مسئلہ میں بڑی وسعت ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں اول اول یہ طریقہ تھا کہ حجرۂ مبارکہ میں ہی تشریف فرما ہوتے تھے، اس پر ارشاد فرمایا کہ: ''تم لوگ کھڑے مت ہوا کرو، یہاں تک کہ مجھے دیکھ لو کہ میں حجرہ سے باہر آ گیا'' اور پھر یہ معمول ہوگیا کہ صف بنا کر صحابہ کرام بیٹھے رہتے اور مؤذن کی نظر حجرہ مبارکہ کی طرف ہوتی، جیسے ہی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر مؤذن کی نظر جاتی کہ آپ تشریف لا رہے ہیں، تو فوراً کھڑے ہوکر اقامت شروع کر دیتے اور سب نمازی کھڑے ہو جاتے، یہاں تک کہ جب مصلی مبارک پر پہنچتے تو سب کھڑے ہوئے ملتے اور نماز شروع فرما دیتے۔

یہ تفصیل **بذل المجهود شرح أبي داؤد**: ۳۰۷/۱، میں ہے۔(۲) اور اس میں زہری، مالک، سعید بن مسیّب، عمر بن عبد العزیز وغیرہ رحمہم اللہ اکابر کے اقوال بھی موجود ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ میں بڑی وسعت ہے۔(۳) لہٰذا ایک جہت پر اصرار کرنا اور اس کے خلاف کو معصیت سمجھنا درست نہیں۔ ترکِ افضل بہر حال ترکِ افضل ہی ہے، معصیت نہیں ہے، دونوں جانب کو ملحوظ رکھنا چاہئے، نہ بیٹھنے والوں پر ایسی نکیر کی جائے جیسے گناہ کرنے والوں پر ہوتی ہے، نہ کھڑے ہونے والوں پر ایسی نکیر کی جائے اور اس مسئلہ کو لے کر نزاع پیدا کرنا اور مسجد کو اکھاڑا بنانا ہرگز ہرگز جائز نہیں، قرآن پاک میں صریح حکم ہے: ﴿وَلاَ تَنَازَعُوْا﴾ (الأنفال: ٤٦) فقط واللہ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، صدر مفتی دار العلوم دیوبند۔ ۱۴۰۶/۱۱/۲۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴۸۵/۵-۴۹۵)

---

(۱) ''إذا دخل الرجل عند الإقامة يكره له الانتظار قائماً، ولكن يقعد، ثم يقوم إذا بلغ المؤذن قوله: حي على الفلاح، كذا في المضمرات''. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في بيان كلمات الأذان والإقامة: ٥٧/١، رشيدية)

(۲) عن عبد الله بن أبي قتادة عن أبيه أبي قتادة رضي الله تعالیٰ عنهما عن النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: ''إذا أقيمت الصلاة'' أي نودي بألفاظ الإقامة للصلاة ''فلا تقوموا منتظرين للصلاة حتیٰ تروني''. أي تبصروني ''خرجتُ''. قال الحافظ في الفتح: قال القرطبي: ظاهر الحديث أن الصلاة تُقام قبل أن يخرج النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم من بيته ... بأن بلالاً كان يراقب خروج النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم فأول ما يراه يشرع في الإقامة قبل أن يراه غائب الناس، ثم إذا رأوه قاموا، فلا يقوم في مكانه حتیٰ تعتدل صفوفهم ''(بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب في الصلاة تُقام ولم يأت الإمام ينتظرونه قعودًا: ٣٠٧/١، مكتبة امدادية، ملتان)

(۳) فذهب مالک وجمهور العلماء إلیٰ أنه ليس لقيامهم حد، و لكن استحب عامتهم القيام ==

نماز کے لیے امام وقوم کے اٹھنے کے وقت کی تحقیق:

سوال: زید وبکر دو عالم سنی المذہب آپس میں مختلف ہوگئے ہیں، دونوں کے دلائل لکھے جاتے ہیں، جو حق و انصاف ہو، اس کو تحریر فرمائیں۔ **واحکم بینهما بالحق.**

زید کا قول ہے کہ تکبیر ہوتے وقت امام ومقتدی کو بیٹھے رہنا اور ''**حی علی الفلاح**'' سنکر کھڑے ہونا مستحب ہے، اور شروع تکبیر سے کھڑے رہنا مکروہ ہے۔ (عالمگیری وغیرہ کتب فقہیہ)

بکر کا قول ہے کہ یہ مسئلہ عام نہیں بلکہ خاص اس صورت میں ہے جب کہ امام ومقتدی محراب کے قریب ہوں، اور اگر محراب سے دور ہوں تو جب امام محراب کی طرف چلے اور جس صف کے پاس پہنچے اس صف کے لوگ کھڑے ہوتے جائیں، اور اگر آگے سے آیا تو امام پر نظر پڑتے ہی سب کھڑے ہوجائیں۔ جیسا کہ البحر الرائق، درمختار، مجمع الانہر، مراقی الفلاح، عالمگیری وغیرہ وغیرہ میں کمال تشریح سے مذکورہ ہے۔ عبارت البحر الرائق ودرمختار یہ ہے:

(إن كان الإمام بقرب المحراب وإلّا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام على الأظهر)وإن دخل من قد ام قاموا حين يقع بصرهم عليه،الخ. (۱)

اور بکر یہ بھی کہتا ہے کہ شروع تکبیر سے کھڑے رہنا مکروہ بھی نہیں۔ علامہ طحطاوی حنفی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

الظاهر أنه احترازعن التاخيرلا التقديم حتى لوقام أول الإقامة لابأس. (۲)

اور شروع سے کھڑے رہنا کیونکر مکروہ کہا جاسکتا ہے جب کہ عموماً صحابۂ کرام شروع سے کھڑے رہا کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری ومسلم کی متعدد حدیثوں میں سے، ایک حدیث بخاری یہ ہے:

أقيمت الصلاة فسوى الناس صفوفهم فخرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فتقدم. (۳)

فتح الباری میں بروایت ابن شہاب ہے:

إن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن اللّٰه أكبريقومون إلى الصلاة فلايأتى النبى صلى اللّٰه عليه وسلم مقامه حتى تعتدل الصفوف. (۴)

== إذا أخذ المؤذن فى الإقامة.وكان أنس رضى اللّٰه تعالىٰ عنه يقوم إذا قال المؤذن:"قد قامت الصلاة" وكبر الإمام.وعن سعيد بن المسيب وعمربن عبد العزيزإذا قال المؤذن:اللّٰه أكبر، وجب القيام،وإذا قال: "حى على الصلاة" اعتدلت الصفوف،وإذا قال:لا إله إلا اللّٰه،كبرالإمام،آه".(بذل المجهود،شرح أبى داؤد،كتاب الصلاة، باب فى الصلاة تُقام ولم يأت الإمام ينتظرونه قعودًا: ۳۰۷/۱؛مكتبة امدادية،ملتان)

(۱) الدرالمختارمتن ردالمحتار، كتاب الصلاة،آداب الصلاة،آخرباب صفة الصلاة: ٤٧٩/١،انيس

(۲) حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، كتاب الصلاة.انيس

(۳) الصحيح للبخارى،باب إذا قال الإمام:مكانكم حتى رجع (ح: ٦٤٠)انيس

(۴) فتح البارى شرح صحيح البخارى،باب لايقوم إلى الصلاة مستعجلاً: ١٢٠/٢.انيس

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام الله أكبر ... سننے کے ساتھ کھڑے ہوجاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے کے ساتھ ہی مصلے پر کھڑے ہوجاتے۔ چنانچہ لفظ بخاری ''فخرج'' اور ''فتقدم'' سے ظاہر ہے اور فقہائے کرام نے جو حي على الفلاح پر کھڑے ہونے کو لکھا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص شروع سے نہ کھڑا ہوا ہو تو اب اس لفظ پر کھڑے ہوجانا اسے مستحب ہے، جیسا کہ علامہ طحطاوی حنفی نے تصریح کردی۔ الظاهر أنه احترازعن التأخير لا التقديم.

غرض حي على الفلاح تک بیٹھنا شرعاً مطلوب ومندوب نہیں ہے، اسی وجہ سے محققین فقہائے نے قيام عند حي على الفلاح کو مندوب لکھا ہے؛ کسی نے قعود إلى حي على الفلاح کو مندوب نہیں لکھا اور حدیث وفقہ میں اسی صورت سے مطابقت ہوسکتی ہے۔

بکر کہتا ہے کہ اگر لاکھوں صحابۂ کرام سے کسی صحابہ نے کبھی حي على الفلاح تک قعود کیا ہو، تو بے شک قعود کرنا بہتر ہوگا، ورنہ صرف جائز یا مباح کہا جائے گا، اور شروع سے کھڑے رہنے کو ہرگز مکروہ نہ کہا جائے گا، اگرچہ عالمگیری میں مکروہ لکھا ہے، مگر بے دلیل ہے، لہذا قابلِ تسلیم نہیں، دیکھو اسی عالمگیری میں صیام ستہ شوال کو بروایت حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مکروہ لکھا ہے، حالانکہ بے دلیل ہے، دوسرے فقہائے نے اس مسئلہ عالمگیری کو تسلیم نہ فرمایا اور عام طور پر صیام ستہ کو مستحب ومندوب لکھا ہے، اور فقہ میں بہت ایسے مسائل ہیں کہ کسی نے مکروہ لکھ دیا، مگر محققین فقہا کے نزدیک اس کی کوئی دلیل نہ ملی، لہذا اس کی کراہت تسلیم نہ فرمائی، شامی وبحر وغیرہ میں کثرت سے اس قسم کی عبارت ملتی ہے: لايلزم منه الكراهة إذ لابد لها من دليل، اگر تھوڑی دیر ظاہر عبارات حضرات فقہاء کرام سے حی علی الفلاح تک بیٹھنے کو مستحب سمجھ لیا جائے جب بھی شروع سے کھڑے رہنا فقہا کے قول پر مکروہ نہ ہوگا، کیونکہ ترک مستحب سے کراہت نہیں لازم آتی ہے۔ البحر الرائق جلد:۱، میں لکھا ہے:

ولايلزم من ترک المستحب ثبوت الكراهة إذ لابد لها من دليل خاص.(۱)

غرض اصول وضوابط فقہیہ حنفیہ سے شروع سے کھڑے ہونے کی کراہت نہیں ثابت ہوسکتی۔

بکر نے اس کے متعلق ایک رسالہ مدلل ومفصل لکھا ہے، جس کا نام ''الكلام المحكم في قيام الإمام و المؤتم'' ہے، لہذا آپ دونوں میں غور فرما کر جو حق ہو اس کو تحریر فرمائیں، خلاصہ قول بکر یہ کہ شروع سے نہ قیام مکروہ نہ قعود مستحب بلکہ اگر بیٹھا رہا تو حي على الفلاح سن کر کھڑے ہونا مستحب ہے۔

دوسرا مسئلہ: بکر کا معمول ہے کہ وضو اور سنتوں سے فارغ ہوکر مسجد میں ایسے وقت آتا ہے کہ لوگ وضو اور سنتوں

(۱) البحر الرائق، الجهر بالتكبير في العيد: ۱۷٦/۲. انیس

سے فارغ رہتے ہیں یا قریب فارغ ہونے کے رہتے ہیں، تو آنے کے ساتھ ہی مصلے پر کھڑا ہو جاتا ہے، اور اس کو سنت کریمہ جانتا ہے جیسا کہ بخاری میں ہے: **فخرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فتقدم** اور مسلم میں **فأتی فقام مقامه**(۱) سے ثابت ہے اور اس کے بعد تکبیر شروع ہوتی ہے تو بکر اپنے مقتدیوں سے کہتا ہے کہ اس صورت میں سب مقتدیوں کو کھڑے ہو جانا چاہئے، جیسا کہ عبارات فقہیہ مذکورہ سے ثابت ہے:

وإلاّ فیقوم کلّ صف ینتهی إلیه الإمام.(۲)

ونیز حدیث صحیح: ’’**لا تقوموا حتی ترونی**‘‘ سے بھی مقتدیوں کا قیام کرنا سنت ہے، زید کہتا ہے کہ اس امام کو بھی آکر مصلّے پر بیٹھ جانا چاہئے اور **حیّ علی الفلاح** پر کھڑے ہونا چاہئے، بکر کہتا ہے کہ اس وقت بیٹھنے کے لئے کسی فقیہ نے تصریح نہ کی، لہٰذا قابل تسلیم نہیں، بلکہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے فتاویٰ رضویہ جلد دوم صفحہ ۵۰۸ میں ایسے امام کے لئے فرمایا ’’اسے بیٹھنے کی بھی حاجت نہیں، مصلے پر جائے اور ’’**حی علی الفلاح**‘‘ یا ختم تکبیر پر تکبیر تحریمہ کہے‘‘ اور صفحہ ۴۷۲ میں فرماتے ہیں ’’پھر جب امام آئے اور تکبیر شروع ہو، اس وقت دو صورتیں ہیں، اگر امام صفوں کی طرف سے داخل مسجد ہو تو جس صف سے گذرتا جائے وہی صف کھڑی ہوتی جائے، اور اگر سامنے سے آئے تو اسے دیکھتے ہی سب کھڑے ہو جائیں‘‘

لہٰذا بکر کا یہ معمول فقہ حنفی اور فتاویٰ رضویہ کی تصریح کے موافق کیسا ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بکر جب مسجد میں آتا ہے اور دیکھتا ہے کہ مصلی کم ہیں یا زیادہ تر لوگ وضو اور سنتوں میں مصروف ہیں تو قرب محراب میں بیٹھ جاتا ہے اور لوگوں کے فارغ ہونے کا انتظار کرتا ہے اور اس انتظار کو بھی سنت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) جانتا ہے، جب فارغ ہو جاتے ہیں تو تکبیر شروع کرا دیتا ہے اور ظاہر الفاظ فقہیہ کے خیال اور مقامی علما کے موافقت کے لحاظ سے تکبیر ہوتے وقت بیٹھا رہتا ہے اور ’’**حی علی الفلاح**‘‘ سن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اس بیٹھے رہنے کو دلائل مذکورہ کی رو سے صرف جائز ومباح جانتا ہے، پس بکر کا یہ عمل اور خیال کیسا ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ کہ! زید بعد خطبہ جمعہ بھی جلوس کرتا ہے اور **حی علی الفلاح** پر کھڑا ہوتا ہے، بکر کہتا ہے کہ اس وقت کے لئے کسی فقیہ نے جلوس کی تصریح نہ فرمائی، لہٰذا خطبہ کے بعد بیٹھنا نہ چاہئے، بلکہ خطبہ سے فارغ ہو کر مصلی پر کھڑا ہو جائے۔

---

(۱) الصحیح للبخاری، باب إذا قال الإمام: مکانکم حتی رجع (ح: ٦٤٠)/الصحیح لمسلم، باب متی یقوم الإمام للصلاۃ (ح: ٦٠٥) انیس

(۲) الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار، باب صفة الصلاۃ، آداب الصلاۃ: ٤٧٩/١، بیروت. انیس

چنانچہ حضرت فاضل بریلوی کے فتاویٰ رضویہ، ج:۲،ص:۵۰۸ میں ہے:

''بعد خطبہ اسے اختیار ہے کہیں منقول نہیں کہ خطبہ فرما کر تکبیر ہونے تک جلوس فرماتے ہیں، یہ حکم قوم کے لئے ہے''۔

چوتھا مسئلہ: زید باوجود مستحب جاننے کے اس مسئلہ میں تشدد کرتا ہے، اور شروع سے کھڑے رہنے والے کو بار بار تاکید کر کے بٹھاتا ہے، بکر کہتا ہے کہ امر مستحب کے لئے یہ تشدد زیبا نہیں اور نہ مستحب کی یہ شان ہے۔

پانچواں مسئلہ: یہ ہے جس میں زید و بکر دونوں حیران ہیں کہ فقہ میں جہاں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ **حی علی الفلاح** پر کھڑے ہوجائیں وہاں امام ومقتدی دونوں کے واسطے لکھا ہے، مگر حضرت فاضل بریلوی فتاویٰ رضویہ جلد دوم صفحہ:۵۰۹ میں لکھتے ہیں:

''یہ حکم قوم کے لئے ہے''۔

پھر صفحہ:۵۱۱، میں ہے:

''امام کے لئے اس میں خاص کوئی حکم نہیں مقتدیوں کو حکم ہے کہ تکبیر بیٹھ کر سنیں'' الخ۔

پھر صفحہ:۵۱۳، میں ہے:

''مقتدیوں کو حکم یہ ہے کہ تکبیر بیٹھ کر سنیں''

پس حضرت فاضل بریلوی کی یہ تخصیص قوم کی بظاہر عموماً کتب فقہیہ و نیز بہار شریعت کے تصریحات کے خلاف ہے اور اس سے زیادہ حیرت یہ ہے کہ بہار شریعت کے آخر میں حضرت فاضل بریلوی ممدوح کی تصدیق موجود ہے، پس حضرات علماء کرام اس کی تحقیق فرمائیں کہ کون صحیح ہے؟ بلا دلیل وحوالہ کتاب کوئی جواب نہ ہو۔

قال البكر: ما كنت قاطعاً أمرًا حتى أفتوني في أمري.

تفصيل الجواب ــــــــــــــــــــ وتحقيق الصواب

أقول وبالله التوفيق وهو الهادي وهو خير رفيق!

قال العلامة البدر العيني في شرح البخاري تحت حديث "لا تقوموا حتى تروني" مانصه:

قد اختلف السلف متى يقوم الناس إلى الصلاة؟ فذهب مالك والجمهور إلى أنه ليس لقيامهم حد، ولكن استحب عامتهم القيام إذا أخذ المؤذن في الإقامة.

وكان أنس رضي الله عنه يقوم إذا قال المؤذن "قدقامت الصلوٰة" وكبر الإمام. (رواه ابن المنذر وغيره كذا رواه سعيد بن منصور من طريق أبي إسحاق عن أصحاب عبد الله. قاله الحافظ في الفتح (: ٢/ ١٠٠) فهو حسن أو صحيح على قاعدته.)

وحكاه ابن أبى شيبة عن سويد بن غفلة وقيس بن أبى حازم وحماد وعن سعيد بن المسيب وعمر بن عبدالعزيز: إذا قال المؤذن"اللّٰه أكبر" (أى ثبت وحان وقته) وجب القيام وإذا قال"حى على الصلوٰة" اعتدلت الصفوف وإذا قال"لا إلٰه إلا اللّٰه" كبر الإمام. (ذكره الحافظ فى الفتح أيضًا فهو حسن أو صحيح علىٰ قاعدته) وذهبت عامة العلماء إلىٰ أنه لايكبر حتىٰ يفرغ المؤذن من الإقامة. وفى المصنف كره هشام يعنى ابن عروة أن يقوم حتىٰ يقول المؤذن:"قد قامت الصلاة"وعن يحيى بن وثاب: إذا فرغ المؤذن كبر، وكان إبراهيم يقول إذا قامت الصلاة كبر ومذهب الشافعى وطائفة: أنه يستحب أن لايقوم حتى يفرغ المؤذن من الإقامة وهو قول أبى يوسف، وعن مالك رحمه اللّٰه: السنة فى الشروع فى الصلاة بعد الإقامة وبداية استواء الصف، وقال أحمد: إذا قال المؤذن"قد قامت الصلاة" يقوم، وقال زفر: إذا قال المؤذن"قد قامت الصلاة" مرة قاموا و إذا قال ثانيًا افتتحوا. و قال أبوحنيفة ومحمد: يقومون فى الصف إذا قال" حى على الصلاة" فإذا قال"قد قامت الصلاة"كبر الإمام لأنه أمين الشرع وقد أخبر بقيامها فيجب تصديقه وإذا لم يكن الإمام فى المسجد فذهب الجمهور إلىٰ أنهم لايقومون حتى يروه،آه. (باب متى يقوم الناس إذا رؤا الإمام: ٦٧٦/٢)

قلت: وفى قوله وإذا لم يكن الإمام فى المسجد،الخ: إشارة إلىٰ أن الاختلا ف المذكور سابقاً فى وقت القيام إنما هو فيما إذا كان الإمام فى المسجد، وقال الحافظ فى الفتح: أما حديث أبى هريرة الآتى (الذى أخرجه البخارى) بلفظ: "أقيمت الصلاة فسوى الناس صفوفهم فخرج النبى صلى اللّٰه عليه وسلم" ولفظه فى مستخرج أبى نعيم "فصف الناس صفوفهم ثم خرج علينا" ولفظه عند مسلم "أقيمت الصلاة فقمنا فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا النبى صلى اللّٰه عليه وسلم" فيجمع بينه وبين حديث أبى قتادة (لا تقوموا حتى ترونى) بأن ذلك ربما وقع لبيان الجواز وبأن صنيعهم فى حديث أبى هريرة كان سبب النهى عن ذلك فى حديث أبى قتادة وأنهم كانوا يقومون ساعة تقام الصلاة ولو لم يخرج النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فنهاهم عن ذلك لاحتمال أن يقع له شغل يبطىء فيه عن الخروج فيشق عليهم انتظاره،آه. (باب لايقوم إلى الصلاة مستعجلاً: ١٠٠/٢)

قلت: وقد روى مسلم عن جابر بن سمرة:" أن بلا لا كان لايقيم حتى يخرج النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فإذا خرج أقام الصلاة حين يراه"،آه. (باب متى يقوم الناس للصلاة: ٢٢١/١ (ح: ٦٠٦)

ولعل فيه حكاية عن فعل بلال بعد النهى المذكور فى حديث أبى قتادة، وروى البزار عن عبد الله ابن أبى أوفى مرفوعًا قال: كان بلال إذا قال "قد قامت الصلاة" نهض رسول الله صلى الله عليه وسلم بالتكبير. وفيه الحجاج بن فروخ ضعفه الهيثمى فى مجمع الزوائد (۱۸۲/۱)(۱) وذكره ابن حبان فى الثقات كما فى اللسان (ج:۲/ص:۱۷۹) فهو حسن الحديث.

وقد تقدم عن أنس أنه كان يقوم إذا قال المؤذن "قد قامت الصلاة". رواه ابن المنذر وغيره وسكت عنه الحافظ فى الفتح فهو حسن أو صحيح وهو محمول على ما إذا كان الإمام فى المسجد بقرب المحراب والمراد بالقيام القيام بحقيقة الصلاة وهو بالتكبير للإحرام كما يشعر به لفظ البزار "نهض بالتكبير". وأما القيام من الجلوس فلابد أن يتقدمه بشيء فثبت أنه صلى الله عليه وسلم كان يقوم فى مصلاه عند قول المؤذن "قد قامت الصلاة" قبله بشيء وكذا فعله أنس فما رواه عبد الرزاق من ابن جريج عن ابن شهاب "إن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن" الله أكبر "يقومون إلى الصلاة فلا يأتى النبى صلى الله عليه وسلم مقامه حتى تعتدل الصفوف كما فى فتح البارى (۱۰۰/۶)(۲) يحمل القيام فيه على القيام من مكان الجلوس لا القيام فى الصف فكانوا يقومون فى الصف عند قول المؤذن "قد قامت الصلاة" قبله بشيء كيلا تتضاد الآثار وإن كان الظاهر منه القيام فى الصف كما لايخفى.

وبالجملة فحاصل الأحاديث: أن الإمام إذا كان فى المسجد بقرب المحراب فلا ينبغى للناس والإمام أن يقوموا قبل الشروع فى الإقامة بل بعده إما ساعة يقول المؤذن "الله أكبر" أو عند قوله "قد قامت الصلاة" قبله بشيء وإن كان خارجًا منه فلا يقوموا حتى يروه فإذا رأوه مقبلاً إلى المحراب قاموا. ومقتضاه أن الإمام إذا دخل المسجد وقد شرع المؤذن فى الإقامة لايجلس فيه منتظرًا قول المؤذن "حى على الصلاة" أو "قد قامت الصلاة" بل يستمر ذاهبًا إلى المصلى لأنه يبعد أن يؤمر الناس بالقيام لرؤية الإمام ويؤمر هو بالجلوس كلا، وأما ماقاله الفقهاء من كراهة السمود فمعناه انتظار الناس الإمام قياما قبل رؤيتهم إياه مقبلا إلى المحراب وهو معنى قول على: "مالى أريكم سامدين" يؤيده مارواه أبوداؤد عن كهمس بإسناد رجاله موثقون:

أنه قال: قمنا إلى الصلاة بمنىً والإمام لم يخرج فقعد بعضنا فقال لى شيخ من أهل الكوفة: ما يقعدك؟ قلتُ: ابن بريدة، قال هذا سمود، آه. (۲۱۳/۱)(۳)

(۱) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، باب التكبير: ۱۰۳/۲ (ح: ۲۵۹۷) انیس
(۲) فتح البارى لابن حجر، باب لايقوم إلى الصلاة مستعجلاً: ۱۲۰/۲. انیس
(۳) سنن أبى داؤد، باب فى الصلاة تقام ولم يأت الإمام (ح: ۵۴۳) انیس

فالسمود أن ينتظروا الإمام قيامًا قبل خروجه وقبل رؤيتهم إياه مقبلا عليهم.

وقال الحافظ الحجة ابن قدامة الحنبلي في المغني: ويستحب أن يقوم إلى الصلاة عند قول المؤذن "قد قامت الصلاة" وبهذا قال مالک، قال ابن المنذر علىٰ هذا أهل الحرمين وقال الشافعي: يقوم إذا فرغ المؤذن من الإقامة وكان عمر بن عبدالعزيز ومحمد بن كعب و سالم وأبوقلابة والزهرى وعطاء يقومون فى أول بدوة من الإقامة (قلت: وعليه العمل اليوم فى الديار و الأمصار بلا إنكار) وقال أبوحنيفة: يقوم إذا قال "حى على الصلاة" فإذا قال "قد قامت الصلاة" كبرو كان أصحاب عبد اللّٰه يكبرون إذا قال المؤذن "قد قامت الصلاة" وبه قال سويد بن غفلة و النخعى: ولا يستحب عندنا أن يكبر إلا بعد فراغه من الإقامة وهو قول الحسن ويحيى بن وثاب و إسحاق وأبى يوسف والشافعى وعليه جل الأئمة فى الأمصار... وإذا ثبت هذا فإنما يقوم المأمومون إذا كان الإمام فى المسجد أو قريباً منه وإن لم يكن فى مقامه فإن أقيمت والإمام فى غير المسجد ولم يعلموا قربه لم يقوموا لماروى أبوقتادة، قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: "إذا أقيمت الصلاة فلا تقوموا حتىٰ ترونى". متفق عليه وللبخارى "قد خرجت" (قلت: ليس لفظ قد خرجت عند البخارى بل هو عند مسلم وغيره فلعله من زلة القلم. منه) وخرج على رضى اللّٰه عنه والناس ينظرونه قياماً للصلاة فقال مالى أريٰكم سامدين، آه ملخصاً. (١/ ٥٠٧-٥٠٨) (١)

وقال فى الدر فى آداب الصلاة: (والقيام) لإمام ومؤتم (حين قيل "حى على الفلاح) خلافا لزفر، فعنده عند "حى على الصلاة". ابن كمال. (وفى بعض الروايات عكس هذا فعند الثلاثة عند "حى على الصلاة" وعند زفر عند "حىّ على الفلاح" والصحيح عن زفر أن يقوم عند "قد قامت الصلاة". منه) (٢) (إن كان الإمام بقرب المحراب وإلا) أى وإن لم يكن بقرب المحراب، بأن كان فى موضع آخر من المسجد أو خارجه ودخل من خلف. (ردالمحتار) (فيقوم كل صف ينتهى إليه الإمام على الأظهر) وإن دخل من قدام قاموا حين يقع بصرهم عليه، آه. (١/ ٤٩٩) (٣)

---

(١) المغنى لابن قدامة، فصل يستحب أن يقوم إلى الصلاة عند قول المؤذن، الخ: ١/ ٣٣١. انيس

(٢) (وإذا قال) المؤذن ("حى على الصلاة" قام الإمام والجماعة) عند علمائنا الثلاثة للإجابة وقال الحسن وزفر: إذا قال: "قد قامت الصلاة" قاموا إلى الصف وإذا قال مرة ثانية كبروا والصحيح قول علمائنا الثلاثة وفى الوقاية ويقوم الإمام والقوم عند حى على الصلاة أى قبيله. (مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، صفة الأذان: ١/ ٧٨. انيس)

(٣) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، آخر باب صفة الصلوٰة، آداب الصلاة: ١/ ٤٤٧. انيس

وقال محمد فی الأثار: أخبرنا أبو حنيفة عن طلحة بن مصرف عن إبراهيم أنه قال: إذا قال المؤذن "حی علی الفلاح" فإنه ينبغی للقوم أن يقوموا فيصفوا، فإذا قال "قد قامت الصلاة" كبر الإمام، قال محمد: وبه نأخذ وهوقول أبی حنيفة رحمه اللّٰه. وإن كف الإمام حتى يفرغ المؤذن من إقامته ثم كبر فلابأس أيضًا كل ذلک حسن، آه.(۱)

قلت: وقول إبراهيم حجة عندنا لكونه لسان ابن مسعود وأصحابه وقد تقدم فی قول الحافظ ابن قدامة أن أصحاب عبد اللّٰه كانويكبرون عند قول المؤذن "قد قامت الصلاة" والظاهر أنهم أخذوا ذلک عن عبد اللّٰه رضی اللّٰه عنه وقد ظهر من قول محمد أنّ الشروع عند قوله "قد قامت الصلوٰة" ليس من الواجبات بل من الآداب فقط فلوشرع بعد الإقامة كان حسنًا أيضًا. قلت: وكذلک القيام عند قوله "حيّ علی الصلاة" من الآداب أيضًا كما يشعربه صنيع الفقهاء، فإنهم لم يذكروه فی السنن ولا فی الواجبات بل ذكروه فی الآداب فقط فلوقاموا عند بدو الإقامة فلا بأس به وكان ذلک حسنا، ولذا قال الطحطاوی فی حاشية الدرتحت (قوله والقيام لإمام ومؤتم حين قيل حیّ علی الفلاح) الخ مانصه: الظاهر أنه احترازعن التأخير لا التقديم حتى لوقام أول الإقامة لابأس وحرر، آه.(ج: ۱/ص: ۳۳۱)(۲)

ولكنه قال فی حاشيته علیٰ مراقی الفلاح تحت قول الماتن ومن الآدب القيام (أی قيام القوم والإمام إن كان حاضرًا بقرب المحراب حين قيل أی وقت قول المقيم حی علی الفلاح لأنه أمر به فيجاب وإن لم يكن (الإمام) حاضرًا يقوم كل صف ينتهی إليه الإمام فی الأظهر آه مانصه. وإذا أخذ المؤذن فی الإقامة ودخل رجل المسجد فإنه يقعد ولاينتظرقائمًا فإنه مكروه كما فی المضمرات، قهستانی. ويفهم منه كراهة القيام ابتداء الإقامة والناس عنه غافلون، آه.(ص: ۱٦۱)(۳)

ويمكن التطبيق بين قوليه أن قوله فی حاشية الدرمحمول علیٰ ما إذا كان الإمام حاضرًا فی بدو الإقامة فلابأس بالقيام من ابتداء الإقامة وقوله فی حاشية المراقی محمول علیٰ ما إذا لم يكن الإمام حاضرًا وقت الإقامة فلا ينبغی القيام إلا أن يأتی الإمام ويشعربه لفظ المضمرات ولا ينتظرقائما ومعناه فاللّٰه أعلم أن لاينتظر الإمام قائمًا فافهم. وأماّ حكم الإقامة لصلاة الجمعة

(۱) موطأ الإمام محمد، باب الأذان (ضمن رقم الحديث: ٦۳) انيس
(۲) حاشية الطحطاوی علی الدر المختار، كتاب الصلاة. انيس
(۳) حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل من آدابها: ۲۷۷/۱. انيس

فللمأمومين أن يقوموا عند قوله حيّ على الفلاح أو حيّ على الصلاة ولو قاموا عند بدو الإقامة فلا بأس به وذلک حسن أيضًا كمامر وللإمام ماذكره في الدر: ويؤذن ثانيا بين يديه أي الخطيب... إذا جلس على المنبر فإذا أتم أقيمت، آه. (١)

قال الشامي: (قوله أقيمت) بحيث يتصل أول الإقامة بآخر الخطبة وتنتهي الإقامة بقيام الخطيب في مقام الصلاة، آه. (ج: ١/ص: ٨٦٠)(٢)

ومفاده أن الخطيب يستمر قائما عند الإقامة ولايجلس منتظرًا قول المؤذن "حي على الصلاة" وهذا ظاهر وعليه العمل في ديار الإسلام. والله أعلم

خلاصہ ان تمام روایات کا یہ ہے کہ اگر امام وقت اقامت کے مسجد میں قریب محراب کے بیٹھا ہوا ہو، تو فقہاء حنفیہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ شروع تکبیر پر قیام نہ کریں، نہ امام نہ قوم بلکہ "حی علی الصلاۃ" یا "حی علی الفلاح" یا "قد قامت الصلاۃ" پر کھڑے ہوں (على اختلاف الأقوال بين الأئمة وزفر كمامر) اور اگر شروع اقامت ہی پر کھڑے ہو جائیں، تو یہ بھی بہتر ہے اور مباح ہے، اور بہت سے تابعین کا اس پر عمل تھا، پس اس کو مکروہ نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ کراہت پر کوئی دلیل نہیں اور بعض عبارات فقہیہ میں جو اس کو مکروہ لکھا ہے، اس کا محمل یہ ہے کہ اگر شروع اقامت میں امام حاضر نہ ہو تو اس کے انتظار میں قیام مکروہ ہے، اور اگر امام موجود ہو اور وہ شروع اقامت ہی پر کھڑا ہو گیا ہو تو مقتدیوں کو بھی کھڑا ہو جانا چاہئے، اور یہ مکروہ نہیں، نہ امام کے لئے نہ مقتدیوں کے لئے، گو اولیٰ یہ تھا کے سب کے سب "حيّ على الصلاة" پر کھڑے ہوتے۔

اور اگر امام وقت اقامت کے مسجد میں اور قرب محراب میں موجود نہ ہو، تو جب تک امام کو آتا ہوا نہ دیکھیں سب لوگ بیٹھیں رہیں، خواہ اقامت پوری ہی ہو جائے، غرض اس وقت امام کو بدون دیکھے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

وهو داخل في السمود وهو الذي نهى عنه النبي صلى الله عليه وسلم في حديث أبي قتادة إذا أقيمت الصلاة فلا تقوموا حتٰى تروني.

اور اگر امام اقامت سے پہلے مصلّے پر پہنچ جائے تو اس صورت میں مقتدیوں کو اقامت شروع ہونے کے بعد " حی علی الصلاۃ" یا "قد قامت الصلاۃ" پر کھڑا ہونا چاہئے، اور شروع اقامت پر کھڑے ہو جائیں، تو یہ بھی اچھا ہے، لیکن اقامت سے پہلے کھڑے نہ ہوں۔

اور بکر کا یہ فعل کہ وہ اقامت سے پہلے مصلّے پر پہنچ جاتا ہے پھر تکبیر شروع ہوتی ہے سنت کے موافق نہیں، حضور صلی

(١-٢) الدرالمختار مع ردالمحتار، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقي بين يدي الخطيب: ١٦١/٢. انيس

اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب آپ حجرہ سے نکلتے بلال اسی وقت تکبیر شروع کر دیتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ختمِ اقامت یا وسطِ اقامت میں مصلّے پر پہنچتے تھے، غرض اقامت شروع ہونے سے پہلے امام اور قوم دونوں کو مصلّے پر کھڑا نہ ہونا چاہئے کہ اس کا ثبوت فعل سلف اور آثار مرفوعہ وغیرہ سے نہیں ملتا۔

اور جمعہ کی نماز میں مقتدیوں کو تو ''حیّ علی الصلاۃ'' یا شروع اقامت پر کھڑا ہونا چاہئے، اور امام مؤذن کو یہ تعلیم کرے کہ وہ اقامت خطبہ ختم ہونے کے قریب اس طرح شروع کر دیا کرے کہ امام خطبہ ختم کر کے جب مصلّے پر پہنچے تو اقامت ختم ہو جائے، یہ مستحب ہے، اس سے معلوم ہوا کہ امام کو خطبہ ختم کر کے بیٹھنا مستحب نہیں، اور اگر مؤذن ختمِ خطبہ سے پہلے اقامت شروع نہ کرے جب بھی اس وقت امام کے لئے جلوس ثابت نہیں بلکہ وہ کھڑا ہی رہے، خواہ منبر پر، اور ختم اقامت کے قریب مصلّے پر پہنچے، یا خطبہ ختم کر کے مصلّی پر ہی کھڑا ہو جائے، یہاں تک سائل کے سوال اول و دوم وسوم کا جواب ہو گیا، چوتھے مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ زید کا یہ فعل کہ وہ مقتدیوں کو شروع تکبیر پر کھڑے ہونے سے منع کرتا اور بٹھلاتا ہے تشدّدِ غیر مرضی اور غلو فی الدین ہے، کیونکہ ''حیّ علی الفلاح'' پر کھڑا ہونا محض ادب ہے، اور شروع اقامت پر کھڑا ہونا بھی سلف سے ثابت ہے، اس سے منع کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

پانچویں مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ فتاویٰ رضویہ میں قیام علی ''حیّ علی الصلاۃ'' کو امام کے ساتھ خاص کرنا نصوصِ فقہیہ کے خلاف ہے، بلکہ یہ حکم سب کے لئے ہے، یہ اور بات ہے کہ یہ حکم سنت ہے یا محض ادب، سو عبارات فقہا میں اس کی تصریح ہے کہ محض ادب ہے، اور شروع اقامت سے ہی سب کھڑے ہو جائیں تو جائز ہے اور یہ بھی حسن ہے، مگر خواہ شروع اقامت پر کھڑے ہونے کا حکم ہو یا ''حیّ علی الصلاۃ'' پر، دونوں حکم امام اور مقتدی سب کے لئے ہیں، پس فتاویٰ رضویہ کی یہ تقیید و تخصیص صحیح نہیں اور اس کا قول بلا دلیل قابلِ تسلیم نہیں۔ واللہ اعلم

٢٣ رمحرم ١٣٤٦ھ۔ (امداد الاحکام: ٢/ ٣٥-٤٥) ☆

☆ اقامت کے وقت امام اور مقتدیوں کو کب کھڑا ہونا چاہئے:

سوال: امام اور مقتدیوں کو اقامت شروع ہوتے ہی کھڑا ہونا چاہئے یا درمیان میں صورت ثانی میں درمیان میں کس لفظ پر کھڑا ہونا چاہئے، اسی طرح امام کو تکبیر تحریمہ درمیان اقامت میں کہنی چاہئے، یا اقامت ختم ہونے کے بعد، بینوا تو جروا؟

الجواب

اگر امام شروع اقامت کے وقت محراب کے قریب یا مسجد میں موجود ہو تو امام اور مقتدی دونوں کو '' حی علی الفلاح'' پر کھڑا ہونا مستحب ہے اور بعض کے نزدیک ''حی علی الصلاۃ'' پر کھڑا ہونا مستحب ہے، ابتداء اقامت ہی سے کھڑا ہو جانا جیسا کہ آجکل رائج ہے، مکروہ ہے، لیکن اگر امام اقامت سے پہلے محراب پر پہنچ جائے، تو مقتدیوں کو کھڑا ہو جانا چاہئے، گو اس صورت میں امام نے خلاف اولیٰ کا ارتکاب کیا، مگر امام کے کھڑے ہو جانے کے بعد مقتدیوں کو نہ بیٹھنا چاہئے، ==

== پس ابتداء اقامت سے مقتدیوں کا کھڑا ہونا اس وقت مکروہ ہے جب کہ امام بوقت اقامت موجود نہ ہو، اور تکبیر تحریمہ شروع کرنا "قد قامت الصلاۃ" پر مستحب ہے، اقامت کہنے والا اقامت پوری کردے اور امام درمیان میں "قد قامت الصلاۃ" پر تحریمہ باندھ لے، اور امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ امام ختم اقامت ہونے کے بعد تحریمہ شروع کرے اور بعض فقہانے اسی قول کو اعدل المذاہب اور اصح قرار دیا ہے، مگر حدیث سے امام صاحب کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

قال في نور الإيضاح: ومن الأدب القيام أى قيام القوم والإمام إن كان حاضرًا بقرب المحراب حين قيل أى وقت قول المقيم "حي على الفلاح".

(وقال الحسن وزفر عند "حي على الصلاة" كما في سكب الأنهر عن ابن الكمال، آه. لأنه أمر به فيجاب وإن لم يكن ظاهرًا يقوم كل صف حين ينتهي إليه الإمام في الأظهر (فكلما جاوز صفًا قام ذلك الصف، آه، وإن دخل من قدامهم قاموا حين رأوه، آه . (الطحطاوى)

ومن الأدب شروع الإمام أى إحرامه مذ قيل أى عند قول المقيم "قد قامت الصلاة" عندهما وقال أبويوسف: يشرع إذا فرغ من الإقامة (أى بدون فصل وبه قالت الأئمة الثلاثة وهو أعدل المذاهب شرح المجمع وهو الأصح، قهستاني عن الخلاصة وهو الحق، نهر، آه. (الطحطاوى)

قلت: وفي مجمع الزوائد (١٨٢/١) عن عبد الله بن أبي أوفىٰ قال: كان بلال إذا قال "قد قامت الصلوٰة" نهض رسول الله صلى الله عليه وسلم بالتكبير، رواه البزار. وفيه الحجاج بن فروخ وهو ضعيف، آه. قلت: ذكره ابن حبان في الثقات كذا في اللسان. (١٧٩/١) وقوله نهض بالتكبير معناه قام متلبسا به.

وقال الطحطاوى: وإذا أخذ المؤذن في الإقامة ودخل رجل المسجد فإنه يقعد ولا ينتظر قائمًا فإنه مكروه (قهستاني) ويفهم منه كراهة القيام ابتداء الإقامة والناس عنه غافلون، آه. قلت: وهو محمول علىٰ ما إذا لم يقم الإمام عند ابتداء الإقامة وإلا فيقوم القوم عند قيام الإمام لقوله صلى الله عليه وسلم: لا تقوموا حتى تروني آه، علق قيامهم علىٰ رؤية الإمام فعلىٰ قيامه بالأولىٰ. والله أعلم

۷/ جمادی الثانیہ ۱۳۴۰ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/ ۸۳-۸۴)

اقامت کے وقت امام اور مقتدی کب کھڑے ہوں:

سوال: ان امصار و بلاد میں یہ قاعدہ ہے کہ جب نماز کے واسطے اقامت شروع ہوتی ہے امام اپنے مصلی پر اور تمام مقتدی صف میں اپنی جگہ پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور اس جگہ جامع مسجد سکندر آباد میں بھی ہمیشہ سے اسی طرح سے کھڑے ہوتے ہیں، حالانکہ شرح وقایہ جلد اول مطبع مجتبائی صفحہ: ۱۰۵ پر ہے:

ويقوم الإمام والقوم عند "حي على الصلاة"

اور اس کے حاشیہ پر ہے:

وفيه إشارة إلىٰ أنه رجل إذا دخل المسجد يكره له انتظار الصلاة قائما بل يجلس بموضع ثم يقوم عند "حي على الفلاح" وبه صرح في جامع المضمرات. جامع المضمرات کے حوالے سے شروع میں کھڑے ہونے کو مکروہ لکھا ہے۔ ==

== 　فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۴۴ جلد اول مطبع نولکشور میں ہے:

إن كان المؤذن غير الإمام و كان القوم مع الإمام فإنه يقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن "حي على الفلاح" عند علمائنا الثلاثة وهو الصحيح. (عالمگیری میں بالاتفاق اسی کو صحیح لکھا ہے)

غایۃ الاوطار جلد اول مطبع نولکشور ص ۲۲۱ میں ہے:

(والقيام) للإمام والمؤتم (حين قيل "حي على الفلاح") خلافاً لزفر، فعنده حين "حيّ على الصلاة"، ابن كمال.

شامی کا بھی حوالہ دیا ہے کہ اس میں بھی یہی طریقہ صحیح لکھا ہے، ان کتابوں میں یہ مسئلہ دیکھا کہ شروع میں کھڑا ہونے کو مکروہ لکھا ہے، اور عند "**حي على الفلاح**" یا "**حي على الصلاة**" کو مستحب واحسن لکھا ہے، طریقۂ قدیم کو چھوڑ دیا اور مقتدیوں کو بتلا دیا کہ اس طریقہ کو مستحب لکھا ہے واجب فرض نہیں، پنجوقتہ نماز میں قریب بیس پچیس آدمی سب اس کے عادی ہو گئے کہ پہلے سے ایک صف میں برابر اٹھ جاتے ہیں اور وقت "**حي على الصلاة**" کے کھڑے ہو جاتے ہیں، صف بھی سیدھی ہوتی ہے، جمعہ کے روز زیادہ آدمی ہوتے ہیں، بیٹھنے میں ٹھیک انتظام نہیں ہوتا، اگر جمعہ کے روز اس مستحب طریقہ پر عمل کیا جاوے تو جماعت سیدھی نہ ہوگی، اور جماعت کے سیدھی کرنے کا زیادہ اہتمام ہے، اور یہ فعل مستحب ہے، اس روز شروع سے کھڑے ہو کر جماعت سیدھی کر لیتے ہیں، عرصہ چار یا پانچ ماہ سے یہ عمل جاری ہے، اب کوئی باہر کے عالم آتے ہیں تو اس طریقہ کو بدعت ومکروہ بتلاتے ہیں، اب عرض یہ ہے کہ اگر یہ فعل متصل "**حي على الصلاة**" یا "**حي على الفلاح**" پر کھڑا ہونا بدعت یا مکروہ ہو تو اس کو چھوڑ کر اسی طریقہ پر عمل کریں یعنی شروع سے کھڑے ہو جایا کریں، مگر برائے مہربانی بحوالۂ کتب حنفی ارشاد ہو کہ شروع سے کھڑا ہونا مستحب ہے، حوالہ کتب ضرور ہو جو آجکل رسم ورواج ہے کہ شروع سے کھڑے ہو جاتے ہیں اس کو دخل نہ ہو، بلکہ بحوالۂ کتب ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب

في الحديث عن النبي صلى الله عليه وسلم: "لاتقوموا حتى تروني".

اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام کو مسجد میں آتا ہوا دیکھنے سے پہلے مقتدیوں کا کھڑا ہونا ممنوع ہے اور یہی سمود ہے جس کو فقہا نے **انتظار قائمًا** سے بیان فرمایا ہے اور امام جب مسجد میں آجائے اور مصلی پر پہنچ جائے تو اس وقت مقتدیوں کو کھڑا ہو جانا جائز ہے، خواہ مکبر نے تکبیر نہ کہی ہو، یا **حي على الفلاح** پر نہ پہنچا ہو **حي على الفلاح** پر کھڑا ہونا اس وقت مستحب ہے جبکہ امام بھی **حي على الفلاح** ہی پر کھڑا ہو، اور اگر وہ شروع تکبیر پر کھڑا ہو جائے تو متقدیوں کو چاہئے کہ جس صف کے سامنے سے امام گذرے وہ کھڑے ہو جائیں، اور جب مصلے پر پہنچ جائے تو سب کھڑے ہو جائیں۔

قال في الدر المختار: في آداب الصلاة: (والقيام) لإمام ومؤتم (حين قيل "حي على الفلاح") خلافاً لزفر، فعنده عند "حي على الصلاة" ابن كمال. إن كان الإمام بقرب المحراب وإلا (أي وإن لم يكن بقرب المحراب بأن كان في موضع آخر من المسجد أو خارجه ودخل من خلف، ح. (ردالمحتار) فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام على الأظهر وإن دخل من قدام قاموا حين يقع بصرهم عليه، آه. (٤٩٩/١) (آخر باب صفة الصلاة)

اس سے معلوم ہوا کہ "**حي على الفلاح**" پر کھڑا ہونے کا استحباب ہر صورت میں نہیں بلکہ اس وقت ہے، 　==

== جب کہ امام مصلے پر کھڑا نہ ہو، بلکہ محراب کے قریب بیٹھا ہو، اور اگر وہ محراب کے قریب بیٹھا نہ ہو بلکہ مسجد کے کسی اور حصہ میں ہو یا مسجد سے باہر ہو تو جس وقت وہ کھڑا ہو کر صفوف کے سامنے گذرے یہ صفوف والے اس کو دیکھ کر کھڑے ہو جائیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ امام ومقتدی کا "حی علی الفلاح" پر کھڑا ہونا آداب میں سے ہے واجبات وسنن میں سے نہیں، پس "حی علی الفلاح" پر کھڑا ہونا بدعت نہیں، اور اس سے پہلے بھی کھڑا ہونا بدعت نہیں، اگر امام کو مصلی کی طرف آتا ہوا دیکھ لیا جائے، البتہ اگر امام مصلی کی طرف نہ آتا ہو بلکہ بیٹھا ہوا ہو یا مسجد سے باہر کسی کام میں ہو، تو اس صورت میں مقتدیوں کو "حی علی الفلاح" سے پہلے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ **لکونه داخلاً في السمود وهو الانتظار قائمًا. والله أعلم**

۱۳ / رجب ۱۳۴۵ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۸۵-۸۷)

اقامت کے وقت امام اور مقتدی کب کھڑے ہوں:

سوال: زید مدعی ہے کہ مصلین کو "**حی علی الصلاة**" پر اور امام کو "**قد قامت الصلاة** پر...... قیام کرنے کی کوئی دلیل نہیں، عاجز نے مظاہر حق دکھائی تو کہا اس کے علاوہ اور دلیل لاؤ، تو تسلیم کروں گا، دلیل مظاہر بلا حوالہ کتب ہے، حدیث وفقہ کے دلائل بیان فرمائیے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

عن عبد الله بن أبي أوفى قال: كان بلال إذا قال" قد قامت الصلاة" نهض رسول الله صلى الله عليه وسلم بالتكبير. رواه البزار ضعفه الهيثمي وذكره ابن حبان في الثقات. (مجمع الزوائد، ج: ۱/ص: ۱۸۲) ولسان: ۲/۱۷۹)

اس مرفوع حدیث سے معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "**قد قامت الصلاة**" پر تکبیر شروع فرمادیا کرتے تھے، اور مقتدیوں کو امام کی تکبیر سے پہلے صف درست کرنے کے لئے اٹھنا چاہئے، تو حنفیہ کا قول ثابت ہوگیا۔

۱۲ / رمضان ۱۳۴۸ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۸۷)

امام ومقتدی کب کھڑے ہوں:

سوال: امام ومقتدی نماز سے پہلے اپنی جگہ پر صف میں بیٹھے رہیں اور مکبر اقامت میں **حی علی الصلوٰة** کہے تب امام ومقتدی کھڑے ہو جائیں اور نماز کی نیت کرلیں، یہ مسئلہ مفتاح الجنۃ اردو مصنفہ جناب مولوی کرامت علی صاحب جونپوری مطبوعہ مطبع احمدی واقع شاہ باغ صفحہ ۳۸و۴۹ میں تحریر ہے، حالانکہ اس وقت تک محققین علماء کرام کا جو احناف میں سے ہیں اس پر عمل ہے، کہ شروع اقامت کے وقت امام ومقتدی کھڑے ہو کر صفوف کو ترتیب دیتے ہیں، اور کلمۂ **قد قامت الصلاة** پر امام ومقتدی نماز کی نیت کرتے ہیں، ایک امام مسجد جو علم عربی سے بالکل ناواقف ہیں، اس مسئلہ کو کتاب مذکور میں دیکھ کر خود بھی اقامت شروع ہونے سے پیشتر اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور مقتدیوں کو بھی اپنی جگہ پر بیٹھنے کو مجبور کرتے ہیں، اس سے فتنہ وفساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، کیا کتب حنفیہ اور احادیث صحیحہ سے امام اور مقتدیوں کا اقامت کے وقت بیٹھا رہنا ثابت ہے؟ اور اگر کتب حنفیہ اور احادیثِ صحیحہ سے اس کا ثبوت ہے تو علماءِ احناف کا عمل اس کے خلاف کیوں ہے؟ اور ہمیں کس مسئلہ پر عمل کرنا چاہئے؟ جواب بدلائل مرحمت فرمایا جاوے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

شروع اقامت سے کھڑے ہو جانے کا جو معمول ہے وہی بہتر ہے اس کو بدلنے کی ضرورت نہیں، ==

== اور یہ مسئلہ جو مفتاح الجنۃ میں ہے کتب فقہ میں بھی اس کی اصل مذکور ہے،لیکن اول تو اس میں فقہا نے تفصیل لکھی ہے، نامعلوم مفتاح الجنۃ میں وہ تفصیل بھی لی ہے یا نہیں، تفصیل یہ ہے کہ اگر امام وقت جماعت سے پیشتر ہی مصلی کے قریب بیٹھا ہوا ہے، تب توحی علی الفلاح (بعض ''حی علی الصلاۃ'' لکھتے ہیں، واللہ اعلم۔منہ) کہتے ہی سب کھڑے ہو جاویں، اور اگر امام جماعت کے وقت پر خارج مسجد سے آیا ہے تو جس صف سے امام گذرتا جاوے وہ صف کھڑی ہوتی جاوے، اور اگر امام صفوف کے سامنے (مثلاً حجرہ میں دریچہ ہوا امام اس دریچہ سے آوے۔منہ) سے داخل ہوا ہو تو سب صفوف امام کو دیکھتے ہی کھڑی ہو جاویں، یہ تین صورتیں تو درمختار عالمگیری وغیرہ میں مصرح ہیں، اور ایک چوتھی صورت یہ ہے کہ امام مسجد میں تو پہلے سے موجود ہے، لیکن محراب سے فاصلہ پر ہے، سو اس صورت کا حکم بھی تفصیل بالا سے معلوم ہو گیا، کہ جن صفوں سے امام آگے ہے وہ صفیں امام کے اٹھتے ہی سب کھڑی ہو جاویں اور جو صفوف امام سے آگے بیٹھی ہیں ان میں جس صف سے امام بڑھتا جاوے وہ کھڑی ہوتی جاوے، اس چوتھی صورت کو علامہ شامی نے درمختار ہی کی عبارت سے مستنبط فرمایا ہے۔ درمختار کی عبارت یہ ہے:

(والقيام)لإمام ومؤتم(حين قيل حي على الفلاح)...(إن كان الإمام بقرب المحراب وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام على الأظهر)وإن دخل من قدام قاموا حين يقع بصرهم عليه.

اور شامی نے وإلا فيقوم کے تحت لکھا ہے:

أي وإن لم يكن الإمام بقرب المحراب بأن كان في موضع آخر من المسجد أو خارجه ودخل من خلف،ح.(۱/ ۵۰۰)(الدرالمختار مع رد المحتار ، كتاب الصلاة ،آداب الصلاة،قبيل الفصل: ۱/ ۴۷۹،انیس)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم ہر حال میں نہیں ہے، بلکہ چار صورتوں میں سے صرف ایک صورت میں ہے، و نیز یہ کسی نے نہیں کہا کہ امام صاحب ضرور خواہ مخواہ جا کر بیٹھا کریں، بلکہ اس مسئلہ کا منشا صرف یہ ہے کہ اگر اتفاقاً پیشتر سے امام محراب کے قریب بیٹھا ہو تو یہ حکم ہے، پس ان امام صاحب نے اس کا اہتمام جو شروع کیا ہے یہ ان کی زیادتی ہے، ایسا اہتمام ہرگز نہ چاہئے، دوسرے یہ کہ یہ سب آداب میں سے ہیں، اور ادب وہ ہے جو اکمال سنت کے واسطے مشروع ہوا ہو اور اس کے ترک پر ملامت وعتاب نہیں ہو سکتا، اگر کوئی کرے، تو بہتر ہے ورنہ کچھ حرج نہیں ہے۔ كما صرح به في الدرالمختار وغيره من كتب الفقه. پس مقتدیوں کو مجبور کرنا بالکل بے جا ہے۔

تیسرے یہ بات غور طلب ہے کہ حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہونے کا جو آداب میں شمار کیا ہے، تو اس کا مقابل کیا ہے؟ عام طور پر لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ حی علی الفلاح سے پہلے کھڑا ہونا (مؤلف مفتاح الجنۃ نے یہی سمجھ کر اپنی طرف سے بڑھا دیا کہ امام ومقتدی سب اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں، ورنہ کتب فقہ میں اس جملہ کا کہیں پتہ نہیں۔منہ) خلاف اولیٰ ہے، حالانکہ یہ بھی تو کہا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد بیٹھا رہنا خلاف اَولیٰ ہے، کیونکہ اقامت کے بعد فوراً نماز شروع کر دینا مستحب ہے، اس واسطے اس کے ختم ہونے سے پیشتر کھڑا ہونا آداب میں رکھا گیا تا کہ اس سنت مستحبہ کی تکمیل ہو جاوے، پس اس بنا پر اگر اقامت کے شروع ہی سے کھڑے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہ ہوگا، اور یہ جو احقر نے کہا ہے کہ قیام عند الحیعلہ کو اولیٰ کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے پیشتر قیام خلاف اولیٰ ہو بلکہ حیعلہ کے بعد جلوس کو خلاف اولیٰ کہنا چاہئے، اس کی طرف مراقی الفلاح کے قول میں اشارہ ہے، کیونکہ اس میں یہ دلیل لکھی ہے، لأنه أمر به فيجاب ، اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود امر کی طرف مبادرت ہے، كما صرح به الطحطاوی بقوله فيبادر إليها بالقيام. ==

امام اور مقتدیوں کا شروع اقامت میں کھڑا ہونا:

سوال: مقتدی اور امام کے لئے ''حی علی الفلاح'' پر کھڑے ہوجانا اور ''قد قامت الصلاۃ'' پر تحریمہ باندھ لینا ہر وقت مستحب اور ضروری ہے، یا کسی تعذر مثلاً صف بندی کی درستگی کی بنا پر ضروری اور مستحب نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۵۵۱، محمد حبیب حسین (بہار) ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ، م ۲۹ جون ۱۹۳۷ء

الجواب

مقتدی اور امام ''حی علی الفلاح'' پر کھڑے ہوجائیں، یعنی اس کے بعد بیٹھے نہ رہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے کھڑے نہ ہوں، اگر صف بندی کرنی ہو تو پہلے سے (یعنی شروع اقامت سے) کھڑا ہوجانا بہتر ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔ (کفایت المفتی: ۵۳/۳)

== اور ظاہر ہے کہ مبادرت کا مقابل دیر لگانا ہے، بعد امر کے نہ کہ امر سے قبل مستعد ہونا، پس واضح ہوگیا کہ ہمارا معمول ہرگز خلاف اولیٰ نہیں ہے، بلکہ ہم بدرجہ اولیٰ اس حکم مبادرت الی القیام پر عامل ہیں، و نیز جتنا جلدی کھڑے ہوں گے، اسی قدر اہتمام ہوگا تسویہ صفوف کا، پس اس کی کوئی وجہ نہیں کہ قیام قبل الحیعلہ کو خلاف اولیٰ کہا جاوے، اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ شرح مراقی الفلاح میں تصریح ہے:

وإذا أخذ المؤذن في الإقامة ودخل رجل المسجد فإنه يقعد ولا ينتظر قائما فإنه مكروه كما في المضمرات (القهستاني) ويفهم منه كراهة القيام ابتداء الإقامة والناس عنه غافلون، آه.

سو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ جزئیہ اگر تسلیم کیا جاوے تو مخصوص ہوگا اس صورت کے ساتھ جب کہ امام اور قوم بیٹھی ہو کہ اس وقت آنے والے کو سب کی موافقت کرنی چاہئے خلاف کرنا کراہت سے خالی نہیں، پس یفهم منه سے جو تفریع کی گئی ہے وہ مخدوش ہے۔ (هذا ما عندی و الله أعلم وعلمه أتم وأحكم)

اور دوسرا جز جو سوال میں ضمناً مذکور ہے کہ کلمہ ''قد قامت الصلاة'' پر امام و مقتدی نماز کی نیت کرتے ہیں، ہمارے اکابر کا اس پر بھی عمل نہیں ہے، بلکہ اقامت پوری ہونے کے بعد نماز شروع کرتے ہیں اور اسی کو بہتر سمجھتے ہیں، کیونکہ اس طرح مؤذن تکبیر تحریمہ میں شامل ہوجاتا ہے اور اقامت کا جواب دینا جو مستحب ہے، اس کا بھی موقع امام اور مقتدی سب کو ملتا ہے، اور طحطاوی نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

لأنه قال تحت قول الشرنبلالية: (و) من الأدب (شروع الإمام) إلٰى إحرامه (مذ قيل) أى عند قول المقيم (قد قامت الصلاة) عندهما وقال أبو يوسف: يشرع إذا فرغ من الإقامة الخ أى بدون فصل وبه قالت الأئمة الثلاثة وهو أعدل المذاهب (شرح المجمع) وهو الأصح (القهستاني عن الخلاصة) وهو الحق (نهر) (ص: ١٦٢) فقط والله أعلم بالصواب

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/ ۸۷-۹۰)

(۱) فذهب مالك وجمهور العلماء إلٰى أنه ليس لقيامهم حد ولكن استحب عامتهم القيام إذا أخذ المؤذن في الإقامة. (عمدة القاري، باب متى يقوم الناس: ١٥٣/٥، ط: بيروت)

وقال الطحطاوي تحت قوله: والقيام لإمام ومؤتم: ''والظاهر أنه احترازعن التأخير لا التقديم، حتٰى لو قام أول الإقامة لا بأس به''. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب صفة الصلاة: ٢١٥/١، ط: دار المعرفة، بيروت، لبنان)

نماز پڑھانے کے لیے امام کو آتا ہوا دیکھ کر، فوراً کھڑے ہوجانے کا فائدہ:

سوال: شرح وقایہ میں ہے کہ "حی علی الفلاح" پر نماز کے لیے کھڑا ہونا، یہ ٹھیک ہے، یا پہلے ہی کھڑا ہونا ٹھیک ہے، کیسے ہم عمل کریں؟

الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

درمختار اور فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ جب امام نماز پڑھانے کے لیے آتا ہوا نظر آجائے، تو فوراً سب لوگ کھڑے ہوجائیں، اس سے فائدہ بھی ہوتا ہے کہ صفیں سیدھی ہوکر امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ بھی فوت نہیں ہوتی اور یہی طریقہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی تھا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ۱۴۰۹/۱۰/۲۷ھ۔

الجواب صحیح حبیب الرحمٰن خیرآبادی، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۱۰)

امام ومؤذن کب کھڑے ہوں:

سوال: قصبہ سکندر پور کی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے وقت نورالہدی صاحب ڈل پاس نے بیان کیا کہ جب خطیب خطبہ پڑھ چکے تو امام اور مقتدی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں، تنہا مکبر کھڑا ہوکر تکبیر کہے اور جب پہلی حی علی الصلاۃ پکارے تو امام مصلّٰی پر اور مقتدی صف بندی کر کے کھڑے ہوجائیں، جب قد قامت الصلاۃ کہے امام نیت باندھے یہ طریقہ مسنون ہے، سنا گیا ہے کہ اس طریقہ کو امام مدنی جامع مسجد کلکتہ نے تھوڑے دنوں سے رائج فرمایا ہے چونکہ یہ طریقہ بالکل نیا ہے، اس لئے مسلمانان سکندر پور آنحضرت سے استفسار کرتے ہیں کہ اس مسئلہ میں فتویٰ صادر فرماویں کہ یہ قابل عمل ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

طریقہ مسنون یہی ہے کہ مؤذن جب حی علی الصلاۃ کہے تب امام ومقتدی صف بصف کھڑے ہوں اور قد قامت الصلاۃ کے وقت نماز شروع کردے۔ شرح وقایہ میں ہے:

"**ویقوم الإمام والقوم عند حی علی الصلاۃ ویشرع عند قد قامت الصلاۃ**". (باب الأذان: ۱/۱۵۵)

مگر واضح رہے کہ جماعت بڑی ہو اور صف بندی حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہوتے ہی نہ ہوسکتی ہو تب ضروری ہے کہ سب لوگ کھڑے ہوکر پہلے صف درست کرلیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راستی صفوف کی بے حد تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: "**سووا صفوفکم**".

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے! رد المحتار، کتاب الصلاۃ، آداب الصلاۃ، آخر باب صفۃ الصلاۃ، قبیل الفصل: ۱/۴۷۹، حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، باب صفۃ الصلاۃ: ۱/۲۱۵، ط: دار المعرفۃ، بیروت، لبنان. انیس

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل برابر اسی طرح رہا ہے کہ پہلے چند شخص کو صف درست کرنے پر مقرر فرماتے جب ساری صفیں درست ہوجاتی تھیں، تب نماز شروع ہوتی۔

إن عمربن الخطاب كان يأمر رجالاً بتسوية الصفوف فإذا جاء وه فأخبروه أن قداستويت كبر. (۱)

"أن عثمان بن عفان كان يقول في خطبته: إذا قامت الصلاة فاعدلوا الصفوف، وحاذوا بالمناكب، فإن اعتدال الصفوف من تمام الصلاة ثم لايكبر حتى يأتيه رجال قد وكلهم بتسوية الصفوف فيخبرونه أن قد استوت فيكبر. (۲)

پس ظاہر ہے کہ "**حي على الصلاة**" پر کھڑے ہونا اور "**قدقامت الصلاة**" پر شروع کرنا فعل مسنون ہے اور اگر صف کی درستی اتنی جلدی نہ ہوسکے تب بلاصف درست کئے نماز شروع کرنا خلاف سنت ہے کیوں کہ صحابہ چند شخصوں کو مقرر کرتے تھے کہ صفوں کو سیدھا اور درست کریں اور مونڈھے سے مونڈھا ملائیں جب وہ اشخاص خبر دیتے کہ صف درست ہوگئی، تب نماز شروع کرتے اس سے معلوم ہوا کہ درستی صف صحابہ کے نزدیک "**حي على الصلاة**" کے وقت کھڑے ہونے سے زیادہ اہم تھی۔ **فافهم ولاتكن من الغافلين فإن هذا من أهم المسائل، فقط والله تعالىٰ أعلم**

حررہ محمد حفیظ الحسن۔ ۲۷ر صفر ۱۳۴۴ھ / الجواب صواب: محمد عثمان غنی۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۳۴۱-۳۴۲)

"لاتقوموا حتیٰ تروني" کا مطلب:

سوال: تکبیر بیٹھ کر سننا چاہیے یعنی "**حي على الصلاة**" پر کھڑا ہونا چاہیے یا کہ پہلے ہی سے کھڑا رہا جائے؟ "**لاتقوموا حتیٰ تروني**" کا کیا مطلب ہے؟

(۱) موطأالإمام مالک، ت: الأعظمي، ماجاء في تسوية الصفوف (ح: ۵٤۲) انیس

(۲) موطأالإمام مالک، ت: الأعظمي، ماجاء في الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب (ح: ۳٤۵) انیس

على الإمام أن يأمربتسوية الصفوف، ويشرف بنفسه، أوبأحد أعوانه علىٰ تسويتها، ولايبدأ بالصلاة حتى تسوى، أما أمره بتسوية الصفوف فقد قال علقمة: كنا نصلي مع عمرفقول: سووا صفوفكم لتلتقى مناكبكم لايتخللكم الشيطان كأنها بنات حذف، (عبدالرزاق، باب الصفوف (ح: ۲٤۳۳) ٤٦/۲، آثارأبي يوسف. ۱۵۹)

أما مباشرته تسوية الصفوف بنفسه فعن أبي عثمان النهدي قال: مارأيت أحدًا كان أشد تعاهدًا للصف من عمر، إن كان يستقبل القبلة حتى قلنا قدكبر، التفت فنظرإلى المناكب والأقدام، وإنه كان يبعث رجالا يطردون الناس حتى يلحقوهم بالصفوف. (مصنف ابن أبي شيبة، ماقالوافي إقامة الصف (ح: ۳۵۳۷) ۱/۵٤۱، سنن البيهقي: ۳/۱۱۳)

وقال: كان عمريأمربتسوية الصفوف ويقول: تقدم يافلا ن... تقدم يافلا ن. (كنزل العمال: ۲۲۹۹۳)

أمااستعانته ببعض أعوانه لإقامة الصفوف، فعن نافع مولى ابن عمرقال: كان عمريبعث رجلا يقوم الصف ثم لايكبر حتى يأتيه فيخبره أن الصفوف قد اعتدلت. (مصنف عبدالرزاق، باب الصفوف (ح: ۲٤۳۷) ٤۷/۲، موطأ الإمام مالک، ت: الأعظمي، باب ماجاء في الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب (ح: ۸): ۱/۱۵۸، عن عثمان بن عفان/ المحلى: ٤/۵۸-۱۱۵) (موسوعة فقه عمربن الخطاب عصره وحياته، ص: ۵۷۳) (موطأ الإمام محمد، باب تسوية الصفوف، ص: ۸۸)

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

جولوگ جماعت سے قبل آ کر انتظار میں بیٹھے ہوئے ہوں، اور تکبیر شروع ہو جائے تو "حی علی الفلاح" سے بھی تاخیر، کھڑے ہونے میں نہ کرنی چاہیے، اگر پہلے کھڑے نہ ہوئے ہوں، تو "حی علی الفلاح" تک کھڑے ہو جاویں۔ اور بہتر یہ ہے کہ جب امام مصلیٰ پر چلے اور لوگ دیکھیں، تو کھڑے ہو جاویں اور صفیں سیدھی کر لیں۔ "لا تقوموا حتٰی ترونی" کا بھی یہی مطلب ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔۱۲/۱۲/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول:۱۱۲)

اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں:

سوال(۱) مؤذن یا مکبر جب نماز کے لئے اقامت کہے تو امام اور مقتدیوں کو کس وقت کھڑا ہونا چاہئے ایا ابتداء اقامت یعنی "اللّٰه أكبر" کے وقت ہی یا " أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه " یا "حی علی الفلاح" کہنے کے وقت، اولیٰ افضل اور مسنون طریقہ کیا ہے؟ احادیث شریفہ اور مستند فقہی حوالہ جات کے ساتھ جواب مرحمت فرمایا جائے؟

(۲) جن حضرات کا کہنا ہے کہ ابتداء اقامت کے بجائے "أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه" یا "حی علی الفلاح" کے وقت کھڑا ہونا ہی مسنون اور افضل ہے، اس کے خلاف ناجائز، مکروہ اور غلط ہے، تو ان کا یہ قول صحیح ہے یا غلط؟ نیز ان کا یہ عمل کہ قبل سے مستقل بیٹھے رہیں اور خاص کر "أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه" کے وقت کھڑے ہو جائیں، درست ہے یا نادرست؟

(۳) اس بارے میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، جمہور صحابۂ کرام، تابعین عظام، چاروں ائمہ اور بزرگان دین کا معمول کیا رہا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

ابتداء اقامت سے کھڑا ہونا بھی جائز و درست ہے، اس کو ناجائز، مکروہ اور بے بنیاد کہنا کتاب وسنت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ احادیث اور آثار صحابہ سے ابتداء اقامت سے کھڑے ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

(۱) قال عياض: يجمع بين مختلف هذه الأحاديث بأن بلالاً رضی اللّٰه عنه كان يراقب خروج النبی صلی اللّٰه عليه وسلم من حيث لايراه غيره إلا القليل فعند أول خروجه يقيم ولايقيم الناس حتی يروه ثم لايقوم مقامه حتی يعدلوا الصفوف وقوله فی رواية أبی هريرة فيأخذالناس مصافهم قبل خروجه لعله كان مرة أومرتين ونحوهما لبيان الجواز أو لعذر ولعل قوله فلاتقوموا حتی ترونی كان بعدذلک، قال العلماء: والنهی عن القيام قبل أن يروه لئلا يطول عليهم القيام ولأنه قديعرض عارض فيتأخر بسببه. (بذل المجهود فی حل أبی داؤد، باب فی الصلاة تقام ولم يأت الإمام: ١٧٢/٢. انیس)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن ابن جريج قال: أخبرني ابن شهاب أن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن: الله أكبر، الله أكبر، يقوم الناس إلى الصلاة فلا يأتي النبي صلى الله عليه وسلم مقامه حتى يعدل الصفوف". (مصنف عبد الرزاق، باب قيام الناس عندالإقامة (ح:١٩٤٢): ٥٠٧/١)

(ابن شہاب سے مروی ہے کہ جس وقت مؤذن " الله أكبر ، الله أكبر " کہتا تو لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے تک صفیں درست ہو جاتی تھیں)۔

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے:

عن أبي هريرة يقول: أقيمت الصلاة فقمنا فعدّلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينارسول الله صلى الله عليه وسلم. (الصحيح لمسلم: ٢٢٠/١)

(حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ نماز کھڑی ہوتی تو ہم کھڑے ہو جاتے اور حضور اکرم صلی علیہ وسلم کے ہماری طرف نکلنے سے پہلے ہی ہم صفیں درست کر لیتے)۔

جہاں تک اقوال فقہا کا تعلق ہے تو امام نووی نے مسلم شریف کی شرح میں مذاہب کی تفصیل بیان کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

امام شافعی اور ایک جماعت کے نزدیک اقامت ختم ہونے کے بعد کھڑا ہونا مستحب ہے، امام مالک کے نزدیک قاضی عیاض کی روایت کے مطابق شروع اقامت سے کھڑا ہونا مستحب ہے، البتہ مؤطا کی تشریح سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص حد میں قیام واجب نہیں ہے، بلکہ لوگوں کی سہولت پر چھوڑ دیا جائے ، بھاری بدن والا اور کمزور آدمی دیر میں اٹھتا ہے اور ہلکا آدمی جلدی اٹھ جاتا ہے۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک "قد قامت الصلاة" پر کھڑا ہونا مستحب ہے۔ (دیکھئے: نووی: ٢٢١/١)(١)

مذہب حنفی کی پوری تفصیل عالمگیری اور بدائع الصنائع میں ہے:

"اگر مقتدی امام کے ساتھ مسجد میں ہوں، تو دونوں "حيّ على الفلاح" کہنے کے وقت کھڑے ہوں اور اگر امام مسجد سے باہر ہو، تو یہ تفصیل ہے کہ اگر امام صفوں کی طرف سے داخل ہو تو جس صف سے امام گذرے اس صف کے

---

(١) مذهب الشافعي رحمه الله تعالىٰ وطائفة: أنه يستحب أن لا يقوم أحد حتى يفرغ المؤذن من الإقامة، ونقل القاضي عياض عن مالك رحمه الله تعالىٰ وعامة العلماء: أنه يستحب أن يقوموا إذا أخذ المؤذن في الإقامة، وكان أنس رضي الله تعالىٰ عنه يقوم إذا قال المؤذن: قد قامت الصلاة، وبه قال أحمد رحمه الله تعالىٰ، وقال أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ والكوفيون: يقومون في الصف إذا قال: حي على الصلاة. (النووي شرح مسلم: ٢٢١/١) انيس)

لوگ کھڑے ہوتے جائیں اور اگر امام مقتدی کے سامنے سے داخل ہو، تو اس کو دیکھتے ہی مقتدی کھڑے ہو جائیں اور جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو، مقتدی کھڑے نہ ہوں''۔ (الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۵۷)

کتب فقہ حنفی میں اس مسئلہ کے سلسلہ میں جو تفصیل مذکور ہے، اس میں صرف ایک صورت میں جب کہ امام ومقتدی پہلے سے مسجد میں ہوں اور امام محراب سے قریب ہو، تو ''**حی علی الفلاح**'' یا ''**حی علی الصلاۃ**'' کے وقت کھڑے ہونے کا ذکر ہے اور یہ حکم بھی کوئی فرض، واجب یا سنت نہیں ہے، بلکہ فقہا نے اس کو ''آداب صلوۃ'' کے تحت ذکر کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس پر عمل کریں گے تو ثواب ملے گا اور عمل نہیں کریں گے تو کوئی گناہ بھی نہیں ہوگا اور نہ ایسے شخص کی کوئی ملامت کی جائے گی۔

علامہ ابن نجیم نے ''البحر الرائق'' اور علامہ طحطاوی نے ''طحطاوی علی الدر المختار'' میں اس مسئلہ پر جو گفتگو کی ہے، اس سے تو مسئلہ بالکل بے غبار اور واضح ہو جاتا ہے اور اس ایک صورت میں بھی کوئی اشکال باقی نہیں رہتا ہے۔ علامہ ابن نجیم نے ''**حی علی الفلاح**''، پر کھڑے ہونے کی یہ علت بیان کی ہے:

''**القيام حين حيّ على الفلاح لأنه أمر يستحب المسارعة إليه**''. (البحر الرائق: ۱/۳۲۱)

یعنی ''**حی علی الفلاح**'' پر کھڑا ہونا اس لئے افضل ہے کہ چونکہ اس میں کھڑے ہونے کا حکم ہے، اس لئے جلدی سے کھڑا ہو جانا مستحب اور بہتر ہے، تاکہ حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ''**حی علی الفلاح**'' تک کھڑا ہو جانا چاہئے، اس کے بعد بیٹھے رہنا ٹھیک نہیں ہے، اگر کوئی شخص شروع سے کھڑا ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ بہتر ہے، کیونکہ اس میں مسارعت زیادہ پائی جا رہی ہے۔

چنانچہ طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

''**والقيام لإمام ومؤتمّ حين قيل حيّ على الفلاح مسارعة لامتثال أمر والظاهر أنه احتراز عن التأخير لا التقديم حتى لو قام أول الإقامة لا بأس به**''. (الطحطاوی علی الدر المختار، آداب الصلاۃ: ۱/۳۳۱)

بہرکیف! صرف ایک صورت میں ''**حی علی الفلاح**'' پر کھڑے ہونے کی بات ہے اور وہ بھی نماز کے آداب میں سے ہے، اور البحر الرائق اور طحطاوی علی الدر المختار کی مذکورہ تصریح کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء اقامت سے کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ ''**حی علی الفلاح**'' کے بعد بیٹھے رہنا خلاف ادب ہے، بعض جگہوں میں جو یہ طریقہ رائج ہے کہ امام صاحب اقامت کے وقت آ کر مصلّی پر بیٹھ جاتے ہیں اور تمام لوگوں کو بیٹھا دیتے ہیں اور جو لوگ نہیں بیٹھتے ہیں ان کو ترچھی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اور حسب موقع طعن وتشنیع بھی کی جاتی ہے اور بعض دفعہ لڑائی کی نوبت آ جاتی ہے اور جب مکبر ''**حی علی الفلاح**'' کہتا ہے تو اس وقت امام ومقتدی سب کے سب کھڑے ہوتے ہیں، اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے اور نہ ہی امت میں کسی فقیہ کا مذہب ہے۔

دوسری طرف اقامت صفوف اور تسویت صفوف کی احادیث میں بہت زیادہ تاکید آئی ہے، اور صفیں سیدھی نہ ہونے پر بہت سخت وعیدیں بھی آئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ صفیں سیدھی رکھا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہرے بگاڑ دیں گے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ صفوں میں سیدھے کھڑے رہا کرو، آگے پیچھے نہ رہا کرو، ورنہ تمہارے دل بدل جائیں گے۔ آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی اور نا اتفاقی پھیل جائے گی۔ (مشکوۃ المصابیح:١/٩٨)

ترمذی شریف میں خلفاء راشدین حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا معمول درستگی صف کا نقل کیا گیا ہے کہ ان حضرات نے باقاعدہ آدمی مقرر کیا تھا؛ صفوں کی درستگی کے لئے، پیچھے سے جب آواز آتی کہ صفیں درست ہوگئی ہیں؛ تو نماز شروع کی جاتی۔ اسی بنیاد پر صحابۂ کرام، تابعین عظام اور ائمۂ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اس بات پر متفق ہیں کہ صفوں کی درستگی ضروری ہے، جو نماز شروع ہونے سے قبل مکمل ہوجانی چاہئے۔ بہرحال! صفوں کی درستگی ایک عظیم اور اہم کام ہے، جو نماز شروع ہونے سے قبل مکمل ہوجانی چاہئے اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ ابتداء اقامت سے کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کر لی جائیں، چونکہ اس زمانہ میں لوگوں کے اندر سستی اور غفلت عام ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ ابتداء اقامت سے کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کر لی جائیں۔ "حی علی الفلاح" پر کھڑے ہونے کی صورت میں نماز شروع ہونے سے قبل صفیں سیدھی نہیں ہوسکتی ہیں۔ اس صورت میں دو ہی باتیں ہوسکتی ہیں یا تو نماز شروع ہوجانے کے بعد مقتدی صفیں درست کرنے میں مشغول ہوں گے، جس سے انتشار بھی ہوگا، یا صفوں کو بغیر درست کئے ہوئے امام کے ساتھ نماز شروع کردیں گے۔ پہلی صورت میں تکبیر اولی فوت ہوگی اور دوسری صورت میں ایک فعل منکر کا ارتکاب لازم آئے گا، جو بہرحال غلط ہے۔ اور اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے کہ پہلے صفیں درست کرالی جائیں اور لوگوں کو بٹھا دیا جائے، پھر سبھی لوگ "حی علی الفلاح" کے وقت کھڑے ہوں۔

خلاصۂ جواب:

(الف)　صحابۂ کرام کا عام معمول ابتداء اقامت سے کھڑے ہونے کا تھا، لہذا یہ عمل مکروہ اور غلط نہیں ہوسکتا ہے، اس کو غلط اور مکروہ کہنے والے احادیث و روایات سے ناواقف ہیں۔

(ب)　حنفیہ کے نزدیک صرف ایک صورت میں (جبکہ امام و مقتدی اقامت سے قبل مسجد میں ہوں اور امام محراب سے قریب ہو) "حی علی الفلاح" پر کھڑا ہونا آداب صلوٰۃ میں سے ہے، نہ فرض ہے اور نہ ہی واجب، اور اس ایک صورت میں بھی ابتداء اقامت سے کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ "حی علی الفلاح" تک کھڑے ہوجانا چاہئے، اس کے بعد بیٹھے رہنا خلاف ادب ہے، **کما فی البحر الرائق والطحطاوی علی الدر المختار۔**

نیز ائمۂ اربعہ میں سے کوئی امام بھی ابتداء اقامت سے کھڑے ہونے کو مکروہ قرار نہیں دیتا ہے۔

(ج) فقہاء امت میں سے کسی کا یہ مذہب نہیں ہے کہ امام اقامت کے وقت باہر سے آکر مصلّٰی پر بیٹھ جائے اور بیٹھنے کو ضروری سمجھے اور کھڑے ہونے والے مقتدیوں کو کھڑے ہونے سے روکے اور جو لوگ کھڑے ہوں ان پر طعن وتشنیع کی جائے اور لڑائی تک کی نوبت آجائے۔

(د) باجماع صحابہ وتابعین اور باتفاق ائمۂ اربعہ صفوں کی درستگی ایک عظیم اور اہم کام ہے، جو نماز شروع ہوجانے سے قبل مکمل ہوجانی چاہئے ''حی علی الفلاح'' پر کھڑے ہونے کی صورت میں یا تو کچھ لوگوں کی تکبیر اولیٰ فوت ہوگی یا صفوں کی درستگی نہیں ہوسکے گی۔

(ر) لہٰذا مذکورہ بالا بحث کے پیش نظر اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ ابتداء اقامت سے کھڑے ہوکر نماز شروع کرنے سے قبل صفیں سیدھی کرلی جائیں۔

واضح رہے کہ اس طرح کے فروعی مسائل کو باہمی اختلاف وانتشار کا ذریعہ نہ بنایا جائے، جہاں جس طرح پہلے سے عمل ہوتا چلا آرہا ہے، اسی پر عمل ہونے دیا جائے۔ اس وقت ملک وبیرون ملک کے جو حالات ہیں اور مسلمانوں پر ظلم وستم کے جو پہاڑ توڑے جارہے ہیں، ان کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مسلمان باہمی اختلاف کو ختم کرکے اور مسلکی تعصب سے بالاتر ہوکر محض کلمہ کی بنیاد پر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں اور باہم متحد ومنظم ہوکر باطل طاقتوں کا منہ توڑ جواب دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳۷۹/۲-۳۸۴)

امام مصلّٰی پر کب کھڑا ہو:

سوال: جب مؤذن نماز جماعت کے وقت تکبیر پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے، امام کو تکبیر اولیٰ میں مصلے کے اوپر کھڑا ہونا چاہئے یا بعد کو ''اللّٰہ أکبر''، جس وقت مؤذن کہتا ہے اس وقت کھڑا ہو یا ''حی علی الفلاح'' کے بعد کھڑا ہو۔ امام اگر ''محمد رسول اللّٰہ'' کے بعد مصلے پر کھڑا ہوجائے، تو مقتدی گنہگار ہوتے ہیں۔

(المستفتی نمبر: ۱۴۹۶، قاضی کمال الدین صاحب (ضلع کاٹھیاواڑ)

الجواب

مؤذن جس وقت اقامت شروع کرے اسی وقت امام مصلے پر کھڑا ہوسکتا ہے اور اگر اس وقت وقت کھڑا نہ ہو بلکہ ''حی علی الصلاۃ'' کہنے کے وقت کھڑا ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ اس کے بعد بیٹھنا نہیں چاہئے بلکہ ''حی علی الصلاۃ'' پر ضرور کھڑا ہونا چاہئے۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔ (کفایت المفتی: ۵۲/۳-۵۳)

(۱) فذهب مالک وجمهور العلماء إلی أنه لیس لقیامهم حد ولکن استحب عامتهم القیام إذا أخذ ==

بوقت اقامت امام اور مقتدی کب کھڑے ہوں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلۂ ذیل کے بارے میں!

فرض نماز کے لئے مکبر جب تکبیر کہنا شروع کرے، اس وقت صفیں درست کرنے کے لئے مقتدی حضرات کو کب کھڑے ہونا چاہئے؟

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ مکبر جب تکبیر کہنا شروع کرے، اسی وقت صفیں درست کرنے کے لئے کھڑے ہونا چاہئے، جب کہ بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ "**حیّ علی الصلاۃ**" یا "**حیّ علی الفلاح**" کہا جاوے، اس وقت کھڑا ہونا چاہئے۔ اس سلسلہ میں شرعی حکم مع حوالہ تحریر فرماویں؟

الجواب

حدیث وفقہ حنفی میں نماز کے لئے صفوف کی درستگی کی بے حد تاکید واہمیت وارد ہوئی ہے، اس پر نماز کا کمال موقوف ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ امام کو صف کے بیچ میں رکھو۔

عن أبي هريرة. رضي الله عنه. قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "توسطوا الإمام"، الحديث، رواه أبو داؤد. (مشكوة: ٩٩)(١)

دونوں طرف دائیں بائیں صف کا برابر ہونا ضروری ہے، ایک طرف کم دوسری طرف زیادہ ہونا مکروہ ہے، مصلی حضرات مل مل کر مونڈھا، مونڈھے کے محاذ میں رکھ کر اور ایک کا ٹخنہ دوسرے کے ٹخنہ کے مقابل کر کے کھڑے ہوں، اس طور پر کہ درمیان صف خلا نہ رہے؛ کیونکہ شیطان خالی جگہ دیکھ کر بکری کے بچہ کے مانند درمیان میں گھس کر مصلیوں کے دلوں میں وساوس ڈالتا ہے۔(٢)

"صفیں سیدھی نہ کرو گے، تو اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں مسخ کردے گا اور دلوں میں فساد واختلاف پیدا ہو جائے گا"، صفیں برابر نہ کرنے پر اس جیسی بہت سی خرابیاں کتب حدیث وفقہ میں مذکور ہیں۔

== المؤذن في الإقامة. (عمدة القاري، باب متى يقوم الناس: ١٥٣/٥، ط بيروت)

وقال الطحطاوي تحت قوله: والقيام لإمام ومؤتم: "والظاهر أنه احتراز عن التأخير لا التقديم، حتى لو قام أول الإقامة لابأس به". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب صفة الصلاة: ٢١٥/١، ط دار المعرفة، بيروت، لبنان)

(١) أخرجه بهذا اللفظ البيهقي في السنن الكبرىٰ، باب مقام الإمام من الصف (ح: ٥٢٠٣)/وأخرجه أبو داؤد، باب مقام الإمام من الصف (ح: ٦٨١) بلفظ: "وسطوا الإمام"/وكذا الطبراني في المعجم الأوسط، من اسمه عبدالله (ح: ٤٤٥٧) انيس)

(٢) عن أنس بن مالك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: رصوا صفوفكم وقاربوا بينهما وحاذوا بالأعناق فوالذي نفسي بيده إني لأرى الشيطان يدخل من خلل الصف كأنها الحذف. (سنن أبي داؤد، باب تسوية الصفوف (ح: ٦٦٧)/صحيح ابن خزيمة، باب الأمر بالمحاذاة بين المناكب والأعناق (ح: ١٥٤٥) ==

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول صفوں کی درستگی کے بعد ہی نماز شروع فرمانے کا تھا۔

" عن النعمان بن بشیر قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم یسوی صفوفنا إذا قمنا إلی الصلاة فإذا استوینا کبر. رواہ أبو داؤد. (مشکٰوۃ:۹۸)(۱)

ایک مرتبہ ایک آدمی کا سینہ صف سے کچھ نکلا ہوا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھ لیا، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ کے بندو! اپنی صفیں سیدھی رکھو (یعنی آگے پیچھے نہ رہو)؛ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف ڈال دے گا"۔

"وفی حدیث عن النعمان بن بشیر: خرج یومًا فقام حتٰی کاد یکبر فرأی رجلاً بادیًا صدرہ من الصف فقال: "عباد اللّٰہ لتسوّن صفوفکم أو لیخالفن اللّٰہ بین وجوھکم". (مسلم: ۱۸۲/۱)(۲)

آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

"تم لوگ اس طرح صف کیوں نہیں باندھتے، جس طرح فرشتے خدا کے حضور میں صف باندھتے ہیں"، حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! فرشتے اپنے پروردگار کے حضور میں کس طرح صف باندھتے ہیں؟ فرمایا: "اگلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور صف میں مل کر (سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح) کھڑے ہوتے ہیں"۔

"قال ألا تصفون کما تصف الملائکة عند ربھا"، فقلنا یا رسول اللّٰہ! وکیف تصف الملائکة عند ربھا؟ قال یتمّون الصفوف الأوَل ویتراصون فی الصف". (مسلم: ۱۸۱/۱)(۳)

نیز فرمایا: صف میں سیدھے کھڑے رہو، آگے پیچھے نہ رہو، ورنہ اس کی زد تمہارے دلوں پر پڑے گی۔

"استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبکم". (أیضًا)(۴)

== عن علقمة قال: کنا نصلی مع عمر فیقول: سُدُّوا صفوفکم لتلتقی مناکبکم لا یتخللکم الشیطان کأنھا بنات حذف. (مصنف عبدالرزاق الصنعانی، باب الصفوف (ح:۲٤۳۳) انیس)

(۱) سنن أبی داؤد، باب تسویة الصفوف (ح:٦٦٥)/مستخرج أبی عوانة، بیان إیجاب قیامة الصفوف (ح:۱۳۸۰) انیس)

(۲) الصحیح لمسلم، باب تسویة الصوف وإقامتھا (ح:٤۳٦)/المعجم الکبیر للطبرانی، سماک بن حرب عن النعمان (ح:۱۱۷)/السنن الکبریٰ للبیھقی، باب لایکبر الإمام حتی یأر بتسویة الصفوف (ح:۲۲۹۰) انیس)

(۳) الصحیح لمسلم، باب الأمر بالسکون فی الصلاة (ح:٤۳۰)/سنن ابن ماجة، باب إقامة الصفوف (ح:۹۹۲)/سنن النسائی، حث الإمام علی رص الصفوف والمقاربة بینھا (ح:۸۱٦) انیس)

(۴) الصحیح لمسلم، باب تسویة الصفوف وإقامتھا (ح:٤۳۲) انیس)

اورآپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے کہ صفوں کو برابر رکھا کرو؛ کیونکہ صفوں کو برابر رکھنا نماز کی تکمیل میں سے ہے۔

"عن أنس قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: "سووا صفوفکم فإن تسویة الصفوف من تمام الصلاة". (مسلم: ١٨٢/١)(١)

نیز فرمایا ہے: "اپنی صفیں خوب ملی ہوئی رکھو، (یعنی آپس میں خوب مل کر کھڑے ہو) اور مونڈھوں کو محاذاۃ میں رکھو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں شیطان کو تمہاری صفوں کی کشادگی میں چھوٹی بھیڑوں کی طرح گھستے دیکھتا ہوں۔

عن أنس قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: "رصوا صفوفکم وقاربوا بینها وحاذوا بالأعناق فوالذی نفسی بیده إنی لأریٰ الشیطان یدخل من خلل الصف کأنها الحذف". (مشکوۃ: ٩٨/أبوداؤد: ٩٧/١)(٢)

صفیں درست کرنے پر جو فضائل اور اس میں کوتاہی کرنے پر جیسی وعیدیں وارد ہوئی ہیں، ایسی بوقت "**حیّ علی الفلاح**" کھڑے ہونے نہ ہونے پر وارد نہیں ہوئی ہیں، پھر درستگئ صفوف کی اہمیت نظر انداز کرکے "**حیّ علی الفلاح**" کے وقت ہی کھڑا ہونے پر اصرار کیوں کیا جارہا ہے؟ نیز امام اس کا پابند نہیں کہ اقامت سے قبل مصلیٰ پر آکر بیٹھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ، خلفاءِ راشدین اور ائمہ کرامؒ کے مبارک دور میں امام کا مصلیٰ پر آکر اقامت سے پہلے بیٹھنے کا اہتمام والتزام نہیں تھا، ملاحظہ ہو!

(١) حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے:

"کان بلال یؤذن إذا دحضت الشمس فلا یقیم حتیٰ یخرج النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فإذا خرج أقام الصلاة حین یراه". (مسلم: ٢٢١/١)(٣)

یعنی حضرت بلالؓ ظہر کی اذان زوال کے بعد دیتے، پھر اقامت اس وقت تک نہیں کہتے جب تک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حجرہ سے باہر نہ نکلتے، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لاتے، تب اقامت کہتے تھے۔

(٢) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ!

---

(١) الصحیح لمسلم، باب تسویة الصفوف وإقامتها (ح: ٤٣٣) انیس)

(٢) سنن أبی داؤد، باب تسویة الصفوف (ح: ٦٦٧)/صحیح ابن خزیمة، باب الأمر بالمحاذاة بین المناکب والأعناق (ح: ١٥٤٥) انیس)

(٣) الصحیح لمسلم، باب متی یقوم الناس الصلاة (ح: ٦٠٦)/مسند السراج، باب فی تخفیف الصلاة (ح: ١٧٢)/السنن الکبریٰ للبیهقی، باب لایقیم المؤذن حتی یخرج الإمام (ح: ٢٢٧٨) انیس)

"إن الصلاة كانت تقام لرسول الله صلى الله عليه وسلم فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مقامه". (مشكوة: ١/ ٢٢٠)(١)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں نماز کی اقامت کہی جاتی تھی اور لوگ (یعنی حضراتِ صحابہؓ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری مصلیٰ پر ہو، اس سے پہلے ہی صف میں اپنی اپنی جگہ لے لیتے۔

(٣) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک اور روایت منقول ہے کہ:

"أقيمت الصلاة فقمنا فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم". (مسلم: ١/ ٢٢٠)(٢)

یعنی ایک مرتبہ نماز قائم کی گئی، ہم (صحابہؓ) کھڑے ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہماری طرف نکلنے سے پہلے ہم نے صفیں درست کرلیں۔

(٤) حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ!

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا أقيمت الصلاة فلا تقوموا حتىٰ تروني". (البخارى: ١/ ٨٨، مشكوة: ٦٧)(٣)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ!"جب نماز کے لئے اقامت کہی جائے، تو تم کھڑے نہ ہو، جب تک کہ مجھے اپنی طرف آتے دیکھ نہ لو"۔

(٥) حضرت ابن شہاب زہریؒ سے مروی ہے کہ!

"إن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن الله أكبر، الله أكبر، يقيم الصلاة يقوم الناس إلى الصلاة فلا يأتى النبى صلى الله عليه وسلم مقامه حتىٰ يعدل الصفوف. (مصنف عبد الرزاق: ١/ ٥٠٧)(٤)

یعنی جب مکبر "الله أكبر" کہتا، اس وقت لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تک صفیں درست ہو جاتی تھیں۔

---

(١) الصحيح لمسلم، باب متى يقوم الناس للصلاة (ح: ٦٠٥)/ سنن أبى داؤد، باب فى الصلاة تقام ولم يأت الإمام (ح: ٥٤١)/ مستخرج أبى عوانة، بيان النهى عن القيام إذا أقيمت الصلاة، الخ (ح: ١٣٤٥) انيس

(٢) الصحيح لمسلم، باب متى يقوم الناس للصلاة (ح: ٦٠٥)/ المعجم الأوسط، من اسمه مفضل (ح: ٩١٩٢) انيس

(٣) الصحيح للبخارى، باب متى يقوم الناس إذا رؤا الإمام، الخ (ح: ٦٣٧)/ الصحيح لمسلم، باب متى يقوم الناس للصلاة (ح: ٦٠٤)/ السنن المأثورة للشافعى، باب من سمع النداء (ح: ١٥٨) انيس

(٤) مصنف عبدالرزاق الصنعانى، باب قيام الناس عندالإقامة (ح: ١٩٤٢) المراسيل لأبى داؤد السجستانى، جامع الصلاة (ح: ٩٠) انيس

(٦) حضرت عبداللہ ابن اوفی فرماتے ہیں کہ!

”کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إذا قال بلال” قد قامت الصلاة“ نهض فکبر“. (مجمع الزوائد: ٥/٢)(١)

یعنی جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ”قد قامت الصلاة“ کہتے، اس وقت آپ علیہ الصلاۃ والسلام کھڑے ہوتے تھے۔

ذکرکردہ احادیث (از اول تا پنجم) سے ثابت ہوتا ہے کہ تعاملِ صحابہ ابتداءِ اقامت میں کھڑے ہوکر صفیں درست کرنے کا تھا، اسی لئے حضراتِ فقہائے کرام ومحدثین عظام نے اس طریقہ کو مسنون کہا اور توارث بھی یہی ہے۔

غالبًا حدیث نمبر:٦ کے پیش نظر فقہا نے تحریر فرمایا ہے کہ!

”حیّ علی الصلاة“ یا ”حیّ علی الفلاح“ یا ”قد قامت الصلاة“ کے وقت کھڑا ہونا نماز کے آداب میں سے ہے۔

”ولها آداب“، یعنی نماز کے چند آداب ہیں، معاً ان آداب کا حکم شرعی بھی تحریر کردیا ہے۔

”ترکه لا یوجب إساءةً ولا عتابًا. (ردالمحتار: ٤٤٦/١)/مراقی الفلاح مع الطحطاوی: ١٥١)

یعنی اس کے ترک کرنے سے نہ تو مکروہ تنزیہی کا ارتکاب ہوتا ہے، نہ عتاب کا باعث ہے، محض ایک مستحب چیز ہے اس سے معلوم ہوا کہ جب امام موجود ہو، اس وقت ابتدائے اقامت میں کھڑے ہوکر صفیں درست کرنا مکروہ نہیں، البتہ جب امام موجود نہ ہو، تو کھڑے کھڑے امام کا انتظار مکروہ ہے۔

”والظاهر أنه احترازعن التأخیر لا التقدیم حتیٰ لو قام أول الاقامة لا بأس به. (الطحطاوی علی الدرالمختار: ٣٣١/١)

وأما إذا لم یکن الإمام فی المسجد فذهب الجمهور إلیٰ أنهم لایقومون حتیٰ یروه. (فتح الباری: ١٠٠/٢)(٢)

نماز کے آداب ومستحبات کے بارے میں فقہی اصول:

(١) فقہا نے تصریح کی ہے کہ!

”تارک المستحب لایلام“. (٣)(مستحب شئ کا ترک کرنے والا قابل ملامت نہیں۔)

(١) السنن الکبریٰ للبیهقی، باب من زعم أنی یکبر قبل فراغ المؤذن، الخ (ح: ٢٢٩٧)/معرفة السنن والآثار، متی یکبر الإمام (ح: ٢٩٤١)انیس)

(٢) فتح الباری لابن حجر، باب لایقوم إلی الصلاة مستعجلاً: ١٢٠/٢. انیس

(٣) البنایة شرح الهدایة، النیة فی الوضوء: ٢٣٥/١. انیس

(٢) إن المندوب ربما ينقلب مكروهًا إذا خيف أن يرفع عن رتبته. (مجمع البحار : ٢٤٤/٢،
وفتح الباري شرح البخاري : ٢٨١/٢)(١)

(بیشک) مستحب شئ جب اپنی حد سے بڑھادی جائے، یعنی اسے سنت اورلازم سمجھ لیا جائے، تو وہ مکروہ بن جاتی ہے۔)

(٣) لأن ترك المكروه أهم من فعل المسنون. (كبيري:٣٦٥)

(مکروہ کا ترک کرنا مسنون پر عمل کرنے کی بہ نسبت اہم ہے۔)

(٤) ترك المكروه أولٰى من إدراك الفضيلة. (٢)

(حصول فضیلت کے لئے کسی مکروہ شئ کا ارتکاب لازم آتا ہو تو اس کا ترک اولیٰ ہے۔)

فقہ کی کتب معتبرہ درمختار، شامی وغیرہ میں ہے:

"سجدة الشكر مستحبة به يفتٰى لكنها تكره بعد الصلاة لأن الجهلة يعتقدونها سنة أو واجبة وكل مباح يؤدي إليه فمكروه. (ردالمحتار: ٧٣١/١)(٣)

سجدۂ شکر مستحب ہے، لیکن نماز کے بعد لوگوں کی موجودگی میں سجدۂ شکر مکروہ ہے؛ کیونکہ ناواقف لوگ اسے مسنون یا واجب اعتقاد کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جس مباح یا مستحب شئ کو اپنے حدود سے بڑھادیا جائے (یعنی مستحب کو مسنون اور واجب سمجھ لیا جائے تو) وہ مکروہ بن جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مستحب کو مسنون سمجھنا اور اس کے تارک کو قابل ملامت سمجھنا اور برا بھلا کہنا جائز نہیں؛ بلکہ خود وہ کام قابل ترک ہے۔

مغرب کی اذان کے بعد اقامت سے پہلے دو رکعت پڑھنا مستحب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار فرمایا: "لمن شاء". (یعنی جس کا جی چاہے پڑھے۔)

اس کی وجہ خود راوی بیان فرماتے ہیں:

"كراهية أن يتخذها الناس سنة". (مشكوة : ١٠٤)(٤)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند نہ تھا کہ لوگ ان دو رکعتوں کو سنت سمجھ لیں۔

---

(١) ... واستنبط ابن المنير منه: أن المندوب ربما انقلب مكروهًا إذا خيف على الناس أن يرفعوه عن رتبته،الخ. (إرشادالساري لشرح صحيح البخاري،باب ماجاء في الثوم النيء والبصل: ١٤٥/٢. انيس)

(٢) الحلبي الكبير شرح منية المصلي،فصل في مسائل شتىٰ آخر كتاب الصلاة: ٦١٩،مطبوعه سنده/وكذا نقله العلامة ابن عابدين في كتابه ردالمحتار،باب الإمامة: ٥٧٠/١،دارالفكر. انيس

(٣) الدرالمختار على صدرردالمحتار،باب صلاة المسافر: ١٢٠/٢،دارالفكر. انيس

(٤) مسند الإمام أحمد،حديث عبدالله بن مغفل المزني (ح:٢٠٥٥٢)/الصحيح للبخاري،باب الصلاة ==

بعض علما نے اپنے دور میں ایام بیض (ہر ماہ کی تیرہویں، چودہویں، پندرہویں تاریخ) کے روزے کے متعلق مکروہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے، کیونکہ ان کے زمانہ میں ایام بیض کے روزے رکھنے کا اس کثرت سے رواج ہو چکا تھا کہ اس بات کا خوف لاحق ہوگیا کہ لوگ واجب اور لازم سمجھنے لگیں گے، حالانکہ ایام بیض کے روزے مستحب ہیں، ان کی فضیلت بہت سی احادیث میں وارد ہے۔(۱)

مجالس الابرار میں ہے:

وكل مباح أدى إلىٰ هذا فهومكروه. (مجلس:۵۰،ص:۲۹۰)(۲)

(ہر وہ مباح جسے سنت کا مرتبہ دیا جائے، وہ مکروہ ہے۔)

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح میں ہے:

قال الطيبي: إن من أصرعلىٰ أمرمندوب وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصرعلىٰ بدعة أومنكر. (۳۵۳/۱)(غاية الأوطار: ۲۲۰/۱-۲۲۱)

جوکوئی امر مندوب ومستحب پر مصر رہا، اسے لابدی اعتقاد کرلیااور رخصت پر عمل نہ کیا گویا اسے شیطان نے راہ ضلالت پر ڈال دیا، تو اگر کوئی آدمی بدعت یا ناجائز پر مصر رہے، اس کے متعلق کیا خیال ہے؟

== قبل المغرب (ح:۱۱۸۳)/مسندالسراج،باب فى الركعتين قبل المغرب (ح:٦۱۱)انيس

(۱) وأما حكم المسألة فقد حكى النووى فى شرح مسلم الإتفاق على استحباب صيام الأيام البيض وهى: الثالث عشر،والرابع عشر والخامس عشر، قال:قيل:هى الثانى عشر والثالث عشروالرابع عشر،وقال شيخنا:وفيما حكاه من الإتفاق نظر،فقد روى ابن القاسم عن مالك فى المجموعة أنه سئل عن صيام أيام الغر ثلاث عشرة وأربع عشرة وخمس عشرة؟فقال:ماهذا ببلدنا، وكره تعمد صومها، وقال:الأيام كلها للّٰه تعالىٰ.وقال ابن وهب:وإنى لعظيم أن يجعل على نفسه شيئا كالفرض،ولكن يصوم إذا شاء،قال:استحب ابن حبيب صومها،وقال:أراها صيام الدهر،وقال ابن حبيب:كان أبوالدرداء يصوم من كل شهر ثلاثة أيام،أول اليوم ويوم العاشر ويوم العشرين،ويقول:هو صيام الدهر كل حسنة بعشر أمثالها.(عمدة القارى،باب صيام البيض ثلاث عشرة وأربع عشرة:۹۷/۱۱.انيس)

المسألة التاسعة صيام الأيام الغر، فكره مالك أن يتعمد صيام الأيام الغر وهى: ثلاثة عشر وأربعة عشر وخمسة عشرة على ماروى فيها مخافة أن تجعل العامة صيامها واجباً .(المسالك فى شرح موطأ مالك،باب صيام يوم الفطر والأضحى: ۲۱۱/٤)/كذا فى النوادر والزيادات على مافى المدونة من غيرها من الأمهات، فى صيام أيام منى، ويوم عرفة وعاشوراء:۷۵/۲)/وكذا فى البيان والتحصيل،مسألة صيام الأيام الغر:۳۲۲/۲.انيس)

(۲) فكذلك بعض المباحات بالمداومة تصيرصغيرة وهو كالمواظبة على متابعة الزنوج والحبشة والنظر إلى لعبهم على الدوام فإنه ممنوع وإن لم يكن أصله ممنوعاً إذ فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم.،الخ.(إحياء علوم الدين،كتاب آداب السماع والوجد:۲۸۳/۲.انيس)

امام کے چار حالات اور ہر ایک کا حکم:

(۱) امام صاحب عین اقامت کے وقت حجرے سے نکلیں تو مقتدیوں کو چاہئے کہ کھڑے ہوجاویں۔

(۲) امام صاحب پشت کی جانب سے آویں تو جس جس صف کے پاس سے امام کا گذر ہو وہ کھڑے ہوتے جاویں۔

''وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام''. (الدر المختار، آخر باب صفة الصلاة، آداب الصلاة: ٤٤٧/١)

(۳) امام کو آگے سے مسجد میں داخل ہوتا دیکھیں تو ان پر نظر پڑتے ہی سب کھڑے ہوجاویں۔

''وإن دخل من قدام قاموا حين يقع بصرهم عليه. (أيضًا)

(۴) اگر اتفاق سے امام محراب کے قریب ہو تو ''حی علی الفلاح '' کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے لازم نہیں اور ''قد قامت الصلاۃ'' کے وقت امام کا نماز شروع کرنا مستحب ہے اور اقامت پوری ہونے کے بعد نماز شروع کی جائے، تب بھی کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ اجماعا اولیٰ ہے۔

(وشروع الإمام) فى الصلاة مذ قيل قد قامت الصلاة ولو أخر حتى أتمها لابأس به إجماعًا. (قوله لا بأس به إجماعا) أى لأن الخلاف فى الأفضلية فنفى البأس أى الشدة ثابت فى كلا القولين وإن كان الفعل أولٰى فى أحد هما. (ردالمحتار: ٤٤٧/١)(١)(الطحطاوى على الدرالمختار: ٢٨٩/١)

حاصل یہ کہ تنویر الابصار اور درمختار میں جہاں آداب کے ذیل میں ''والقيام لإمام ومؤتم حين قيل حى على الفلاح'' تحریر کیا ہے، وہیں اس کا استحباب بھی تحریر کیا ہے کہ!

نظره إلٰى موضع سجوده حال قيامه، وإلٰى ظهر قدميه حال ركوعه، وإلٰى أرنبة أنفه حال سجوده وإلٰى حجره حال قعوده وإلٰى منكبه الأيمن والأيسر عند التسليمة الأولٰى والثانية. (الدر المختار متن ردالمحتار، آداب الصلاة: ٤٤٦/١)(٢)

مستحب یہ ہے کہ!

(۱) مصلی قیام کے وقت سجدہ کی جگہ نظر رکھے، (۲) رکوع میں ظاہر قدم پر، (۳) سجدے میں ناک کے سرے پر، (۴) قعدہ میں اپنی گود میں، (۵) دائیں طرف سلام کے وقت داہنے کندھے پر اور بائیں طرف سلام کے وقت بائیں کندھے پر نظر رکھے، یہ آداب از راہ تواضع وانکساری ہیں، جب یہ تمام آداب زیر بحث مسئلہ قیام عند ''حی علی الفلاح'' کے مانند آداب ومستحبات میں سے ہیں، جن سے خشوع وانکساری حاصل ہوتی ہے، پھر اس پر عمل کے لئے کیوں زور نہیں دیا جاتا۔

(١-٢) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، آخر باب صفة الصلاة، قبيل الفصل. انيس

امام طحطاوی اور کرخی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما حضرات نے تصریح کی ہے:

"الظاهر أنه عند وجود مشغل فی هذه المحلات لاینظر إلیها لأنه یضیع الخشوع الذی هو أعلی من المستحب. (الطحطاوی علی الدر المختار: ١/٣٣١)

یعنی مذکورہ بالا (یعنی نماز میں جہاں نظر رکھنا مستحب ہے، ان) جگہوں میں سے کسی جگہ میں کوئی ایسا نقش ونگار ہو جسے دیکھ کر نماز میں توجہ تام نہ رہے اور خشوع وخضوع میں خلل واقع ہو تو پھر اس کا استحباب ختم ہو جاتا ہے؛ کیونکہ خشوع وخضوع کی اہمیت بہ نسبت مستحب کے بہت زیادہ ہے۔

اور منجملہ آداب صلوۃ کے یہ بھی ہے کہ جب "قد قامت الصلاة" کہا جاوے، اس وقت امام نماز شروع کر دے اور اقامت کے اختتام پر نماز شروع کرے، تب بھی مضائقہ نہیں بلکہ تاخیر ہی زیادہ صحیح ہے، اس لحاظ سے کہ مکبر بھی تکبیر اولیٰ میں امام کے ساتھ شرکت کر سکے گا۔

(قوله أنه الأصح) لأن فیه محافظة علی فضیلة متابعة المؤذن وإعانة له علی الشروع مع الإمام. (ردالمحتار: ١/٤٤٧) (غایة الأوطار: ١/٢٢٠-٢٢١)(١)

اس سے اندازہ لگائیے کہ محض مکبر کی رعایت میں "قد قامت الصلاة" پر نماز شروع نہ کرنے کا حکم ہے اور ایک مستحب کے ترک کو صحیح کہا جانے لگا، تو پوری جماعت (جس میں بے شمار افراد ہو سکتے ہیں) کی صفوں کی درستگی (جس کی حدیث وفقہ میں بہت تاکید آئی ہے) کے خاطر امام کی موجودگی میں ابتدائے اقامت سے کھڑے ہو جاویں، تو کس بنیاد پر اسے مکروہ کہا جا سکتا ہے؟ بلکہ از روئے حدیث وفقہ یہ عمل بہت ہی افضل واعلیٰ ہے اور تعامل صحابہ اس کا مؤید ہے۔

فتح الباری شرح بخاری میں ہے: "فقد ثبت عن الصحابة أنهم كانوا یقومون إذا شرع المؤذن فی الإقامة. (٢/٩٩) (مصنف عبد الرزاق: ١/٥٠٧)(٢)

یعنی صحابہ کرامؓ اس وقت کھڑے ہو جاتے تھے جبکہ مؤذن (مکبر) اقامت کہنا شروع کر دیتا۔

ایسے ہی بعض جاہل ائمہ نے یہ عادت بنالی ہے کہ بعد خطبۂ جمعہ کے مصلی پر بیٹھ جاتے ہیں اس کے بعد اقامت کہی جاتی ہے، اور "حی علی الفلاح" کے وقت امام اور مقتدی سب کھڑے ہوتے ہیں اس فعل کا حدیث اور فقہ حنفی کی کسی بھی کتاب میں ثبوت نہیں یہ طریقہ بھی خلاف سنت اور واجب الترک ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ بعد الخطبہ فوراً اقامت کہی جاوے اور امام کے مصلی پر پہنچنے تک اقامت پوری ہو جاوے۔ شامی میں ہے:

(قوله أقیمت) بحیث یتصل أول الإقامة بآخر الخطبة وتنتهی الإقامة بقیام الخطیب مقام الصلوٰة. (١/٧٧٠)(٣)

---

(١) ردالمحتار، کتاب الصلاة، آخر باب صفة الصلاة، قبیل الفصل. انیس

(٢) مصنف عبدالرزاق الصنعانی، باب قیام الناس عندالإقامة (ح: ١٩٤٠) انیس

(٣) ردالمحتار، باب الجمعة، مطلب فی حکم المرقی بین یدی الخطیب. انیس

یعنی خطیب کا خطبہ پورا ہوتے ہی متصلاً اقامت کہی جاوے، بایں طور کہ خطیب (امام) کے مصلیٰ پر پہنچنے تک اقامت پوری ہو۔

مجالس الابرار میں ہے:

”وإذا فرغ من الخطبة وشرع المؤذن فی الإقامة ینزل من المنبر ویصلی بالناس رکعتین“. (مجلس: ٤٩، ص: ٣١٥)

اور جب خطیب خطبہ سے فارغ ہوجائے اور مؤذن اقامت شروع کرے تو امام کو چاہئے کہ منبر سے اتر کر لوگوں کو (صلوۃ جمعہ کی) دو رکعت پڑھاوے۔

صغیری (شرح منیۃ المصلی) میں ہے:

وإذا فرغ من الخطبة أقام الصلاة وصلی بهم الرکعتین علیٰ ما هو المعروف. (ص: ٢٨١)

جب خطیب خطبہ سے فارغ ہو تو اقامت کہی جائے اور امام لوگوں کو دو رکعت پڑھاوے، یہی طریقہ معروف ہے۔

اور کبیری (شرح منیۃ المصلی) میں بھی ہے:

وإذا فرغ من الخطبة أقام الصلاة وصلی بالناس رکعتین علیٰ ما هو المتوارث المعروف. (ص: ٥٢٠)

(یعنی) اور جب خطیب خطبہ سے فارغ ہو تو نماز کے لئے اقامت کہی جائے اور (امام) لوگوں کو دو رکعت پڑھاوے، یہی متوارث ومعروف ہے۔

(۱)　”قد قامت الصلاۃ“ کے وقت نماز شروع کرنا مستحب ہے، لیکن مکبر کی رعایت کرتے ہوئے اس کو ترک کیا جاتا ہے۔

(۲)　وضو غسل میں غرغرہ سنت ہے، مگر پانی حلق میں اتر جانے کے خوف سے روزہ دار کے لئے غرغرہ ممنوع ہے۔

ومن فروع ذلک: المبالغة فی المضمضة والاستنشاق مسنونة وتکره للصائم. (الأشباه و النظائر: ١١٥)

(۳)　اسی طرح ڈاڑھی کے بالوں کا خلال سنت ہے مگر حالت احرام میں بال ٹوٹ جانے کے خوف سے خلال مکروہ ہے۔

وتخلیل الشعر سنة فی الطهارة ویکره للمحرم. (أیضًا)

ملاحظہ ہو مذکورہ تمام جگہوں میں کسی عارض کی وجہ سے مستحب کو چھوڑ دیا جاتا ہے، بالکل اسی طرح ”حی علی الفلاح“ کے وقت کھڑے ہونے کے ادب کو صفوں کی درستی کا لحاظ کرتے ہوئے ترک کرنا اولیٰ کہا جائے گا، جیسا کہ خطبہ کے وقت خطیب کی طرف منہ کرکے بیٹھنا مستحب ہے، لیکن صفوں کی درستی کا خیال کرتے ہوئے قبلہ رو بیٹھنے کو اختیار کیا گیا ہے۔

مجالس الابرار میں ہے:

ویستحب للقوم أن یستقبلوا الإمام عند الخطبة لکن الرسم الآن أنهم یستقبلون القبلة للحرج فی تسویة الصفوف لکثرة الزحام. (مجلس: ٤٩، ص: ٣١٥)

یعنی قوم (حاضرین) کیلئے مستحب ہے کہ خطبہ کے وقت خطیب کے طرف منہ کر کے بیٹھیں لیکن اس وقت طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رو بیٹھتے ہیں کہ مجمع بڑا ہونے کی وجہ سے صفوں کی درستگی میں حرج ہوتا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صفوں کی درستگی کے تاکیدی حکم کا لحاظ کرتے ہوئے امام اور مقتدیوں کا اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہو جانا مکروہ نہیں البتہ امام جس وقت سامنے موجود نہ ہو اس وقت مقتدیوں کیلئے حکم ہے کہ کھڑے نہ ہوں بلکہ بیٹھے رہیں، نیز ایسے وقت کھڑے ہونا مکروہ ہے۔ (شامی وغیرہ)

علاوہ ازیں مستحب شئ کو حدود سے بڑھا دینا اور اسے ضروری سمجھنا، اقامت کے شروع میں کھڑے ہونے والے کو ملامت کرنا، اس کو بدعقیدہ گردانا، بیٹھنے پر جبر کرنا، مسجد سے باہر نکال دینا یہ سب کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ **فإلی اللّٰه المشتکی۔** فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۰۲/۸-۲۱۲) ☆

☆ <u>فتاویٰ رحیمیہ میں منقول ایک عبارت کی تحقیق:</u>

سوال: مخدومنا المکرّم حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو۔

حضرت والا کتاب ''فتاویٰ رحیمیہ'' سے خوب خوب فائدہ اٹھاتا ہوں، تفصیلی جواب لکھنے میں حضرت کی کتاب سے کافی مدد ملتی ہے، میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کے سایہ کو تا دیر قائم فرمائے پوری امت مسلمہ کی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائے اور خاتمہ بالخیر نصیب فرمائے۔ (آمین)

ایک اہم بات عرض ہے کہ فتاویٰ رحیمیہ: ۳۲۰/۴ نیز: ۲۱۰/۸ پر فتح الباری: ۹۹/۲ کے حوالہ سے ایک عبارت لکھی ہے:

''فقد ثبت عن الصحابة أنهم کانوا یقومون إذا شرع المؤذن فی الإقامة''.

یہ عبارت فتح الباری میں کافی تلاش کی گئی، لیکن نہیں مل رہی ہے، آپ سے عرض ہے کہ آپ رہنمائی فرماویں اور باب وصفحہ کے حوالہ کے ساتھ یہ عبارت تحریر فرماویں؟ دعاؤں میں یاد رکھیں۔ فقط والسلام

الجواب

حامدًا ومصلیًا ومسلماً:

محترم ومکرم مولانا مفتی صاحب دام مجدہ السامی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

عرض اینکہ آپ کا خط موصول ہوا، فتاویٰ رحیمیہ میں فتح الباری کے حوالے سے جو عبارت لکھی گئی ہے، ==

== سوءِ اتفاق سے تلاش کے باوجود فتح الباری میں وہ عبارت نہیں ملی، جس کا بے حد قلق ہے، مگر اس عبارت کا مفہوم بالکل صحیح ہے اور جو بات لکھی گئی ہے، وہ غلط نہیں ہے۔ جواب مرتب کرنے کے وقت مختلف کتابیں سامنے ہوتی ہیں، حوالہ نقل کرنے میں ممکن ہے ناقل سے خلط ملط اور تسامح ہو گیا ہوگا۔

عبارت کا مفہوم الحمدللہ بالکل صحیح ہے اور یہ مفہوم مصنف عبدالرزاق کی روایت سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے، مصنف عبدالرزاق کی روایت خود صاحب فتح الباری علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی نقل فرمائی ہے، مصنف عبدالرزاق کے اس صفحہ کی زیروکس کاپی ارسال خدمت ہے، روایت ملاحظہ ہو! (یہ روایت فتاویٰ رحیمیہ: ۳۲۰/۴، میں بھی ہے۔)

١٩٤٢ــــــ عبدالرزاق عن ابن جريج قال: أخبرني ابن شهاب أن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن: "الله أكبر، الله أكبر، يقيم الصلوٰة يقوم الناس إلى الصلوٰة، فلا يأتي النبي صلى الله عليه وسلم مقامه حتى يعدل الصفوف. (مصنف عبد الرزاق: ١/٥٠٧، فتح الباري: ١٠٠/٢)

ترجمہ: ابن شہاب سے مروی ہے کہ جس وقت مؤذن اللہ اکبر کہتا تھا، لوگ (صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین) نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے تک صفیں درست ہو جاتی تھیں۔

اس روایت میں غور کیجئے: فتاویٰ رحیمیہ میں پیش کردہ عبارت کا مفہوم اس روایت سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عبارت کا مفہوم بالکل صحیح ہے ہاں حوالہ نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے۔

اور یہ بات دیگر علمائے کرام نے بھی تحریر فرمائی ہے۔

١۔ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا ایک رسالہ ہے جس کا نام ہے "اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں" یہ رسالہ جواہر الفقہ، مطبوعہ عارف کمپنی دیوبند میں، ص:۳۰۹ تا ۳۲۴، جلد اول میں چھپا ہوا ہے، پورا رسالہ قابل مطالعہ ہے، اس میں ایک جگہ حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔

"ان سب روایات حدیث کے مجموعہ سے ایک بات قدر مشترک کے طور پر یہ ثابت ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے مسجد میں تشریف فرما نہ ہوتے، بلکہ گھر ہی سے تشریف لاتے تھے، تو آپ کو دیکھتے ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت شروع کرتے اور سب صحابہ کرام شروع اقامت سے کھڑے ہو کر تعدیل صفوف کرتے تھے، آپ نے اس کو کبھی منع نہیں فرمایا" الخ۔ (جواہر الفقہ: ۳۱۵/۱)

٢۔ عمدۃ الفقہ میں ہے "اسی طرح صفیں سیدھی کرنے کیلئے پہلے سے کھڑا ہو جانا زیادہ مناسب ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی اسی طرح منقول ہے"۔ (عمدۃ الفقہ: ۱۰۲/۲، از مولانا سید زوار حسین صاحبؒ مطبوعہ کراچی)

٣۔ احسن الفتاویٰ میں ہے:

"جملہ احادیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ قیام امام سے قبل قیام ناس مکروہ تنزیہی ہے، بہتر یہ ہے کہ قیام امام کے بعد قیام کیا جائے اور قیام امام کا اعلام ابتدائے اقامت (لفظ اللہ اکبر) سے ہوتا ہے اس لئے مقتدی اللہ اکبر کا لفظ سنتے ہی قیام کریں، اسی پر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تعامل تھا، الخ۔ (احسن الفتاویٰ، ص: ۲۵۰، باب الاذان والاقامہ، کامل مبوب مع حوادث الفتاویٰ، ناشر قرآن محل، کراچی، بہت تفصیلی جواب ہے، پورا جواب قابل مطالعہ ہے۔) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۹۰/۹-۹۲)

اقامت کے وقت ''حی علی الفلاح'' پر کھڑے ہونے کا حکم:

سوال: کانپور کی بعض مساجد میں کچھ عرصہ سے تکبیر کے وقت مؤذن کے علاوہ سب آدمی بیٹھ جاتے ہیں اور جس وقت مؤذن ''حی علی الصلاۃ'' کہتا ہے، اس وقت سب لوگ کھڑے ہوتے ہیں اور شرح وقایہ کی اس عبارت کا حوالہ دیتے ہیں: (ویقوم الإمام والقوم عند حی علی الصلاۃ ویشرع عند قد قامت الصلاۃ) (ص: ١٥٥، سطر: ١٢) اور جو شخص پہلے سے ہی کھڑا ہوجاوے، اس کو بری نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس مسئلہ میں جناب کی کیا رائے ہے، اور اس مسئلہ پر عمل کرنے والے کو بدعتی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور عمل نہ کرنے والے کو وہابی کہتے ہیں۔ فقط(١)

الجواب

شرح وقایہ کی عبارت مبہم ہے؛ کیونکہ اس میں اس عمل کا درجہ بیان نہیں کیا گیا اور دوسری بعض کتابوں میں مفسر ہے، اس لئے مبہم کو مفسر کی طرف راجع کریں گے۔

چنانچہ درمختار میں قبیل فصل صفۃ الصلاۃ یہ عبارت ہے:

(ولها آداب) ترکه لایوجب إساءۃً ولاعتاباکترک سنة الزوائد لکن فعله أفضل (إلٰی قوله) (والقیام) لإمام ومؤتم (حین قیل حی علی الفلاح) الخ، ثم قال: (وشروع الإمام) فی الصلاۃ (مذ قیل قد قامت الصلاۃ) ولوأخر حتٰی أتمها لابأس به إجماعًا، وهوقول الثانی والثلاثة، وهو (أی

(١) مندرجہ ذیل تینوں سوالوں کے جوابات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

فقہانے یہ جولکھا ہے کہ ''امام اور مقتدی ''حی علی الصلوٰۃ'' پر کھڑے ہوں'' تو یہ منجملہ آداب ہے، واجب یا سنت نہیں ہے، جس طرح فقہانے لکھا ہے کہ امام ''قد قامت الصلوٰۃ'' پر نماز شروع کرے''، لیکن فقہانے یہ بھی تصریح کی ہے کہ اصح، اعدل اور افضل تو یہ ہے کہ تکبیر پوری ہونے پر امام کو نماز شروع کرنا چاہئے تا کہ تکبیر کہنے والا امام کے ساتھ نماز شروع کر سکے، تو جس طرح تکبیر کہنے والے کی رعایت کرتے ہوئے فقہانے ایک ادب (قد قامت پر نماز شروع کرنے) کو ترک کردیا ہے، اسی طرح تسویۂ صفوف کی اہمیت کے پیش نظر دوسرے ادب (حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے) کے خلاف، حیعلتین پر قیام کی تقدیم کو راجح کہا جائے گا، کیونکہ تسویۂ صفوف کی رعایت تکبیر کہنے والے کی رعایت سے زیادہ اہم ہے۔

علاوہ بریں فقہا کی ان عبارتوں کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت تکبیر کہنے والا ''حی علی الصلوٰۃ'' پر پہنچے، اس وقت مقتدیوں کو کھڑا ہوجانا چاہئے، تاخیر نہ کرنا چاہئے، جیسا کہ علامہ احمد طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں تصریح فرمائی ہے، جن کی عبارت تیسرے سوال کے جواب کے اخیر میں آرہی ہے۔ لہٰذا اگر اس سے پہلے تکبیر کے شروع ہی سے کھڑے ہوجائیں، تو یہ بھی جائز ہے کوئی مضائقہ نہیں ہے اور فقہا کی عبارتوں کی خلاف ورزی نہیں ہے؛ بلکہ آج کل تسویۂ صفوف کے ساتھ لوگوں کی بے اعتنائی کی وجہ سے پہلے کھڑا ہونا ہی افضل ہے۔ سعید احمد

التأخير)أعدل المذاهب كما في شرح المجمع لمصنفه،وفي القهستاني معزيا للخلاصة أنه الأصح،اھ.في رد المحتار:(قوله أنه الأصح)لأن فيه محافظة علىٰ فضيلة متابعة المؤذن وإعانة له على الشروع مع الإمام.(١)

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے!

(١) یہ عمل آداب میں سے ہے جس کا ترک موجب اساءت یا عتاب نہیں، تو اس کے تارک پر نکیر کرنا تجاوز عن الحدود ہے جو کہ بدعت کی فرد ہے، پس اس کا عامل اگر تارک پر نکیر نہ کرے عامل بالادب ہے اور اگر نکیر کرے مبتدع ہے۔

(٢) منجملہ آداب کے "قد قامت الصلاة" کے کہنے کے وقت امام کا نماز شروع کر دینا ہے، مگر باوجود اس کے ایک عارض سے تاخیر کو اعدل واصح کہا ہے جو مستلزم ہے افضل ہونے کو اور وہ عارض شروع مع الامام پر مؤذن کی اعانت ہے ایسے ہی اس میں بھی ایک عارض سے کہ وہ عامۂ ناس کے اعتبار کی وجہ سے مثل لازم کے ہو گیا ہے گنجائش ہے کہ قبل اقامت کے قیام کو افضل کہا جاوے اور وہ عارض تسویہ ہے صفوف کا جو نہایت مؤکد ہے اس لئے کہ عامۂ ناس کے عدم اہتمام اور قلتِ مبالات کی وجہ سے مشاہد ہے کہ "حي على الصلاة" پر کھڑے ہونے سے امام کی تحریمہ کے وقت تک صفوف کا تسویہ نہیں ہو سکتا؛ بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ پہلے سے کھڑے ہو جانے پر بھی اگر تسویۂ صفوف کا انتظار کیا جاوے، تو اقامت اور تحریمہ امام میں فصل کی ضرورت ہوتی ہے۔

٢٠ر صفر ١٣٥٠ھ۔ (النور، صفحہ: ٥، رمضان المبارک ١٣٥٠ھ)

سوال: إذا دخل الرجل عند الإقامة يكره الانتظار قائمًا ولكن يقعد ثم يقوم إذا بلغ المؤذن حي على الفلاح، يفهم منه كراهة القيام ابتداء الإقامة والناس عنه غافلون. (الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح)(٢)

طحطاوی کے علاوہ عالمگیری، شامی، البحر الرائق، شرح وقایہ، ملتقی الابحر، مجمع الانہر، مظاہر حق وغیرہ کتب میں تصریح

---

(١) الدر المنتقي في شرح الملتقى، كتاب الصلاة: ١٨٨/١، دار الكتب العلمية، بيروت. انيس
جامع الرموز،
الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، آخر باب صفة الصلاة: ٤٧٧/١-٤٧٩، دار الفكر، انيس

(٢) سائل نے طحطاوی کی عبارت بلفظہ نقل نہیں کی ہے۔ سعید

اصل عبارت یہ ہے: (ومن الأدب القيام أي قيام القوم والإمام إن كان حاضراً بقرب المحراب حين قيل أي وقت قول المقيم حي على الفلاح لأنه أمر به فيجاب)وقال الحسن وزفر: عند حي على الصلاة كما في سكب الأنهر عن ابن كمال معزياً إلى الذخيرة.(حاشية الطحطاوي، فصل في آداب الصلاة: ٢٧٧/١. انيس)

ہے کہ ہمارے ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک ''حی علی الصلاۃ'' یا ''حی علی الفلاح'' (**علٰی اختلاف الأقوال**) پر کھڑا ہونا چاہئے اور ''**قد قامت الصلٰاۃ**'' پر نماز شروع کر دینی چاہئے۔ لیکن مراقی الفلاح میں تصریح ہے کہ اگر اقامت ختم ہو جانے کے بعد نماز شروع کی **لابأس به في قولهم جميعًا**. لیکن اقامت کے شروع میں کھڑے ہونے کی کہیں گنجائش نہیں ملی، بلکہ کراہت ثابت ہوتی ہے، اکابر کا تعامل دیکھ کر شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ممکن ہے کوئی امر مانع تعامل ہو جس پر احقر کی نظر نہیں پہنچی، اس لئے مؤدبانہ عرض ہے کہ ان سوالات کا جواب عنایت فرمایا جائے۔

(۱)　ابتداء اقامت میں کھڑا ہونا مکروہ ہے یا نہیں؟

(۲)　اگر مکروہ نہیں ہے، تو افضل ابتداء اقامت میں کھڑا ہونا ہے یا ''**حی علی الصلاۃ**'' پر؟

(۳)　اگر ''**حی علی الصلاۃ**'' پر کھڑا ہونا افضل ہے، تو جمعہ کے روز خطبہ سے فارغ ہو کر امام ممبر پر بیٹھا رہے، یا مصلے پر یہاں تک کہ مؤذن ''**حی علی الصلاۃ**'' پر پہنچے۔

الجواب

(**مقدمة**) **الروايات يفسر بعضها بعضًا** ۔ اس کے بعد سمجھنا چاہئے کہ ''**حی علی الصلاۃ وحی علی الفلاح**'' پر کھڑا ہونے کو **درمختار**، **قبيل فصل صفة الصلاة** میں منجملہ آداب کے کہا ہے اور آداب کی صفت میں تصریح کی ہے:

تركه لايوجب إساءةً ولاعتاباً ... لكن فعله أفضل.(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ ''**يكره له الانتظار**'' میں ''**يكره**'' سے مراد ترک افضل ہے۔ اس کے بعد منجملہ ایسے آداب کے **شروع إمام في الصلاة مذ قيل قد قامت الصلاة** کو شمار کر کے کہا ہے:

ولو أخر حتى أتمها لابأس به إجماعاً.

اس کے بعد اس تاخیر کو اعدل المذاہب اور اصح کہا ہے اور اصح ہونے کی دلیل ردالمحتار میں یہ بیان کی ہے:

''**لأن فيه محافظة علٰى فضيلة متابعة المؤذن وإعانة له على الشروع مع الإمام**''.(۲)

اس قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک ادب کے ترک کو یعنی تاخیر شروع امام کو عارض محافظت واعانت کی وجہ سے ترجیح دی ہے اسی طرح دوسرے ادب یعنی **قيا م عند** ''**حی علی الصلاۃ**'' کے ترک کو یعنی **تقديم قيام على الحيعلتين** کو عارض تسویہ صفوف کی وجہ سے راجح کہا جاوے گا اور یہ عارض تسویہ نہایت مؤکد ہے اور عامۂ ناس کے عدم اعتماد وقلت مبالات کی وجہ سے مشاہد ہے کہ ''**حی علی الصلاۃ**'' پر کھڑے ہونے سے امام کی تحریمہ کے وقت

(۱-۲)　الدرالمختار على صدر ردالمحتار، آخر باب صفة الصلاة، قبيل الفصل: ٤٧٩/١، دارالفكر. انيس

تک صفوف کا تسویہ نہیں ہوسکتا بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ پہلے سے کھڑے ہوجانے پر بھی اگر تسویہ صفوف کا انتظار کیا جاوے تو اقامت اور تحریمہ امام میں فصل کی ضرورت ہوتی ہے پس اس عارض مؤکد کے لئے اس ادب کو ترک کردیں گے اس سے سب سوالوں کا جواب معلوم ہوگیا۔

۲۳/صفر ۱۳۱۵ھ۔ (النور، صفحہ ۸، شوال ۱۳۵۱ھ)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ جماعت کی نماز کے واسطے سب مقتدی اور امام کو ''**قد قامت الصلاة**'' کے بعد کھڑا ہونا چاہئے اگر ''**قد قامت الصلاة**'' کہنے سے پہلے کھڑے ہوگئے تو گنہ گار رہوں گے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص وضو کر رہا ہو اور اقامت شروع ہوگئی اور وضو کرنے والا وضو سے فارغ ایسے وقت ہوا کہ ابھی مکبر لفظ ''**قد قامت الصلاة**'' پر نہیں پہنچا تو وہ شخص بھی پہلے بیٹھ کر پھر نماز میں شریک ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ ''**قد قامت الصلاة**'' کے بعد نماز کے واسطے کھڑا ہونا واجب ہے یا سنت یا مستحب اور ''**قد قامت الصلاة**'' کہنے سے پہلے کھڑا ہونے سے امام یا مقتدی گنہ گار رہوں گے یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا۔

الجواب

اس میں بہت سے اقوال ہیں، مگر سب میں وسعت ہے، کسی نے کسی قول کے اختیار کرنے والے کو گنہ گار نہیں کہا۔ نہ گناہ کی کوئی دلیل ہے، اعلاء السنن حصہ چہارم **باب وقت قیام الإمام والمأمومین للصلاة** میں سب اقوال مع ادلہ جو کہ آثار ہیں لکھے ہیں اور بعض فقہاء ثقات نے ان سب اقوال پر توقیت کا محمل یہ کہا ہے کہ اس سے تاخیر نہ کرے یہ مراد نہیں کہ اس سے تقدیم نہ کرے۔ چنانچہ کتاب مذکور میں ہے:

وقال العلامة الطحطاوی: والظاهر أنه احترازعن التأخیر لا التقدیم حتی لو قام أول الإقامة لا بأس وحرر، آه. (۱)

جیسا ایک ایسے ہی جزئیہ میں ''**وهی شروع الإمام فی الصلاة مذ قیل قد قامت الصلاة**'' تصریح ہے:

ولو أخر حتی أتمها لا بأس به إجماعًا. (کذا فی الدرالمختار، قبیل فصل بیان تالیف الصلوٰة)(۲)

اور ترمذی کا اپنی سنن باب الجنائز میں یہ فیصلہ ہے۔

الفقهاء هم أعلم بمعانی الأحادیث، آه. (۳)

کتبہ اشرف علی۔ ۱۵/رجب ۱۳۵۶ھ۔ (النور، صفحہ: ۷، شعبان ۱۳۵۷ھ) (امداد الفتاویٰ: ۱/۱۸۴-۱۸۹)

---

(۱) حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، باب صفة الصلاة: ۲۱۵/۱، بیروت. انیس

(۲) الدرالمختار علی صدرردالمحتار، کتاب الصلاة، آخر باب صفة الصلاة: ۴۷۹/۱، دارالفکر. انیس

(۳) وکذلک قال الفقهاء وهم أعلم بمعانی الحدیث. (سنن الترمذی، ت: شاکر، باب ماجاء فی غسل المیت (ضمن رقم الحدیث: ۹۹۰): ۳۰۶/۳. انیس)

اقامت میں ''حي علی الصلاۃ'' پر کھڑا ہونا مستحب ہے:

سوال: عبارت شرح وقایہ کی ''ویقوم الإمام والقوم عند''حي علی الصلاۃ'' ویشرع عند ''قد قامت الصلاۃ''، آیا یہ سنت ہے یا مستحبات یا کچھ اور؟ اگر بارادۂ آراستگی صف قبل'' حي علی الصلاۃ'' کھڑے ہو جائے تو کوئی حرج ہے یا نہیں؟ اگر بروقت ''حي علی الصلاۃ'' امام مع قوم کھڑا ہو لیکن بوجہ صف آرائی بعد ''قد قامت الصلاۃ'' نماز شروع کرے تو کیا حرج ہے؟

(المستفتی نمبر: ۹۴۸، متولی جامع مسجد (ڈبروگڈھ، آسام) ۲ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ، م ۲۴ مئی ۱۹۳۶ء)

الجواب

''ویقوم الإمام والقوم عند''حي علی الصلاۃ'' ویشرع عند''قامت الصلاۃ''.(۱)

یہ مستحبات میں سے ہے اور یہ بھی جب کہ پہلے سے لوگ اتنے درست ہو کر بیٹھیں کہ کھڑے ہونے کے بعد صفیں درست نہ کرنا پڑیں، بلکہ خود بخود درست ہو جائیں، اس کا خلاف یعنی ''حي علی الصلاۃ'' سے پہلے کھڑے ہو جانا جب کہ امام موجود ہو مکروہ نہیں، اسی طرح ''قد قامت الصلاۃ'' کے بعد نماز شروع کرنا مکروہ نہیں، خصوصاً جب کہ تاخیر اقامت وتسویہ صفوف کی وجہ سے واقع ہو، یہ مسئلہ صرف اسی قدر حیثیت رکھتا ہے، اس سے زیادہ اس کو اہمیت دینا غلط ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ (کفایت المفتی: ۳/۵۰-۵۱)

مالابدمنہ میں مسئلۂ ''حي علی الفلاح'' پر مقتدیوں کے کھڑا ہونے کی وضاحت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ ایک مسجد کے پیش امام صاحب فرض نمازوں میں تکبیر کہے جانے کے وقت اس وقت کھڑے ہوتے ہیں جس وقت تکبیر پڑھنے والا ''حي علی الصلاۃ'' پڑھتا ہے، کچھ لوگ ان کے تکبیر کہے جانے کے وقت ''حي علی الصلاۃ'' پر کھڑے ہونے پر اعتراض کرتے ہیں، امام صاحب کہتے ہیں کہ امام اور مقتدی دونوں کو ''حي علی الصلاۃ'' پر ہی کھڑا ہونا چاہیے۔

ثبوت کے لیے امام صاحب کتاب'' کشف الحاجۃ المعروف بہ مالابدمنہ اردو'' کے ص: ۱۳۱ کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں:

(۱) شرح الوقایۃ، باب الأذان: ۱/ ۱۳٦، ط: سعید

(۲) (ولھا آداب) ترکہ لایوجب إساءۃً ولاعتاباکترک سنۃ الزوائد، لکن فعلہ أفضل (إلٰی قولہ) (والقیام) لإمام و مؤتم (حین قیل ''حي علی الفلاح'' الخ. ثم قال: (وشروع الإمام) فی الصلاۃ (مذ قیل ''قد قامت الصلاۃ'') ولو أخر حتی أتمھا لابأس بہ إجماعًا، وھو -أی التاخیر- أعدل المذاھب. (الدر المختار علی صدر ردالمحتار، قبیل فصل تالیف الصلاۃ: ۱/ ٤۷۷-٤۷۹، انیس)

''سنت کے طریقہ پرنماز پڑھنے کے بیان میں''۔ ''طریق سنت کا یہ ہے کہ فرضوں میں اذان اور تکبیر کہی جائے اور نزدیک ''حی علی الصلاۃ'' کے امام کھڑا ہوئے''۔

اور دوسری کتاب ''مظاہر حق جدید مع متن مشکوٰۃ شریف قسط ہشتم، ج:١ص:٣٩٠'' کی یہ حدیث مع تشریح لکھتے ہیں کہ!

''حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تکبیر کہی جائے، تو تم اس وقت کھڑے نہ ہو، جب تک مجھ کو حجرے سے برآمد ہوتے نہ دیکھ لو''۔

تشریح: فقہا نے لکھا ہے کہ تکبیر کہنے والا جب ''حی علی الصلاۃ'' کہے تو مقتدی اس وقت کھڑے ہوں'' الخ۔

لہذا آنجناب سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ آیا یہ کتابیں ہیں بھی یا نہیں؟ نیز معتبر ہیں یا نہیں اور امام صاحب کا ''حی علی الصلاۃ'' پر کھڑے ہونا درست ہے یا غیر درست؟ کتاب مذکورہ میں حوالہ جات صحیح ہیں یا نہیں۔ فقط

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

''مالابدمنہ'' وغیرہ سے جو مسئلہ نقل کیا ہے، یہ اس وقت کا ہے جب امام ومقتدی سب صف وغیرہ درست کر کے محراب اور اس کے قریب بیٹھے ہوں، ورنہ اگر امام نماز پڑھانے کے لیے باہر سے آتا ہوا نظر آئے، تو نظر آتے ہی سب لوگ کھڑے ہو کر صف وغیرہ درست کرنے میں لگ جائیں، جیسا کہ خود سوال میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ''مظاہر حق'' سے پیش کیا ہے۔ اور اگر امام سامنے سے نماز پڑھانے کے لیے آتا ہوا نظر نہ آئے، بلکہ پیچھے سے آئے، تو جس صف میں پہنچتا جائے اس صف کے لوگ کھڑے ہو کر صفیں درست کرنے میں مشغول ہوتے رہیں، جیسا کہ فقہ حنفی کی بہت معتبر کتاب ''درمختار، ص:١/٣٣١ مع الشامی وطحطاوی وغیرہ میں بایں الفاظ مذکور ہے۔

(ولها آداب) تركه لايوجب إساءة ولا عتابًا... (وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام على الأظهر).(١)

اور یہ بات کسی نے نہیں کہی کہ امام آگے سے پیچھے سے کہیں سے بھی آئے، پہلے آکر مصلیٰ پر بیٹھ جائے، پھر جب مکبر تکبیر کہتا ہوا حیعلتین پر پہنچے، تو امام ومقتدی کھڑے ہوں اور اس کو ضروری یا واجب قرار دیا جائے اور اس کے خلاف کرنے والے پر نکیر کی جاے، بلکہ ایسا کہنا اور اس پر اصرار کرنا لوگوں کی من گھڑت باتیں اور احداث فی الدین اور بدعت ہے، جو واجب الاصلاح ہے۔ پوری روایات اور گفتگو ابوداؤد شریف اور اس کی شرحوں میں ہے۔ نیز فقہ حنفی کی کتابوں میں بھی ہے، مثلاً: طحطاوی علی الدر وغیرہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ١٤٠٩/١٠/٩ھ۔

الجواب صحیح، حبیب الرحمٰن خیرآبادی، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ١١٧-١١٩)

(١) الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصلاة، آخر باب صفة الصلاة، قبيل الفصل. انيس

”حی علی الصلاۃ“ کے وقت کھڑا ہونا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ!

کٹیہار کے اکثر مقامات پر اقامت صلاۃ کی یہ صورت رائج ہے کہ مؤذن تنہا کھڑا رہ کر اقامت صلاۃ شروع کرتا ہے اور تمام مصلی بیٹھے رہتے ہیں ”حی علی الصلاۃ“ پر امام اور مقتدی کھڑے ہوتے ہیں اور ”قد قامت الصلاۃ“ پر امام نیت باندھتا ہے، اس طریقہ پر بعض جگہ پر اس قدر اشند اد (شدت) برتا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص ”حی علی الصلاۃ“ سے پہلے کھڑا ہو جائے، تو اسے بالجبر بٹھا دیا جاتا ہے، پس کیا اس طریقہ کو مسنون اور مطابق فقہ حنفی کہا جائے گا؟ اور کیا درجہ وجوب میں ہے کہ خلاف اس کا موجب گناہ ہو؟ فقط (احقر محمد ابراہیم خان)

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

”ومن الأدب القيام: أى قيام القوم والإمام إن كان حاضرًا بقرب المحراب حين قيل أى وقت قول المقيم: ”حى على الفلاح“؛ لأنه أمربه فيجاب. وإن لم يكن حاضرًا يقوم كل صف حين ينتهى إليه الإمام فى الأظهر. ومن الأدب شروع الإمام أى إحرامه مذ قيل أى عند قول المقيم: ”قد قامت الصلاة“ عندهما. وقال أبويوسف رحمهما اللّٰه تعالىٰ: يشرع إذا فرغ من الإقامة ،فلوأخرحتىٰ يفرغ من الإقامة لابأس به“. (مراقى الفلاح، ص: ٦١)(١)

وأيضاً: (والقيام) لإمام ومؤتم (حين قيل ”حى على الفلاح“) خلافاً لزفر، فعنده عند ”حى على الصلاة“ ابن كمال. (إن كان الإمام بقرب المحراب، وإلا فيقوم كل صف ينتهى إليه الإمام على الأظهر) وإن دخل من قُدام قاموا حين يقع بصرهم عليه، إلا إذا قام الإمام بنفسه فى مسجد فلا يقفوا حتىٰ يتم إقامته، ظهيرية، وإن خارجه قام كل صف ينتهى إليه الإمام، بحر. (وشروع الإمام) فى الصلاة (مذقيل: ”قد قامت الصلاة“) ولوأخرحتىٰ أتمها لا بأس به إجماعاً، وهو قول الثانى والثلاثة، و هوأعدل المذاهب كما فى شرح المجمع لمصنفه، وفى القهستانى معزياً للخلاصة: أنه الأصح. (الدرالمختار)(٢)

قال الطحطاوى: (قوله: والقيام لإمام ومؤتم، الخ) مسارعة لامتثال أمره، والظاهرأنه احترازعن التأخيرلا التقديم حتى لوقام أول الإقامة لا بأس به. وحرر (قوله: أنه الأصح): أى فالأخذ به أولىٰ؛ لأنه لايقع اشتباه على المصلين“. (الطحطاوى على الدرالمختار: ٢١٥/١)(٣)

(١) مراقى الفلاح شرح نورالإيضاح، كتاب الصلاة، فصل من آدابها، ص: ٢٧٧-٢٧٨، قديمى

(٢) الدرالمختارعلى صدرردالمحتار، كتاب الصلاة، آخرباب صفة الصلاة، قبيل الفصل: ٤٧٩/١، سعيد

(٣) حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٢١٥/١، دارالمعرفة، بيروت

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ”حی علی الفلاح“ یا ”حی علی الصلاۃ“ کے وقت قوم اور امام کا کھڑا ہونا صرف آداب میں ہے واجبات میں نہیں کہ اس کے ترک پر گناہ ہو(۱) کہ امام مصلی پر یا اس کے قریب پہلے سے موجود ہو، اگر امام وہاں موجود نہ ہو بلکہ کسی دوسری جگہ سے سامنے آئے، تو جس وقت امام پر نظر پڑے اسی وقت سب کو کھڑا ہو جانا چاہئے، اگر مصلے کے سامنے نہیں ہے بلکہ مقتدیوں میں ہوکر دوسری جانب سے یعنی پیچھے سے آئے، تو جس صف میں پہنچتا جائے وہ صف کھڑی ہوتی جائے، حتی کہ مصلے پر پہنچنے کے وقت سب صفیں کھڑی ہو جائیں، نیز ”حی علی الفلاح“ یا ”حی علی الصلاۃ“ کے وقت کی تعیین اس لئے ہے کہ اس کے بعد تک بیٹھے رہنا نہیں چاہئے، یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا منع ہے۔

امام کو ”قد قامت الصلاۃ“ کی قت نماز شروع کر دینا بھی واجب نہیں، پس اگر تکبیر ختم ہونے کا انتظار کیا اور ختم ہونے پر امام نے نماز شروع کی تو بالاتفاق اس میں کوئی گناہ نہیں، بلکہ بہت سے فقہا نے اسی کو اختیار فرمایا ہے، پس ان چیزوں پر اتنا تشدد کرنا مسائل سے ناواقفیت کی دلیل ہے، (۲) اس تشدد سے رکنا واجب ہے، نہ مقتدی کو ابتدائے اقامت میں کھڑا ہونا گناہ ہے کہ اس کو جبراً بٹھایا جائے، نہ کہ امام کو ”قد قامت الصلاۃ“ کے وقت نماز شروع کرنا واجب ہے کہ ختم کے انتظار کو گناہ کہا جائے۔ جو شئ بالاتفاق مستحب ہو اس کے ساتھ واجب کا سا معاملہ کرنا بھی ناجائز ہے، ہر شئ کو اس کی حد پر رکھنا چاہئے۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۱۹/۱۰/۱۳۵۷ھ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/شوال/۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۷۷/۵-۴۷۸)

---

(۱) ”(ولها آداب) تركه لا يوجب إساءةً ولا عتاباً كترك سنة الزوائد، لكن فعله أفضل“. (الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصلاة باب صفة الصلاة: ٤٧٧/١، سعيد)

(۲) ”(وشروع الإمام)... (مذ قيل: قد قامت الصلاة) ولو أخر حتى أتمها لا بأس به إجماعاً، وهو قول الثاني والثلاثة، وهو أعدل المذاهب كما في شرح المجمع لمصنفه، وفي القهستاني معزياً للخلاصة: أنه الأصح“. (الدر المختار)

وفي رد المحتار: ”(قوله: لا بأس به إجماعاً) أي لأن الخلاف في الأفضلية، فنفي البأس: أي الشدة ثابت في كلا القولين وإن كان الفعل أولٰى في أحدهما. (قوله: أنه الأصح) لأن فيه محافظة علٰى فضيلة متابعة المؤذن وإعانة له على الشروع مع الإمام“. (كتاب الصلاة، آخر باب صفة الصلاة، قبيل الفصل: ٤٧٩/١، سعيد)

(۳) ”قال الطيبي في حاشية المشكوٰة: فيه أن من أصر علٰى مندوب، وجعله عزمًا، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر علٰى بدعة أو منكر“. (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، منها استحباب الانصراف عن أحد الجانبين: ٢٦٣/٢، سهيل اكيڈمی لاهور)

’’حي علی الصلاۃ‘‘ پر قیام:

سوال: جو بدعتی اس مسجد میں فجر کی نماز میں آتے ہیں وہ کبھی عصر کی نماز میں بھی آتے ہیں تو وہ بعد نماز مصافحہ کرتے ہیں اور ’’ ’’حي علی الصلاۃ‘‘ پر کھڑے ہوتے ہیں تو کیا میں بھی اس مسجد میں ان کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھوں اور ان کا یہ فعل بھی کروں؟ ورنہ اگر نہ کروں گا تو ہوسکتا ہے کہ مجھے نماز پڑھنے سے روک دیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر دوسری مسجد نہیں تو اسی مسجد میں ان کے ساتھ جماعت میں شریک ہو کر نماز پڑھ لیا کریں۔(۱) ’’حي علی الصلاۃ‘‘ یا ’’حي علی الفلاح‘‘ پر کھڑے ہونے پر یا نہ ہونے پر کوئی جھگڑا نہ کریں، کبھی پہلے سے کھڑے ہو جایا کریں، یہ مسئلہ جھگڑے کا نہیں، نماز عصر کے بعد اگر تسبیح و تلاوت میں جلدی ہی مشغول ہو جائیں اور ان کو ذکر میں مشغولی کے وقت مصافحہ نہیں کرنا چاہئے؛(۲) تو امید ہے کہ وہ آپ کو معذور قرار دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۴۷۸-۴۷۹)

’’حي علی الصلاۃ‘‘ پر قیام:

سوال: جگدل ضلع چوبیس پرگنہ میں کی چند مسجد اس میں فرض نماز اور جمعہ کے لئے لوگ آتے ہیں اور کیف ما اتفق بیٹھ جاتے ہیں، جب مؤذن ’’حي علی الصلاۃ ‘‘ پر پہنچتا ہے کھڑے ہو جاتے ہیں، تسویۂ صفوف کا انتظام بالکل نہیں کرتے ہیں، تاکید کرنے سے بھی صفیں سیدھی نہیں ہوتیں کیونکہ وقت بہت تنگ ہوتا ہے، صفوف کا سیدھا کرنا واجب ہے، کیونکہ حدیث صحیحہ میں تاکید آئی ہے، آیا بغیر تسویۂ صفوف کسی امر مندوب یا جائز پر عمل کرنا درست ہے، واجب کے ترک سے امر مندوب یا جائز میں کس قسم کی خرابی لازم نہیں آئے گی؟

موطأ امام محمد، ص: ٨٦، باب تسوية الصف میں: ’’حتى ينبغي للقوم إذا قال المؤذن ’’حي على الفلاح‘‘ أن يقوموا إلى الصلاة، فيصفوا ويسووا الصفوف ويحاذوا بين المناكب الخ‘‘ (۳)

(۱) ويكره تقديم المبتدع أيضاً؛ لأنه فاسق من حيث الاعتقاد، وهو أشد من الفسق من حيث العمل؛ لأن الفاسق من حيث العمل يعترف بأنه فاسق ويخاف ويستغفر بخلاف المبتدع، والمراد بالمبتدع من يعتقد شيئاً على خلاف ما يعتقده أهل السنة والجماعة، و إنما يجوز الاقتداء به مع الكراهة إذا لم يكن ما يعتقده يؤدي إلى الكفر عند أهل السنة، أما لو كان مؤدياً إلى الكفر فلا يجوز أصلاً‘‘. (الحلبي الكبير، الأولى بالإمامة، ص: ٥١٤، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) فيكره السلام على مشتغل بذكر الله تعالى بأي وجه كان‘‘. رحمتي. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره: ٦١٦/١، سعيد)

(۳) والعبارة بتمامها: ’’قال محمد: ينبغي للقوم إذا قال المؤذن: ’’حي على الفلاح‘‘ أن يقوموا، ==

سے ثابت ہوتا ہے کہ تسویۂ صف کا وقت ''**حی علی الفلاح**'' پر اٹھنے کے بعد ہے۔ یہ احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ!

''**سووا صفوفکم،فإن تسویة الصفوف من إقامة الصلاة**''.(١)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کہ تسویۃ الصفوف کا وقت قبل اقامت ہے،اور بدائع الصنائع میں:١٠٠/١، میں **حی علی الفلاح** کے قبل اٹھنا ممنوع لکھا ہے،(٢) عالمگیری وغیرہ میں اس کے خلاف مسئلہ لکھا گیا ہے(٣) جو باعث خلجان ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ احادیث صحیحہ اور اقوال فقہا میں کیا تطبیق ہے؟ موطأ امام محمد اور بدائع الصنائع کے اقوال پر عمل کرنا دیگر کتب فقہ کے اقوال کو چھوڑ کر کیسے ممکن ہے؟ عملِ واجب مقدم ہے یا مستحب؟ استحباب ثابت کرنے کے لئے ''ینبغی'' کا لفظ جیسا کہ موطأ امام محمد میں منقول ہے، کافی ہے؟

''**حی علی الفلاح**'' کے وقت کھڑے ہونے کا التزام عملاً مثل واجب کرنا واجب کو چھوڑتے ہوئے جائز یا درست ہے یا ممنوع ہے؟ اس عمل میں واجب پہچاننے کے لئے کیا معیار ہیں؟ لہٰذا اس مسئلہ میں آج کل جگدل میں جو طریق مروج ہے؛ اس پر اس قسم کے اشکالات ہیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اصل مسئلہ کا حکم اس سے قبل عبارتِ فقہ سے استشہاد کے ساتھ آپ کے پاس ارسال کیا چکا ہے، اب بحث اس کے ماخذ اور حدیث وفقہ میں تعارض وتطابق سے باقی رہ گئی، فقہا کے کلام میں عبارتیں بہت مختلف ہیں، بلکہ ایک ہی مصنف

== فیصفوا ویسووا الصفوف، ویحاذوا بین المناکب، فإذا أقام المؤذن الصلاة، کبر الإمام، وهو قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ ''(الموطأ للإمام محمد رحمه الله تعالیٰ، باب تسویة الصفوف، ص:٨٦-٨٧، میر محمد کتب خانه)

(١) ''عن أنس رضی اللّٰه تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال:''سووا صفوفکم، فإن تسویة الصفوف من إقامة الصلاة''.(صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب إقامة الصف من تمام الصلاة: ١٠٠/١، قدیمی)

(٢) ''فکان ینبغی أن یقوموا عند قوله:''حی علی الصلاة'' لما ذکرنا، غیر أنا نمنعهم عن القیام کیلا یلغو قوله''حی علی الفلاح''؛ لأن من وجدت منه المبادرة إلیٰ شیء فدعاه إلیه بعد تحصیله إیاه لغو من الکلام''(بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل فی سنن الصلاة: ٢٥/٢، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(٣) إن کان المؤذن غیر الإمام، وکان القوم مع الإمام فی المسجد، فإنه یقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن:''حی علی الفلاح'' عند علمائنا الثلاثة، وهو الصحیح، فأما إذا کان الإمام خارج المسجد، فإن دخل المسجد من قبل الصفوف، فکلما جاوز صفًا، قام ذلک الصف، وإلیه مال شمس الأئمة الحلوانی و السرخسی وشیخ الإسلام خواهر زاده. وإن کان الإمام دخل المسجد من قُدامهم یقومون کما رأوا الإمام''.(الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الثانی فی الأذان، الفصل الثانی فی کلمات الأذان، آه: ٥٧/١، رشیدیة)

نے ایک جگہ کچھ لکھا اور دوسری جگہ اس کے خلاف لکھا ہے، اسی طرح اقوالِ صحابہ وتابعین کا حال ہے، اس لئے جس جگہ اختلافِ مذاہب کی تصریح ہوتو اختلاف مذاہب پر حمل کیا جائے اور جہاں یہ ممکن نہ ہو وہاں تقیید کے ذریعہ سے محل علیحدہ علیحدہ متعین کرلیا جائے اور تقیید کی صورت وہی ہے جو اس سے پہلے مذکور ہوئی ہے یعنی اگر امام محراب کے قریب مصلے پر ہو اور سب مقتدی اپنی اپنی جگہ پر ہوں، تو ''حی علی الفلاح'' کے وقت أئمہ ثلاثہ کے نزدیک اور ''قد قامت الصلاۃ'' کے وقت (علی النقل الصحیح) زفر وحسن رحمہما اللہ کے نزدیک کھڑے ہوں۔

اگر امام مصلے پر موجود نہ ہو، بلکہ صفوف کی طرف سے داخل ہو، تو جن صفوں تک پہنچتا جائے، مقتدی کھڑے ہوتے جائیں، اگر سامنے کی جانب سے آئے، تو جس وقت امام پر نظر پڑے اسی وقت فوراً کھڑے ہو جائیں۔

یہ تفصیل درمختار: ۱/۴۵۹، سے نقل کی گئی ہے۔(۱) بدائع: ۱/۲۰، (۲) عالمگیری: ۱/۵۷، (۳) وغیرہ (۴) میں بھی یہ تفصیل موجود ہے۔

لہٰذا اگر کسی جگہ ''حی علی الصلاۃ'' یا ''حی علی الفلاح'' یا ''قدقامت الصلاۃ'' سے پہلے کھڑے ہونے کی کراہت یا ممانعت مذکور ہے، تو اس کا محمل یہ ہے کہ امام محراب کے قریب مصلے پر موجود نہ ہو، یا کراہت تنزیہی مراد لی جائے جس کو 'جائز' 'خلاف اولیٰ'، 'لا بأس' سے تعبیر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، یا قیام سے مراد قیام حقیقۃ الصلاۃ یعنی تکبیر ہو، مگر یہ احتمال حدیث میں ہوسکتا ہے، یا تاخیر سے احتراز ہو، تقدم سے نہ ہو۔

---

(۱) (والقیام)لإمام ومؤتم(حین قیل ''حی علی الفلاح'')خلافاً لزفر، فعنده عند''حی علی الصلاۃ''ابن کمال.(إن کان الإمام بقرب المحراب،وإلا فیقوم کل صف ینتهی إلیه الإمام علی الأظهر)وإن دخل من قُدام قاموا حین یقع بصرهم علیه...(وشروع الإمام)فی الصلاۃ(مذ قیل''قد قامت الصلاۃ''). (الدر المختار علی صدر رد المحتار، کتاب الصلاۃ،باب صفة الصلاۃ،قبیل الفصل: ۴۷۹/۱،سعید)

(۲) ''ولأن القیام لأجل الصلاۃ لایمکن أداؤها بدون الإمام،فلم یکن القیام مفیدًا،ثم دخل الإمام من قُدام الصفوف، فکلما رأوه قاموا؛لأنه کما دخل المسجد قام مقام الإمامة،وإن دخل من رواء الصفوف،فالصحیح أنه کلما جاوز صفاً قام ذلک الصف''.(بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ،فصل فی سنن الصلاۃ: ۲۷/۱،دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۳) (''إن کان المؤذن غیر الإمام،و کان القوم مع الإمام فی المسجد،فإنه یقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن''حی علی الفلاح''عند علمائنا الثلاثة،وهو الصحیح،فأما إذا کان الإمام خارج المسجد،فإن دخل المسجد من قبل الصفوف،فکلما جاوز صفاً قام ذلک الصف ،وإلیه مال شمس الأئمة الحلوانی والسرخسی وشیخ الإسلام خواهرزاده.وإن کان الإمام دخل المسجد من قُدامهم یقومون کما رأوا الإمام''.(الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاۃ،الباب الثانی فی الأذان،الفصل الثانی فی کلمات الأذان آه: ۵۷/۱،رشیدیة)

(۴) ''عند زفر یقومون حین قیل ''قد قامت الصلاۃ''الأولیٰ،ویحرمون عند الثانیة''.(تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ،باب صفة الصلاۃ: ۲۸۳/۱،دار الکتب العلمیة،بیروت)

''عن أبی قتادة رضی اللّٰه تعالٰی عنه أنه قال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم:

''إذا أقیمت الصلاة فلا تقوموا حتٰی ترونی قد خرجت''. (رواه الجماعة إلا ابن ماجة،ولم یذکر البخاری فیه''قد خرجت'')(۱)کذا فی نیل الأوطار)(۲)

''عن أنس رضی اللّٰه تعالٰی عنه أنه کان یقوم إذا قال المؤذن''قد قامت الصلاة''. (رواه ابن المنذروغیره)(۳)

''عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه أن الصلاة کانت تُقام لرسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه و سلم،فیأخذ الناس مصافهم قبل أن یقوم النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم مقامه''.(رواه مسلم)(۴)

''وأخرج عن جابربن سمرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه أن بلالاً لایقیم حتٰی یخرج النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم،فإذا خرج أقام الصلاة حین یراه''.إلٰی آخرقوله:''عن أبی قتادة رضی اللّٰه تعالٰی عنه''الخ.

قلت: فیه دلالة علٰی أن لا یقوم الناس فی الصف ولوشرع المؤذن فی الإقامة،بل ولوکان أتمها حتٰی یرأوا الإمام خارجاً من حجرته أومن باب المسجد متوجهاً إلی الصلاة،هذا إذاکان الإمام غائباً عن المسجد وقت الإقامة عازباً عن القوم،وأما إذاکان فیه أوبقربه بمرأی منهم فسیأتی حکمه.

قال الحافظ فی الفتح: ۱۰۰/۱،(۵)قال القرطبی:ظاهرالحدیث أن الصلاة کانت تُقام قبل أن یخرج النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم من بیته،وهومعارض لحدیث جابرابن سمرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه''أن بلالاً کان لایقوم حتٰی یخرج النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم،أخرجه مسلم.(٦)

ویجمع بینهما بأن بلالاً کان یراقب خروج النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم،فأول ما یراه یشرع فی الإقامة قبل أن یراه غالب الناس،ثم إذا رأوه قاموا،فلا یقوم فی مقامه حتٰی تعتدل صفوفهم.

قلتُ:ویشهد له مارواه عبد الرزاق عن بن جریج عن ابن شهاب:

---

(۱) صحیح البخاری،کتاب الأذان،باب متٰی یقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة: ۸۸/۱،قدیمی

(۲) نیل الأوطار،أبواب الأذان،المحافظة علی الأذان عند دخول وقت الظهربدون تقدیم ولا تأخیر،ولایقیم المؤذن حتٰی یری الإمام والدلیل علٰی ذلک: ۳۱/۲،دارالبازللنشروالتوزیغ عباس أحمد البازمکة المکرمة

(۳) فتح الباری،کتاب الأذان،باب متٰی یقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة: ۱۵۳/۲،قدیمی

(۴) الصحیح لمسلم،کتاب المساجد،باب متٰی یقوم الناس للصلاة: ۲۲۱/۱(ح:٦۰۵-٦۰٦) قدیمی

(۵) فتح الباری،کتاب الأذان،باب متٰی یقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة: ۱۵۳/۲،قدیمی

(٦) الصحیح لمسلم،کتاب المساجد،باب متٰی یقوم الناس للصلاة (ح:٦۰٦)انیس

"أن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن: اللّٰه أكبر، يقومون إلى الصلاة فلا يأتى النبى صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم مقامه حتٰى تعتدل الصفوف".

قال المؤلف: ويمكن حمل حديث جابر رضى اللّٰه تعالٰى عنه علٰى ما بعد النبى أيضاً.

أما حديث أبى هريرة رضى اللّٰه تعالٰى عنه الذى أخرجه البخارى بلفظ: "أقيمت الصلاة فيسوى الناس صفوفهم، فخرج النبى صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم".

ولفظه فى مستخرج أبى نُعيم: "فصف الناس صفوفهم، ثم خرج علينا".

ولفظه عند مسلم: "أقيمت الصلاة، فقمنا فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا النبى صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم".

فيجمع بينه وبين حديث أبى قتادة رضى اللّٰه تعالٰى عنه بأن ذلك ربما وقع لبيان الجواز، وبأن صنيعهم فى حديث أبى هريرة كان سبب النهى عن ذلك فى حديث أبى قتادة رضى اللّٰه تعالٰى عنه، وأنهم كانوا يقومون ساعة تُقام الصلاة، ولو لم يخرج النبى صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم، فنهاهم عن ذلك لاحتمال أن يقع له شغل يبطى فيه عن الخروج فيشق عليهم انتظاره، الخ.

وبالجملة إذا لم يكن الإمام مع القوم فالجمهور علٰى أنهم لايقومون حتٰى يروه بمقتضٰى حديث المتن. (كما فى العمدة للعينى: ٢٧٦/٢)(١)

"وهو قولنا معشر الحنفية. أثر أنس فى الظاهر دليل لزفر، وفى المعنٰى دليل للطرفين إذا أريد بالقيام القيام بحقيقة الصلاة، وهو التكبير، وأما القيام من الجلوس، فلا بد أن يتقدمه، والأمر فى كل ذلك واسع، واللّٰه تعالٰى أعلم".

وقال العلامة الطحطاوى: الظاهر أنه احتراز عن التأخير لا التقدم، حتٰى لو قام أول الإقامة لا بأس، وحرر، الخ". (٢)(إعلاء السنن، ص: ٣٥٦-٣٥٨)(٣)

موطأ امام محمد کے حاشیہ پر طویل بحث کے بعد لکھا ہے:

"والأمر فى هذا الباب واسع ليس له حد مضيق فى الشرع، واختلاف العلماء فى ذلک لاختيار الأفضل بحسب ما لاح لهم، الخ". (۴)

---

(١) قال البدر العينى: "وإذا لن يكن الإمام فى المسجد فذهب الجمهور إلٰى أنهم لايقومون حتٰى يروه". (عمدة القارى: ٢٢٥/٥، كتاب الأذان، باب متٰى يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(٢) حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٢١٥/١، دار المعرفة، بيروت

(٣) إعلاء السنن، أبواب الإمامة، باب وقت قيام الإمام والمأمومين للصلاة: ٣٢٥/٤-٣٢٨، إدارة القرآن، كراچى

(۴) التعليق الممجد علٰى موطأ إمام محمد، باب تسوية الصفوف، ص: ٨٧، حاشية: ٢، مير محمد كتب خانه

مندوبات پر اصرار کرنا اور ان کو وجوب کا درجہ دینا جائز نہیں؛ بلکہ اس سے کراہت آجاتی ہے،(۱) اور جس مندوب سے ترکِ واجب ہوتا ہو اس کا ترک واجب ہوتا ہے، لہٰذا جب کہ تسویہ صفوف میں خلل پڑتا ہو تو اول اقامت سے قیام کر کے تسویۂ صفوف کر لیا جائے، ایسی حالت میں کوئی کراہت کسی قول کے مطابق نہیں، واجب پہچاننے کا معیار دلیل ہے، جس درجہ کی دلیل اسی درجہ کا حکم ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۹/۷/۱۳۵۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۷۹-۴۸۵)

’’حی علی الفلاح‘‘ کہنے کے وقت امام کا کھڑا ہونا:

سوال: بعض پیش امام اقامت کہتے وقت مصلے سے جدا کھڑے رہتے ہیں، جب ’’حی علی الفلاح‘‘ پڑھا جاتا ہے، اس وقت مصلے پر آ کر کھڑے ہوتے ہیں، اس کی بابت کیا مسئلہ ہے؟

الجواب

قال فی مراقی الفلاح: ومن الآداب قیام القوم والإمام إن کان حاضرًا بقرب المحراب حین قیل أی وقت قول المقیم ’’حی علی الفلاح‘‘ الخ. (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ادب نماز کا یہ ہے کہ اگر امام اقامت کے وقت موجود ہو تو امام اور تمام مقتدی ’’حَیَّ عَلٰی الْفَلَاح‘‘ پر کھڑے ہوں؛ اس سے پہلے بیٹھے رہیں، باقی اس سے پہلے مصلے سے الگ کھڑے رہنا؛ اس کی کوئی اصل نہیں۔(۳) واللہ اعلم

۳/ رمضان ۱۳۴۰ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۸۴-۸۵) ☆

(۱) قال الطیبی فی حاشیة المشکوٰة: فیه أن من أصر علیٰ أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فکیف من أصر علیٰ بدعة أو منکر". (السعایة فی کشف ما فی شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب فی صفة الصلاة، ومنها استحباب الانصراف عن أحد الجانبین، قبیل فصل فی القراء ة: ۲/۲۶۳، سہیل اکیڈمی لاہور) (کذا فی الکاشف عن حقائق السنن شرح المشکوٰة للطیبی، باب الدعاء فی التشهد: ۳/۱۰۵۱. انیس)

(۲) حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی آدابها: ۱/۲۷۷. انیس

(۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول صفوں پر بیٹھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کا انتظار کرنا تھا۔ انیس

☆ جمعہ کی نماز کے لئے ’’حی علی الفلاح‘‘ پر کھڑا ہونا:

سوال: مقتدیوں کو نمازِ جمعہ کے لئے خطبہ کے ختم ہوتے ہی کھڑا ہونا چاہئے یا امام کے مصلی پر جانے اور مکبر کے تکبیر کہنے کا انتظار کیا جائے، مسنون طریقہ کیا ہے؟ ==

”قد قامت الصلاۃ“ پر سب مقتدیوں کا کھڑا ہونا:

سوال (۱) حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الصلاۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ ایک شخص اقامت کے وقت بیٹھا رہتا ہے اور ”حی علی الصلاۃ“ پر کھڑا ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ تو فرمایا: ”لا حـــــرج“، پھر پوچھا ایک شخص شروعِ اقامت سے کھڑا ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے، تو آپ نے فرمایا: ”لا حرج“.

حضرت سے دریافت طلب ہے کہ آیا یہ روایت صحیح ہے اور ”کتاب الصلاۃ“ سے کونسی کتاب مراد ہے؟ اس کتاب کا کیا نام ہے؛ جس کتاب الصلاۃ میں آپ نے فرمایا، یعنی باب الصلاۃ اور کتاب الصلاۃ سے مطلب نہیں ہے، مطلب کونسی کتاب ہے؛ جس میں آپ نے کتاب الصلاۃ میں یہ فرمایا؟

(۲) اور اس عبارت کا کیا مطلب ہے:

”عن ابن شهاب أن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن: الله أكبر، يقومون إلى الصلاة، فلا يأتى النبى عليه السلام مقامه حتىٰ تعتدل الصفوف“. (فتح البارى)(۱) بينوا وتوجروا.

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

اصل تو یہ ہے کہ جس وقت مکبر ”حی علی الفلاح“ کہے اس وقت کھڑا ہونا چاہئے، ((والقيام) لإمام ومؤتم (حين قيل ”حى على الفلاح“)، خلافاً لزفر، فعنده عند ”حى على الصلاة“ (إن كان الإمام بقرب المحراب، وإلا فيقوم كل صف ينتهى إليه الإمام على الأظهر) آه“. (الدر المختار متن الرد، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل الفصل: ٤٧٩/١، سعيد) لیکن احادیث میں صفوف سیدھا کرنے کی نیز درمیان میں جگہ نہ چھوڑنے کی بہت تاکید آئی ہے اور عام طور پر لوگ مسائل سے ناآشنا ہیں، اس لئے تکبیر شروع ہونے سے پیشتر ہی یعنی خطبہ ختم ہوتے ہی کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کر لی جائیں، تاکہ تکبیر بھی سب سکون سے سن سکیں اور اس وقت کسی قسم کا شور نہ ہو۔ (عن أبى الزاهرية عن كثير بن مرة عن عبدالله بن عمر رضى الله تعالىٰ عنه، قال قتيبة: عن أبى الزاهرية عن أبى شجرة ـ لم يذكر ابن عمر ـ أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ”أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل ولينوا بأيدى أخوانكم“ ـ لم يقل عيسىٰ: ”بأيدى إخوانكم“ ـ ”ولا تذروا فرجات للشيطان، ومن وصل صفاً وصله الله، ومن قطع صفاً قطعه الله“. قال أبو داؤد: أبو شجرة كثير بن مرة“. (سنن أبى داؤد، باب تسوية الصفوف: ٩٧/١، دار الحديث، ملتان)

”عمرو بن مرة قال: سمعت سالم بن أبى الجعد قال: سمعتُ نعمان بن بشير رضى الله تعالىٰ عنه يقول: قال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ”لتُسونّ صفوفكم، أو ليخالفنّ الله بين وجوهكم“. (صحيح البخارى، كتاب الأذان، باب تسوية الصفوف: ١٠٠/١، قديمى)) فقط والله سبحانه تعالىٰ أعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف۔ ۲۵ / ربیع الاول / ۱۳۵٦ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۹۷/۵-۴۹۸)

(۱) فتح البارى، كتاب الأذان، باب متىٰ يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة: ١٥٣/٢، قديمى

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) ''کتاب الصلاۃ'' کا قلمی نسخہ حیدرآباد دکن میں موجود تھا، جس میں مسئلہ کا عنوان یہ ہے کہ امام محمد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ ایک شخص اقامت کے وقت بیٹھا رہتا ہے اور ''حی علی الصلاۃ'' پر کھڑا ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ تو فرمایا: ''لا حرج'' پھر پوچھا ایک شخص شروع اقامت سے کھڑا ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''لا حرج''.(۱)

(۲) پہلے ایسا ہوتا تھا کہ کہ تشریف آوری سے قبل ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم صف بستہ کھڑے ہوجاتے، ارشاد ہوا کہ ''جب تک مجھے نہ دیکھ لو کہ میں آ گیا ہوں کھڑے مت ہوا کرو'' اس ارشاد پر معمول یہ ہوگیا کہ سب بیٹھے رہتے، جب حجرۂ مبارک سے پردہ اٹھتا اور روئے انور پر مؤذن کی نظر پڑتی وہ فوراً کھڑے ہوکر تکبیر شروع کردیتے، جب ہی سب کھڑے ہوجاتے حتیٰ کہ مصلیٰ مبارک پر جب پہنچتے تو سب کھڑے ہوئے ملتے، نماز شروع ہوجاتی۔

''عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم: إذا ''أقیمت الصلاۃ'' أی نودی بألفاظ الإقامة ''فلا تقوموا منتظرین للصلاۃ حتٰی ترونی'' أی تبصرونی خرجتُ.

قال الحافظ فی الفتح: قال القرطبی: ظاهر الحدیث أن الصلاۃ تُقام قبل أن یخرج النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم من بیته ... بأن بلالاً کان یراقب خروج النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فأول ما یراه یشرع فی الإقامة قبل أن یراہ غالب الناس، ثم إذا رأوہ قاموا، فلایقوم فی مکانه حتٰی تعتدل صفوفهم.

فیجمع بینه وبین حدیث أبی قتادۃ رضی اللّٰه تعالٰی عنه بأن ذلک ربما وقع لبیان الجواز و بأن صنیعهم فی حدیث أبی هریرۃ رضی اللّٰه تعالٰی عنه کان سبب النهی عن ذلک فی حدیث أبی قتادۃ حدیث، وأنهم کانوا یقومون ساعة تُقام الصلاۃ ولولم یخرج النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم، فنهاهم عن ذلک. (بذل المجهود شرح أبی داؤد)(۲) فقط (فتاویٰ محمودیہ: ۴۹۵/۵-۴۹۷)

---

(۱) قلت: متی یجب علی القوم أن یقوموا فی الصف؟ قال: إذا کان الإمام معهم فی المسجد فإنی أحب لهم أن یقوموا فی الصف إذا قال المؤذن: ''حی علی الصلاۃ''، وإذا قال: ''قد قامت الصلاۃ'' کبر الإمام وکبر القوم معه وأما إذا لم یکن الإمام معهم فإننی أکرہ، لهم أن یقوموا فی الصف والإمام غائب عنه وهذا قول أبی حنیفة ومحمد وأما فی قول أبی یوسف فإنه لایکبر حتی یفرغ المؤذن من الإقامة، قلت: أرأیت إن أخر الإمام ذلک حتی یفرغ المؤذن من الإقامة ثم کبر ودخل فی الصلاۃ ؟ قال: لابأس بذلک. (الأصل المعروف بالمبسوط للشیبانی، باب افتتاح الصلاۃ ومایصنع الإمام: ۱۸/۱-۱۹. انیس)

(۲) بذل المجهود، کتاب الصلاۃ، باب فی الصلاۃ تُقام ولم یأت الإمام ینتظرونه قعودًا: ۳۰۷/۱؛ مکتبة إمدادیة، ملتان

''حي علی الصلاۃ'' سے پہلے صف درست کرنے کے لیے کھڑے ہوجانا:

سوال: زید اور بکر میں چند دنوں سے اس بات پر بحث چل رہی ہے کہ آیا نماز میں کس وقت کھڑا ہونا چاہیے؟ زید کہتا ہے کہ جب مکبر ''حي علی الصلاۃ'' پر پہنچے، اس وقت کھڑا ہونا چاہیے، یہ مستحب ہے۔ قبل سے کھڑے ہوکر انتظار کرنا مکروہ ہے اور حوالہ میں مندرجہ ذیل کتب پیش کرتا ہے(۱) شامی (۲) شرح وقایہ (۳) درمختار (۴) فتاویٰ عالمگیری (۵) بخاری شریف وغیرہا، لیکن بکر کا کہنا ہے کہ میں ان کتابوں کو نہیں مانتا ہوں۔

اب از روئے شرع مطلع فرمائیں کہ جو شخص ان کتب مستندہ اور صحاح ستہ کو نہیں مانتا، ایسے شخص کیلئے کیا حکم ہے؟

دوم جو مستحب پر مکروہ کو ترجیح دیتا ہے۔ شریعت مطہرہ اسے کیا کہتی ہے؟

الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

''حي علی الصلاۃ'' سے پہلے صف سیدھی کرنے کے لیے کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے اور ''حي علی الصلاۃ'' پر کھڑا ہونا اس وقت مستحب ہے جبکہ پہلے سے صف سیدھی کرکرا کے بیٹھے ہوں، ورنہ تکبیر شروع ہوتے ہی اس طرح کھڑے ہوجانا چاہیے کہ تکبیر ختم ہوتے ہوتے انہیں سیدھی ہوکر تکبیر تحریمہ امام کے ساتھ مل جائے اور امام کو تکبیر ختم ہوتے ہی فوراً بلا فصل وتاخیر کے تحریمہ باندھ لینا چاہیے۔

مذکورہ تمام کتابیں حنفیہ کی سب مستند کتابیں ہیں، ان میں سے کسی کا بھی انکار سخت گستاخی اور غلطی ہے،(۱) اور ان کتابوں میں درج شدہ کا حاصل وہی ہے جو میں نے بیان کیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۱۰-۱۱۱)

اگر بدعتیوں کے جماعت میں پھنس جائے، تو اقامت کے وقت کیا کرے:

سوال: تکبیر بیٹھ کر سننا اور ''حي علی الصلاۃ'' پر کھڑے ہونا ناجائز اور بدعت ہے، یا کہ نہیں اگر ایسی جگہ میں جائیں جہاں اس قسم کے بدعتی لوگ عمل کرتے ہوں، تو وہاں بیٹھ جائیں، تو کوئی شرعاً عیب یا گناہ تو نہیں؟

(۱) وفي المحيط: حكي أن فقيهًا وضع كتابه في دكان وذهب ثم مر على ذلك الدكّان فقال صاحب الدكان: هٰهنا نسيت المنشار، فقال الفقيه: عندك كتاب لامنشار، فقال صاحب الدكان: النجار بالمنشار يقطع الخشب وأنتم تقطعون به حلق الناس أو قال حق الناس، فشكى الفقيه إلى الإمام الفضلي يعني شيخ محمد بن الفضل فأمر بقتل ذلك الرجل، لأنه كفر باستخفاف كتاب الفقه، وفي التتمة: من أهان الشريعة أو المسائل التي لابد منها كفر. (شرح الفقه الأكبر، فصل في العلم والعلماء: ۲۱۲، المطبع الحنفي بالهند. انيس)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

تکبیر بیٹھ کر سننا واجب نہیں ہے، بلکہ جب امام نماز پڑھانے کے لیے نکلے، لوگ اس وقت کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کرلیں اور تیاری جماعت میں لگ جائیں اور "حی علی الصلاۃ" تک صفیں سیدھی کرلیں، یہ طریقہ سنت ہے۔ اگر یہ بدعتیوں کے جھرمٹ میں پھنس جائے تو غیر ضروری سمجھتا ہوا جب مناسب ہو کھڑا ہو جاوے، گنجائش سب کی ہے۔ صرف ایک شق کو ضروری سمجھنا غلط اور بدعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیو بند۔ ۱۳/۳/۱۳۸۸ھ۔ الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔
الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دار العلوم دیو بند (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزءاول: ۱۰۷۔۱۰۸) ☆

☆ اقامت میں مکروہ چیزیں:

ا۔ جس کا وضو نہ ہو یا جس پر غسل واجب ہو اس کی اقامت مکروہ تحریمی ہے لیکن کہنے کے بعد لوٹائی نہ جائے گی۔ (درمختار بر شامی: ۱/۲۶۳)

۲۔ عورت، مجنون، کم عقل، مدہوش، بے عقل بچہ اقامت کہہ دے تو لوٹائی نہ جائے گی۔ (درمختار بر شامی: ۱/۲۶۳)

۳۔ مسافر کو اقامت چھوڑنا مکروہ ہے گرچہ تنہا ہو۔ (درمختار بر شامی: ۱/۲۶۴)

۵۔ اذان ایک شخص اور اقامت دوسرا کہے اور اذان دینے والا اس سے ناراض ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر دوسرے کو اقامت کہنا مکروہ ہے اور ناراض نہ ہو تو حرج نہیں ہے۔ لیکن جو اذان دے اسی کو اقامت کہنا افضل ہے۔
(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۲۰۷۔ انیس)

اذان واقامت کے متفرق مسائل:

ا۔ مؤذن اذان یا اقامت کہنے کے دوران بے ہوش ہو جائے یا مر جائے یا گونگا ہو جائے یا اس کی زبان نہ چلے اور کوئی تلقین کرنے والا بھی نہ ہو یا وضو ٹوٹ جانے کی وجہ سے بغیر پورا کئے وضو کرنے جائے تو از سر نو کہے (شامی: ۱/۲۶۳) لیکن وضو ٹوٹنے کی صورت میں پورا کر کے وضو کرنے جانا اولیٰ ہے (عالمگیری: ۱/۵۵)

۲۔ اذان واقامت کے دوران مؤذن کو سلام کرنا مکروہ ہے اور مؤذن کے لئے بھی سلام وغیرہ کا جواب دینا مکروہ ہے۔ اور فارغ ہونے کے بعد بھی اس پر اس کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔ (عالمگیری: ۱/۵۵)

۳۔ اذان واقامت کہنے والے کو اذان یا اقامت کے دوران بات کرنا یا چلنا بھی نہیں چاہئے۔ (عالمگیری: ۱/۵۵)
لیکن ضرورت ہو تو حرج نہیں ہے۔

۴۔ اگر کسی کے سامنے قضا نماز تنہا پڑھ رہا ہو خواہ مسجد میں ہو یا دوسری جگہ تو اذان واقامت آہستہ کہے تا کہ اس کی قضا ظاہر نہ ہو کیوں کہ گناہ کو ظاہر کرنا بھی گناہ ہے۔ (شامی وغیرہ)

۵۔ سفر میں سب ساتھی حاضر ہوں تو اذان مستحب ہے اور اقامت سنتِ مؤکدہ ہے، اقامت کا چھوڑنا مکروہ ہے اذان کا نہیں۔ خواہ سفر شرعی ہو یا عام بول چال والا۔ (شامی وغیرہ) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۲۰۷۔۲۰۸۔ انیس)

اقامت میں بوقت کلمۂ شہادت، امام کا پیٹھ پھیرنا:

سوال: امام تکبیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر اپنی پشت ادباً پھیرے یا نہیں؟

(المستفتی نمبر: ۱۶۵، ۷/ رمضان ۱۳۵۲ھ م ۲۵/ دسمبر ۱۹۳۲ء)

الجواب

امام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر اپنی پشت نہ پھیرے، کیونکہ پشت پھیرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان لہ۔ (کفایت المفتی: ۴۸/۳)

☆☆☆

(۱) یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم اعظم آنے پر دعا کا ثبوت ملتا ہے، پشت پھیرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ روایتوں میں ہے کہ!

عن عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص أنه سمع النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم یقول: ''إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول ثم صلوا علیّ فإنه من صلی علیّ صلاة صلی اللّٰہ علیه بها عشرًا ثم سلوا اللّٰہ لی الوسیلة فإنها منزلة فی الجنة ولاتنبغی إلا لعبد من عباداللّٰہ وأرجو أن أکون أنا هو، فمن سأل لی الوسیلة حلت له الشفاعة''. (الصحیح لمسلم، کتاب الصلاة، باب القول مثل قول المؤذن لم سمعه (ح: ۳۸٤)

ایک دوسری روایت میں ہے:

عن عمر بن الخطاب قال: إن الدعاء موقوف بین السماء والأرض لایصعدمنه شیء حتی تصلی علی نبیک صلی اللّٰہ علیه وسلم. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی فضل الصلاة علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم (ح: ٤٨٦) انیس)

اقامت کی جگہ

مکبّر کہاں کھڑا ہو:

سوال: فرائض کی تکبیر کیلئے مکبّر کا کہاں کھڑا ہونا مشروع ہے۔ بالکل محاذی امام کے یا دائیں بائیں، مستحب و مسنون طریقہ کیا ہے؟

الجواب

شرعاً اس میں کوئی تحدید نہیں ہے؛ یعنی اقامت کیلئے شرعاً کوئی جگہ محاذی امام یا جانب یمین وشمال معین نہیں ہے۔ حسب موقع وحسب ضرورت جس طرف اور جس موقع پر مکبّر کھڑا ہو کر تکبیر کہے درست ہے اور فقہا کا اقامت کیلئے کوئی جانب اور کوئی جگہ معین نہ کرنا یہی دلیل ہے؛ عدم تعیین وعدم تحدید کی۔ کسی فقہ کی کتاب میں جانب یمین یا شمال یا محاذات کی تخصیص مکبّر کیلئے نہیں کی گئی اور جو کچھ عوام میں مشہور ہے کہ اذان بائیں جانب اور تکبیر داہنی طرف ہو؛ یہ بے اصل ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۸٦) ☆

اقامت کس جگہ سے کہنی چاہئے:

سوال: کیا تکبیر صف کی دائیں جانب یا بائیں جانب یا دوسری صف یا تیسری صف یا جہاں سے مکبر کو سہولت ہو، دے سکتا ہے؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق

جائز ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ امام سے قریب دائیں جانب ہو۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد بشیر احمد۔ ۹/محرم ۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۷۸۔۳۷۹)

☆ **تکبیر کس جانب سے کہی جاوے:**

سوال: تکبیر بائیں جانب جائز ہے یا نہیں، یا داہنی جانب ہی کہی جاوے؟

الجواب

تکبیر بائیں جانب بھی درست ہے، داہنی جانب کی کچھ تخصیص نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۱٦۔۱۱۷) ==

تکبیر کہاں کھڑے ہوکر کہنا افضل ہے:

سوال: اقامت کے وقت مکبر کا امام کے پیچھے کھڑا ہونا کیسا ہے؟ بعض اس کو افضل کہتے ہیں، بندہ کو اس کی دلیل مطلوب ہے۔ براہ کرم تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب

امام کے پیچھے محاذاۃ میں کھڑے ہوکر تکبیر کہنے کا تعامل ہے، اس لئے یہی افضل ہوگا،(۱) جیسے تراویح کی بیس رکعت کے بعد اجتماعی دعا منقول نہیں ہے، لیکن امت اور اکابر کے عمل کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے اور دعا مانگی جاتی ہے، علیٰ ہذا عیدین کی نماز کے بعد تکبیر ثابت نہیں ہے، مگر توارث کی بنا پر تکبیر کہنے کی اجازت دی ہے، بعض نے واجب کہہ دیا ہے۔

ولابأس به عقب العيد لأن المسلمين توارثوه فوجب اتباعهم وعليه البلخيون. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۷۸٦/۱،باب العيدين،قبيل باب الكسوف)

البتہ حسب ضرورت اور حسب موقع جس طرف اور جس موقعہ پر مکبر کھڑا ہوکر تکبیر کہے درست ہے، شرعی ضرورت کے بغیر ادھر ادھر کنارے پر کھڑے ہوکر تکبیر کہنے کی عادت خلاف اولیٰ ہے، مگر تکبیر قابل اعادہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

(فتاویٰ رحیمیہ: ۱۴۵/۵۔ نیز ۳۳۴/۴۔۳۳۵)

== ... فمثلاً إذا صلى رجلان جماعة فإن المأموم ينبغي أن يقف إلى يمين الإمام ولكنه إذا وقف إلى يساره يكون يساره يكون مسيئاً وتجوز صلاته.(الأصل للشيباني،مطلب ينبغي،مقدمه،ط:قطر: ۲۵٦ .انيس)

(ويقف الأكثر من واحد)صادق بالإثنين وكيفيته أن يقف واحد بحذائه والآخر عن يمينه ولو جاء واحد وقف عن يسار الأول الذى هو بحذاء الإمام فيصير الإمام متوسطاً ويقف الرابع عن يمين الواقف الذى هو عن يمين من بحذاء الإمام والخامس عن يسار الثالث وهكذا فإذا استوى الجانبان يقوم الجائى عن جهة اليمين وأن ترجح اليمين يقوم عن يسار،قهستاني.(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،فصل فى بيان الأحق بالإمامة: ۳۰۵ .انيس)

(۱) وأفضل مكان المأموم إذا كان رجلاً حيث يكون أقرب إلى الإمام لقول النبى صلى الله عليه وسلم: "خير صفوف الرجال أولها وشرها آخرها"وإذا تساوت المواضع فى القرب إلى الإمام فعن يمينه أولىٰ لأن النبى صلى الله عليه وسلم كان يحب التيامن فى الأمور.(بدائع الصنائع،فصل فى بيان مقام الإمام والمأموم : ۱۵۹/۱/المحيط البرهانى،الفصل السابع فى بيان مقام الإمام: ۴۲۳/۱ .انيس)

قال المهلب: التيامن فى الأكل والشرب وجميع الأشياء من السنن،وأصله ما أثنى الله به على أصحاب اليمين فى الآخرة.(شرح صحيح البخارى لابن بطال،باب هل يستأذن الرجل من على يمينه: ۷٤/٦)

قال الطيبى:وفيه استحباب التيامن فى كل ماكان من أنواع الإكرام.(شرح المشكوٰة الكاشف عن حقائق السنن: ۲۸۸۰/۹ .انيس)

اقامت پہلی صف سے ضروری نہیں:

سوال: مؤذن اقامت اول صف میں پڑھے، یا جس صف میں چاہے، مستحب کیا ہے؟

الجواب

جس صف میں ہو؛ اسی میں اقامت پڑھ سکتا ہے، اس میں کچھ قید نہیں ہے اور صف اول میں ہونا ضروری نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۰۲)

اذان بائیں سے اور تکبیر دائیں سے کہنے کی کچھ حقیقت نہیں:

سوال: اذان بائیں طرف اور تکبیر داہنی طرف کھڑے ہوکر پڑھنا مشہور ہے اور اس پر اکثر اہل علم کا تعامل دیکھا جاتا ہے، بلکہ اس قید و تخصیص کو ضروری و شرعی سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف کرنے والے کو ملامت کرتے ہیں اور دعا کے وقت امام کا بائیں طرف منہ کر کے بیٹھنا نہایت ہی مذموم سمجھتے ہیں۔ اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

اذان بائیں طرف اور اقامت داہنی طرف ہونے کی کوئی دلیل شرعی نہیں ہے اور کسی حدیث وفقہ کی کتاب میں نہیں ہے، یہ بات غلط مشہور ہے۔ ورنہ ان لوگوں کو جو ایسا کہتے ہیں کوئی دلیل لانی چاہئے۔ بلا دلیل اپنی طرف سے شریعت میں ایسی قیدیں لگانا درست نہیں ہے، یہ یاد رکھنے کی بات ہے۔(۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۸۸-۸۹) ☆

(۱) ويقيم على الأرض هكذا في القنية، وفي المسجد، هكذا في البحر الرائق. (الفتاویٰ الهندية، باب الأذان، الفصل الثاني:١/٥٤، ظفير)

(۲) عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهورد". (الصحيح لمسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور. رقم الحديث:١٧١٨) انيس)

☆ **تکبیر داہنی جانب اور اذان بائیں جانب ہو اس کا کوئی ثبوت نہیں:**

سوال: تکبیر داہنی جانب ہونی چاہئے یا بائیں جانب؟ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اذان بائیں جانب ہو اور تکبیر داہنی جانب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا، اس میں ثواب زیادہ ہے۔ اس کے برعکس کرنا ثواب میں کمی کرنا ہے۔ دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ دونوں امر مساوی ہیں تعین کرنا بدعت ہے، کیونکہ اس کی تعیین ثابت نہیں۔

الجواب

یہ مشہور بے اصل ہے، شریعت میں اس کا کچھ حکم نہیں کہ اذان بائیں جانب ہو اور اقامت داہنی جانب ہو، ==

اقامت کے لئے جگہ کی کوئی تعین نہیں ہے:

سوال (۱) اگر مجبوراً امام کو خود اقامت کہنی پڑے، تو اپنی جگہ پر کہے یا مقتدیوں کی صف میں آ کر پوری تکبیر کہے یا'' قد قامت الصلاۃ'' کے بعد نماز شروع کر دے؟

(۲) کیا دوسری صف میں اقامت کہنا جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

(۱) امام اپنی جگہ پر پوری تکبیر کہہ کر نماز شروع کرے۔(۱)

(۲) دوسری صف میں اگر تکبیر کہی جائے تو بھی جائز ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔ ۵/۶/۵/۷ ۱۳۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۱۲۰)

اقامت کے لئے کسی جہت صف کی تعین نہیں:

سوال: تکبیر داہنی طرف امام کے ہونی چاہئے یا پشت پر یا بائیں جانب؟ کونسی جگہ افضل اور جائز ہے؟

(المستفتی نمبر: ۱۶۵، ۷/رمضان ۱۳۵۲ھ)

الجواب ــــــــــــــــ

تکبیر کے لئے کوئی جہت اور کوئی صف متعین نہیں ہے۔(۳)

جواب دیگر: مسجد میں اذان ایسی جگہ کہنی چاہئے جہاں سے آواز زیادہ نمازیوں کو پہنچے۔ خواہ جنوب میں ہو یا شمال میں۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان لہ۔ (کفایت المفتی: ۳/۴۷-۴۸)

== بلکہ جس طرف اتفاق ہو اذان و اقامت درست ہے کچھ کراہت کسی جانب میں نہیں ہے۔ جس نے داہنی جانب تکبیر کہنے میں ثواب زیادہ بتلایا ہے، ان سے دریافت کیا جاوے کہ کسی فقہ میں آپ نے کوئی تصریح دیکھی ہے؛ یا حدیث میں یہ بات ہے، یہ بات تو دوسری ہے کہ داہنی طرف کھڑے ہونے والے مقتدی کو زیادہ ثواب حدیث سے ثابت ہے۔ مگر اقامت داہنی طرف ہونے میں زیادہ ثواب ہونا کہیں نظر سے نہیں گذرا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دار العلوم: ۲/۱۱۹-۱۲۰)

(۱-۲) اس لئے کہ تکبیر کے لئے شرعا کوئی جگہ متعین نہیں ہے۔[مجاہد]

ویقیم علی الأرض هكذا في القنية وفي المسجد هكذا في البحر الرائق. (الفتاویٰ الهندية، باب الأذان، الفصل الثاني: ۱/٥٦)

(۳) المرجع السابق. (الفتاویٰ الهندية، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما: ۱/٥٦، ط ماجدية) والسنة الأذان في موضع عالٍ والإقامة على الأرض. (قنية المنية، باب الأذان: ۱۲، ط: كلكته. انيس) ==

درمیان صف میں اقامت کہے تو اس کا کیا حکم ہے:

سوال: نمازی زیادہ ہوں تو اقامت کہے۔صف اول میں یا درمیانی صف میں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نمازی کم ہوں اور صف اول میں تکبیر کہنے سے سب کو آواز پہونچی ہو تو تکبیر (اقامت) صف اول میں کہنا بہتر ہے۔ہاں اگر سب کو آواز نہ پہنچے اور درمیان کی کسی صف میں تکبیر کہی جائے کہ جس کی وجہ سے آگے پیچھے سب نمازی سن سکیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ:۲۹۱/۴)

چلتے ہوئے تکبیر شروع کرنا کیسا ہے:

سوال: اگر مؤذن تکبیر کو چلتے ہوئے شروع کردے اور اپنی جگہ پر پہنچ کر پوری کرے، تو یہ خلافِ سنت ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ خلافِ اولیٰ وخلاف سنت ہے۔إلا أن یکون أحیاناً عن ضرورة.

قال فی الدر المختار: ویستقبل غیر الراکب القبلة بهما ویکره ترکه تنزیهًا، الخ.(۱)

ظاہر ہے کہ چلتے ہوئے کبھی استقبال قبلہ بھی ترک ہوجاتا ہے۔

(قوله غیر الراکب) عبارة الإمداد: إلا أن یکون راکباً مسافرًا لضرورة السیر، الخ.(ردالمحتار)(۲)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۰۸/۲)

☆☆☆

== ویسن الأذان فی موضع عالٍ والإقامة علی الأرض.(البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۴۴۳/۱)

(۴) وفی الهندیة: "والسنة أن یؤذن فی موضع عال یکون أسمع لجیرانه ویرفع صوته".(باب الأذان، الفصل الثانی فی کلمات الأذان والإقامة وکیفیتهما: ۵۵/۱، ط: ماجدیة)

حاشیه صفحه هذا:

(۱-۲) رد المحتار، باب الأذان: ۳۶۱/۱۔

اس کے بعد مذکور ہے:

"لأن بلالا أذن وهو راکب ثم نزل وأقام علی الأرض". (رد المحتار، باب الأذان: ۳۶۱/۱، ظفیر)

کلماتِ اقامت کی تعداد

تکبیر میں کلمات اذان کی تکرار:

سوال: عموماً ہم تکبیر کو دو دفعہ کہتے ہیں، کیا ایک دفعہ تکبیر کو کہنا جائز ہے اور ” قد قامت الصلاۃ“ دو دفعہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

عندالحنفیہ تکبیر مثل اذان کے یعنی اللہ اکبر اول چار دفعہ اور باقی کلمات دو دو دفعہ کہنا چاہئے اور ”قد قامت الصلاۃ“ بھی دو دفعہ کہنا چاہئے، ایک ایک دفعہ کہنا کلمات تکبیر کا مذہب حنفیہ کا نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۹۸)

اذان واقامت کے کلمات دو دو بار ہیں، یا ایک ایک بار:

سوال: اذان اور اقامت کے کلمے دو دو بار کہنا درست ہے یا ایک ایک بار کہنا درست ہے؟

هو المصوب

اذان واقامت کے کلمات دو دو بار کہے جائیں گے، اذان مثل اقامت کے ہے، سوائے اس کے کہ اقامت میں الفاظ اقامت (۲) ہیں۔(۳)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳۹٦)

(۱) والإقامة مثل الأذان عندنا، الخ، ولنا ماروى أبوداؤد عن ابن أبى ليلىٰ عن معاذ، الخ. (غنية المستملى: ۱/۳۵۹، ظفير)

أخرجه عبدالرزاق فى المصنف، باب بدء الأذان (ح: ۱۷۸۸)/ وأبوبكربن أبى شيبة، باب ماجاء فى الأذان والإقامة كيف هو (ح: ۲۱۱۸)/ وأبوداؤد، باب كيف الأذان (ح: ۵۰٦)/ وابن أبى عاصم فى الآحادوالمثانى (ح: ۱۹۳۹) انيس

(۲) ”قد قامت الصلاة، قد قامت الصلاة“. انيس

(۳) عن أنس قال: أمر بلال أن يشفع الأذان وأن يوتر الإقامة إلا الإقامة (أى لفظ قد قامت الصلاة فإنى يثنى). (صحيح البخارى، كتاب الأذان، باب الأذان مثنىٰ مثنىٰ. رقم الحديث: ٦۰۵)

عن معاذ قال: جاء رجل من الأنصار إلى النبى صلى الله عليه وسلم فقال: إنى رأيت فى النوم كأنى مستيقظ أرىٰ رجلا نزل من السماء عليه بردان أخضران نزل علىٰ جذم حائط من المدينة فأذن مثنىٰ مثنىٰ ثم جلس ثم أقام فقال مثنىٰ مثنىٰ. (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ۲۲۰۲۷)

حنفی مؤذن کی اذان اور شافعی مکبر کی تکبیر:

سوال: ایک مسجد میں مؤذن حنفی المسلک اور بقیہ لوگ شافعی ہیں، اذان حنفی دیتا ہے، تکبیر شافعی کہتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

ھــو الـمـصـو بـ

دریافت کردہ صورت میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔(۱)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳۹۸)

اقامت میں دو کلموں کو ملانا:

سوال: اقامت میں ”حی علی الصلاۃ“ و ”قد قامت الصلاۃ“ کسرہ کے ساتھ پڑھنا کیسا ہے؟

ھــو الـمـصـو بـ

”قد قامت الصلٰوۃ“ میں صلٰوۃ کی تا پر کسرہ پڑھنا درست نہیں، بلکہ وقف کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔(۲)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳۹۸)

تکبیر میں ”قد قامت الصلاۃ“ کے دونوں کلمے ایک سانس سے کہے یا دو سے:

سوال (الف): تکبیر کس طرح پڑھنی چاہئے، ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ہر دو کلمے اکٹھے پڑھے، سوائے ”قد قامت الصلاۃ“ کے، کہ ان کے درمیان سانس توڑے۔(بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

(ب) اور بندہ تکبیر میں ”اللّٰــه أکبـرُ اللّٰه أکبرْ“ پڑھتا ہے، یعنی پہلے اکبر پر پیش اور دوسرے پر جزم، اسی طرح دوسرے کلمے بھی ملا کر پڑھے جاتے ہیں، ان کلمات کے پہلے کلمہ کے آخری حرف پر پیش دوسرے پر جزم، پڑھتا ہوں، تو وہ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ٹھیک نہیں۔

(ج) اور تکبیر میں دائیں بائیں منہ پھیرنا امداد الفتاویٰ جلد اول میں لکھا ہے، وہ کہیں بھی شائع نہیں، کیا وجہ ہے، کوئی اختلاف ہے۔ (رب بھروسے عطر فروش، مین بازار میانچول، ضلع ملتان)

---

(۱) ومنها: أن من أذن فهو الذي يقيم وإن أقام غيره فإن كان يتأذى بذلك يكره لأن اكتساب أذى المسلم مكروه، وإن كان لايتاذى به لايكره. (بدائع الصنائع: ۱/۳۷۵)

(۲) وفي الإمداد: ويجزم الراء أي يسكنها في التكبير، قال الزيلعي يعني على الوقف لكن في الأذان حقيقة وفي الإقامة ينوي الوقف ... ومرفوعا إلى النبي صلى الله عليه وسلم قال: الأذان جزم والإقامة جزم والتكبير جزم. (رد المحتار على هامش الدر المختار، باب الأذان، مطلب في الكلام على حديث ”الأذان جزم“: ۲/ ۵۱)

الجواب

(الف) ”قد قامت الصلاة“ دومرتبہ ایک ہی سانس میں ہے، کیونکہ پوری اقامت میں حَدْر مطلوب ہے۔
درمختار میں ہے:

(هى)أى الإقامة وكذا الإمامة (أفضل منه)،فتح، (ولايضع)المقيم (أصبعيه فى أذنيه) لأنها أخفض(ويحدر)بضم الدال أى يسرع فيها فلوترسل لم يعدها فى الأصح. (ردالمحتار: ۲۸٦/۱)(۱)

حدر اور ترسل متقابل ہیں، اذان میں ترسل مطلوب ہے اور اقامت میں حدر، چونکہ ”قد قامت الصلاة“ کا استثنا نہیں کیا، اس لئے پوری اقامت میں حدر ہوگا اور مشکوٰۃ شریف والی حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے۔

(ب) پہلے ”اللّٰہ أکبر“ کی رآء کو ساکن پڑھے، باقی کلمات میں بھی پہلے کلمہ کے اخیر کو ساکن پڑھے۔

وفى الإمداد:يجزم الراء أى يسكنها فى التكبير.

وحاصلها: أن السنة أن يسكن الراء من اللّٰه أكبرالأول أويصلها بـ اللّٰه أكبرالثانية فإن سكنها كفى وإن وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة. (ردالمحتار،باب الأذان: ۲۸٤/۱)

(ج) بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان۔ ۱۳۹۵/۱۰/۲۷ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۲/۲۳٦ـ۲۳۷)

اقامت کے کلمات:

سوال: برسوں اس مسجد اور شہر کی دیگر مساجد میں جو حنفی المسلک ہیں، اقامت میں ”اللّٰه أكبر“ چار بار، دیگر کلمات دو بار اور اخیر میں ”لا إله إلا اللّٰه“ ایک بار کہا جاتا رہا ہے، صدر انتظامی کمیٹی کا اصرار ہے کہ ”اللّٰه أكبر“ دو بار اور دیگر کلمات صرف ایک بار کہے جائیں، اس سلسلہ میں احناف کا مسلک کیا ہے؟ اور اس کی دلیل کیا ہے؟

(خواجہ حبیب الدین، سالار جنگ کالونی)

الجواب

احناف کا مسلک یہی ہے جو آپ نے ذکر کیا ہے کہ تکبیر چار دفعہ کہی جائے اور ”لا إلٰه إلا اللّٰه“ ایک دفعہ اور باقی کلمات دو دو مرتبہ، چنانچہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اقامت کے سترہ کلمات سکھائے، (۲) اور سترہ کلمات اسی تفصیل کے مطابق ہو سکتے ہیں۔

---

(۱) الدرالمختار،باب الأذان،قبيل مطلب فى أذان الجوق: ۳۸۸/۱ـ۳۸۹،دارالفكربيروت انيس

(۲) سنن أبي داؤد،رقم الحديث: ۵۰۰،باب كيف الأذان

دوسرے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ جنہوں نے سب سے پہلے خواب میں اذان کے کلمات سنے اور اسی خواب کی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کا فیصلہ فرمایا، ان سے بھی مروی ہے کہ اذان اور اقامت کے کلمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جوڑے جوڑے ہوا کرتے تھے۔

" كان أذان رسول اللّٰه شفعًا شفعًا فى الأذان و الإقامة ". (۱)

اس لئے آپ کے صدر صاحب کو چاہئے کہ ایسا کام نہ کریں، جس سے لوگوں میں انتشار اور اختلاف پیدا ہو۔

(کتاب الفتاویٰ: ۲/ ۱۵۳-۱۵۴) ☆

حنفی اور واقف کے لیے، تکبیر و اقامت میں ایک مرتبہ "حی علی الصلاۃ" "حی علی الفلاح" کہنا:

سوال: [ایک شخص] بروقت کہنے تکبیر کے، "حی علی الصلاۃ" اور "حی علی الفلاح" ایک ایک مرتبہ کہتا ہے، یہ کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

ایک ایک بار "حی علی الصلاۃ"، "حی علی الفلاح" کہنا مذہب شافعیؒ، مالکؒ میں ہے، (۱) مگر یہ شخص یا جاہل ہے یا غیر مقلد۔ لہٰذا اس کی یہ حرکت بوجہ نفسانیت وہوا کے ہے، بیجا ہے۔ واللہ اعلم

(مجموعہ کلاں، ص: ۱۲۹-۱۳۰) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۴۲)

(۳) الجامع للترمذی، رقم الحديث: ۱۹٤، باب ما جاء في أن الإقامة مثنٰى مثنٰى

☆ اقامت کے کلمات کی تعداد:

سوال: اقامت کے گیارہ یا سترہ کلمات ٹھیک ہیں کبھی سترہ تو کبھی گیارہ پڑھنا چاہئے؟

هو المصوب

دونوں طرح درست ہے، احناف کے یہاں ایک ایک کلمہ کو لوٹا کر پڑھنا (یعنی سترہ کلمات) افضل ہے اور شوافع کے یہاں بغیر لوٹائے؛ یعنی گیارہ کلمات افضل ہے۔ (وأما الإقامة فمثنٰى مثنٰى عند عامة العلماء كالأذان وعند مالک والشافعی فرادی فرادی إلا قوله" قد قامت الصلاة". (بدائع الصنائع: ۱/ ۳٦٦)

والإقامة سبع عشرة كلمة خمس عشر منها كلمات الأذان وكلمتان قوله" قد قامت الصلاة" مرتين، كذا فى فتاویٰ قاضيخان. (الفتاویٰ الهندية: ۱/ ۵۵،)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/ ۳۹۷)

(۱) قال الشافعى فى المشهور عنه وأحمد: الإقامة أحدعشر كلمة كلها تفرد، إلا ذكر الإقامة، ==

’’حی علی الصلاۃ‘‘ چار مرتبہ کہنا:

سوال: تکبیر کہتے وقت ’’حی علی الصلاۃ‘‘ چار مرتبہ پڑھنے سے تکبیر ہو جاتی ہے یا کچھ کمی رہتی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

’’حی علی الصلاۃ‘‘ چار مرتبہ نہیں بلکہ دو مرتبہ ہے، چار مرتبہ غلط ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۱۹/۵)

== یذکر مرتین فیقول: اللّٰہ أکبر مرتین أشهدأن لا إله إلا اللّٰه ، أشهدأن محمداًرسول اللّٰه،حی علی الصلاة،حی علی الفلاح ، قدقامت الصلا ة مرتین ،اللّٰه أکبر مرتین،لاإله إلا اللّٰه.وقال الشافعی فی القول الآخر کمذهب مالک:الإقامة عشر کلمات فذکر الإقامة فیها مفردة ، اللّٰه أکبر مرتین،أشهدأن لا إله إلا اللّٰه ، أشهدأن محمداًرسول اللّٰه،حی علی الصلاة،حی علی الفلاح، قد قامت الصلاة،اللّٰه أکبر مرتین،لا إله إلا اللّٰه.(اختلاف الأئمة العلماء،باب الأذان: ۹۱/۱) کذا فی المدونة،ماجاء فی الأذان والإقامة: ۱۵۸/۱/ وکذاالإقناع للماوردی،باب الأذان: ۳۵/۱.انیس)

(۱) عن أبی محذورة أن نبی اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم علمه هذا الأذان:’’اللّٰه أکبر،اللّٰه أکبر،اللّٰه أکبر،اللّٰه أکبر، أشهد أن لا اله إلا اللّٰه ،أشهد أن لا إله إلا اللّٰه،أشهد أن محمدًارسول اللّٰه ، أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه، ... حی علی الصلاة،حی علی الصلاة،حی علی الفلاح، حی علی الفلاح،اللّٰه أکبر اللّٰه أکبر‘‘.(مشکوٰة المصابیح،کتاب الصلاة،باب الأذان، الفصل الأول: ٦٣/١.قدیمی/أخرجه مسلم فی الصحیح،باب صفة الأذان (ح: ۳۷۹)انیس)

اقامت کے آداب

تکبیر سے پہلے بسم اللہ:

سوال: ایک شخص وقت شروع کرنے تکبیر جماعت کے پہلے بسم اللہ پڑھ کر تکبیر شروع کرتا ہے، دوسرا شخص کہتا ہے یہ ناجائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اس میں کچھ حرج نہیں ہے؛ ہر ایک کام کے اول میں بسم اللہ کہنا بہتر اور افضل ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۹۶)

اقامت سے پہلے درود شریف:

سوال: ایک عالم صاحب کا کہنا ہے کہ اقامت سے پہلے درود شریف پڑھے، کیا حدیث میں ایسا کرنا ثابت ہے

(محمد عبدالواحد، پالونچہ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام بھیجنا نہایت اجر وثواب کا کام ہے، لیکن اقامت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں درود شریف پڑھنا ثابت نہیں،(۲) حدیث کی کتابوں میں اذان واقامت کے ابواب موجود ہیں۔

---

(۱) عن أبی هریر ة رضی اللّٰه عنه قال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: کل کلام أوأمر ذی بال لا یفتح بذکر اللّٰه عزوجل فهو أبتر أوقال أقطع.(مسندالإمام أحمد،صحیفة همام بن منبه (ح:۸۶۹۷)انیس)

(۲) لا کلام فی أنّ الصلاة والسلام علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم عقب الأذان مطلوبان شرعًا لو رود الأحادیث الصحیحة ...إنما الخلاف فی الجهر بهما علی الکیفیة المعروفة والصواب أنها بدعة مذمومة بهذه الکیفیة التی جرت بهما عادة المؤذنین من رفع الصوت بهما کالأذان والتمطیط والتغنی فإنّ ذلک إحداث شعار دینی علیٰ خلاف ما عهد عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وأصحابه والسلف الصالح من أئمة المسلمین ولیس لأحد بعدهم ذلک ... ومن ثم قال العلامة ابن حجر فی فتاویه الکبریٰ:من صلی علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قبل الأذان أوقال محمد رسول اللّٰه بعده معتقدًا سنیته فی ذلک المحل ینهی ویمنع منه لأنه تشریع بغیر دلیل ومن شرع بغیر دلیل یزجر ویمنع.(الأبداع فی مضار الابتداع: ۷۷-۷۸،ط: المکتبة العلمیة، المدینة المنورة)

اسی طرح فقہ حنفی کی کتب میں بھی اذان واقامت سے متعلق ایک ایک حکم کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اس میں اقامت سے پہلے درود شریف پڑھنے کا ذکر نہیں۔

ہاں! عام حالات میں جتنا درود پڑھا جائے؛ کم ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/ ۱۴۷-۱۴۸)

تکبیر اقامت درود پڑھ کر بآواز بلند کہنا:

سوال: تکبیر (اقامت) درود پڑھ کر کہنا وہ بھی بآواز بلند کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

یہ ثابت نہیں ہے، عبادات میں وہی کام کرنا چاہئے؛ جو حدیث وفقہ سے ثابت ہو، بالخصوص فرائض میں۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ۔ ۲۱/ ۱۱/ ۱۳۴۴ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱/ ۴۵)

جماعت کے وقت مؤذن کا بآواز بلند درود شریف پڑھنا:

سوال: بعض جگہ یہ دستور ہے کہ جس وقت نماز کے واسطے جماعت کھڑی ہوتی ہے تو مؤذن تکبیر پڑھنے سے پہلے بآواز بلند درود شریف پڑھتا ہے پھر اس کے ملحق تکبیر پڑھتا ہے اور ہر جماعت کے وقت یہی دستور اختیار کیا جاتا ہے آیا یہ طریقہ شرعاً مستحسن ہے اور اس طریقہ کے لئے شرعی ثبوت موجود ہے، اگر شرعی ثبوت نہیں ہے، تو یہ فعل کیسا ہے؟

(المستفتی نمبر: ۲۳۹۶، چودھری اسلوب الٰہی صاحب، دہلی، ۱۳/ جمادی الثانیہ ۱۳۵۷ھ/ ۱۱/ اگست ۱۹۳۸ء)

الجواب ـــــــــــــــــ

اقامت سے پہلے بآواز بلند درود شریف پڑھنا کہیں ثابت نہیں، نہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ صحابۂ کرام اور ائمہ عظام کے زمانے میں اور اگر اس کو ایک طریقہ دائمہ بنالیا جائے تو بدعت ہے۔(۲) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔ (کفایت المفتی: ۳/ ۵۵-۵۶)

---

(۱) قال ابن نجيم رحمه الله: ولأن ذكر الله تعالىٰ إذا قصد به التخصيص بوقت دون وقت أوبشيء دون شيء لم يكن مشروعاً حيث لم يرد الشرع به؛ لأنه خلاف المشروع. (البحر الرائق، باب العيدين: ۲/ ۱۵۹)

(۲) عن عائشة قالت: "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهورد". (البخاري، باب إذا اصطلحوا علىٰ صلح جوز: ۱/ ۳۶۱، ط: قديمي كتب خانه، كراچی)

فائدة: التسليم بعد الأذان حدث في ربيع الآخر سنة سبعمأة وإحدىٰ ثمانين، الخ، وهوبدعة حسنة. (الدر المختار، باب الأذان، مطلب في أذان الجوق: ۱/ ۳۹۰، ط: سعيد كمپنی)

اقامت میں دائیں بائیں کو مڑنا:

سوال: اقامت کے اندر بھی مثل اذان کے "حی علی الصلاۃ" و "حی علی الفلاح" کہنے کے وقت داہنے اور بائیں منہ پھیرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

روایات کتب فقہ سے ظاہر ہے کہ اقامت مثل اذان کے ہے اور جو مواقع اختلاف کے ہیں ان میں فقہاؤ محققین نے تحویل وجہ کو نہیں لکھا، بلکہ تحویل وجہ میں اقامت کو مثل اذان کے قرار دیا ہے۔(۱)

لہٰذا راجح یہی ہے کہ تحویل وجہ اقامت میں بھی ہو، مگر چونکہ بعض علما نے اس علت سے کہ اقامت اعلام حاضرین کے لئے ہے، تحویل وجہ کو حیعلتین میں سنت نہیں سمجھا، اس لئے اس میں گنجائش ہے، لیکن جو علما اس تحویل کو سنت نہیں فرماتے؛ وہ بھی اس کو منع نہیں کرتے، بلکہ غایت یہ کہ ضروری نہیں فرماتے، تو اس اعتبار سے بھی فعل اس کا اولیٰ ہے، ترک سے۔ لہٰذا معمول بہ بنانا اس کو مناسب ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۸۹-۹۰) ☆

(۱) والإقامة كالأذان فيمامر. (الدر المختار)

قال الشامي: ... أراد بمامر أحكام الأذان العشرة المذكورة في المتن وهي أنه سنة للفرائض وأنه يعاد إن قدم على الوقت وأنه يبدأ بأربع تكبيرات وعدم الترجيع وعدم اللحن والترسل والالتفات والاستدارة وزيادة "الصلاة خير من النوم" في أذان الفجر وجعل أصبعيه في أذنيه ثم استثنى من العشرة ثلاثة أحكام لاتكون في الإقامة فأبدل الترسل بالحدر و "الصلاة خير من النوم" بـ "قد قامت الصلاة" وذكر أنه لايضع أصبعيه في أذنيه فبقيت الأحكام السبعة مشتركة. (رد المحتار، باب الأذان، مطلب في أول من بنى المنابر للأذان: ۱/۳۶۰، ظفير)

☆ اقامت میں دائیں بائیں چہرہ پھیرنا:

سوال: اذان کہتے ہوئے "حی علی الصلاۃ" پر دائیں طرف اور "حی علی الفلاح" پر بائیں طرف رخ کیا جاتا ہے، کیا اقامت کہتے ہوئے بھی اسی طرح دائیں اور بائیں رخ کرنا چاہئے؟ (محمد فیاض، یاقوت پورہ)

الجواب

اذان میں "حي على الصلاة" اور "حي على الفلاح" پر دائیں اور بائیں گردن موڑنا حدیث سے ثابت ہے۔

(چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ عمل احادیث میں موجود ہے: "رأيت بلالا خرج إلى الأبطح، فأذن، فلما بلغ "حي على الصلاة، حي على الفلاح"، لوى عنقه يمينا وشمالا ولم يستدر". (سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۵۲۰، باب في المؤذن يستدير في أذانه، محشي)

لیکن اقامت میں اس طرح کہنا ثابت نہیں، وجہ اس کی ظاہر ہے کہ اذان میں دور کے لوگوں کو باخبر کرنا مقصود ہے، اس لئے دائیں بائیں رخ کیا جاتا ہے، تا کہ ہر طرف مؤذن کی آواز پہنچ جائے، اقامت کا مقصد جو لوگ مسجد میں موجود ہیں، صرف ان کو متوجہ کرنا ہے اور اس میں دائیں بائیں رخ کرنے کی حاجت نہیں؛ ==

اقامت میں دائیں بائیں مڑنے کاحکم:

سوال: اقامت میں بھی مثل اذان کے ’’حی علی الصلاۃ‘‘ اور ’’حی علی الفلاح‘‘ کےوقت دائیں بائیں منھ پھیرنا چاہئے یانہیں، اکثر کتب متون وشروح فقہ میں لکھا ہے کہ: ’’الإقامة مثل الأذان أو مثله، الخ ‘‘ تو آیا مثلیت میں تحویل وجه اور التفات إلی الیمین والشمال داخل ہے یانہیں؟

الجواب

ہاں اقامت میں بھی مثل اذان ’’حی علی الصلاۃ‘‘ اور ’’حی علی الفلاح‘‘ کےوقت منھ پھیرنا چاہئے، کیونکہ تحویل وجہ سنت ہے۔

(ویلتفت فیه) وکذا فیهامطلقًا (یمینًا ویسارًا) ... (بصلاة وفلاح) لأنه سنة الأذان مطلقًا. (الدر المختار)(١) والله أعلم (کفایت المفتی:٣/٤٦)

اقامت میں التفات ہے یانہیں:

سوال: مؤذن اذان کہتے وقت ’’حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح‘‘ میں جس طرح منہ دائیں بائیں پھیر لیتا ہے، کیا اس طرح اقامت میں بھی ’’حی علی الصلاۃ‘‘ و ’’حی علی الفلاح‘‘ پر منہ دائیں بائیں پھیر لے؟

مولانا عبدالشکور صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) لکھنوی نے علم الفقہ :٢/١٠، میں صرف اذان میں ’’حی علی الصلاۃ ‘‘و ’’حی علی الفلاح‘‘، پر منہ دائیں بائیں پھیرنے کو مسنون لکھا ہے۔(٢)

لیکن صاحب درمختار دونوں کو مسنون کہتے ہیں، ان کی عبارت یہ ہے:

’’ویلتفت فیه، وکذا فیها مطلقاً ‘‘. (کتاب الصلاة، باب الأذان)(٣)

صحیح مسئلہ کیا ہے، وضاحت فرمائیں؟

== گو بعض فقہا نے اقامت میں بھی اذان کی مماثلت کی وجہ سے دائیں بائیں رخ کرنے کو کہا ہے، لیکن اکثر فقہا کے نزدیک زیادہ صحیح اور درست یہی رائے ہے کہ اقامت میں ’’حی علی الصلوٰۃ‘‘ اور ’’حی علی الفلاح‘‘ پر دائیں بائیں رخ کرنا مستحب نہیں۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ کہتے ہیں:

’’لایحول فیها لأنها إعلام للحاضرین‘‘. (البحر الرائق: ١/٢٥٨)

اور جوہرہ میں ہے: ’’هل یحول في الإقامة ؟قیل: لا؛ لأنها إعلام للحاضرین‘‘. (الجوهرة النیرة: ١/٢٦، طبع: دیوبند)

(کتاب الفتاویٰ: ٢/١٤٨-١٤٩)

(١-٣) الدر المختار علی صدر رد المحتار، باب الأذان، مطلب فی الکلام علی حدیث ’’الأذان جزم‘‘: ١/٣٨٧، ط: سعید

(٢) علم الفقہ حصہ دوم، اذان اور اقامت کا مسنون طریقہ، ص: ١٥٥، دار الاشاعت اردو بازار، کراچی

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اس میں دونوں قول ہیں، بعض نے کہا ہے کہ اگر جگہ بڑی ہو تو دونوں طرف پھرا لے ورنہ نہیں:

"وأطلق فی الالتفات، ولم يقيده بالأذان، وقدمنا عن القنية أنه يحول فی الإقامة أيضًا، وفی السراج الوهاج: لا يحول فيها؛ لأنها لإعلام الحاضرين، بخلاف الأذان فإنه إعلام للغائبين، وقيل: يحول إذا كان الموضع متسعًا، الخ". (البحر الرائق: ۲۵۸/۱)(۱) فقط والله تعالىٰ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند ـ ۱۲/ ۸/ ۱۳۸۸ھ ـ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/ ۸/ ۱۳۸۸ھ ـ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۶۶/۵)

اقامت میں "قد قامت الصلاة" بلند آواز سے کہنا کیسا ہے:

سوال: در اقامت لفظ "قد قامت الصلوٰة" را بلند کردن چہ حکم دارد؟ (۲)

الجواب ــــــــــــــــــــ

حرجے دراں نیست ـ (۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۰۵/۲)

قد قامت الصلاة پر وقف کرنا:

سوال: "قد قامت الصلاة" پڑھنے کی کیا کیفیت ہے؟ ہر کلمہ پر وقف ضروری ہے یا پہلے کلمہ کا وصل کر کے دوسرے پر وقف کیا جائے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اذان اور اقامت پڑھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر کلمہ کو ساکن کر کے پڑھے، اذان میں حقیقتاً وقف کیا جائے اور اقامت میں بہ نسبت وقف ساکن پڑھا جائے، اسی طرح "قد قامت الصلاة" کو بھی دونوں مرتبہ بہ نیت وقف ساکن کر کے پڑھا جائے، البتہ اذان و اقامت کے تکبیرات میں ہر دو تکبیر ایک کلمے شمار ہوتا ہے۔

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۴۵۰/۱، رشيدية

(۲) خلاصۂ سوال: اقامت میں لفظ "قد قامت الصلاة" کو بلند کرنا کیسا ہے؟ انیس

(۳) خلاصۂ جواب: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ انیس

والإقامة مثل الأذان إلا أنه يزيد فيها بعد الفلاح "قد قامت الصلاة" مرتين، هكذا فعل الملك النازل من السماء وهو المشهور. (الهداية، باب الأذان: ۸۳/۱، ظفير)

لما قال العلامة عالم بن علاء الأنصاری:یترسل فی الأذان ویحدرفی الإقامة ... الترسل أن یقول"اللّٰہ أکبر"ویقف ثم یقول مرة أخری مثله و کذلک یقف بین کلمتین إلی آخر الأذان و الحدرالوصل و السرعة.(الفتاوىٰ التاتاخانية: ۱/۵۱۸،باب الأذان)(۱)(فتاویٰ حقانیہ:۳/۵۸)

"قد قامت الصلاة" کی "تاء" پر کیا حرکت پڑھیں:

سوال: ایک شخص کہتا ہے کہ "قد قامت الصلاةُ،قد قامت الصلاةُ،،("ۃ" پر ضمہ کے ساتھ) پڑھا جائیگا ،اس کے خلاف نہیں، ورنہ اقامت ادا نہ ہوگی۔ دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ "قد قامت الصلاة" پڑھا جائے گا یعنی "ۃ" کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے گا،ایک فریق دوسرے فریق کو کہتا ہے کہ تمہارے طریقے کے مطابق اقامت ادا نہ ہوگی۔ تو اب کس فریق کا اعتبار کیا جائیگا اور صحیح کیا ہے؟

الجواب ______________ حامداً و مصلیاً

آخر والی "تاء" وقف اور سکتہ کی حالت میں "ھا" ہوجائے گی،لہٰذا اس پر نہ پیش پڑھا جائے گا نہ زیر،اصل کے اعتبار سے اس پر پیش تھا، جب کہ اس پر وقف وسکتہ نہ ہو،سکتہ کے بعد وہ ساکن ہے،(۲) زیر غلط ہے،ترکیب نحوی کے اعتبار سے "الصلاة"،"قد قامت،، کا فاعل ہے،جس پر پیش آئے گا،زیر غلط ہے،غلط سے پورا اجتناب کیا جائے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۴۶۸-۴۶۹)

امام کا "قد قامت الصلاة" پر ہاتھ باندھنا:

سوال: اگر کوئی امام تکبیر پوری نہ ہونے دے ہمیشہ "قد قامت الصلاة" پر نیت باندھ لے،تو کیسا ہے؟

---

(۱) قال العلامة الشرنبلالی: (یتمهل) یترسل فی الأذان بالفصل بسکتة بین کل کلمتین ویسرع أی یحدرفی الإقامة للأمربهما فی السنة.

قال السید أحمد الطحطاوی تحت(قوله بین کلمتین):أی جملتین إلا فی التکبیرالأول فإن السکتة تکون بعد تکبیرتین(الطحطاوی حاشیة مراقی الفلاح:۱۵۷-۱۵۸،باب الأذان)

(۲) و فی الإمداد:ویجزم الراء:أی یسکنها فی التکبیر.قال الزیلعی:یعنی علی الوقف،لکن فی الأذان حقیقة وفی الإقامة ینوی الوقف،آه:أی للحدر، وروی ذلک عن النخعی موقوفاً علیه ومرفوعاً إلی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم أنه قال:"الأذان جزم،والإقامة جزم،والتکبیرجزم" آه.(رد المحتار، کتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب فی الکلام علیٰ حدیث"الأذان جزم":۱/۳۸۶، سعید)

الجواب

بہتر یہ ہے کہ تکبیر ختم ہونے پر امام نیت باندھے اور اگر "قد قامت الصلاۃ" پر نیت باندھے، تو یہ بھی جائز ہے اور متون کتب فقہ میں ایسا ہی لکھتے ہیں، مگر اولیٰ اول ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۱۱۳/۲)

امام نماز کس وقت شروع کرے:

سوال: امام کو نماز کس وقت شروع کرنی چاہیے؟

الجواب

مستحب یہ ہے کہ امام نماز "قد قامت الصلوٰۃ" کے وقت شروع کرے، اگرچہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مقیم (اقامت کہنے والے) کی فراغت تک انتظار کرے، لیکن یہ اختلاف نفس استحباب میں ہے۔

قال العلامة حسن بن العمار الشرنبلالي: ومن الآداب شروع الإمام أي إحرامه مذ قيل أي عند قول المقيم: "قد قامت الصلاة" عندهما - وقال أبو يوسف: يشرع إذا فرغ من الإقامة فلو أخر حتى يفرغ من الإقامة لا بأس به في قولهم جميعاً. (مراقي الفلاح علٰى صدر الطحطاوي، فصل آداب الصلوٰة: ٢٢٥)(٢)

(فتاویٰ حقانیہ: ۱۰۶/۳-۱۰۷)

امام کے عمامہ باندھنے سے پہلے اقامت ختم ہوگئی، تو کیا پھر تکبیر کہی جائے:

سوال: امام مصلی پر رومال یا عمامہ باندھ رہا تھا کہ مؤذن نے تکبیر ختم کر دی، امام نے کہا پھر تکبیر کہو، آیا دوبارہ تکبیر کی ضرورت تھی یا نہیں؟

الجواب

دوبارہ تکبیر کہنے کی اس صورت میں ضرورت نہ تھی (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۱۱۶/۲)

(۱) (وشروع الإمام) في الصلاة (مذ قيل "قد قامت الصلوٰة") و لو أخر حتى أتمها لا بأس به إجماعًا، الخ، وهو قول الثاني والثلاثة، وهو أعدل المذاهب، الخ، وفي القهستاني معزياً للخلاصة: أنه الأصح. (الدر المختار)

لأن فيه محافظة علٰى فضيلة متابعة المؤذن وإعانة له على الشروع مع الأمام. (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، آخر آداب الصلاة: ٤٤٧/١، ظفير)

(۲) المرجع السابق (الدر المختار علٰى هامش ردالمحتار، قبيل فصل إذا أراد الشروع: ٤٧٩/١)

(وإذا قال) المقيم (حي على الصلاة) سيجيء مافيه (قام الإمام) بقرب المحراب (والجماعة) مسارعة لامتثال الأمر (وإذا قال: قد قامت الصلاة) الأولى (شرعوا) وعند أبي يوسف إذا فرغ من الصلاة، وهو أعدل المذاهب قاله ابن الساعاتي وبه قالت الثلاثة. (الدر المنتقى في شرح الملتقى، كتاب الصلاة: ١٨٨/١، دار الكتب العلمية، بيروت. انيس)

(۳) صلى السنة بعد الإقامة أو حضر الإمام بعدها لايعيدها (بزازية) و ينبغي إن طال الفصل أو وجد مايعد قاطعاً كأكل أن تعاد. (الدر المختار)

==

تکبیر کے بعد دیر سے جماعت ہو تو تکبیر کا اعادہ کیسا ہے:

سوال: اقامت کے بعد امام نے کھانا کھایا، یا زیادہ دیر تک باتیں کیں تو نماز کے واسطے اعادہ اقامت کی حاجت ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

عبارت شامی کی ”لأن تكرارها غير مشروع إذا لم يقطعها قاطع من كلام كثير أو عمل كثير“.(۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں اعادۂ اقامت کی جاوے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۱۷-۱۲۲)

اقامت کے بعد فصل ہو جائے تو کیا اقامت دہرائی جائے:

سوال: اگر اقامت کہی گئی اور اقامت کے فوراً بعد نماز شروع نہیں کی گئی، تو کیا دوبارہ اقامت کہنی چاہئے؟

(محمد ارشد، وجے واڑہ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

فقہا نے لکھا ہے کہ اگر اقامت اور نماز کے درمیان طویل فصل ہو جائے تو اقامت باطل ہو جائے گی، اس لئے ایسی صورت میں دوبارہ اقامت کہنی چاہئے، اور اگر معمولی وقفہ ہو، تو دوبارہ اقامت کہنے کی ضرورت نہیں، لیکن طویل اور معمولی وقفہ سے کیا مراد ہے؟ فقہا کے یہاں اس سلسلہ میں بالکل واضح بات نہیں ملتی، علامہ ابن نجیمؒ نے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ اگر فجر کی اقامت کے بعد امام سنتِ فجر پڑھ لے تو اقامت کو لوٹانا واجب نہیں۔

”صلى سنة الفجر بعد ها لا يجب عليه إعادتها“.(۲)

== قال الشامي: أقول: قال في آخر شرح المنية: أقام المؤذن ولم يصلّ الإمام ركعتي الفجر يصليهما ولا تعاد الإقامة لأن تكرارها غير مشروع إذا لم يقطعها قاطع من كلام كثير أو عمل كثير مما يقطع المجلس في سجدة التلاوة، آه.(رد المحتار، آخر باب الأذان: ۱/۳۷۱-۳۷۲، ظفير)

(۱) ”أقام المؤذن ولم يصلّ الإمام ركعتي الفجر يصليهما ولا تعاد الإقامة لأن تكرارها غير مشروع إذا لم يقطعها قاطع من كلام كثير أو عمل كثير مما يقطع المجلس في سجدة التلاوة“.(الحلبي الكبير شرح منية المصلي، فصلٌ في مسائل شتیٰ آخر كتاب الصلاة: ۶۱۹، مطبوعه سنده. انيس)

درمختار میں ہے:

صلى السنة بعد الإقامة أو حضر الإمام بعد ها لا يعيدها.(بزازية) وينبغي إن طال الفصل أو وجد ما يعد قاطعاً كأكل أن تعاد.(الدر المختار، آخر باب الأذان: ۱/۳۷۱، ظفير)

(۲) البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۲۶۳۔

اس سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ دو ہلکی رکعتوں سے زیادہ تاخیر ہوجائے تو اس کو طویل فصل سمجھا جائے گا۔علامہ شامی نے لکھا ہے کہ طویل گفتگو یا کوئی اور طویل عمل پایا جائے ،جس کو سجدۂ تلاوت کے مسئلہ میں مجلس کی تبدیلی کا باعث قرار دیا جاتا ہے،تو اقامت دہرائی جائے گی ،ورنہ نہیں:

" ... إذا لم يقطعها قاطع من كلام كثير أو عمل كثير مما يقطع المجلس فى سجدة التلاوة".(۱)

(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۵۱۔۱۵۲)

بعد تکبیر کچھ تکلم کر لینے سے تکبیر کا اعادہ نہیں کیا جائے گا:

سوال: تکبیر کے بعد اگر عمداً کچھ کہہ دیا مثلاً صف سیدھی کرنے کو کہا یا کوئی اور جملہ کہہ دیا تو کیا اس سے تکبیر کا اعادہ ضروری ہوگا؟ بینوا وتوجروا

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً ومسلماً

صف درست کرنے کے لئے کہنے یا تھوڑی سی بات کر لینے سے تکبیر کا اعادہ نہ کیا جائے گا۔

فى الدر: صلى السنة بعد الإقامة أو حضر الإمام بعدها لايعيدها (بزازية) وينبغي إن طال الفصل أو وجد ما يعد قاطعا كأكل أن تعاد. (۱/٣٦٨)(۲) **والله أعلم بالصواب**

کتبہ: عبداللہ غفرلہ۔۲۴/۲/۱۴۰۳ھ۔الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔(فتاویٰ ریاض العلوم:۲/۳۱۸۔۳۱۹)

تکبیر پڑھتے وقت اگر غلطی ہوجائے تو کیا اقامت شروع سے پڑھے:

سوال: تکبیر پڑھتے ہوئے اگر غلطی ہوجائے،تو شروع سے پڑھے،یا جہاں سے غلطی ہو وہاں سے؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

تکبیر پڑھتے ہوئے اگر کچھ چھوٹ جائے تو جس جگہ سے غلطی ہوئی ہے اسی جگہ سے صحیح پڑھے،شروع سے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۴۷۰)

---

(۱) رد المحتار، آخر باب الأذان: ۲/ ۷۰ ـ ۷۱۔

(۲) الدر المختار متن الرد، آخر باب الأذان، فروع، قبيل باب شروط الصلاة: ۱/ ٤٠٠، انيس

(۳) "وإذا قدم فى أذانه أو فى إقامة بعض الكلمات علىٰ بعض نحو أن يقول" أشهد أن محمدًا رسول الله" قبل قوله" أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه"، فالأفضل فى هذا أن ما سبق علىٰ أوانه لا يعتد به حتىٰ يعيده فى أوانه أو موضعه، وإن مضىٰ علىٰ ذلک جازت صلاته، كذا فى المحيط". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاه، الباب الثانى فى الأذان، الفصل الثانى فى بيان كلمات الأذان والإقامة: ۱/ ٥٦، رشيدية)

کلماتِ اقامت کا جواب:

سوال: اقامت میں کلماتِ مؤذن کا جواب دینا مثل اذان کے مستحب ہے یا مؤکدہ؟ لیکن جبکہ امام کو "قد قامت الصلاة" پر نیت باندھنے کا حکم ہے، تو مقتدی بقیہ کلمات مؤذن کا جواب دے کر شریک جماعت ہوں، یا کیا؟

الجواب

مستحب ہے۔ (۱) اوراس مستحب کے ادا کرنے کے لئے علامہ شامیؒ نے یہ فرمایا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ امام بعد ختم اقامت تکبیر تحریمہ کہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم:۲/۱۰۱)

اقامت کا جواب:

سوال: جس طرح اذان کا جواب دینا ہے، کیا اسی طرح اقامت کا بھی جواب دینا ہے؟ (عبدالبصیر، کوواڑ)

الجواب

جی ہاں! اذان کی طرح اقامت کا بھی جواب دینا چاہئے، فرق یہ ہے کہ اذان کا جواب دینا بعض حضرات کے نزدیک واجب ہے اور اقامت کا جواب مستحب۔ اقامت میں "قد قامت الصلاة" کے جواب میں "أقامها الله وأدامها" کہنا چاہئے: (۳)

"(ويجيب الإقامة) ندباً إجماعًا (كا لأذان) ويقول عند "قد قامت الصلاة" "أقامها الله وأدامها". (۴)

(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۴۸)

جواب اقامت فقط مقتدی پر ہے یا سب پر:

سوال: جواب اقامت کا مقتدی اور امام اور فارغ عن الصلوٰۃ، سب دیں، یا فقط مقتدی؟

---

(۱) (ويجيب الإقامة) ندباً إجماعاً (كالأذان). (الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار، باب الأذان، قبيل باب شروط الصلاة: ۱/ ۳۷۱، ظفير)

(۲) (وشروع الإمام) في الصلوٰة (مذ قيل" قد قامت الصلوٰة") لو أخر حتى أتمها لا بأس به إجماعاً الخ وهو أعدل المذاهب الخ وفي القهستاني معزياً للخلاصة: أنه الأصح. (الدر المختار)

لأن فيه محافظة علىٰ فضيلة متابعة المؤذن وإعانة له على الشروع مع الأمام. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة: ۱/ ٤٧ ٤، ظفير)

(۳) خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل مبارک بھی کتب حدیث میں ملتا ہے، چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت میں "قد قامت الصلوٰة" پر پہنچتے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت "أقامها الله وأدامها" فرماتے۔

" عن بعض أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أن بلالا أخذ في الإقامة فلما أن قال: "قد قامت الصلوٰة، قال النبي صلى الله عليه وسلم: " أقامها الله وأدامها". (سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ٥٢٨، باب ما يقول إذا سمع الإقامة، محشى)

(۴) الدر المختار علىٰ هامش الرد، قبيل باب شروط الصلاة: ۲/ ۷۱۔

الجواب

امام اور مقتدی سب دیں اور فارغ عن الصلوٰۃ بھی جواب دے۔

فی الدرالمختار: ولوتکرر أجاب الأول. وفی رد المحتار: ویظهرلی إجابة الکل بالقول لتعدد السبب وهوالسماع کما اعتمده بعض الشافعیة.(١)

قلت: دل علٰی سببیة السماع فإذا وجد السماع وجد الإجابة أیا من کان.(٢) واللّٰه تعالٰی أعلم

ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد صفحہ ٦٤ جلد ١)۔ (امداد الفتاویٰ جدید: ١٨١/١-١٨٢)

"قد قامت الصلوٰۃ" کے جواب کا حکم:

سوال: اذان کے جواب میں وہی کلمات دہرائے جاتے ہیں، تو اقامت کے دوران "**قد قامت الصلاۃ**" کے جواب میں کیا کہنا چاہئے؟

---

(١) الدرالمختارمع رد المحتار، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة: ٣٩٧/١، ط: بیروت، انیس

(٢) فی الجواب بحث من وجوه:

أما الأول فلأن الروایة المنقولة متعلقة بالأذان، والسائل یستفتی عن حکم الإقامة؟

وجوابه: أنه استدلال بالنظیرعلی النظیر؛ لأن الإقامة فی الجواب مثل الأذان وهوظاهر.

وأما الثانی فلأن سببیة السماع فی غیرالفارغین مسلم وأما الفارغون فلا؛ لأنه دعاء لغیرالفارغین لا للکل. فیکون الجواب علیهم لا علی الکل؟

وجوابه أن شرعیة الجواب لمراعاة حسن الأدب مع داعی اللّٰه وهولایختص بغیرالفارغین.

ویؤید ماقلنا ماقال العلامة الشامی فی رد المحتارحیث قال: هل یجیب أذان غیرالصلاة کالأذان للمولود؟ لم أره لأئمتنا، والظاهرنعم، ولذا یلتفت فی حیعلته کما مر، وهوظاهرالحدیث، إلا أن یقال: إن أل فیه للعهد، اه مافیه. (الدرالمختارمع رد المحتار، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة: ٣٩٧/١، ط بیروت، انیس)

أقول: فإن کان للجنس والاستغراق فظاهروإن کان للعهد فلا یضرفی ما نحن فیه لأنه یشمل حٍ کل أذان للصلاة و فیه المدعٰی. (یہ عبارت حاشیہ تصحیح الاغلاط صفحہ: ١ سے لکھی گئی)

اضافہ از سعید احمد پالنپوری:

لیکن مناسب یہ تھا کہ مندرجہ ذیل عبارت استدلال میں پیش کی جاتی۔

(ویجیب الإقامة) ندبًا إجماعًا (کالأذان) ویقول عند "قد قامت الصلاة": "أقامها اللّٰه وأدامها" آه. (الدرالمختار) (قوله إجماعا): قید لقوله ندبا: أی إن القائلین بإجابتها أجمعوا علی الندب ولم یقل أحد منهم بالوجوب کما قیل فی الأذان، آه. (رد المحتار، باب الأذان، قبیل باب شروط الصلاة: ٤٠٠/١، انیس)

مذکور عبارت اپنے اطلاق کی وجہ سے امام مقتدی اور فارغ عن الصلوۃ سب کو شامل ہے اور بالخصوص امام کے بارے میں مندرجہ ذیل حدیث بھی دلیل ہے۔

عن أبی أمامة أوعن بعض أصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أنَ بلالا أخذ فی الإقامة فلما أن قال: قد قامت الصلوٰة، قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم "أقامها اللّٰه وأدامها" وقال فی سائرالإقامة کنحوحدیث عمرفی الأذان. (سنن أبی داؤد: ٨٥/١، باب ما یقول إذا سمع الإقامة)

الجواب ـــــــــــــــــــ

احادیث مبارکہ میں مروی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ”قد قامت الصلاة“ کے جواب میں ”أقامها الله و أدامها“ فرماتے تھے، اس لئے اقامت میں ”قد قامت الصلاة“ کے جواب میں ”أقامها اللّٰه و أدامها“ کہنا چاہئے۔

قال العلامة الحصكفي: (ويجيب الإقامة) ندبًا إجماعًا (كالأذان) ويقول عند ”قد قامت الصلاة“ ”أقامها الله و أدامها“.

قال العلامة ابن عابدين (تحت قوله ويقول الخ): أي كما رواه أبوداؤد بزيادة ”مادامت السمٰوات والأرض وجعلني من صالحي أهلها“. (الدرالمختارمع الرد: ۱/ ٤٠٠، باب الأذان)(۱)

(فتاویٰ حقانیہ: ۳/ ٦٠)

”قد قامت الصلاة“ کے وقت ”أقامها الله و أدامها“ کہنے کا ثبوت:

سوال: تکبیر کا جواب دیتے وقت ”قد قامت الصلاة“ کا جواب ”أقامها الله و أدامها“ سے دینے کا شرعاً کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ (سائل: مولوی محمد اقبال، گوجرانوالہ)

الجواب ـــــــــــــــــــ

طحطاوی میں حلبی وغیرہ سے منقول ہے کہ آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام ”قد قامت الصلاة“ کے وقت ” أقامها اللّٰه و أدامها“ کہتے تھے۔

قال بعض الفضلاء: ويقول عند قد قامت الصلاة: أقامها اللّٰه و أدامها“. وهكذا روى عن النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم ذكره الحلبي وغيره، ومعنىٰ أقامها اللّٰه أثبتها و أبقاها. آه. (الطحطاوی: ۱۱۰)

ويقول عند ” قد قامت الصلاة“ ”أقامها اللّٰه و أدامها“. آه. (الدرالمختار)

(قوله ويقول) أي كما رواه أبوداؤد بزيادة ”مادامت السموت والأرض وجعلني من صالحي أهلها“. آه. (رد المحتار، آخرباب الأذان: ۱/ ۲۹٤) **فقط والله أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس، ملتان، ۹/ ۷/ ۱۴۰۳ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/ ۲۲۴)

☆☆☆

(۱) لما في الهندية: وإجابة الإقامة مستحبة هكذا في فتح القدير وإذا بلغ قوله ”قد قامت الصلاة“ يقول السامع ”أقامها اللّٰه وأدامها مادامت السمٰوات والأرض“ وفي سائر الكلمات يجيب كما يجيب في الأذان. (الفتاویٰ الهندية: ۱/ ٥٧، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة)

نماز میں بدن کی پاکی کے مسائل

بغیر استنجا نماز پڑھ لی، تو نماز ہوئی یا نہیں:

سوال: ایک شخص نے پاخانہ یا پیشاب کرنے کے بعد استنجا نہیں کیا، وضو کر کے نماز پڑھ لی، بعد میں یاد آیا۔ اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ یا وضو کے بعد یاد آیا تو اس کو وضو کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب

اگر ڈھیلے سے استنجا کر لیا تھا اور نجاست مخرج سے بقدر درہم متجاوز نہ تھی؛ تو بدوں پانی سے استنجا کرنے کے اس کی نماز ہوگئی۔ (١) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ٢/ ١٣٩)

بلا وضو و طہارت کے نماز استسقاء:

سوال: استسقاء کی نماز پڑھنے گئے تھے، وہاں زید نے ان لوگوں کو حکم دیا کہ نماز پڑھو، جو لوگ بغیر طہارت اور بغیر وضو کے تھے، ان لوگوں نے انکار کیا، اس پر زید نے کہا کہ کھڑے ہو جاؤ اللہ کے بندو! اللہ دل کا حال جانتا ہے، اس کے بعد اس کے کہنے پر بغیر طہات و وضو کے نماز پڑھی۔

(٢) صلوٰۃ استسقاء کے لیے جبکہ پانی ایک فرلانگ پر موجود ہو، تو تیمّم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(٣) ایک امام نامرد ہے، اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

---

(١) (وعفا) الشارع (عن قدر درهم) وإن كره تحريمًا، فيجب غسله، ومادونه تنزيهًا فيسن، وفوقه مبطل فيفرض. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الأنجاس: ١/ ٢٩١، ظفير)

ذكر في الذخيرة: إذا كانت النجاسة في موضع الاستنجاء أكثر من قدر درهم فاستجمر أي استنجى بثلثة أحجار وأنقاه أي موضع الاستنجاء ولم يغسله بالماء. قال الفقيه أبو الليث في فتاوٰيه: يجزيه يعني من غير كراهة وكان الغسل أفضل. قال صاحب الذخيرة: وبه أي بما قال أبو الليث: نأخذ. وفي هذا إشارة إلىٰ أن البعض يخالف في ذلك ولا أعلم فيه مخالفًا، الخ، وهذا إذا كانت تلك النجاسة ماخرج من الحدث المعتاد ولم تصبه من الخارج. (غنية المستملي: ١٨٩، ظفير)

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱) بغیر وضو وطہارت کے نماز استسقاء بھی جائز نہیں؛ گناہ ہے۔(۱)

(۲) اگر یہ اندیشہ ہو کہ وضو کر کے آنے پر نماز نہیں ملے گی، تو تیمّم جائز ہے۔(۲)

(۳) درست ہے، لیکن مرد افضل ہے۔(۳)(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۱۲، ۵۱۳)

بلا وضو نماز پڑھنا:

سوال: بغیر وضو نماز پڑھنے اور اسی طرح سجدۂ تلاوت یا سجدۂ سہو اور سجدۂ شکر کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ

جائز نہیں، بلکہ بعض کے نزدیک بغیر طہارت نماز ادا کرنا کفر ہے۔

عالمگیریہ میں ہے:

"من صلّٰی بغیر طهارة فقد كفر" انتهٰى. (۴)

اور کشف میں سجدۂ تلاوت کے بارے میں ہے:

"وهي سجدة بين تكبيرتين بشروط الصلاة من الطهارة وغيرها" انتهٰى. (۵)

---

(۱) چونکہ صلوٰۃ استسقاء بھی دوسری نمازوں کی طرح مستقل نماز ہے، تو جس طرح دوسری تمام نمازوں کے لیے طہارت شرط ہے، اسی طرح نماز استسقاء کے لیے بھی طہارت شرط ہے اور بغیر طہارت کے ادا کرنا گناہ ہے۔

(۲) عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنهما قال: أقبل علينا رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم من الغائط، فلقيه رجل عند بير جمل، فسلم عليه فلم يرد عليه رسول اللّٰه تعالٰى عليه وسلم حتى أقبل على الحائط، فوضع يده على الحائط ثم مسح وجهه ويديه، ثم رد رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم على الرجل السلام". (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب التيمم في الحضر: ۱/۵۳، إمدادية)

"قال العيني: استدل به الطحاوي علٰى جواز التيمم للجنازة عند خوف فواتها" (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۲۰۰، إمدادية)

"فإن عندنا مايفوت لا إلٰى خلف، يجوز التيمم له مع وجود الماء كصلاة الجنازة". (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۲۶۳، رشيدية)

(۳) نامردی کوئی ایسا عیب نہیں جس کی وجہ سے امامت متاثر ہو۔

(۴) اصل عبارت اس طرح ہے: "يكفر إذا صلى إلى غير القبلة متعمدًا، فوافق ذلك القبلة قال أبو حنيفة: هو كافر، وبه أخذ الفقيه أبو الليث، وكذا إذا صلى بغير طهارة أو صلى مع الثوب النجس". (الفتاوىٰ الهندية، مطلب في موجبات الكفر: ۲/۲۶۸. انيس)

(۵) قواعد الفقہ میں ہے: "سجود التلاوة هو الذي سبب وجوبه تلاوة آية من أربع عشرة آية، وهي سجدة بين تكبيرتين بشرائط الصلاة بلاقيام ورفع يد وتشهد وسلام". (قواعد الفقه، حرف الراء: ۱/۳۲۰. انيس)

تارتارخانیہ میں ہے:

قال الأكثرون: إنها ليست بقربة عنده بل هي مكروهة لايثاب عليها وتركها أولٰى، وقالا: هي قربة يثاب عليها، وثمرة الاختلاف تظهر في انتقاض الطهارة إذا نام في سجود الشكر. (١)

(مجموعۂ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو: ٢٠٢)

وضو نہ ہونے کے باوجود نماز پڑھتا رہا، تو کیا کفارہ ہوگا:

سوال: میں نے شہر کی ایک چھوٹی سی مسجد میں امام کے پیچھے نماز پڑھی، میں اگلی صف میں تھا، قیام کی حالت میں جب امام صاحب ''وَلاَ الضَّالِّیْنَ'' تک پہنچے تو مجھے یاد آیا کہ میرا وضو نہیں ہے اور مجھے اس بات کا بھی علم ہے کہ بغیر وضو کے سجدہ کرنا سخت گناہ ہے اور مسجد چھوٹی سی ہے، اس کی صفیں بازار کی سڑک تک پہنچ جاتی ہیں اور میرے لیے وہاں سے نکلنا بہت دشوار تھا، کیوں کہ میں اگلی صف میں تھا، میں نے بغیر وضو کے امام کے پیچھے نماز پڑھ لی ہے اور سلام پھیرنے کے بعد دوبارہ وضو کر کے نماز ادا کی۔

مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ بغیر وضو کے نماز پڑھنا کتنا گناہ ہے؟ اور آئندہ کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ میں اس گناہ کا کیا کفارہ ادا کروں؟

الجواب ــ

وضو، نماز کے لیے شرط ہے، بغیر وضو کے نماز پڑھنا سخت گناہ ہے۔ آپ نے نماز دہرالی، اس لیے آپ کی نماز تو ہوگئی، اگر مسجد سے نکلنے کا موقع نہ ہو تو سلام پھیر کر اسی جگہ بیٹھ جانا چاہیے اور آپ نے جو بغیر وضو کے نماز پڑھی؛ اس کا کفارہ توبہ واستغفار ہے۔ (٢) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ٣٣٣/٣)

---

(١) الفتاویٰ التاتارخانية، آخر سجدة الشكر: ٧٩٢/١، مجلس دائرة المعارف العثمانية حيدر آباد. انيس

(٢) عن همام بن منبه أنه سمع أباهريرة يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا تقبل صلوٰة من أحدث حتّٰى يتوضأ، قال رجل من حضرموت: ما الحدث يا أباهريرة؟ قال: فساء أو ضراط. (الصحيح للبخاري، باب لاتقبل صلاة بغير طهور (ح: ١٣٥)/الصحيح لمسلم، باب وجوب الطهارة للصلاة (ح: ٢٢٥)/مسند الإمام أحمد، مسند أبي هريرة (ح: ٨٠٧٨)/المنتقى لابن الجارود، لاتقبل صلاة بغير طهور (ح: ٦٦)

عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من قلس أو قاء أو رعف فلينصرف وليتوضأ وليتم على صلاته. (سنن الدارقطني، باب في الوضوء من الخارج من البدن كالرعاف (ح: ٥٦٨) وعن ابن جريج عن أبيه (ح: ٥٦٧)

عن ابن عمر أنه كان إذا رعف رجع فتوضأ ولم يتكلم ثم رجع فبنى على ماصلى. (موطأ الإمام مالك برواية محمدبن الحسن الشيباني، الوضوء من الرعاف (ح: ٣٦) ==

وضو میں کوئی عضو خشک رہ گیا اور نماز پڑھ لی، تو کیا حکم ہے:

سوال: زید نے وضو کیا جتنے مقام کا دھونا وضو میں فرض ہے، تو فرض کے مقام پر ایک انگل خشک رہ گیا اور خشک کا رہنا زید کو معلوم نہیں ہے، ویسے ہی نماز پڑھ لی، تو زید کی نماز ہوگئی یا نہیں؟

(۲) بکر نے دیکھ لیا کہ زید کا فلاں مقام پر فرض کی جگہ پر ایک انگل خشک ہے، تو بکر نے زید کو دو سبب سے نہیں بتلایا، ایک سبب یہ ہے کہ زید کو کوئی بھول چوک بتلاتا ہے تو زید کو برا معلوم ہوتا ہے، دوسرا سبب یہ ہے کہ بکر سے زید کی نااتفاقی ہے، ایسی صورت میں بکر گنہگار رہوگا یا نہیں ہوگا، شرعاً حکم کیا ہے؟

الجواب

جب عضو مفروض خشک رہ گیا تو جس وقت زید کو معلوم ہوا؛ اسی وقت نماز کا اعادہ واجب ہے، اگر اعادہ نہ کیا گنہگار ہوگا، (۱) اور اگر کبھی معلوم نہ ہوا تو اگر اس نے وضو، احتیاط کے ساتھ اعضا کو خوب مل مل کر کی تھی اور اپنی طرف سے کچھ کوتاہی نہیں کی؛ تو امید ہے کہ اس نماز کے فساد سے اس کو عذاب نہ ہوگا اور اگر بے احتیاطی و لاپرائی سے جلدی جلدی وضو کیا تھا، تو اس نماز کے فساد کا اس کو گناہ ہوگا۔

(۲) بکر نے اگر اس واسطے نہیں بتلایا کہ زید کو اس کی غلطی پر مطلع کرنے سے غصہ آتا اور وہ برا مانتا ہے تب تو صرف زید کو گناہ ہوا؛ بکر کو نہیں ہوا، اور اگر زید اس سے برا نہیں مانتا، لیکن بکر نے محض نااتفاقی کی وجہ سے نہیں بتلایا تو بکر کو بھی گناہ ہوگا۔ (۲) (امداد الاحکام: ۲/ ۷۹-۸۰)

== عن يزيدبن عبدالله بن قسيط: رأيت سعيدبن المسيب رعف وهو فى صلاته فأتى دارأم سلمة زوج النبى صلى الله عليه وسلم فتوضأ ولم يتكلم وبنى على صلاته. (مصنف ابن أبى شيبة، فى الذى يقيء أو يرعف فى الصلاة (ح: ٥٩١٤) / كذا فى موطأ الإمام مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني، الوضوء من الرعاف (ح: ٣٧) انيس)

(١) عن خالد عن بعض أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم أن النبى صلى الله عليه وسلم رأى رجلاً يصلى وفى ظهر قدمه لمعة قدر الدرهم لم يصبها الماء فأمره النبى صلى الله عليه وسلم أن يعيدالوضوء والصلاة. (سنن أبى داؤد، باب تفريق الوضوء (ح: ١٧٥)

عن جابربن عبدالله قال: رأى النبى صلى الله عليه وسلم فى قدم رجل لمعة لم يغسلها فقال: ويل للأعقاب من النار. (شرح معانى الآثار، باب فرض الرجلين فى وضوء الصلاة (ح: ١٨٦) انيس)

(٢) عن حذيفة بن اليمان عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: والذى نفسى بيده لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر أو ليوشكن الله أن يبعث عليكم عقاباً منه ثم تدعونه فلايستجيب لكم. (سنن الترمذى، باب ماجاء فى الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر (ح: ٢١٦٩) / شعب الإيمان، الأمربالمعروف والنهى عن المنكر (ح: ٧١٥٢) انيس)

عن سعيدبن أبى بردة عن أبيه عن جده عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: على كل مسلم صدقة، ==

کنویں کے ناپاک پانی سے وضوکر کے نماز پڑھی ہو، تو اعادہ واجب ہے یا نہیں:

سوال: ہمارے محلّہ میں مسجد میں کنواں ہے، طہارت خانے اور بیت الخلا کنویں سے چار پانچ گز دور ہیں، بارش میں بیت الخلا بھر جاتا ہے، کنواں سفلی سطح پر ہے؛ اس لئے بارش میں کنویں کے اطراف میں غلیظ پانی بھر جاتا ہے، حال میں تین روز قبل بہت زور کی بارش ہوئی تو یہی صورت حال پیش آئی، اور کنویں کے پانی کے تینوں اوصاف بدل گئے، چار نمازیں اس کنویں کے پانی سے وضوکر کے پڑھی گئی ہیں، اگر کنویں کا پانی ناپاک سمجھا جائے، تو پاک کرنے کے لئے کیا صورت اختیار کریں، کچھ دن کنواں ایسے ہی بند رہنے دیں یا خالی کرنا ہوگا، اور جو نمازیں پڑھی ہیں، ان کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (حیدرآباد)

الجواب

جب کہ یہ واقعہ ہے کہ ناپاک پانی کنویں کے پانی سے مس ہوا، یا نجاست کے اثرات پانی میں سرایت کر گئے اور کنویں کے پانی کے تینوں اوصاف بدل گئے، تو یقیناً کنواں ناپاک ہوگیا، (۱) ایسے پانی سے وضوکر کے جو نمازیں ادا کی ہیں، وہ نمازیں قابل اعادہ ہیں اور بلا تاخیر کنویں کا سب پانی نکال دیا جائے، پانی کچھ دن رہنے دینے سے کنواں پاک نہ ہوگا، نکال دینا ہی ضروری ہے۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۴۶/۷۔۱۴۷)

== قیل: أرأیت إن لم یجد؟قال:یعمل بیدیه وینفع نفسه ویتصدق، قال قیل:أرأیت إن لم یستطع؟ قال:یعین ذا الحاجة الملهوف،قال قیل له:أرأیت إن لم یستطع؟قال:یأمر بالمعروف أو الخیر،قال:أرأیت إن لم یفعل؟ قال:یمسک عن الشرفإنها صدقة.(الصحیح لمسلم،باب بیان أن اسم الصدقة یقع علی کل،الخ (ح:١٠٠٨)انیس)

(۱) (فرع:البعد بین البئر والبالوعة بقدرمالایظهر للنجس أثر) اختلف فی مقدارالبعد المانع من وصول نجاسة البالوعة إلی البئر،ففی روایة:خمسة أذرع،وفی روایة:سبعة،وقال الحلوانی: المعتبر الطعم أواللون أوالریح فإن لم یتغیر جازوإلالاولو کان عشرة أذرع.وفی الخلاصة والخانیة:والتعویل علیه وصححه فی المحیط، بحر.(ردالمحتار :٢٠٤/١،باب الأنجاس،فصل فی البئر،مطلب فی السؤر)

(۲) اگر کوئی گندی یا نجس چیز کنویں میں گر جائے، جیسے انسان کا پیشاب، پاخانہ، شراب، خون وغیرہ نجاست غلیظہ یا خفیفہ، تو ایسی صورت میں کنویں کا تمام پانی ناپاک ہوجائے گا، اسے وضو غسل یا طہارت وکھانے پینے کے لیے استعمال میں لانا جائز نہیں ہوگا۔(ردالمحتار مع الدرالمختار: ٢١٢/١) اور وہ کنواں اس وقت تک پاک نہیں کہلائے گا؛ جب تک کہ تمام پانی نہ نکال دیا جائے، تمام پانی سے مراد کنویں کا اتنا پانی نکالنا مراد ہے کہ اب ڈول نصف سے زائد بھر کر نہ آئے، اس وقت یہ پاک کہا جائے گا۔ شامی وغیرہ کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کل پانی نکل سکے تو کل نکالا جاوے اور اگر کل نہ نکل سکے، تو اب تقدیر کی ضرورت ہوگی اور تقدیر میں اختلاف ہے، بعض علما نے قول عدلین کا اعتبار کیا ہے اور بعض نے بوجہ تیسیر کے، تین سو ڈول پر فتویٰ دیا ہے۔

وقیل: یفتٰی بمأتین إلٰی ثلٰث مأة وهذا أیسر.(قوله:وقیل،الخ):جزم به فی الکنزوالملتقٰی وهومروی عن محمد وعلیه الفتویٰ،خلاصة وتاتارخانیة عن النصاب،وهوالمختار،معراج عن العتابیة،وجعله فی العنایة ==

نماز بحالت جنابت:

سوال: زید نے ناپاکی کی حالت میں بھول کر صبح کی نماز پڑھ لی، بعد میں اس کو خیال آیا کہ میرے اوپر غسل واجب تھا اب نماز کا اعادہ کرنا لازم ہے یا نہیں؟ اور بے غسل پڑھنے سے زید پر شریعت کی طرف سے کچھ گرفت ہوگی؟

(احمد عباس، پاکستان)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اعادہ لازم ہے،(١)اس بھول پر گرفت نہیں۔(٢) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔(فتاویٰ محمودیہ:٥/١١٥)

اگر ناپاک آدمی نے نماز پڑھ لی تو۔۔۔:

سوال: اگر خواب میں شب کو کپڑے ناپاک ہو جائیں اور کسی شخص کو صبح اس کی خبر نہ ہو اور وہ نماز بھی پڑھ لے اور ساتھ ہی قرآن شریف بھی پڑھ لے، تو بتائیں کہ کیا اس کی نماز اور تلاوت کا کوئی کفارہ ادا کرنا پڑے گا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اس کی نماز اور تلاوت کالعدم ہے،(٣) دوبارہ پڑھے، یہی کفارہ ہے کہ اس غلطی پر استغفار کرے۔(٤)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:٣/٣٣٣)

==   رواية عن الإمام، وهو المختار والأيسر كما في الاختيار،وأفاد في النهر:أن المأتين واجبتان والمائة الثالثة مندوبة.(ردالمحتار مع الدرالمختار،فصل في البئر،باب الأنجاس:١/٢١٥،انيس)

(١)   "فمنها الطهارة عن الحدث والجنابة ، فلقوله تعالىٰ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ﴾إلىٰ قوله:﴿وَلِيُطَهِّرَكُمْ﴾[سورة المائدة]وقول النبي صلى الله عليه وسلم:"مفتاح الصلوٰة الطهور".وقوله تعالىٰ:﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾(سورة النساء)وقوله عليه الصلاة والسلام:"تحت كل شعرة جنابة،ألا فبلّوا الشعر وأنقوا البشرة".(بدائع الصنائع،كتاب الصلاة،فصل في بيان شرائط الأركان:١/٥٣٦،دارالكتب العلمية،بيروت)

(٢)   "رفع عن أمتي الخطأ والنسيان،وما استكرهوا عليه".الطبراني عن ثوبان"(فيض القدير شرح الجامع الصغير،رقم الحديث:٤٤٦١-ج:٧/ص:٣٤٠٣،مكتبة نزار مصطفى الباز،رياض)

(٣)   تطهير النجاسة من بدن المصلّي وثوبه والمكان الذي يصلّي عليه واجب، الخ.(الفتاویٰ الهندية:١/٥٨)

"يجب على المصلي أن يقدم الطهارة من الأحداث والأنجاس علىٰ ما قدمناه.قال الله تعالىٰ:"وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ".وقال الله تعالىٰ:"وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا".(الهداية:١/٩٢،باب شروط الصلاة التي تتقدمها)

(٤)   علي رضي الله عنه يقول:كنت رجلاًإذا سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم حديثا نفعني الله منه بماشاء أن ينفعني وإذا حدثني أحد من أصحابه استحلفته فإذا حلف لي صدقته،قال:وحدثني أبوبكر وصدق أبوبكر رضي الله عنه أنه قال:سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:ما من عبد يذنب ذنباً فيحسن الطهور، ==

تنگیٔ وقت کی وجہ سے بلا غسل نماز پڑھنا:

سوال: اگر کسی کو احتلام ہو جائے اگر وہ غسل کرتا ہے تو نماز قضا ہو جاتی ہے، کیا وہ استنجا پاک کر کے نماز ادا کر لے اور بعد میں غسل کر لے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

(۲) اگر رات کو ہمبستری سے فارغ ہو کر اپنے جسم کی نجاست شدہ حصہ کو پانی سے دھو لے اور صبح کو استنجا کر کے نماز قضا ہو جانے کی وجہ سے نماز ادا کر لے اور پھر غسل کر لے تو کیا نماز ہو جائے گی؟

(۳) احتلام کی صورت میں صبح کو غسل کا خیال نہ رہا، نماز صبح ادا کر لی، پھر خیال آیا کہ غسل کرنا تھا، پھر غسل کیا تو نماز دوبارہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ (احمد علی، مظفر نگر)

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) غسل ضروری ہے، وقت تنگ ہونے کی وجہ سے اس کو ترک کر کے استنجا پر کفایت کرنا جائز نہیں، اس سے نماز نہیں ہوگی۔(۱)

(۲) اس کا جواب نمبر:۱، میں آ گیا۔

(۳) اس کی نماز نہیں ہوئی، اس کا اعادہ ضروری ہے۔(۲)

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔۳۰/۵/۱۳۹۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔۳/۵/۱۳۹۷ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۱۱-۵۱۲)

== ثم يقوم فيصلي ركعتين ثم يستغفر الله إلا غفر الله له،ثم قرأ هذه الآية﴿وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَو ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ﴾(آل عمران:١٣٥)إلى آخر الآية.(سنن أبي داؤد،باب في الاستغفار (ح:١٥٢١)انيس)

(۱) "(لا)يتيمم(لفوت جمعة ووقت)ولو وترًا لفواتها إلى بدل".(الدر المختار على صدر رد المحتار،كتاب الطهارة،باب التيمم: ١/٢٤٦،سعيد)

والمعاني الموجبة للغسل إنزال المني على وجه الدفق والشهوة من الرجل والمرأة حالة النوم واليقظة ... والتقاء الختانين من غير إنزال ... والحيض وكذا النفاس.(الهداية، فصل في الغسل: ٣٧/١)

قرآن مجید میں ہے:"وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُوْا".(سورة المائدة:٦)

عن علي رضي الله عنه قال: قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: ... لا تفعل إذا رأيت المذي فاغسل ذكرك وتوضأ وضوئك للصلوة فإذا فضخت الماء فاغتسل.(سنن أبي داؤد،باب في المذي (ح: ٢٠٦)

دوسری روایت میں الفاظ اس طرح ہے: إذا حذفت فاغتسل من الجنابة وإذا لم تكن حاذفاً فلا تغتسل.(مسند الإمام أحمد،مسند علي بن أبي طالب (ح:٨٤٩)انيس)

(۲) "(وإذا ظهر حدث إمامه)...(بطلت فيلزم إعادتها)...(كما يلزم الإمام إخبار القوم إذا أمهم وهو محدث أو جنب)أو فاقد شرط أو ركن".(الدر المختار،باب الإمامة،مطلب المواضع التي تفسد صلاة الإمام دون المؤتم: ٥٩١/١،سعيد)

ناپاکی میں نماز پڑھانا سخت جرم ہے:

سوال: حضرت والا! بندہ سے یہ قصور ہو گیا ہے کہ میں نے بدنامی کے خوف سے ناپاکی کی حالت ہی میں کچھ نمازیں پڑھا دیں، مجھے کیا کرنا چاہئے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

میرے محترم! آپ نے ناپاکی کی حالت میں جو نمازیں پڑھائیں، اس میں آپ نہایت سخت جرم کے مرتکب ہوئے ہیں، (۱) انتہائی جرأت ہے، آپ کو ہرگز ہرگز ایسا جان بوجھ کر نہیں کرنا چاہیے تھا، اللہ تعالیٰ کے سامنے تنہائی میں روییے اور پشیمانی ظاہر کر کے معافی طلب کیجئے اور آئندہ کبھی بھی ایسا نہ کیجئے، چاہے کتنی بھی بے شرمی محسوس ہوتی ہو، اثنائے نماز میں اگر ناپاکی کا علم ہو جائے یا وضو ٹوٹ جائے تو فوراً نماز توڑ دیجئے اور مقتدیوں سے کہہ دیجئے کہ میری نماز ٹوٹ گئی تم نماز پڑھ لو۔ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے سامنے ہیچ ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ رکھ کر مایوس نہ ہوئیے، مگر اس قہار و جبار عالم الغیب والشہادت کی پکڑ اور اس کے غیظ و غضب سے کبھی مطمئن نہ ہوئیے۔

﴿فَلاَ يَأمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾. (۲)

(خدا کی خفیہ تدبیروں اور گرفتوں سے سوائے خاسر لوگوں کے کوئی مطمئن نہیں ہوتا۔)

(مکتوبات: ۱۹/۴-۲۰) (فتاویٰ شیخ الاسلام: ۲۳) ☆

---

(۱) قصداً بے وضو نماز پڑھنا اگرچہ ظاہر الروایۃ میں موجب کفر نہیں ہے، لیکن حنفیہ کی ایک نادر الروایۃ یہ ہے کہ ایسا شخص کافر ہو جاتا ہے، اس سے اس عمل کی شناعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

وإن الإكفار رواية النوادر وفي ظاهر الرواية لا يكون كفرًا. (ردالمحتار: ۸۱/۱، كتاب الطهارة)

یہ اللہ تعالیٰ پر (جو کہ پوشیدہ اور ظاہر سب پر مطلع ہے اور ہر وقت ہر چیز کو دیکھتا اور سنتا ہے۔

(۲) سورة الأعراف: ۹۹. انيس

عبدالرحمن بن أبي الموالي قال: سمعت محمد بن كعب القرظي يقول: الكبائر ثلاث: أن تأمن مكر الله، وأن تقنط من رحمة الله، وأن تيأس من روح الله، قال: ويتلو القرظي هذه الآيات ﴿اَفَاَمِنُوا مَكْرَ اللّٰهِ فَلاَ يَأمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ (الأعراف: ۹۹) ﴿وَمَنْ يَقْنُطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ اِلَّا الضَّالُوْنَ﴾ (الحجر: ۵۶) وقال يعقوب عليه السلام لبنيه: ﴿لاَ تَيْأَسُوا مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ اِنَّهُ لاَيَيْأَسُ مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ﴾ (يوسف: ۸۷). (حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، محمد بن كعب القرظي: ۲۱۶/۳. انيس)

اَفَاَمِنُوا مَكْرَ اللّٰهِ وهو أخذه العبد من حيث لا يحتسب فَلاَ يَأمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ أي لا يأمن أحد أخذه تعالى العبد من حيث لا يشعر، مع كثرة ما رأى من أخذه العباد من حيث لا يحتسبون إلا القوم الذي خسروا عقولهم وأضاعوا فطرة الله التي فطر الناس عليها، والاستعداد القريب المستفاد من النظر في الآيات ==

ناپاکی میں نماز پڑھانے کا وبال امام پر ہے:

سوال: ناواقفیت کی وجہ سے امام نے ناپاکی کی حالت میں نمازیں پڑھادیں، یہ بھی صحیح معلوم نہیں کہ کن کن لوگوں نے اس کی اقتدا کی ہے، تو اب وہ کیا کرے؟

الجواب

جو نمازیں ناواقفیت کی وجہ سے ناپاکی کی حالت میں پڑھائی گئی ہیں، وہ سب بھی واجب الاعادہ ہیں، (۱) مقتدیوں کی نمازوں کا بار بھی امام ہی پر ہے اور اگر وہ معلوم نہیں ہیں تو امام کو اللہ تعالیٰ کے سامنے صدق دل سے دعا کرنی چاہیے۔ ان مقتدیوں کا ذمہ بری ہے، امام کو اپنے اور ان سب مقتدیوں کے لئے دعا کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانا اور رونا چاہیے بجز توبہ واستغفار اور کوئی صورت نہیں۔

(مکتوبات: ۱۶/۴) (فتاویٰ شیخ الاسلام: ۲۳)

== فصاروا خاسرين إنسانيتهم بل أخس من البهائم. (تفسير القاسمي- محاسن التأويل، تفسير سورة الأعراف، تنبيه: ١٥٩/٥. انيس)

☆ ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھنا:

سوال: ایک ناواقف آدمی نے حالت جنابت میں نمازیں پڑھ لیں، تو کیا اس کی ناواقفیت کو عذر قرار دے کر اس کی نمازیں صحیح کہی جائیں گی؟

الجواب

جو نمازیں ناواقفیت کی وجہ سے حالت جنابت (ناپاکی) میں پڑھی گئی ہیں، وہ سب واجب الاعادہ ہیں۔ (قال النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم: "لاتقبل صلوٰة بغیر طهور" الخ. (سنن الترمذی مع العرف الشذی: ۳/۱)

ناواقفیت مسلمان کے لئے اس ملک اور اس زمانہ میں عذر نہیں ہے۔

(مکتوبات: ۱۶/۴) (فتاویٰ شیخ الاسلام: ۲۳)

(۱) ... وإن لم يكن كذلك واحتمل أنه قال على وجه التورع والاحتياط أعادوا صلوٰتهم. (الفتاویٰ الهندية: ۸۷/۱، الفصل الرابع فی بيان ما يمنع صحة الإقتداء)

عن إبراهيم قال: إذا فسدت صلاة الإمام فسدت صلاة من خلفه. (كتاب الآثار لأبی يوسف، باب افتتاح الصلاة (ح: ١٤٤) / كتاب الآثار لمحمد بن الحسن، باب ما يقطع الصلاة (ح: ١٣٣)

قال محمد: وبه نأخذ إذا صلى الرجل بأصحابه جنباً أو على غير وضوء أو فسدت صلاته بوجه من الوجوه فسدت صلاة من خلفه. (كتاب الآثار لمحمد بن الحسن، باب ما يقطع الصلاة (ح: ١٣٣) انيس)

عن علی بن أبی طالب قال صلى بنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يوماً، فانصرف ثم جاء ورأسه يقطر ماء فصلى بنا، ثم قال: إنی صليت بكم آنفاً وأنا جنب، فمن أصابه مثل الذی أصابنی أو وجد رزاً فی بطنه فليصنع مثل ماصنعت. (مسند الإمام أحمد، مسند علی بن أبی طالب (ح: ٧٧٧) / انيس)

غیر مفتیٰ بہ قول پر بغیر غسل نماز کا حکم:

سوال: عرصہ سے ایک مسئلہ درپیش ہے اور کسی طرح حل نہیں ہوسکا، میں امید کرتا ہوں کہ جناب ضرور بالضرور حل کرلیں گے۔ میں تھوڑی سی عبارت فتاویٰ عالمگیری جلد اول صفحہ: ۱۸ رکی نقل کرتا ہوں؛ جس سے صورت مسئولہ بخوبی روشن ہوجائے گی۔عبارت فتاویٰ عالمگیری مندرجہ ذیل ہے:

ایک شخص کو احتلام ہوایا کسی عورت کی طرف دیکھا اور منی اپنی جگہ سے بشہوت جدا ہوئی، پھر اپنے ذکر کو دبالیا؛ یہاں تک کہ شہوت اس کی ساکن ہوگئی، پھر منی بہی تو اس پر امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک غسل واجب ہوگا اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک واجب نہ ہوگا، یہ خلاصہ میں ہے۔(۱)

اب صورت حال یہ ہے کہ ایک شخص کو احتلام ہوا اور منی اپنی جگہ سے شہوت کے ساتھ جدا ہوئی؛ پس اس نے اپنے ذکر کو دبالیا؛ یہاں تک کہ شہوت ساکن ہوگئی اور پھر منی بہی۔ شخص مذکور کو چونکہ پہلے سے یہ علم تھا کہ ایسی صورت میں غسل واجب نہیں ہوتا؛ اس لئے اس نے غسل نہیں کیا اور بغیر غسل کے نماز پڑھتا رہا اور چند مرتبہ ایسا واقعہ پیش آیا اور کبھی غسل نہیں کیا اور یہ اس نے محض اپنی غلط فہمی کی وجہ سے ایسا کیا اور جب اس کو معلوم ہوا کہ اس نے سخت غلطی کی تو وہ بہت نادم ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا شخص مذکور نے جس قدر نمازیں اس صورت میں پڑھی ہیں؛ وہ ادا ہوگئیں یا نہیں؟ اور اگر نہیں ہوئیں تو اب ان کی ادائیگی کی کیا صورت ہوسکتی ہے اور شخص موصوف اس فعل کے کرنے سے گنہگار ہوا یا نہیں اور اگر گنہگار ہوا تو کس درجہ کا؟

الجواب

چونکہ اس مسئلہ میں امام ابویوسف رحمہ اللہ کا اختلاف ہے اور بہت سے مشائخ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی قول کو مفتی بہ لکھا ہے (اگرچہ محققین کی رائے یہ نہیں)؛ تاہم جو فعل شخص مذکور نے قول مختار سے ناواقف ہونے کی وجہ سے کیا اور اس پر وہ اب نادم بھی ہے اور نفس مسئلہ میں کچھ گنجائش بھی ہے۔اس لئے حق تعالیٰ شانہ کی رحمت سے امید مسامحت کی ہے۔(۲)

---

(۱) إذا احتلم أو نظر إلى امرأة فزال المني عن مكانه بشهوة فأمسك ذكره حتى سكنت شهوته ثم سال المني عليه الغسل عندهما وعند أبي يوسف لايجب،هكذا في الخلاصة.(الفتاویٰ الهندية،الفصل الثالث في المعاني الموجبة للغسل: ١/ ١٤.انيس)

(۲) ﴿لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ﴾(سورة الزمر:٥٣)﴿وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ﴾(سورةالحجر:٥٦)انيس)

باقی جونمازیں اس نے اس حالت میں پڑھی ہیں؛ ان کے متعلق اختلاف ائمہ اور اختلاف مشائخ مرجحین پر نظر کر کے، امام قاضی خاں رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے:

"یؤخذ بقول أبی یوسف فی صلوات ماضیة فلا تعاد وفی مستقبلة لایصلی ما لم یغتسل"، اھـ. (رد المحتار: ۱۱۹/۱)(۱)

لیکن پھر بھی احتیاط یہی ہے کہ ان نمازوں کی قضا کرے؛ کیونکہ محققین کے نزدیک قول مختار امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا ہے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۳۶/۲-۱۳۷)

کچھوے کی ہڈی کا طلاء لگا کر نماز پڑھنا کیسا ہے:

سوال: اگر استخوان باخہ یعنی کچھوا بر بدن طلاء نمودہ نماز خواند نماز می شود یا نہ؟ (۳)

الجواب

جواب صاف این است کہ استخوان باخہ را بر بدن طلاء کردہ نماز گذاردن جائز است، نماز فاسد ومکروہ نمی شود؛ زیرا کہ استخوان او پاک است، اگرچہ خوردنِ او حلال نہ باشد۔(۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۳۱/۲)

---

(۱) رد المحتار، أبحاث الغسل، مطلب فی تحریر الصاع والمد والرطل: ۱۴۹/۱، ظفیر

الجنب إذا اغتسل قبل أن یبول وصلی جازت صلاته فإن خرج منه المنی بعدذلک کان علیه الغسل فی قول أبی حنیفة ومحمد خلافاً لأبی یوسف، ولایعید ماصلی، وعلی هذا الخلاف إذا استمتع بالکف فلما انفصل المنی أخذ بإحلیله حتی سکنت شهوته ثم خرج المنی. (فتاویٰ قاضی خان، فصل فیمایوجب الغسل: ۵۴-۵۵، اشپاٹک لیتھو گرافس کلکته. انیس)

(۲) (وفرض)الغسل(عند)خروج(منیّ)من العضو وإلا فلا یفرض اتفاقاً الخ(منفصل عن مقره)الخ(بشهوة)الخ ولأنه لیس بشرط عندهما خلافاً للثانی. (الدرالمختار)

قال فی رد المحتار(تحت قول الدرقلت: الخ): ... لکن أکثرالکتب علیٰ خلافه حتی البحروالنهر، ولاسیما قد ذکروا أن قوله قیاس وقولهما استحسان وأنه الأحوط، فینبغی الإفتاء بقوله فی مواضع الضرورة فقط تأمل. (رد المحتار، أبحاث الغسل، مطلب فی تحریر الصاع والمد والرطل: ۱۴۸/۱-۱۴۹)

(۳) خلاصۂ سوال: اگر کچھوے کی ہڈی کا طلاء لگا کر نماز پڑھے تو نماز ہوگی یا نہیں؟ انیس

(۴) (شعرالمیتة) ... (وعظمها)الخ وکذا کل مالاتحله الحیاة ... (طاهر). (الدرالمختار علیٰ صدر رد المحتار، باب المیاه، مطلب فی أحکام الدباغة: ۱۹۰/۱، ظفیر)

خلاصۂ جواب: واضح جواب یہ ہے کہ کچھوے کی ہڈی کو بدن پر طلاء کر کے نماز پڑھنا جائز ہے، نماز فاسد یا مکروہ نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے کہ اس کی ہڈی پاک ہے، اگرچہ اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ انیس

ناپاک تیل کی مالش کے بعد نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں:

سوال: زید دس ماہ سے مالش روغن بیر بہوٹی کی، تقویت باہ کیلئے کرتا ہے اور بغیر دھوئے نمازِ پنجگانہ ادا کرتا ہے۔ آیا نماز اس کی جائز ہے یا نہیں اور بر تقدیر عدم جواز دس ماہ کی نماز کی قضا واجب ہے یا نہیں اور تداوی بالمحرم جائز ہے یا نہیں اور حشرات الارض بھی اس میں داخل ہیں یا نہیں؟

الجواب

تداوی بالمحرم عندالضرورت بشرائط جائز ہے۔

كما في الشامي؛ قال في النهاية: وفي التهذيب: يجوز للعليل شرب البول، والدم والميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفاءه ولم يجد من المباح مايقوم مقامه، الخ. (۱)

اور تداوی بالمحرم میں حشرات الارض بھی داخل ہیں۔

لقوله تعالىٰ: ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ (۲)

اور یہی وجہ حرمت ان حشرات کی ہے اور نجس ہونا؛ نہ ہونا، دم سائل ہونے پر موقوف ہے۔ پس اگر بیر بہوٹی میں دم سائل ہے تو مرنے کے بعد وہ نجس ہے اور اس کا تیل بھی نجس ہے، اس کو دھو کر نماز پڑھنی چاہئے اور جو نمازیں بلا دھوئے پڑھی گئیں، ان کا اعادہ لازم ہے اور یہ امور کتب فقہ میں مفصلاً مذکور ہیں۔ (۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۳۲)

---

(۱) رد المحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب في التداوي بالمحرم: ٢٩٨/٤، ظفير

(۲) سورة الأعراف: ١٥٧.

﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ أي المستخبثات كالحشرات والخنازير، الخ. (فتح القدير للشوكاني، تفسير سورة الأعراف: ٢٨٨/٢. انيس)

(۳) یعنی حشرات الارض اگر ایسے ہیں کہ ان میں دم سائل نہیں ہے تو ان کا تیل ناپاک نہیں ہوتا، اس کا استعمال جائز رہتا ہے اور اگر حشرات الارض ذی دم مسفوح ہیں تو ان کا تیل ناپاک ہے اور اس تیل کا استعمال کھانے پینے کے لیے جائز نہیں ہوگا۔ البتہ ضرورتاً مالش وغیرہ کے لیے استعمال میں لانا درست ہے۔

(ودم) مسفوح من سائر الحيوانات إلا دم شهيد ما دام عليه. (الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار، باب الأنجاس، مبحث في بول الفأرة، الخ: ٣١٩/١، دار الفكر)

(ونُجيز بيع الدهن المتنجس والانتفاع به في غير الأكل) كالاستصباح والدباغة وغيرهما، ابن المالك. (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في بيع دودة القرمز: ٧٣/٥، انيس)

حشرات الارض کا تیل لگا کر نماز جائز ہے یا نہیں:

سوال: مندرجہ ذیل جانوروں کا تیل نجس ہے یا نہیں، اگر نجس ہے تو مغلظہ یا خفیفہ؟ اگر کوئی شخص ان روغنوں کو بغرض علاج جسم کے کسی حصہ پر مالش کرے، تو شرعاً جائز ہے یا نہیں اور نماز کو مانع ہے یا نہیں؟ بغیر دھوئے جسم کے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ روغن جونک جھیلی، روغن مورچہ صحرائی، روغن خراطین برساتی، روغن بیر بہوٹی۔

الجواب

ان جانوروں حشرات الارض کا تیل نجس مغلظہ ہے، استعمال اس کا درست نہیں ہے۔ (۱)

البتہ بضرورت تداوی اگر طبیب حاذق مسلمان تجویز کرے اور کوئی دوا پاک وحلال اس کا قائم مقام نہ ہوسکے، تو اس کا استعمال درست ہے۔ (۲) اور جبکہ وہ نجاست غلیظہ ہے، تو ایک درہم کی مقدار تک معاف ہے؛ نماز ہوجاتی ہے، اگرچہ بہتر دھونا ہے اور مقدار درہم سے زیادہ ہو تو دھونا اور پاک کرنا ضروری ہے؛ ورنہ نماز نہ ہوگی۔

درمختار میں ہے:

(وعفا) الشارع (عن قدر درهم) الخ. (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/ ۱۳۴-۱۳۵)

بحالت مجبوری ناپاک دوا کا موجود رہنا:

سوال: اگر کسی شخص نے ایسا طلاء استعمال کیا جس کا ایک جزو شراب بھی ہے اور اس عضو کا دھونا سخت مضر ہے تو ایسی صورت میں نماز کے لئے کیا کرنا چاہئے؟

الجواب

اگر دھونے سے اس عضو کو نقصان پہنچنے کا خوف ہو تو ایسی صورت میں بغیر دھوئے نماز جائز ہوگی؛ کیوں کہ ضرورت میں سب جائز ہوتا ہے۔

(۱) (ولا يحل ذوناب) ... (ولا الحشرات)هي صغار دواب الأرض. (الدرالمختار علىٰ صدر رد المحتار، كتاب الذبائح: ٥/ ٢٦٥، ظفير)

(۲) وقيل يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما رخص الخمر للعطشان، وعليه الفتوىٰ. (الدرالمختار علىٰ صدر رد المحتار، باب المياه، مطلب في التداوي بالمحرم: ١/ ١٩٤، ظفير)

(۳) الدرالمختار علىٰ صدر رد المحتار، باب الأنجاس: ١/ ٢٩١۔

بدن کا پاک رہنا نمازی کے لئے شرط ہے۔

وطهارة بدنه. (الدرالمختار علىٰ صدر رد المحتار، باب شروط الصلاة: ١/ ٣٧٣، ظفير)

قاعدہ ہے:

الضرورات تبيح المحظورات.(١)

الأشباه والنظائر میں ہے:

وقد تراعى المصلحة بغلبتها على المفسدة،فمن ذلك الصلاة مع اختلال شرط من شروطها من الطهارة أوالستر أوالاستقبال فإن في كل ذلك مفسدة لما فيه من الإخلال بجلال الله تعالىٰ في أن لايناجى إلا علىٰ أكمل الأحوال ومتى تعذرعليه شيء من ذلك جازت الصلاة بدونه تقديمًا لمصلحة الصلاة علىٰ هذه المفسدة،انتهىٰ.(٢)(مجموعۂ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو:۲۲۰)

لوپ (دوالگانے) کی حالت میں نماز:

سوال: لوپ لگوانے سے عوتوں کی نماز،قرآن شریف کی تلاوت میں تو کسی قسم کی خرابی نہیں آتی ؟ اگر چہ لوپ بعض دفعہ بطور علاج بھی لگایا جاتا ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

لوپ اگر پاک ہے اور علاج کے لیے لگا رکھا ہے تو ایسی حالت میں نماز،تلاوت وغیرہ کچھ بھی ممنوع نہیں،سب درست ہے۔(۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔۲۳/۳/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین،دارالعلوم دیوبند۔۲۳/۳/۱۳۸۸ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۱۴)

---

(١) الفروق للقرافي،الحجة الرابعة الشاهد واليمين: ١٤٦/١/الأشباه والنظائر للسبكي،القاعدة الثانية الضرر يزال: ٤٥/١/الموافقات،الطرف الأول في الاجتهاد: ٩٩/٥/المنثور في القواعد الفقهية،حرف الضاد المعجمة: ٣١٧/٢/فتح القدير،باب ثبوت النسب: ٣٤٨/٤/التحبير شرح التحرير، لاضرر ولاضرار: ٣٨٤٧/٨/ الأشباه والنظائر لابن نجيم،القاعدة الثانية ماأبيح للضرورة يقدر بقدرها:٧٣.انيس

(٢) الأشباه والنظائر لابن نجيم،القاعدة الثانية:الحاجة تنزل منزلة الضرورة:٧٨.انيس

(۳) اس لیے کہ یہ پاک ہوتا ہے اور اس میں نجاست کا کوئی اثر نہیں ہوتا،ہاں البتہ تحقیق کے ساتھ اس کا نجس ہونا معلوم ہو تو پھر نماز وغیرہ درست نہیں۔

ثم الشرط: ... ما يتوقف عليه الشيء ولايدخل فيه (هي) ستة:(طهارة بدنه)...(من حدث)... (وخبث).(تنوير الأبصار متن الدر المختار علىٰ صدر ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة: ٤٠٢/١،سعيد)

اگر نماز میں، مردار کی ہڈی بدن پر ہو:

سوال: مردار کی ہڈی گلے وغیرہ میں لٹکا کر نماز درست ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مردار کی ہڈی پاک ہوتی ہے، سوائے خنزیر کے، سو اس کے ساتھ ہونے سے نماز میں کچھ نقصان نہیں آیا۔ (٣) فقط

(مجموعہ کلاں، ص: ١٤٧) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ١٧٦)

اگر مصلی پر ناپاک بچہ بیٹھ جائے تو نماز کا حکم:

سوال: ناپاک بچہ اگر کسی نمازی شخص پر بیٹھ گیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

نماز ہو جائے گی۔

ملاحظہ ہو! البحر الرائق میں ہے:

”فلو جلس الصبی المتنجس الثوب والبدن فی حجر المصلی وهو یستمسک أو الحمام المتنجس علیٰ رأسه جازت صلاته لأنه الذی یستعمله فلم یکن حامل النجاسة“. (البحر الرائق، باب الأنجاس، کوئٹه: ٢٢٨/١)

نیز دوسری جگہ مذکور ہے:

وفی الظهیریة: الصبی إذا کان ثوبه نجسًا أو هو نجس فجلس علیٰ حجر المصلی وهو یستمسک أو الحمام النجس إذا وقع علیٰ رأس المصلی وهو یصلی کذلک جازت الصلاة ... أن الذی علی المصلی مستعل له فلم یصر المصلی حاملاً للنجاسة. (البحر الرائق: ٢٦٧/١، باب شروط الصلاة، کوئٹه)

---

(٣) عن ابن عباس قال: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْمَا اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗ﴾ ألا کل شیء من المیتة حلال إلا ما أکل منها فأما الجلد والقرن والشعر والصوف والسن والعظم فکل هذا حلال لأنه لایذکی. (سنن الدارقطنی، باب الدباغ (ح: ١٢٠)/السنن الکبریٰ للبیهقی، باب المنع من الانتفاع بشعر المیتة (ح: ٨١)

(وشعر المیتة) غیر الخنزیر علی المذهب (وعظمها ...) ... (طاهر). (الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار، مطلب فی أحکام الدباغة: ٣٥٩/١-٣٦٢) انیس)

عالمگیری میں ہے:

إذا وضع فی حجر المصلی الصبی الغیر المستمسک وعلیه نجاسة مانعة إن لم یمکث قدر ما أمکنه أداء رکن لاتفسد صلاته وإن مکث تفسد بخلاف ما لو استمسک وإن طال مکثه و کذا الحمامة المتنجسة إذا جلست علیه هکذا فی الخلاصة وفتح القدیر. (الفتاویٰ الهندیة: ٦٣/١) **والله سبحانه تعالیٰ أعلم** (فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۲/۱۱۴-۱۱۵)

ننگے پاؤں چلنے والا بغیر پاؤں دھوئے نماز پڑھ سکتا ہے:

سوال: اگر وضو کر کے کوئی شخص میل دو میل تک ننگے پیر چلے اور پھر پانی پیر دھونے کیلئے نہ ملے تو پیروں کو جھاڑ کر نماز پڑھنے سے نماز ہو جاوے گی یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

اس صورت میں پیروں کو جھاڑ کر اور صاف کر کے نماز پڑھے، تو نماز ہو جاوے گی۔(۱) اور صورتِ مسئولہ میں تو نجاست کا سوال ہی نہیں ہے؛ محض شک و وہم ہے اور فقہا کا اصول ہے:

"**الیقین لایزول بالشک**". (۲) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۱۳۹)

☆☆☆

---

(۱) **وطین شارع ... عفو. (الدر المختار)**

وفی رد المحتار: ...وفی الفیض: طین الشوارع عفو وإن ملأ الثوب للضرورة ولو مختلطاً بالعذرات و تجوز الصلاة معه. (رد المحتار، باب الأنجاس، مطلب فی طین الشوارع: ٢٩٩/١، ظفیر)

وفی التجنیس: مشی فی طین أو أصابه ولم یغسله وصلی تجزئه مالم یکن فیه أثر النجاسة لأنها المانع ولم توجد إلا أن یحتاط أما فی الحکم فلایجب. (فتح القدیر، باب الأنجاس وتطهیرها: ٢١١/١)

ولذا أفتوا بطهارة طین الطرقات. (الأشباه والنظائر، القاعدة: الأصل بقاء ما کان علی ما کان: ١٩٩) انیس)

(۲) **الأشباه والنظائر لابن نجیم: ٧٥، ظفیر**

قوله: الیقین لایزول بالشک، قیل: لا شک مع الیقین فکیف یرتفع ما لا وجود له ؟ ویمکن أن یقال: الأصل الیقین لا یزیله شک طارئ علیه. (غمز عیون البصائر، القاعدة الثالثة: الیقین لایزول بالشک: ١٩٣/١. انیس)

نماز میں کپڑے کی پاکی کے مسائل

بازاری لٹھا وململ میں نماز درست ہے:

سوال: ململ اور لٹھا جو ہم بازار سے خرید کر پہنتے ہیں؛ ان سے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب

ان کپڑوں سے نماز پڑھنا درست ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۳۲/۲)

کورے کپڑے میں نماز درست ہے:

سوال: کورے کپڑے سے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

کورے کپڑے سے بدون دھوئے نماز درست ہے۔(۲)

(اس لئے کہ یہ پاک ہے، اس سلسلہ میں شک کا کوئی اعتبار نہیں۔ درمختار میں ہے: "ولو شک فی نجاسة ماء أوثوب الخ لم یعتبر". (الدرالمختار) (اضافہ۔ظفیر) (۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۳۸/۲)

(۱-۲-۳) اس لئے کہ یہ کپڑے پاک ہیں اوران کا پہننا جائز ہے۔

"ولوشک فی نجاسة ماء أوثوب الخ لم یعتبر". (الدرالمختار)

قال فی ردالمحتار:

(قوله ولوشک،الخ) فی التاتارخانیة: من شک فی إنائه أوثوبه أوبدنه أصابته نجاسة أولا فهو طاهر مالم یستیقن،الخ، وکذا ما یتخذه أهل الشرک أوالجهلة من المسلمین کالسمن والخبز والأطعمة والثیاب،آه ملخصًا. (رد المحتار، کتاب الطهارة،قبیل مطلب فی أبحاث الغسل: ۱۴۰/۱،ظفیر)

پھر فقہا کا مسلم قاعدہ ہے۔

"الیقین لایزول بالشک". (الأشباه والنظائر لابن نجیم: ۷۵،ظفیر)

ولو کان الثوب طاهراً فشک فی نجاسته جازله أن یصلی فیه،لأن الشک لا یرفع الیقین،وکذا إذا کان عنده ماء طاهر فشک فی وقوع النجاسة فیه،ولا بأس بلبس ثیاب أهل الذمة والصلاة فیها، ==

نماز کوٹ پتلون میں ہوتی ہے یا نہیں:

سوال: کیا کوٹ پتلون سے نماز ہو جاتی ہے؟

الجواب

اگر یہ کپڑے پاک ہوں، تو نماز ہو جاتی ہے۔(۱) اور پہننا ان کپڑوں کا ممنوع ہے بوجہ تشبہ کے۔ فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۱۳۴)

انڈر ویئر کے ساتھ نماز پڑھنا:

سوال: شلوار یا پاجامہ کے نیچے انڈر ویئر یا جانگیہ پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر پاک ہو تو جائز ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۲۸)

ناپاک کپڑوں میں نماز نہیں ہوتی:

سوال: شخصے بعد از چہل سال گاہ بگاہ درمرض تقطیر البول مبتلا شد پس او برائے دفع وہم بول یک پارچہ خورد زیریں استعمال می کند و آں پارچۂ زیریں گاہے از بول آلودہ می شود پس ازاں پارچۂ زیریں زیر تہبند دیگر داشتہ نماز جائز است یا نہ؟ (۳)

== إلا الإزار والسراويل فإنه تكره الصلاة فيهماوتجوز. (أما)الجوازفلأن الأصل فى الثياب هو الطهارة فلا تثبت النجاسة بالشک ولأن التوارث جارٍ فيمابين المسلمين بالصلاة فى الثياب المغنومة من الكفرة قبل الغسل.(بدائع الصنائع،فصل فى بيان المقدارالذى يصيربه المحل: ۱/۸۱.انيس)

(۱) (طهارة بدنه) ... (وثوبه).(الدرالمختار)

قال فى ردالمحتار:(قوله وثوبه)أراد ما لابس البدن،فدخل القلنسوة والخف والنعل،ط،عن الحموى.(رد المحتار ،باب شروط الصلاة: ۱/۳۷۳)

(۲) تطهيرالنجاسة من بدن المصلّى وثوبه والمكان الذى يصلّى فيه واجب،الخ. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۵۸)

(۳) خلاصۂ سوال: ایک شخص چالیس سال کے بعد، وقتاً فوقتاً پیشاب ٹپکنے کی بیماری میں مبتلا ہو گیا تو وہ پیشاب کے وہم کے ازالہ کے لئے ایک چھوٹا کپڑا نیچے استعمال کرتا ہے، اور وہ نچلا کپڑا کبھی پیشاب سے تر ہو جاتا ہے، تو کیا دوسرے تہبند کے نیچے اس چھوٹے کپڑے کو رکھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ انیس

الجواب

اگر معلوم ومتعین است کہ پارچۂ زیریں از قطرات بول زیادہ از قدر درہم شدہ است نماز دراں صحیح نخواہد بود وگرنہ جائز است ۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۴۲) ☆

(۱) (وعفا) الشارع (عن قدر درهم) وإن كره تحريماً، فيجب غسله،ومادونه تنزيهًا فيسن،وفوقه مبطل فيفرض.(الدر المختار)

قال في رد المحتار:ففي المحيط:يكره أن يصلي ومعه قدر درهم أودونه من النجاسة عالماً به لاختلاف الناس فيه .رد المحتار،باب الأنجاس: ۲۹۱/۱،ظفير)

خلاصۂ جواب: اگر یہ معلوم ومتعین ہے کہ نیچے کا کپڑا پیشاب کے قطروں سے ایک درہم کی مقدار سے زیادہ ملوث ہے، تو اس میں نماز صحیح ودرست نہ ہوگی، ورنہ جائز ہے۔انیس

☆ ناپاک کپڑوں میں نماز نہیں ہوگی:

سوال: ہندہ کی گود میں شیرخوار بچہ ہے جس کی وجہ سے اس کا کپڑا ہر وقت ناپاک رہتا ہے، تو ایسی حالت میں ہندہ ناپاک کپڑے سے نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

پاک کپڑا بدل کر یا ناپاک کو دھوکر نماز پڑھنی چاہئے، ناپاک کپڑے سے نماز نہ ہوگی۔(بشرطیکہ ایک درہم سے زائد ہو۔انیس)(ثم الشرط،الخ، شرعًا ما يتوقف عليه الشيء ولايدخل فيه (هي)ستة (طهارة بدنه)أي جسده،الخ (وثوبه).(الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار،باب شروط الصلوٰة:۳۷۳/۱،ظفير) فقط (فتاویٰ دار العلوم:۲/۱۳۷-۱۳۸)

ناپاک کپڑوں میں نماز کا حکم:

سوال: اگر امام کے کپڑوں پر شیرخوار نے خوب پیشاب کیا ہو اور ان سے بھول کر نماز پڑھ لی ہو تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں نماز لوٹانی چاہئے۔(اگر ایک درہم سے زائد نجاست لگی ہو۔(هي)(أي شروط الصلاة)ستة (طهارة بدنه) (إلىٰ قوله)(وثوبه).(الدر المختار) (الدر علىٰ ردالمحتار،باب شروط الصلاة: ۴۰۲/۱،انيس)

النجاسة إن كانت غليظة وهي أكثر من قدر الدرهم فغسلها فريضة والصلوٰة فيها باطلة وإن كانت مقدار درهم فغسلها واجب،الخ.(الفتاوىٰ الهندية،: ۵۸/۱،الفصل الأول في الطهارة وستر العورة)

(وإذا ظهر حدث إمامه)وكذا كل مفسد في رأي مقتد(بطلت فيلزم إعادتها)الخ(كما يلزم الإمام إخبار القوم إذا أمهم وهو محدث أوجنب)أوفاقد شرط أوركن.(الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار،باب الإمامة،مطلب المواضع التي تفسد صلاة الإمام دون المؤتم: ۵۵۳/۱،ظفير) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۴۱)

الکحل ملا ہوا سینٹ نماز کے وقت لگانا:

سوال: کسی شخص نے سینٹ لگایا ہوا اور اس میں الکحل ملایا ہوا ہو، تو کیا اس شخص کی نماز ہوگی؟
(محمد توصیف کھڑکی پونہ)

الجواب

الکحل بنیادی طور پر تیز شراب کا جوہر اور ایک نشہ آور چیز ہے اور نشہ آور سیال چیزیں حرام بھی ہیں اور ناپاک بھی ہیں۔ الکحل اگر انگور، کھجور یا کشمش سے بنائی گئی ہو تو بالاتفاق ناپاک اور حرام ہے۔ اگر مذکورہ شخص نے سینٹ میں اس قسم کا الکحل استعمال کیا ہوا اور وہ ہتھیلی کی مقدار سے زیادہ ہو تو نماز نہیں ہوگی اور اس سے کم ہو تو نماز درست ہوگی، اور اگر الکحل ان چیزوں کے علاوہ اور چیزوں سے بنایا گیا ہو تو چونکہ اس صورت میں بھی نماز مشتبہ ہوگی؛ اس لئے احتیاطاً نماز دہرائی جائے۔ درمختار میں منقول ہے کہ!

(وعرض مقعر الكف) وهو داخل مفاصل أصابع اليد (في رقيق من مغلظة كعذرة) آدمي. (الدر المختار: ١/٥٢٢)(١)

(وعفى دون ربع) جميع بدن و (ثوب) ولو كبيرًا هو المختار، ذكره الحلبي، ورجحه في النهر على التقدير بربع المصاب كيد وكم وإن قال في الحقائق وعليه الفتوى. (الدرالمختار: ١/٥٢٦)(٢)

قال محمد في الأصل: إذا طرح في الخمر ريحان يقال له سوسن حتى توجد رائحته فلاينبغي أن يدهن أويتطيب بها. (الفتاویٰ الهندية: ٥/٤١٠)(٢) والله أعلم وعلمه أتم

محمد شاکر خان قاسمی پونہ۔ (فتاویٰ شاکر خان: ٢/٧٢-٧٣)

مقدارِ درہم سے کم رطوبت کے ساتھ نماز صحیح ہے:

سوال (١) اگر تہبند بعد وطی فی الفور باندھ لیا جاوے، تو اس سے نماز درست ہے یا نہیں؟

مذی لگے ہوئے کپڑوں میں نماز درست ہے یا نہیں:

(٢) جس کپڑے کو مذی لگ جاوے اس سے نماز درست ہے یا نہیں؟

(١) الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار، باب الأنجاس، مطلب في طهارة بوله صلى الله عليه وسلم، انيس

(٢) وإذا طبخ في الخمر ريحان يقال له: سوسن، حتى يأخذ ريحها ثم يباع لا يحل لأحد أن يدهن أو يتطيب به لأنه عين الخمر. (المبسوط للسرخسي، كتاب الأشربة: ٢٤/٢١. انيس)

الجواب

(١) اگر تہبند کو رطوبت زائد قدر درہم سے نہ لگے تو وہ پاک ہے، نماز اس سے صحیح ہے، لیکن دھونا قدر درہم کا بھی ضروری ہے کہ باقی رکھنا اس کا مکروہ ہے۔(١)

(٢) مذی نجس ہے، جس کپڑے کو مذی لگے گی وہ نجس ہے اس سے نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔(٢) اور مقدار درہم اس میں بھی معاف ہے، لیکن دھونا اس کا بھی ضروری ہے۔ درمختار میں ہے:

(وعفا) الشارع (عن قدر درهم) وإن كره تحريمًا، فيجب غسله، ومادونه تنزيهًا فيسن.(٣) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:٢/١٣٣)

دھبّے کو دیکھتے ہوئے نماز پڑھنا کیسا ہے:

سوال: اگر پاجامہ پر دھبہ معلوم ہو اور خواب یاد نہیں اور میری دوکان تمباکو کی ہے شاید تمباکو کا دھبہ لگ گیا ہو۔ غرض کہ اسی دھبہ سے برابر ایک ہفتہ تک نماز پڑھتا رہا، وقت بدلنے کپڑے کے قبل از جمعہ مجھ کو معلوم ہوا، بعدہ نہا کر کپڑے بدل لئے تو اس ہفتہ کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

اگر یہ یقین ہو کہ یہ دھبہ منی کا ہے، تو اس سے پہلے جو آخر مرتبہ سویا ہو اس کے بعد کی نمازوں کا لوٹانا ہوگا۔ مثلاً رات کو سویا تھا اور دن کو قبل از ظہر دھبہ دیکھا تو صبح کی نماز کا اعادہ کرے اور اگر بعد ظہر کے دیکھا تو ظہر کا بھی اعادہ کرے اور اگر منی ہونا اس کا یقینی نہیں ہے؛ بلکہ یہ بھی شبہ ہے کہ شاید اور کسی چیز کا دھبہ ہو، تو پھر کسی ایک نماز کا بھی اعادہ لازم نہیں ہے۔(٤) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:٢/١٣٧)

---

(١) (وعفا) الشارع (عن قدر درهم) وإن كره تحريمًا، فيجب غسله، وما دونه تنزيهاً فيسن، وفوقه مبطل فيفرض. (الدر المختار)

(قوله وإن كره تحريمًا): أشار إلىٰ أن العفو عنه بالنسبة إلىٰ صحة الصلاة به، فلا ينافى الإثم ، الخ ، لكنه قال بعده: والأقرب أن غسل الدرهم ومادونه مستحب مع العلم به والقدرة علىٰ غسله، فتركه حينئذ خلاف الأولىٰ، نعم الدرهم غسله آكد مما دونه، الخ. ففي المحيط: يكره أن يصلي ومعه قدر درهم أودونه من النجاسة عالمًا به ، الخ. (رد المحتار، باب الأنجاس: ١/٢٩١-٢٩٢، ظفير)

(٢) كل مايخرج من بدن الإنسان ممايوجب خروجه الوضوء أو الغسل فهو مغلظ كالغائط والبول والمنى والمذى والودى والقيح و الصديد . (الفتاویٰ الهندية، الباب السابع، الفصل الثانى : ١/٤٤)

(٣) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الأنجاس: ١/٢٩١، ظفير

(٤) (فرض) الغسل الخ عند (رؤية مستيقظ)، الخ، منياً أومذياً (وإن لم يتذكر الاحتلام) ==

ناپاک کپڑوں میں بھول کر نماز پڑھ لینا:

سوال: بدن یا کپڑے پر ناپاکی لگ گئی، نماز کے وقت بھول کر نماز پڑھ لی، تو کیا وہ نماز پھر لوٹانی پڑے گی؟

الجواب

اگر ناپاکی کا وزن ساڑھے تین ماشے تھا یا اگر نجاست سیال تھی تو اس کا پھیلاؤ ایک روپے کے برابر تھا، تو نماز ہوگئی لوٹانے کی ضرورت نہیں، اگر اس سے زیادہ تھا تو نماز لوٹانا ہوگی۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳۳۲/۳)

فجر کی نماز پڑھ کر کپڑوں پر منی دیکھی:

سوال: اگر کسی کو رات میں احتلام ہو جائے اور اسے صبح کو یاد نہیں رہا کہ اس کو رات میں احتلام ہوا ہے اور اس نے فجر کی نماز ادا کی پھر دو پہر کو اس نے نجاست دیکھی، آیا اس کی نماز ادا ہوئی یا نہیں، اگر نہیں تو اعادۂ نماز کر کے کوئی گناہ اس پر ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً

اگر فجر کے بعد نہیں سویا تو نماز فجر کا اعادہ لازم ہے۔ (کذا فی الدر المختار) (۲) (فتاویٰ محمودیہ: ۵۱۵/۵)

کپڑوں پر ناپاکی دیکھنے والے کو کتنے وقت کی نماز کا اعادہ کرنا چاہئے:

سوال: ایک شخص نے بروز جمعہ کپڑے بدلے اور بروز شنبہ ان کپڑوں پر ناپاکی لگی ہوئی دیکھی، تو اس شخص کو کتنی نمازیں لوٹانی ہوں گی؟

== إلا إذا علم أنه مذی أو شک أنه مذی أو ودی أو کان ذکره منتشرًا قبیل النوم فلا غسل علیه، الخ، أو تیقن أنه منی أو تذکر حلمًا فعلیه الغسل. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، أبحاث الغسل: ۱۵۲/۱، ظفیر)

(۱) وقدر الدرهم وما دونه من النجس المغلظ ... جازت الصلوٰة معه وإن زاد لم تجز، الخ. (الهداية: ۵۸/۱)

(۲) وجد فی ثوبه منیًا أو بولاً أو دمًا أعاد من آخر احتلام وبول ورعاف".

"(قوله: أعاد من آخر احتلام الخ) لف ونشر مرتب. وفی بعض النسخ من آخر نوم وهو المراد بالاحتلام، لأن النوم سببه کما نقله فی البحر". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطهارة، فصل فی البئر، فرع: ۲۱۹/۱، سعید)

"الأصل إضافة الحادث إلی أقرب أوقاته، منها ماقدمناه فیما لو رأی فی ثوبه نجاسة وقد صلی فیه، ولایدری متی أصابته، یعیدها من آخر حدث أحدثه، والمنی من آخر رقدة". (الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة: ۲۰۳/۱، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)

الجواب

فی الدرالمختار،فصل فی البئر: (فرع) وجد فی ثوبه منيًا (إلٰی قوله) أعاد من آخر احتلام. أی من آخر نوم. (کما فی رد المحتار) (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اخیر سونے سے جو اٹھا ہے اس وقت سے نمازیں لوٹاوے۔ فقط

۳۰/رجب ۱۳۲۹ھ ۔(تتمہ اولیٰ صفحہ:۳۶)

سوال: ایک شخص رات کو جو کپڑا پہن کر سوتا ہے صبح کو اس کپڑے میں ناپاکی کا اثر پایا گیا، اس کو یہ معلوم نہیں کہ کتنے روز سے یہ نہانے کی حاجت ہوئی ہے، اب وہ شخص کتنے روز کی نمازیں دہراوے؟ اور وہ شخص بہت پریشان ہے۔

الجواب

وجد فی ثوبه منياً أوبولاً أودماً أعاد من آخر احتلام وبول ورعاف، کذا فی الدرالمختار.
وفی رد المحتار: فی بعض النسخ من آخر نوم وهوالمراد بالاحتلام لأن النوم سببه. (کما نقله فی البحر. ۲۲۶/۱) (۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آخری سونے سے نماز لوٹاوے یعنی اگر سوکر اٹھا فجر کو دیکھا ہے تو یہ سمجھیں گے کہ اسی شب میں احتلام ہوا ہے غسل کر کے فجر پڑھے اور اگر فجر پڑھنے کے بعد دیکھا ہے تو فجر کی نماز لوٹاوے۔

۲۴/جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، صفحہ:۳۵) (امداد الفتاویٰ جدید:۲۰۵/۱)

ناپاک اونی کپڑا بغیر دھوئے پاک نہیں ہوتا اور نہ ایسے کپڑے سے نماز جائز ہے:

سوال: اونی کپڑے پر اگر گوبر وغیرہ لگ جائے اور خشک ہوکر خود بخود جھڑ جائے یا پیشاب وغیرہ سے تر ہوکر خشک ہوجائے تو اس کپڑے پر بلا پاک کئے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

وہ کپڑا بدوں دھونے کے پاک نہ ہوگا، اس کو تین بار دھونا چاہئے۔ (۳) فقط (اور جب تک وہ پاک نہ ہو، اس پر نماز جائز نہیں ہے۔ ظفیر) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۳۸-۱۳۹)

(۱-۲) الدرالمختار مع رد المحتار، فصل فی البیر، فرع: مطلب مهم فی تعریف الاستحسان: ۲۱۹/۱-۲۲۰/ وکذا فی البحرالرائق شرح کنزالدقائق، موجبات الغسل: ۵۹/۱، انیس

(۳) وإزالتها إن کانت مرئيةً بإزالة عينها وأثرها إن کانت شيئًا يزول أثره، الخ، وإن کانت غيرمرئية يغسلها ثلٰث مرات ويشترط العصرفی کل مرة فيما ينعصر، الخ. (الفتاویٰ الهندية، کتاب الطهارة، الباب السابع، الفصل الأول فی تطهيرالأنجاس: ۴۰/۱) (کذا فی المحيط البرهانی، الفصل السابع فی النجاسات وأحکامها: ۱۹۶/۱. انیس)

پاک کپڑا نہ ہوتو ناپاک میں نماز پڑھ لے:

سوال: زید کے کپڑے ناپاک ہو گئے اور نماز کا وقت ہو گیا، پانی موجود نہیں، نماز قضا کرے یا ناپاک کپڑوں ہی میں ادا نماز پڑھ لے شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اس وقت ناپاک کپڑے ہی میں پڑھ لے، مگر اس کے بعد دوسری نماز کے وقت کے اندر پاک کپڑا ملنے کا ظن غالب ہو، تو اس وقت نماز پڑھنا فرض نہیں، مع ہذا بہتر ہے کہ اس وقت بھی پڑھ لے اور بعد میں قضا بھی پڑھے۔

کما قالوا فی العاجزعن القیام ویغلب علیٰ ظنه القدرة بعده. (۱) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

۲۱ رذی قعدہ ۱۴۰۰ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۴۴۱)

بالکل مجبوری میں ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھنے کی اجازت:

سوال: انسان ایسی جگہ پر موجود ہے کہ جہاں پانی بالکل نہیں ملتا، نماز وغیرہ تیمّم سے پڑھی جاتی ہے، تو اس جگہ انسان کو احتلام ہوجاتا ہے، اس کے پاس پہنے ہوئے کپڑے کے علاوہ اور کپڑے نہیں ہیں، تیمّم سے انسان تو پاک ہوجاتا ہے، اب اس جگہ پر جہاں کپڑا دھونے کے لیے پانی نہیں ملتا، کیا کیا جائے؟

الجواب ــــــــــــــــــ

چند مسئلے سمجھ لیجئے:

اول: مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے، (۲) جس کا چھپانا مرد کے لیے نماز میں فرض ہے، (۳) پس اگر لنگی یا پاجامہ ناپاک ہو گیا، مگر کرتہ قمیص یا کوئی اور کپڑا موجود ہے جس سے اتنا ستر چھپایا جاسکتا ہے جو اوپر لکھا گیا

---

(۱) ویتفرع علی هذا الاختلاف مالو ازدحم جمع علی بئر، لا یمکن الاستقاء منها إلا بالمناوبة أو کانوا عراة لیس معهم إلا ثوب یتناوبونه وعلم أن النوبة لاتصل إلیه إلا بعد الوقت فإنه لایتیمم ولا یصلی عارياًبل یصبر عندنا، وکذا لو اجتمعوا فی مکان ضیق لیس فیه إلا موضع یسع أن یصلی قائماً فقط یصبر ویصلی قائماً بعدالوقت کعاجزعن القیام والوضوء فی الوقت ویغلب علی ظنه القدرة بعده وکذا معه ثوب نجس وماء یلزمه غسل الثوب وإن خرج الوقت ،بحر ملخصاًعن التوشیح. (ردالمحتار، باب التیمم: ۲۳۳/۱ / وکذا فی البحرالرائق، شرائط التیمم: ۱۴۷/۱ . انیس)

(۲) العورة للرجل من تحت السرّة حتی تجاوزرکبتیه ، الخ . (الفتاویٰ الهندیة: ۵۸/۱)

(۳) سترالعورة شرط لصحة الصلاة إذا قدرعلیه. (الفتاویٰ الهندیة: ۵۸/۱، الفصل الأول فی الطهارة وسترالعورة)

ہے،تو لنگی یا پاجامہ اتار کراس پاک کپڑے سے ستر چھپائے اوراس سے نماز پڑھے،ایسی صورت میں ناپاک لنگی اور پاجامہ میں نماز جائز نہیں۔(۱)

دوم:　اوراگر بقدر فرض ستر چھپانے کے لیے بھی کوئی پاک کپڑا نہیں اور ناپاک کپڑے کو پاک کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں،تو اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱)　وہ کپڑا ایک چوتھائی یا اس سے زیادہ پاک ہے،اس صورت میں اسی ناپاک کپڑے ہی میں نماز پڑھنا ضروری ہے،برہنہ پڑھنے کی اجازت نہیں۔(۲)

(۲)　وہ کپڑا پورے کا پورا ناپاک ہے،اس صورت میں اختیار ہے کہ کپڑا پہن کر نماز پڑھے یا برہنہ نماز پڑھے،(۳)لیکن اگر برہنہ نماز پڑھےتو بیٹھ کر پڑھےاوررکوع وسجدہ کے بجائے اشارہ کرے۔(۴)

(۳)　وہ کپڑا چوتھائی سے کم پاک ہے،تو اس صورت میں بھی اختیار ہے،چاہے کپڑا پہن کر نماز پڑھے یا کپڑا اتار کر بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے۔(۵)(آپ کے مسائل اوران کا حل:۳۳۰/۳۔۳۳۱)

بار بار کپڑا نجس ہوجاتا ہو،تو تبدیل نہ کریں:

سوال:　بواسیر خونی کا ایک مریض ایسا ہے کہ ہر وقت اس کا خون رستا رہتا ہےاور وہ معذور ہےنماز کے لئے تو اس کو ایک بار وضو کرنا پڑے گا،لیکن جو پاک کپڑا پہن کر وہ نماز پڑھتا ہے وہ تھوڑی دیر میں پھر خون آلود ہوکر ناپاک ہوجاتا ہے،تو اس سلسلہ میں ارشاد فرمائیں کہ وہ مریض اسی آلودہ کپڑے سے ہی نماز پڑھ لے یا وہ نماز توڑ کر کپڑا تبدیل کرے؟

---

(۱)　تطهير النجاسة من بدن المصلّي وثوبه والمكان الذي يصلي عليه واجب،هكذا في الزاهدي في باب الأنجاس.(الفتاویٰ الهندية:۵۸/۱،الفصل الأول في الطهارة وستر العورة)

(۲)　وإن كان ربعه طاهرًا وثلاثة أرباعه نجسًا لم تجز الصلاة عريانًا ، إلخ.(الحلبي الكبير،ص:۱۹۷/كذا في الفتاویٰ الهندية:۶۰/۱،الفصل الثاني في طهارة ما يستر به العورة)

(۳)　وإن كان أقل من ربعه طاهرًاأو كله نجسًا خيّر بين أن يصلي عاريًا قاعدًا بإيماء وبين أن يصلي فيه قائمًا بركوع وسجود وهو أفضل،كذا في الكافي.(الفتاویٰ الهندية:۶۰/۱،الفصل الثاني في طهارة ما يستر به العورة)

(۴)　وإن صلّى عريانًا لعدم الثوب أو لنجاسة فإنّه يصلي قاعدًا يؤمي بالركوع والسجود إيماء برأسه ، الخ.(الحلبي الكبير شرح منية المصلي،ص:۱۹۹)

(۵)　إن كان أقل من ربع الثوب طاهرًا فهو بالخيار ... إن شاء صلّى به وإن شاء صلّى عريانًا،إلخ.(الحلبي الكبير،ص:۱۹۷)

الجواب

اسی کپڑے سے نماز پڑھ لے، نماز توڑ کر نیا کپڑا بدلنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(وإن سال علٰی ثوبه) فوق الدرهم (جازله أن لایغسله إن كان لوغسله تنجس قبل الفراغ منها) أي الصلاة (وإلا) يتنجس قبل فراغه (فلا) يجوز ترک غسله، هو المختار للفتویٰ. (الدر المختار علی صدر ردالمحتار: ۲۲٤/۱، کتاب الطهاوة، باب الحیض، مطلب فی أحکام المعذور) **فقط والله أعلم**

احقر انور عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۹۶/۲)

کپڑے کی نجاست دھوئیں، لیکن غیر ضروری وہم نہ کریں:

سوال: میرے چھ بچے ہیں، بڑی بچی آٹھ برس کی ہے، میں نماز پڑھتی ہوں، لیکن کپڑے میرے صاف و پاک نہیں رہ سکتے، جب کوئی پانی کا چھینٹا پڑ جائے تو میں لباس بدل لیتی ہوں، لیکن پھر بھی دل میں شک رہتا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ عورت کی نماز ہو جاتی ہے، چاہے لباس کا کوئی کونا بھی پاک ہو۔

الجواب

کپڑوں کا پاک ہونا نماز کی شرط ہے، ناپاک کپڑوں میں نماز نہیں ہوتی، لیکن اس میں وہم کی حد تک مبالغہ کرنا غلط ہے، اگر یقینی طور پر نجاست لگ جائے تو اسے دھوڈالئے، اس سے زیادہ وہم ہے اور یہ خیال غلط ہے کہ: ''عورت کی نماز ہو جاتی ہے، چاہے لباس کا کوئی کونا بھی پاک ہو'' لباس کا پاک ہونا جس طرح مرد کے لیے نماز کی شرط ہے، اسی طرح عورت کے لیے بھی شرط ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۳۵/۳) ☆

(۱) **تطهير النجاسة من بدن المصلّي وثوبه والمكان الذي يصلّي عليه واجب.** (الفتاویٰ الهندية: ۵۸/۱، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة)

﴿وَثِيَابَکَ فَطَهِّرْ﴾ (سورة المدثر: ٤)

وقال ابن زيد: كان المشركون لا يتطهرون فأمره اللّٰه أن يتطهر وأن يطهر ثيابه. (تفسير ابن كثير، تفسير سورة المدثر: ۲۷۳/۸، دار الكتب العلمية بيروت. انيس)

☆ کپڑے ناپاک ہوں، تو نیت صاف ہونے کے باوجود، نماز درست نہیں:

سوال: میرے کپڑے ناپاک تھے، اور میری نیت صاف تھی، میں نے نماز ادا کری، تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ میری نماز ہو گئی یا نہیں؟

الجواب

نماز کے لیے صرف نیت کا صاف ہونا کافی نہیں، کپڑے پاک ہونا بھی ضروری ہے۔ (حوالہ مذکورہ بالا صفحہ ہذا) اس لیے آپ کی نماز نہیں ہوئی۔

جنابت کی حالت میں پہنے ہوئے کپڑوں میں نماز کا حکم:

سوال: احتلام ہونے کے بعد یا صحبت کرنے کے بعد نجاست صاف کر کے جانگھیا پہن لیا جائے اور اس پر کپڑے پہن لئے جائیں، بعد میں غسل کر کے وہی کپڑے پہن لیے جائیں تو ایسی حالت میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر ان کپڑوں پر نجاست نہیں لگی، تو ان کپڑوں سے نماز درست ہے۔(١)(فتاویٰ محمودیہ: ٥١٦/٥)

اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کسی اعلیٰ افسر کے دربار میں کپڑوں کو گندگی لگا کر لے جائے اور یہ کہے کہ میرے کپڑوں کو تو خیر گندگی لگی ہوئی ہے اور ان سے بدبو آتی ہے اور تعفن بھی اٹھتا ہے، مگر میری نیت بالکل صاف ہے اور میں بڑی صاف نیتی سے یہ کپڑے پہن کر آپ کے دربار میں حاضر ہوا ہوں، تو ظاہر ہے کہ اس شخص کو یا تو پاگل قرار دیا جائے گا، یا بےادب اور گستاخ، اس مثال سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ جب شریعت مطہرہ نے بارگاہ الٰہی کی حاضری (نماز) کے لیے بدن کا، کپڑوں کا اور جگہ کا پاک ہونا شرط ٹھہرایا ہے تو اگر کوئی شخص شریعت کے اس حکم کی خلاف ورزی کر کے اپنی نیت کے صاف ہونے کا حوالہ دے تو اس کو بھی یا تو دیوانہ کہا جائے گا یا گستاخ۔

الغرض ناپاک کپڑوں میں آپ نے جو نماز پڑھی وہ نہیں ہوئی، اس کو دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔(وأشار باشتراطه طهارة الثوب إلى أنه لو حمل نجاسة مانعة فإن صلوٰته باطلة. (البحر الرائق: ٢٨١/١، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ٣٣١/٣-٣٣٢)

ناپاکی کی حالت میں پہنے ہوئے کپڑے سے نماز کا حکم:

سوال: ناپاکی کی حالت میں ہم پاک کپڑے پہنیں اور پاک ہونے کے بعد وہی کپڑے (بغیر دھوئے) پہن کر نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــ

اگر ان پر کوئی نجاست نہیں، تو ان میں نماز جائز ہے۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ٣٣٣/٣)

(١) احتلام یا صحبت کی وجہ سے کپڑوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ وہی حصہ ناپاک ہوتا ہے جس میں ناپاکی لگتی ہے۔

ثم الشرط ... ما يتوقف عليه الشيء ولا يدخل فيه (هي) ستة (طهارة بدنه) ... (من حدث) ... (وخبث) ... (وثوبه)...الخ. (الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ٤٠٢/١، سعيد)

عن جابر بن سمرة قال: سمعت رجلاً سأل النبي صلى الله عليه وسلم أصلي في ثوبي الذي آتي فيه أهلي؟ قال: نعم، إلا أن فيه شيئاً تغسله. (مسند الإمام أحمد، حديث جابر بن سمرة السوائي (ح: ٢٠٨٢٥)/مسند أبي يعلى الموصلي، حديث جابر بن سمرة السوائي (ح: ٧٤٧٩)/الصحيح لابن حبان، ذكر الإباحة بأن قول أم حبيبة، الخ (ح: ٢٣٣٣) انيس)

جماع کے بعد کپڑے نہیں بدلے اور نماز پڑھی، تو ہوئی یا نہیں:

سوال(۱) اگر کسی نے جماع کے بعد غسل کر کے کپڑے بالکل بدل دیئے یا صرف لنگی ہی بدلی اور کوئی کپڑا نہ بدلا تو نماز درست ہے یا نہ؟

ملازمین ہسپتال نماز کس طرح پڑھیں:

(۲) ایک آدمی ہسپتال کا ملازم ہے اور ہر وقت ناپاک دوائیں اور آدمیوں کو چھوتا ہے اور کپڑوں پر چھینٹیں بھی ہر وقت پڑتی رہتی ہیں اور وہ خشک ہو جاتی ہیں اور بعض دوائیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کا چھونا مذہباً حرام ہے، تو نماز کیسے ادا کرے؟ غسل کر کے کپڑے بالکل بدلنا ہوگا یا اسی صورت میں ادا کرے؟

الجواب

(۱) جب کپڑا ناپاک بدل دیا اور غسل کر لیا تو نماز صحیح ہے۔(۱)

(۲) ناپاک کپڑا بدل کر دوسرا پاک کپڑا پہنکر نماز پڑھنی چاہیئے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۴۱)

ہسپتال کی یونیفارم میں نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص ہسپتال میں ملازم ہے وہ ہر وقت زخمیوں کو اٹھاتا ہے اور ان کو دوائیاں وغیرہ دیتا ہے، ان زخمیوں کی وجہ سے اس کے کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں، کیا اس شخص کے لئے ان کپڑوں نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب

نماز پڑھنے کے لئے چند شرائط ہیں، جن میں کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے، اس لیے اگر ہسپتال کے ملازم کے کپڑے زخمیوں کے خون یا پیپ کے ذریعے ناپاک ہوئے ہوں تو یہ کپڑے تبدیل کر کے دوسرے کپڑوں میں نماز

---

(۱) جماع کے وقت جن کپڑوں پر ناپاکی لگتی ہے وہی ناپاک ہوتے ہیں، جسم کے تمام کپڑے ناپاک نہیں ہوتے۔ لہٰذا انہیں کپڑوں کو بدلنا ضروری ہے جس پر ناپاکی لگی ہوئی ہو۔ البتہ جماع کے بعد حکماً جسم تمام ناپاک ہو جاتا ہے اور غسل فرض ہے۔

(وفرض) الغسل ... عند (إيلاج حشفة) هي مافوق الختان (آدمي) ... (في أحد سبيلي آدمي) حيّ (يجامع مثله) ...الخ . (الدرالمختار علىٰ صدر رد المحتار، أبحاث الغسل، مطلب في تحرير الصاع، الخ: ١٤٩/١)

الشرط الخ شرعًا ما يتوقف عليه الشيء ولايدخل فيه (هي) ستة (طهارة بدنه) أي جسده ... (من حدث) بنوعيه ... (وخبث) مانع كذلك (وثوبه) ... الخ. (الدرالمختار علىٰ صدر رد المحتار، باب شروط الصلاة: ٣٧٣/١، ظفير)

پڑھے۔البتہ اگر دوسرے پاک کپڑے مہیا نہ ہو سکتے ہوں،تو بوجۂ مجبوری انہی کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: الشرط ... شرعًا مايتوقف عليه الشيء ولايدخل فيه(هي)ستة (طهارة بدنه) ... وكذا ما يتحرك بحركته أويعد حاملاً له كصبي عليه نجس،الخ. (الدر المختار علٰى صدر ردالمحتار،باب شروط الصلاة: ۴۰۲/۱)(۱)(فتاویٰ حقانیہ:۳/۴۷)

ناپاک کپڑوں میں وضو کر کے پاک کپڑوں میں نماز پڑھنا:

سوال: اگر کوئی شخص ناپاک کپڑوں میں وضو کرے اور پھر پاک کپڑے پہن کر نماز پڑھ لے،تو کیا یہ وضو اور نماز درست ہوئی؟

الجواب ————————————

درست ہے،بشرطیکہ کپڑوں کی نجاست بدن کو نہ لگے،مثلاً: ناپاک کپڑا خشک ہو۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۳۳۲)

دوران نماز ناپاک کپڑے کا بدن سے لگنا:

سوال: ایک شخص اپنے گھر میں نماز پڑھ رہا ہے،اس کے قریب ایک کپڑا پڑا ہوا ہے جو ناپاک ہے،جب رکوع یا سجدہ میں جاتا ہے،تو وہ کپڑا اس کے جسم کے کسی حصے سے چھو جاتا ہے،ایسی صورت میں اس نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب ———————— حامداً و مصلیاً

اگر ایک رکن کی مقدار تک اس کے بدن سے متصل نہیں رہتا،بلکہ چھو کر فوراً جدا ہو جاتا ہے،تو نماز درست ہے۔(۲)فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۱۳)

---

(۱) (کوشش کر کے ناپاک حصہ کو دھولے اور نماز پڑھے۔انیس)**وفي الهندية:تطهير النجاسة من بدن المصلي وثوبه والمكان الذي يصلي عليه واجب.(الفتاوىٰ الهندية، الباب الثالث في شروط الصلاة،الفصل الأول في الطهارة: ۵۸/۱)**

عن معاوية بن أبي سفيان أنه سأل أخته أم حبيبة زوج النبي صلى الله عليه وسلم هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي في الثوب الذي يجامعها فيه؟ فقالت:نعم ، إذا لم ير فيه أذىٰ.(سنن أبي داؤد،باب الصلاة في الثوب الذي يصيب أهله فيه (ح: ۳۶۶)/سنن ابن ماجة،باب الصلاة في الثوب الذي يجامع فيه (ح: ۵۴۰)/سنن النسائي،باب المني يصيب الثوب (ح:۲۹۴)انيس)

(۲) **"(و)يفسدها(أداء ركن)حقيقة اتفاقًا (أوتمكنه)منه بسنة،وهوقدرثلاث تسبيحات (مع كشف عورة أونجاسة)مانعة أووقوع لزحمة في صف نساء أوأمام إمام".(الدرالمختارعلى صدر ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب مايفسد الصلاةومايكره فيها: ۶۲۵/۱ ،مطلب في التشبه بأهل الكتاب: ۶۲۵،سعيد)**

بارش سے بھگے پاک کپڑوں میں نماز جائز ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کا بدن بھی پاک ہے اور کپڑے بھی پاک ہیں؛ مگر بوجہ بارش کے کپڑے بھیگ کر بدن کے ساتھ لپٹ گئے اور دیگر کپڑے موجود نہیں؛ تو کیا ان کپڑوں میں نماز ادا کرے گا یا قضا کرے گا؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: میر احمد بن جمال الدین کوہالہ، راولپنڈی، ۴/۴/ جون ۱۹۷۰ء)

الجواب

نماز ادا کرے گا، کیونکہ کپڑے بھیگ جانے سے ناپاک نہیں ہوتے ہیں۔(۱) **وھو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ: ۲۲۱/۲)

بھنگی کے دھوئے ہوئے کپڑوں میں نماز:

سوال: اگر بھنگی، بھنگن سے کپڑے دھولائے، تو ان میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

بھنگی یا بھنگن کے دھونے سے تو کپڑے ناپاک نہیں ہوتے۔ اس لیے ان میں نماز درست ہے۔(۲)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۳۲/۳)

---

(۱) بارش کا پانی پاک ہوتا ہے اور جب تک وہ برستا رہتا ہے، جاری پانی کے حکم میں ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:
﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا﴾ (سورة الفرقان: ٤٨)
(طَهُوْرًا) بليغاً في طهارته. (مدارك التنزيل وحقائق التأويل، من تفسير سورة الفرقان: ٥٤١/٢)
المطر مادام يمطر فله حكم الجريان ولو أصاب العذرات على السطح ثم أصاب ثوباً لا يتنجس. (الفتاویٰ الهندية، باب المياه: ١٥/١، انيس)

(۲) کپڑوں پر اگر پہلے سے نجاست نہیں تھی اور پاک پانی سے دوبارہ کپڑا دھلا ہے، تب تو ان کی پاکی میں کوئی اشکال نہیں، اگر نجاست تھی اور وہ مرئیہ تھی تو اس کے زوال اور بقا کو خود دیکھ لیا جائے، اگر غیر مرئیہ تھی، تب بھی چونکہ ہر دھوبی بھنگی یا بھنگن کم از کم تین مرتبہ تو ضرور ہی ہر کپڑے کو دھوتا اور نچوڑتا ہے، جیسا کہ مشاہدہ ہے، اس لئے وہ کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بھنگی یا بھنگن کے دھلے ہوئے کپڑوں میں اگر کسی جگہ نجاست کا یقین یا ظنِ غالب نہ ہو تو محض شک کی وجہ سے وہ کپڑے ناپاک نہیں ہوں گے، ان کا استعمال درست ہوگا اور ان کپڑوں میں نماز درست ہو جائے گی، تاہم مسلمان سے کپڑے دھلانا بہتر ہے، کیوں کہ مسلمان دھوبی پاکی کا زیادہ اہتمام کرے گا۔ اگر وہ دھوبی قلیل پانی میں جو کہ نجس ہے، پاک یا ناپاک کپڑے دھوتے ہیں، یا نالیوں کے گندے پانی میں جس پر نجاست کا اثر ظاہر ہو، کپڑے دھوتے ہیں، تو وہ پاک نہیں ہوتے۔

"من شك في إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته نجاسة أم لا، فهو طاهر مالم يستيقن، وكذا الآبار والحياض التي يستقي منها الصغار والكبار والمسلمون والكفار، وكذلك السمن والجبن والأطعمة التي يتخذها أهل الشرك والبطالة، وكذلك الثياب التي ينسجها أهل الشرك والجهلة من أهل الإسلام، الخ". (الفتاویٰ التاتارخانية: ١٤٦/١، نوع في مسائل الشك، إدارة القرآن، كراچی، انيس)

رنگے ہوئے کپڑے سے نماز پڑھنا:

سوال: آج کل کے اس ولایتی کچے رنگوں پر اگر کوئی کپڑا رنگوایا جائے تو اس کپڑے کے ساتھ نماز پڑھنے سے صحیح ہوسکتی ہے یا کہ نہیں؟ نیز اگر اس رنگ کو خوب جوش دے کر کپڑے کو دھویا جائے اور پھر اس کپڑے کے سوکھنے کے بعد دھویا جائے تو ایسے کپڑے کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

فتاویٰ رشیدیہ میں لکھا ہے کہ!

''ولایتی رنگ میں شراب کی آمیزش ہوتی ہے، اس لیے یہ رنگ ناپاک ہے۔ ناپاک رنگ سے رنگا ہوا کپڑا پہن کر یا اوڑھ کر نماز پڑھنا درست نہیں۔ اگر رنگ پختہ ہے تو کپڑے کو رنگنے کے بعد پاک کرلیا جائے، پھر اس سے نماز درست ہوجائے گی اور جب تک رنگ کٹتا رہے گا؛ یعنی دھونے سے پانی صاف نہ آئے؛ اس وقت تک اس سے نماز دست نہ ہوگی''۔(۱)

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔ ۵/محرم/۱۳۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔ ٦/محرم/۱۳۵۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۱۵)

حالت نماز میں بیڑی، سگریٹ اور نسوار جیب میں رکھنا جائز نہیں:

سوال: مسجد میں بیڑی، سگریٹ یا نسوار بعض جیب سے نکال کر صحن میں رکھ دیتے ہیں، اس کا شرعا کیا حکم ہے؟ بدبودار چیزوں کا مسجد میں رکھنا کیسا ہے؟ یا جیب میں رکھ کر ایسی چیزوں کو نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

ایسی بدبودار چیزوں کو مسجد میں لانا یا نماز کی حالت جیب میں رکھنا جائز نہیں، البتہ نماز صحیح ہوجائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵/رجب ۱۳۸۷ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۴۱۴)

---

(۱) فتاویٰ رشیدیہ: ۲۵۰، ادارہ اسلامیات، لاہور

''(قوله ولوشک، الخ) في التاتارخانية: من شک في إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته نجاسة أو لا فهو طاهر ما لم يستيقن، ... وكذا ما يتخذه أهل الشرک أو الجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والأطعمة والثياب، آه ملخصًا'' (ردالمحتار، كتاب الطهارة، قبيل مطلب في أبحاث الغسل: ۱/۱۵۱، سعيد)

''اليقين لايزول بالشک''. (الأشباه والنظائر: ۱/۱۸۳، القاعدة الثالثة، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)

جیب میں نسوار یا سگریٹ کے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نسوار کی ڈبیہ یا تھیلی نیز سگریٹ کے جیب میں ہوتے ہوئے نماز پڑھنا جائز ہے، یا اس کو ہٹانا لازمی ہے؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: لطیف اللہ چارسدہ)

الجواب

نسوار میں غالبًا پاک پانی ڈالا جاتا ہے، لہٰذا اس کے ساتھ نماز ادا کرنا ممنوع نہیں ہے، باقی سگریٹ کی تھیلی اور ڈبیہ پاک ہو تو اس سے نماز کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے۔(١) البتہ بدبو اور موذی اشیا کا مسجد میں لے جانا ممنوع ہے۔(٢)

وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ٢/٢١٥)

جیب میں نسوار کے ساتھ نماز پڑھنا:

سوال: جیب میں نسوار یا سگریٹ رکھ کر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز کے لئے مکان (جگہ) بدن اور کپڑوں کی پاکیزگی شرط ہے، اور نسوار فی ذاتہ ایک پاک چیز ہے اس میں نجاست کا کوئی پہلو نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا اگر کسی کی جیب میں نسوار وغیرہ ہو تو اس سے نماز میں کوئی فساد لازم نہیں آتا۔

تطهير النجاسة من بدن المصلي وثوبه والمكان الذي يصلي عليه واجب هكذا في الزاهدي في باب الأنجاس. (الفتاویٰ الهندية، الفصل الأول في الطهارة: ١/٥٨)(٣)(فتاویٰ حقانیہ: ٣/٢٧)

(١) وفي الهندية: تطهير النجاسة من بدن المصلي وثوبه والمكان الذي يصلي عليه واجب هكذا في الزاهدي في باب الأنجاس. (الفتاویٰ الهندية، الفصل الأول في الطهارة: ١/٥٨)

(٢) قال العلامة ابن عابدين: (قوله وأكل نحو ثوم) أي كبصل ونحوه مما له رائحة كريهة، للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد. قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين، ولا يختص بمسجده عليه الصلاة والسلام، بل الكل سواء لرواية مساجدنا بالجمع، خلافاً لمن شذ ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة مأكولاً أو غيره، الخ. (ردالمحتار هامش الدر المختار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ١/٤٨٩)

عن سعيد بن المسيب أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من أكل من هذه الشجرة وفي رواية الخبيثة فلا يقربن مسجدنا يؤذينا بريح الثوم. قال محمد: إنما كره ذلك لريحه فإذا أمتّه طبخاً فلابأس به وهو قول أبي حنيفة والعامة رحمهم الله تعالىٰ. (موطأ الإمام مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني، باب مايكره من أكل الثوم (ح: ٩٢٠)

عن أبي حنيفة عن الهيثم عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه وجد ريح الثوم، فقال: من أكل من هذه البقلة شيئاً فليقعد في بيته ولا يؤذنا بها. (كتاب الآثار لأبي يوسف، باب السهو (ح: ٢٥٩) انيس)

(٣) قال الحصكفي: (طهارة بدنة) أي جسده لدخول الأطراف في الجسد دون البدن فليحفظ (من حدث) بنوعيه و قدمه لأنه أغلظ (وخبث) مانع كذلك (وثوبه). (الدر المختار على صدر رد المحتار، باب شروط الصلاة: ١/٤٠٢)

ٹیشو پیپر جیب میں رکھ کر نماز پڑھنا:

سوال: کوئی شخص اپنی جیب میں ٹیشو پیپر رکھ کر نماز پڑھے،تو کیا اس کی نماز ہوگی؟اسی طرح اگر کوئی پیشاب کی بوتل جیب میں رکھ کر نماز پڑھے،تو کیا حکم ہے؟　　(مستفتی: اظہر پونہ)

الجواب

اگر اس ٹیشو پیپر میں مقدار درہم یا اس سے کم پیشاب لگا ہوا اور بھولے سے اس کے ساتھ نماز پڑھ لی،تو نماز کراہت تنزیہہ کے ساتھ ادا ہوگی۔لیکن اگر دوران نماز یاد آئے،تو اس کو عمل قلیل کے ذریعہ جیب سے نکال دے،اور اگر مقدار درہم یا اس سے زائد پیشاب لگا ہوا ہے،تو نماز باطل ہوگی،اور پیشاب کی شیشی تو ظاہر ہے کہ مقدار درہم سے زیادہ ہے،اس میں پیشاب رہتا ہے،لہذا اس سے نماز درست نہ ہوگی۔

يؤيده قوله في الفتح: والصلٰوة مكروهة مع مالايمنع،حتى قيل لوعلم قليل النجاسة عليه في الصلاة يرفضها مالم يخف فوت الوقت أو الجماعة،آه،ومثله في النهاية والمحيط،كمافي البحر، فقد سوى بين الدرهم ومادونه ... نعم يدل علٰى تأكد إزالته علٰى مادونه،الخ. (۱)**والله أعلم وعلمه أتم**

محمد شاکر خان قاسمی پونہ۔(فتاویٰ شاکر خان:۲/۷۵)

جانوروں کی کھال پہن کر نماز پڑھنا:

سوال: ہمارے علاقے میں بھیڑ یا بکری کی کھال کو بہت سی بیماریوں کے لیے شفا کا ذریعہ بتایا جاتا ہے،یعنی جس وقت جانور سے نکالی جائے،اس وقت وہ کھال پہن لی جائے،کیا اس کھال میں ایک آدمی نماز پڑھ سکتا ہے؟کیا اس کھال میں وہ شخص امامت کرسکتا ہے؟

الجواب

کھال اگر مذبوح جانور کی ہو،یا اس کی دباغت کر لی جائے،تو اس میں نماز جائز ہے۔(۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۳۲۸)

---

(۱) **رد المحتار: ۵۲۱/۱، باب الأنجاس،قبل مطلب في طهارة بوله صلى الله عليه وسلم.انيس**

(۲) **وكل إهاب دبغ فقدطهر وجازت الصلاة فيه،الخ.(الهداية،كتاب الطهارة: ۲٤/۱)**

عن ابن عباس قال:سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:أيما إهاب دبغ فقدطهر.(مسندالإمام أحمد،مسند عبدالله بن عباس بن عبدالمطلب (ح: ۳۱۹۸)/سنن الدارمي،باب الاستمتاع بجلود الميتة (ح:۲۰۲۸)/سنن ابن ماجة،باب لبس جلود الميتة إذا دبغت (ح:۳٦۰۹)/سنن الترمذي،باب ماجاء في جلود الميتة إذا دبغت (ح:۱۷۲۸)انيس)

جوتوں سمیت نماز پڑھنا:

سوال: سعید بن یزید ازدی نے خبر دی کہا میں نے انس بن مالکؓ سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جوتیاں پہن کر نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں! ابن بطال نے کہا کہ جوتے پاک ہوں تو ان میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ میں کہتا ہوں مستحب ہے، (۱) کیوں کہ ابوداؤد اور حاکم کی حدیث میں ہے کہ یہودیوں کے خلاف کرو، وہ جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے اور حضرت عمر نماز میں جوتے اتارنا مکروہ جانتے تھے۔ اس کے متعلق وضاحت فرمائیں۔

شوکانی نے کہا: صحیح اور قوی مذہب یہی ہے کہ جوتیاں پہن کر نماز پڑھنا مستحب ہے، (۲) اور جوتیوں میں اگر نجاست ہو تو زمین پر رگڑ دینے سے پاک ہو جاتی ہیں، خواہ کسی قسم کی نجاست ہو، خشک جرم دار ہو یا بے جرم۔ اس میں جرم دار سے کیا مراد ہے؟

الجواب

جوتوں میں نماز پڑھنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ پاک ہوں، (۳) تاہم اس میں چند امور قابل لحاظ ہیں:

اول: سجدے میں انگلیوں کا زمین سے لگنا ضروری ہے، (۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جس وضع کے جوتے (نعال، چپل) پہنے جاتے تھے وہ زمین پر انگلیوں کے لگنے سے مانع نہیں تھے۔ اگر کسی نے اسی وضع کے جوتے پہن رکھے ہوں تو ان کے اندر نماز پڑھنے میں کوئی اشکال نہیں، لیکن اگر جوتے بند اور سخت ہوں جو انگلیوں کے زمین پر لگنے سے مانع ہوں تو ان کو پہن کر نماز پڑھنا محل اشکال ہے۔

دوم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد کا فرش پختہ نہیں تھا، بلکہ کچے فرش پر کنکریاں تھیں، اس

---

(۱) شرح صحيح البخارى لابن بطال، باب الصلاة فى النعال: ۴۹/۲./فتح البارى لابن حجر، باب الصلاة فى الخفاف: ۴۹۴/۱. انيس

(۲) نيل الأوطار، باب الصلاة فى النعلين والخفين: ۱۵۱/۲-۱۵۳. انيس

(۳) عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه قال: "بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى بأصحابه إذ خلع نعليه فوضعهما عن يساره فلما رأى ذٰلك القوم، ألقوا نعالهم، فلما قضىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاته قال: "ما حملكم على إلقائكم نعالكم"؟ قالوا: "رأيناك ألقيت نعليك فألقينا نعالنا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن جبريل أتانى فأخبرنى أن فيهما قذراً، أوقال أذى، وقال: إذا جاء أحدكم المسجد فلينظر فإن رأى فى نعليه قذرًا فليمسحه وليصل بهما". (سنن أبى داؤد، باب الصلاة فى النعل (ح: ۶۵۰)/سنن الدارمى، باب الصلاة فى النعلين (ح: ۱۴۱۸)

(۴) (ومنها السجود) بجبهته وقدميه، ووضع أصبع واحدة منهما شرط. (الدر المختار)

(قوله وقدميه) يجب إسقاطه، لأن وضع أصبع واحدة منهما يكفى كما ذكره بعد ح. وأفاد أنه لو لم يضع شيئًا من القدمين لم يصح السجود الخ. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، بحث الركوع والسجود: ۴۴۷/۱)

لیے وہ حضرات جوتے سمیت اس فرش پر چلتے تھے اور اس کو عرف میں بے ادبی نہیں سمجھا جاتا، جیسا کہ اب بھی جو مسجد زیرِ تعمیر ہو، اس کے کچے فرش پر جوتوں سمیت چلنے کا معمول ہے، برعکس اس کے آج کل مساجد کے فرش پختہ ہیں اور ان پر دری، قالین وغیرہ کا فرش رہتا ہے، اور ایسے فرش کو جوتوں سے روندنا عرفاً سوءِ ادب شمار کیا جاتا ہے، اسی کے ساتھ یہ اضافہ بھی کرلیا جائے کہ مدینہ طیبہ کی پاک گلیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خشک اور پاک ہوتی تھیں، ان پر چلنے سے جوتے آلودہ نجاست نہیں ہوتے تھے، اس کے برعکس آج کی گلیوں اور بازاروں میں جوتوں کا پاک رہنا از بس مشکل ہے، اس لیے آج کل مسجد میں ایسے جوتے پہن کر آنا، انہی جوتوں سے قالین اور فرش کو روندتے ہوئے گزرنا اور پھر انہی آلودہ جوتوں میں نماز ادا کرنا یا اس کی اجازت دینا مشکل ہے۔

سوم: جیسا کہ سوال میں ذکر کیا گیا ہے کہ جوتوں میں نماز پڑھنے کا حکم یہود کی مخالفت کے لیے دیا گیا تھا،(۱) گویا جوتوں میں نماز پڑھنا بذاتِ خود کوئی نیک کام نہیں، لیکن اپنے مقصد یعنی یہود کی مخالفت کی وجہ سے اس کو مستحب قرار دیا گیا۔ آج یہود کا جوتے اتارنا یا نہ اتارنا تو کسی کو معلوم بھی نہیں، لیکن نصرانیوں کا بوٹوں سمیت عبادت گاہوں کو روندنا سب کو معلوم ہے، پس جس طرح مخالفت یہود کی بنا پر یہ فعل مستحب تھا، آج انگریزوں کی موافقت وتقلید کی بنا پر یہ فعل مکروہ ہونا چاہیے۔

چہارم: علامہ شوکانی نے جوتوں میں نماز پڑھنے کو مستحب کہا ہے، حدیث شریف کے پیشِ نظر ہمارے نزدیک بھی مستحب ہے؛ بشرطیکہ مذکورہ بالا امور کو ملحوظ رکھا جائے، ورنہ یہی فعل مکروہ ہوگا، چنانچہ بعض اکابر (صحابہ وتابعین وائمۂ دین) نے ان شرائط کے بغیر مکروہ قرار دیا ہے۔ ان اقوال کی تفصیل شیخ کوثری کے مقالات (صفحہ: ۱۷۰، ومابعد پر) دیکھ لی جائے۔(۲)

---

(۱) عن شداد بن أوس قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ''خالفوا الیہود، فإنہم لایصلون فی نعالہم ولاخفافہم''. (سنن أبی داؤد، باب الصلاۃ فی النعل (ح: ٦٥٢)

(۲) (قولہ وصلاتہ فیہما) أی فی النعل والخف الطاہرین أفضل مخالفۃ للیہود، تاتارخانیۃ. وفی الحدیث: صلوا فی نعالکم ولاتشبہوا الیہود، رواہ الطبرانی کما فی الجامع الصغیر رامزاً لصحتہ، وأخذ منہ جمع من الحنابلۃ أنہ سنۃ، ولو کان یمشی بہا فی الشوارع، لأن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وصحبہ کانوا یمشون بہا فی طرق المدینۃ ثم یصلون بہا. قلت: لکن إذا خشی تلویث فرش المسجد بہا ینبغی عدمہ وإن کانت طاہرۃ وأما المسجد النبوی فقد کان مفروشًا بالحصا فی زمنہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بخلافہ فی زماننا، ولعل ذلک محمل ما فی عمدۃ المفتی من أن دخول المسجد متنعلا من سوء الأدب تأمل. (ردالمحتار، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا مطلب فی احکام المسجد: ٦٥٧/١. دارالفکر. انیس)

پنجم: جوتوں کو اگر نجاست لگ جائے وہ جسم والی ہو اور خشک ہو جائے تو رگڑنے سے پاک ہو جائیں گے، لیکن اگر نجاست جسم دار نہ ہو جیسے شراب اور پیشاب یا جسم والی تو ہو مگر خشک نہ ہو بلکہ تر ہو، صرف رگڑنے سے جوتے پاک نہیں ہوں گے، کیوں کہ اس صورت میں رگڑنے سے نجاست زائل نہیں ہوتی۔(۱)

اس لیے علامہ شوکانی کا یہ کہنا کہ رگڑنے سے ہر نجاست پاک ہو جاتی ہے، عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۲۸/۳۔۳۳۰)

---

(۱) ومنها الحت والدلک،الخف إذا أصابته النجاسة إن كانت متجسدة كالعذرة والروث والمنى يطهر بالحت إذا يبست وإن كانت رطبة فى ظاهر الرواية لا يطهر إلاّ بالغسل،الخ.(الفتاوىٰ الهندية: ٤٤/١،الفصل الأوّل فى تطهير الأنجاس)

(ويطهر خف ونحوه) كنعل (تنجس بذى جرم)وهو كل مايرى بعدالجفاف ولومن غيرها كخمروبول أصابه تراب،به يفتىٰ.(الدرالمختار)

(قوله بذى جرم) أى وإن كان رطبًا على قول الثانى وعليه أكثرالمشائخ وهو الأصح المختاروعليه الفتوىٰ لعموم البلوىٰ ولإطلاق حديث أبى داؤد:إذا جاء أحدكم المسجد فلينظر فإن رأى فى نعله أذى أوقذرًا فليمسحه وليصل فيهما،كما فى البحر وغيره (قوله:هو كل مايرى بعدالجفاف)أى على ظاهرالخف كالعذرة والدم ومالا يرىٰ بعد الجفاف فليس بذى جرم ،بحر،ويأتى تمامه قريبًا،(قوله ولومن غيرها)أى لوكان الجرم المرئى من غيرالنجاسة (قوله كخمر وبول،الخ)أى بأن ابتل الخف بخمر فمشىٰ به على رمل أورماد فاستجسد فمسحه بالأرض حتى تناثر طهر،وهو الصحيح، بحرعن الزيلعى.(ردالمحتار،باب الأنجاس: ٣٠٩/١،دارالفكر)

صحیح قول کے مطابق جوتے میں اگر نجاست غیر مرئی ہو تو بھی رگڑنے اور خشک ہونے سے پاک ہو جائے گا۔انیس

نماز میں مکان کی پاکی کے مسائل

جس گھاس پر ماکول اللحم جانور نے بول براز کیا ہو، اس پر نماز درست ہے یا نہیں:

سوال: اگر گاؤ خر بوقت خرمن کوبی بر گیاہ مقطوعہ بول و براز کنندہ بر آں گیاہ نماز جائز باشد یا نہ؟(۱)

الجواب

اس کی تطہیر کی صورت فقہا نے یہ لکھی ہے کہ اس میں سے کچھ حصہ علیحدہ کر دیا جاوے تو اس صورت میں ہر دو حصے پاک سمجھے جاویں گے یعنی باقی رہا ہوا بھی اور وہ بھی جو علیحدہ کیا گیا۔(۲) درمختار میں ہے:

(كما لو بال حمر) خصها لتغليظ بولها اتفاقاً (علىٰ) نحو (حنطة تدوسها فقسم أو غسل بعضه) أو ذهب بهبة أو أكل أو بيع كما مر (حيث يطهر الباقي) وكذا الذاهب لاحتمال وقوع النجس في كل طرف كمسئلة الثوب. (۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/ ۱۳۱-۱۳۲)

جس میدان میں بکریاں بول و براز کرتی ہوں، وہاں نماز:

سوال: ایک میدان جس میں بکریاں چرتی ہیں، ظاہر ہے کہ بول و براز بھی کرتی ہوں گی، ایسے میدان میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے؟

هو المصوب

صورت مسئولہ میں اگر نجاست موجود نہیں ہے، تو اس جگہ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں، اور اگر نجاست موجود ہے، تو دوسری جگہ نماز پڑھیں۔(۴)

تحریر: محمد طارق ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۲/ ۴۶)

---

(۱) ترجمہ: اگر جانور کھلیان میں پیداوار گاہنے کے وقت کٹے ہوئے گھاس پر پاخانہ پیشاب کر دیں تو کیا اس گھاس پر نماز جائز ہوگی یا نہ؟ انیس

(۲) اس صورت میں جبکہ معلوم نہ ہو کہ کونسا حصہ نجس ہے۔ انیس

(۳) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الأنجاس، قبل مطلب في حكم الصبغ و الاختضاب، الخ: ۱/ ۳۰۲، ظفير

(۳) كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصلي قبل أن يبني المسجد في مرابض الغنم. (صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب أبواب الإبل والدواب والغنم ومرابضها، رقم الحديث: ۲۳٤)

==

پیال پرنماز:

سوال: ایام سرما میں اکثر پیال کا فرش بچھایا جاتا ہے اس پرنماز جائز ہے یا نہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر پاک ہوتو جائز ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۳۳-۱۳۴)

ہریالی پرنماز:

سوال: ہمارے مدرسہ میں دونمازیں مدرسہ کے صحن میں پڑھی جاتی ہیں، ایک صاحب نے کہا کہ ہریالی پرنماز نہیں ہوتی، اس لیے کہ ناک اور پیشانی زمین کونہیں لگتی، کیا یہ درست ہے؟ (عبدالاحد، بوتھ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

صحن اگر پاک ہوتو وہاں نماز پڑھنا درست ہے۔(۲) نماز کے درست ہونے کے لیے ایسا فرش کافی ہے، جس پر پیشانی اور ناک ٹک جائے، زمین کا لگنا ضروری نہیں۔(۳)(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۵۷)

کھادوالی گھاس پرنماز پڑھنا:

سوال: میرے محلّہ کی مسجد شریف کے صحن میں جومسجد سے ملحق (متصل) ہے؛ موجودہ انتظامیہ بجائے پختہ کرنے کے گڑیا گوبر کی کھاد ڈال کرگھاس لگارہی ہے اور ظاہر ہے گھاس کوزندہ رکھنے کے لئے پانی برابر دیا جاتا رہے گا، کیا یہ جگہ کسی قسم کی نماز کے لئے موزوں ہوگی یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اس گھاس پرنماز دوصورتوں سے صحیح ہوسکتی ہے، ایک یہ کہ کھاد بالکل مٹی بن جائے اور اس کا علیحدہ وجود قطعاً نظر نہ

== وقال ابن منذر: أجمع كل من يحفظ عنه العلم علىٰ إباحة الصلاة فى مرابض الغنم إلا الشافعى فإنه يقول: لا أكره الصلاة فى مرابض الغنم إذاكان سليمًا من أبعارها وأبوالها (عمدة القارى شرح البخارى: ٦٥٣/٢)

ثم نقل عن الملتقط أنها لاتكره فى مرابض الغنم إذاكان بعيدًا عن النجاسة. (ردالمحتار: ٤١٠/١)

(۱) ثم الشرط: لغةً، العلامة اللازمة وشرعًا مايتوقف عليه الشيء ولايدخل فيه، (هى) ستة (طهارة بدنه) الخ (و ثوبه) الخ (ومكانه) الخ. (الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار، باب شروط الصلاة: ٣٧٣/١، ظفير)

(۲) "تطهير النجاسة من بدن المصلى وثوبه والمكان الذى يصلى عليه واجب". (الفتاوىٰ الهندية: ٥٨/١، محشى)

(۳) "لووضع كفه بالأرض وسجد عليها يجوزعلى الصحيح ولوبلا عذروالوجه في ذلك أن السجود لايشترط أن يكون على الأرض بلاحائل". (الكبيرى شرح منية المصلى، ص: ٢٨٥، محشى)

آئے، دوسری صورت یہ کہ گھاس اتنی گھنی اور بڑی ہو کہ اس میں سے کھاد تک نمازی کا کوئی عضو نہ پہنچے، کھاد سے نجس پانی جو گھاس کو لگا ہوگا وہ پانی جب گھاس پر سے خشک ہو جائے گا گھاس پاک ہو جائے گی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ر شوال ۱۳۹۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۴۴۰/۳)

پاک چارپائی پر نماز جائز ہے:

سوال: تندرست آدمی کو چارپائی پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے جیسے تخت پر نماز پڑھنا جائز ہے چارپائی پر بھی جائز ہے۔ بکر کہتا ہے کہ آج تک نہ کسی کتاب میں دیکھا اور نہ علما کے اقوال سے ثابت ہے اور نہ بجز معذور کے کسی کو چارپائی پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

چارپائی پر نماز صحیح ہے اور چارپائی مثل تخت کے ہے، کیونکہ جب گھٹنے اول چارپائی پر رکھے جائیں گے تو آگے سے سجدہ کی جگہ کھینچ کر سخت ہو جاوے گی اور مثل تخت کے ہو جاوے گی، پھر سجدہ میں کچھ حرج نہ ہوگا۔ اور عادت چارپائی پر نماز پڑھنے کی اس وجہ سے بھی نہیں ہے کہ چارپائیوں کا اعتبار نہیں ہوتا، اکثر ناپاک ہوتی ہیں لیکن جبکہ چارپائی پاک ہو تو پھر کچھ حرج نہیں۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۴۰/۲)

چماروں کی تیار کردہ چٹائی پر نماز جائز ہے یا نہیں:

سوال: فی زمانہ جو صف، بوریا و چٹائی وغیرہ یہاں کے چماران تیار کرتے ہیں؛ بلا پاک کئے؛ ان پر نماز جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (و) تطهر (أرض) ... (بيبسها) أى جفافها ولو بريح (وذهاب أثرها كلون) وريح (لـ)أجل (صلاة)عليها". (الدر المختار على صدر ردالمحتار، باب الأنجاس: ۳۱۱/۱)

"وإذا ذهب أثر النجاسة عن الأرض وقد جفت ولو بغير الشمس على الصحيح، طهرت وجازت الصلاة عليها، لقوله عليه السلام: " أيما أرض جفت فقد زكت، الخ". (مراقى الفلاح، باب الأنجاس، ص: ۱٦٤)

عن أبى قلابة قال : إذا جفت الأرض فقد زكت. (مصنف ابن أبى شيبة، من قال: إذا كانت جافة فهو زكاتها (ح: ٦٢٥) انيس)

(۲) لو سجد على الحشيش أو التبن، الخ ، إن استقر جبهته وأنفه ويجد حجمه يجوز. (الفتاویٰ الهندية: ٦٩/۱، الفصل الأول فى فرائض الصلاة)

أما شرائط أركان الصلاة فمنها الطهارة بنوعيها من الحقيقية والحكمية والطهارة الحقيقية هى طهارة الثوب والبدن ومكان الصلاة عن النجاسة الحقيقية. (بدائع الصنائع، شرائط الأركان: ۱۱٤/۱، ظفير)

الجواب

وہ بوریا اور صف پاک ہیں، نماز ان پر درست ہے کچھ وہم نہ کرنا چاہئے۔

لأن اليقين لايزول بالشک. فقط(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۳۴)

جیل خانہ کی بُنی ہوئی جائے نماز کا استعمال درست ہے:

سوال: جیل خانہ سے خرید کردہ جائے نماز پر نماز ہوسکتی ہے یا نہیں جس کو قیدی بُنتے ہیں؟

الجواب

جائز ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۳۸)

جیل خانہ کی جائے نماز پر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: مجھے پشاور سنٹرل جیل سے ایک دوست نے ایک جائے نماز بھیجی ہے، کیا میں اس پر نماز پڑھ سکتا ہوں، جبکہ وہاں ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں؟

الجواب

نماز پڑھنے کے لیے جائے نماز کا پاک ہونا ضروری ہے، چونکہ یہ پاکی یقینی ہوتی ہے جو شک سے زائل نہیں ہوتی، اس لیے جیل سے آیا ہوا جائے نماز پاک ہے اور اس پر نماز پڑھنا درست ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: لو شک في نجاسة ماء أو ثوب أو طلاق أو عتق لم يعتبر. (الدرالمختار)

قال ابن عابدين: (تحت قوله ولو شک) في التاتارخانية من شک في إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته نجاسة أو لا فهو طاهر ما لم يستيقن الخ. (ردالمحتار، كتاب الطهارة، قبيل مطلب في أبحاث الغسل: ۱/۱۵۱) (۳) (فتاویٰ حقانیہ: ۳/۵۷)

---

(۱) ولو شک في نجاسة ماء أو ثوب الخ لم يعتبر. (الدر المختار)

(قوله ولو شک، الخ) في التاتارخانية: من شک في إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته نجاسة أو لا فهو طاهر الخ وكذا ما يتخذه أهل الشرک أو الجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والأطعمة والثياب آه ملخصًا. (رد المحتار، كتاب الطهارة، قبيل مطلب في أبحاث الغسل: ۱/۱٤۰، ظفير)

(۲) اس لئے کہ پاک ہے۔ اليقين لايزول بالشک. (الأشباه والنظائر، ص: ۷۵)

غیر مسلم یا جاہل مسلمان کا بُنا ہوا کپڑا اور دوسری چیز پاک ہے۔ پھر یہ اصول میں ہے کہ کسی چیز کے ناپاک ہونے میں شک ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

"ولو شک في نجاسة ... الخ. (رد المحتار، كتاب الطهارة، قبيل مطلب في أبحاث الغسل: ۱/۱٤۰، ظفير)

(۳) الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الطهارة، مسائل الشک

مشکوک جائے نماز پر نماز پڑھنا:

سوال: ہمارے علاقے کے ممبر صوبائی اسمبلی نے علاقے کی مرکزی جامع مسجد کے لیے جو حال ہی میں تعمیر ہوئی ہے، اس کے لیے کارپٹ، جائے نمازیں دی ہیں، اب وہ مسجد میں بچھا دی گئی ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ کچھ لوگ ان پر نماز نہیں پڑھتے، ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ چند برس پہلے نہایت خستہ حال تھے، مگر اب وہ کروڑوں کے مالک ہیں، جو ناجائز ذرائع سے کمائے گئے ہیں۔ اس لیے یہ کارپٹ بھی حرام پیسوں سے خریدے گئے ہیں، اور حرام پیسوں سے خریدے گئے کارپٹ پر نماز نہیں ہوسکتی، لہٰذا ہم بھی اس پر نماز نہیں پڑھیں گے، شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر حرام اور ناجائز پیسے سے مسجد کے لیے قالین خریدی گئی ہیں، تو ان پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۴۷-۳۴۸)

مصلّٰی کا کونہ ناپاک ہو تو نماز ہو جائے گی:

سوال: مصلی کا ایک کونہ ناپاک ہو گیا، تو کیا اس ناپاک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ یا دوسرے کونہ پر کھڑا ہو کر نماز پڑھنے سے نماز ہوگی یا نہیں، یا اس کونے کے ناپاک ہونے کی وجہ سے تمام مصلی کو ناپاک کہیں گے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اس صورت میں نماز ہو جائے گی، صرف دونوں پاؤں، دونوں ہاتھوں، گھٹنوں اور سجدہ کی جگہ پاک ہونا شرط ہے۔

في شروط الصلاة من التنوير: هي طهارة بدنه من حدث وخبث وثوبه ومكانه.

وفي الشرح: أي موضع قدميه أو إحداهما إن رفع الأخرى وموضع سجوده اتفاقًا في الأصح، لاموضع يديه وركبتيه على الظاهر إلا إذا سجد علٰى كفه. (الدرالمختار)

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالٰى في شرح قول الشارح وكذا ما يتحرك بحركته: أي شيء متصل به يتحرك بحركته ... بخلاف مالم يتصل كبساط طرفه نجس و موضع الوقوف والجبهة طاهر فلايمنع مطلقًا.

(قوله ومكانه) فلا تمنع النجاسة في طرف البساط ولو صغيرًا في الأصح.

(قوله على الظاهر) أي ظاهر الرواية كما في البحر، لكن قال في منية المصلي: قال في العيون:

---

(۱) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذٰلك مالاً خبيثًا ومالاً سببه الخبيث والطيب فيكره لأن الله تعالٰى لايقبل إلَّا الطيب فيكره تلويث بيته بما لايقبله...الخ. (ردالمحتار: ۱/٦٥٧، طبع سعيد، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها)

هـذه رواية شاذة،آه،وفی البحر:واختار أبو الليث أن صلاته تفسد وصححه فی العيون،آهـ.وفی النهر:وهو المناسب لإطلاق عامة المتون،وأيده بكلام الخانية.قلت:وصححه فی متن المواهب ونور الإيضاح والمنية وغيرها،فكان عليه المعول.وقال فی شرح المنية:وهو الصحيح،لأن اتصال العضو بالنجاسة بمنزلة حملها وإن كان وضع ذلک العضو ليس بفرض. (رد المحتار،باب شروط الصلاة: ۳۷٤/۱)فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم

۲۸/شوال ۱۳۸۸ھ۔(احسن الفتاویٰ:۴۲۲/۳)

ڈیکوریشن کی دریوں پر کپڑا اچھا کر نماز پڑھنا چاہئے:

سوال: ہمارے محلے کی مسجد میں نماز کے لیے ڈیکوریشن سے جو دریاں آتی ہیں، وہ بہت گندی ہوتی ہیں اور اسی میں سب لوگ نماز پڑھتے ہیں، تو کیا اس پر نماز جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب

کرائے کی جو دریاں آتی ہیں، ان کا پاک ہونا معلوم نہیں۔اس لیے ان پر کپڑا اچھائے بغیر نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔(۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳۴۸/۳)

رنگی ہوئی یا منقش جائے نماز پر نماز پڑھنا:

سوال: مصلے پر اگر مسجد وغیرہ کی تصویر ہو تو اس پر نماز جائز ہے یا نہیں۔کیوں کہ ہر رنگ میں شراب ملی ہوئی ہوتی ہے؟

الجواب

نماز جائز ہے اور اگر رنگ میں شراب ملے ہونے کا احتمال ہے، تو اس کو پاک کرلے اور پھر نماز اس پر پڑھے۔(۲)

البتہ مصور یا منقش مصلے پر نماز پڑھنا علاوہ احتمال نجاست کے خود بھی بہتر نہیں۔کیوں کہ قلب اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔مصلے کا سادہ ہونا بہتر ہے۔(فتاویٰ دار العلوم مسمی امداد المفتین:۲۷۶/۲)

(۱) تطهير النجاسة من بدن المصلی وثوبه والمكان الذی يصلّی عليه واجب.(الفتاویٰ الهندية: ۵۸/۱)

نوٹ: یہ حکم اطمینان قلب کے لیے ہے۔ورنہ کرایہ کی دریوں کے ناپاک ہونے کا جب تک غالب گمان نہ ہو، وہ دریاں پاک رہتی ہیں۔شریعت میں شک وشبہ کا کوئی اعتبار نہیں، اگر دریوں کی ناپاکی کا غالب گمان ہو تو وہ ناپاک ہیں۔

عن الحسن بن علی قال:حفظت من رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم "دع ما يريبک إلی مالا يريبک فإن الصدق طمانية وإن الكذب ريبة".(مسند الإمام أحمد،حديث الحسن بن علی (ح: ۱۷۲۷)/سنن الترمذی،باب (ح: ۲۵۱۸)/ مسند البزار (ح:۱۳۳٦)/مسند أبی يعلی الموصلی(ح:٦۷٦۲)/المستدرک للحاكم،كتاب الأحكام (ح: ۷۰٤٦)انيس)

(۲) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾.(سورة المائدة: ۹۰)

وہ مصلیٰ یا چادر جس پر خانہ کعبہ یا مسجد نبوی کا نقشہ ہو، اس پر بیٹھنا اور نماز پڑھنا کیسا ہے:

سوال: مسلمان حرمین شریفین سے ایسے مصلے لاتے ہیں جو رنگ برنگ اور پھول پھال والے ہوتے ہیں اور ان پر بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی علیہ السلام کے گنبد کا نقشہ بھی رہتا ہے اور اپنی نمازوں میں مسجد میں امامت کی جگہ پر اور اب اسی طرح کی چادریں بنی ہوئی لاکر پوری صف میں بچھاتے ہیں جن پر لامحالہ لوگوں کے پیر پڑتے ہیں، ایسے مصلے اور ایسی چادروں کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ ہمارے اسلاف رحمہم اللہ کا معمول کیا رہا؟ اکابرین کیا فرماتے ہیں؟

محمد یوسف باوا (لندن)

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

حرمین شریفین سے مصلے جو لائے جاتے ہیں جن پر پھول، بوٹے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر بیت اللہ شریف یا گنبد خضراء کا نقشہ اس پر صحیح اور صاف طور سے نمایاں ہو کہ اس کے دیکھتے ہی ان کی اصل صورت سامنے آجاتی ہو تو اس پر پیر رکھنا یا سجدہ کرنا دونوں ناجائز ہوگا۔ اس لیے کہ کعبۃ اللہ اور گنبدِ خضراء دونوں کا شعائر دینی سے ہونا مسلم اور ظاہر ہے اور تمام دینی شعائر کا احترام وتعظیم واجب ہے۔

کما أشار إلیه قوله تعالیٰ: ﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾. (سورۃ الحج: ۳۲)(۱)

وأیضًا من المسئلة مسلمة، أی تحریم الحرمات واجب کما فی المرقاۃ شرح المشکوۃ. (۲)

اور معظم ومحترم چیز کو پیروں سے روندنا اس کی اہانت کو مستلزم ہونا اور ناجائز ہونا ظاہر ہے اور یہ دونوں نقشے اگرچہ عین کعبہ اور عین گنبدِ خضراء نہیں ہیں، لیکن ان کے عکاس وترجمان اور ان پر دال ہیں۔ اس لیے ان کی اہانت اور توہین بھی ان دونوں کی اہانت اور توہین کو مستلزم ہوگی اور ناجائز ہوگی اور یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جب عینِ کعبۃ اللہ پر سجدہ کرنا درست نہیں، **کما صرح به العلماء** کہ کعبۃ اللہ مسجود لہ نہیں بلکہ صرف مسجود الیہ ہے اور وہ بھی بطور امر تعبدی اور غیر مدرک بالقیاس ہونے کے درجہ میں محض اللہ کے حکم سے کہ کعبہ کی جانب سجدہ کرو، کعبہ کی جانب سجدہ کیا

(۱) و معظم شعائر اللّٰه أربعة: القرآن، والکعبة، والنبی، والصلاۃ. (حجة اللّٰه البالغة، باب تعظیم شعائر اللّٰه: ۱۳۳/۱. انیس)

(۲) عن أبی سعید عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: أللّٰهم إن إبراهیم علیه الصلاۃ والسلام حرم مکة فجعلها حراماً وإنی حرمت المدینة حراماً ما بین مازمیها أن لا یهراق فیها دم ولا یحمل فیها سلاح لقتال ولا یخبط فیها شجرۃ إلا لعلف. (الصحیح لمسلم، باب الترغیب فی سکن المدینة والصبر (ح: ۱۳۷٤)

قال التوربشتی صاحب شرح مسلم أول شراح المصابیح: قوله علیه الصلاۃ والسلام: "حرمت المدینة"، أراد بذلک تحریم التعظیم دون ماعداه من الأحکام المتعلقة بالحرم. (مرقاۃ المفاتیح، باب حرم المدینة: ۱۸۷۵/۵. انیس)

جا تا ہے، کعبہ کو سجدہ نہیں کیا جا تا ہے، بلکہ اللہ کو سجدہ کیا جا تا ہے۔اس لیے کعبہ کو سجدہ کرنا شرک کہا گیا ہے۔(١) تو گنبد خضراء کو یا گنبد خضراء پر سجدہ کرنا بدرجہ اولیٰ شرک اور نا جائز ہوگا۔

پس یہ نقشے جب ان دونوں کے ترجمان وعکاس ہیں، تو ان دونوں نقشوں پر بھی سجدہ کرنا نا جائز وحرام ہوگا۔اگر یہ چیز شرک نہ ہو تو ایہام شرک اس سے ضرور ہوگا اور یہ ایہام شرک بھی ممنوع ہو جائے گا اور اگر وہ نقشے صاف اور نمایاں نہ ہوں یا غلط ہوں اور کسی ذی روح کی تصویر یا صلیب وغیرہ کسی کفر کے شعار کے نقوش نہ ہوں تو اس پر نماز پڑھنا بے تکلف جائز رہے گا، بشرطیکہ شاغل مصلی نہ بنے ورنہ مکروہ ہوگا، یہی حکم بعینہٖ اور اسی تفصیل کے ساتھ ان منقش چادروں کا بھی ہوگا کہ جن پر نماز پڑھی جائے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔(منتخبات نظام الفتاویٰ:١٦٢/١-١٦٤)

اونی کمبل پر نماز پڑھنا:

سوال: اون کے کپڑے مثلاً کمبل وغیرہ پر سجدہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے ہاں ایک مولانا نے کہا ہے کہ اون پر سجدہ کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ حکم زمین پر سجدہ کرنے کا ہے۔

الجواب

اونی کمبل پر نماز پڑھنا درست ہے، پیشانی کو بوقت سجدہ خوب جما کر رکھے کہ کمبل کی تہہ مزید نہ دب سکے، سجدہ کی جگہ کا از جنس تراب ہونا شرط نہیں، البتہ افضل یہ ہے کہ سجدہ زمین پر کیا جائے یا ایسی چیز پر جو زمین سے پیدا ہوتی ہے۔(٢)

لکن الأفضل عندنا السجود علی الأرض أوعلٰی ما تنبته،الخ. (ردالمحتار: ٤٧٠/١) (٣)

نیز شامی میں ہے:

فصح علٰی طنفسة وحصير،الخ. (ردالمحتار: ٤٦٨/١)(٤) **فقط واللہ أعلم**

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی، ٧/٧/١٣٨٥ھ۔الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہٰذا۔(خیر الفتاویٰ:٢٨٣/٢)

---

(١) حتی لو سجد للكعبة نفسها كفر،قال الشامي:فإن المسجود له هوالله تعالٰى والتوجه إلى الكعبة مأمور به كما تقدم كان السجود لنفس الكعبة كفرًا.(الدرالمختارمع ردالمحتار، كتاب الصلاة،مبحث فی استقبال القبلة: ٢٨٦/١)

(٢) عن ميمونة قالت:كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى على الخمرة فيسجد،فيصيبنى ثوبه وأنا إلى جنبه وأناحائض.(مسندالإمام أحمد،حديث ميمونة بنت الحارث (ح:٢٦٨٠٨)/انيس)

(٣) فصل كيفية الصلاة،بحث السجود،تحت قول الدروصحح الحلبى ... : ٥٠٢/١،بيروت،انيس

(٤) فصل كيفية الصلاة،بحث السجود، تحت قول الدروأن يجد حجم الأرض: ٥٠٠/١،بيروت،انيس

ایسے پلاسٹک پرنماز جس کی نچلی جانب نجس ہو:

سوال: پلاسٹک اور نائلون کو ملا کر ایک کپڑا تیار کیا گیا ہے، جو دبیز بھی ہے اور اس میں پانی جذب نہیں ہوتا، کیا ایسا کپڑا اگر نیچے کی طرف سے ناپاک ہوجائے یا اس کو ناپاک یا مشتبہ جگہ بچھا کر اس کے اوپر نماز پڑھی جائے یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

ہر ایسی چیز کہ اس میں ایک جانب لگی ہوئی نجاست دوسری طرف سرایت نہ کرے؛ اس کی پاک جانب پر نماز درست ہے، اسی طرح ناپاک یا مشتبہ زمین پر ایسا پلاسٹک بچھا کر نماز جائز ہے، بلکہ ایسے شفاف پلاسٹک پر بھی نماز درست ہے؛ جس کے اندر سے نیچے کی نجاست نظر آتی ہو، **كما قالوا فی الزجاج**،(۱) البتہ اگر کپڑا اتنا باریک ہو کہ اس میں سے نجس زمین یا نجاست نظر آتی ہو یا نجاست کی بدبو محسوس ہو، تو اس پر نماز درست نہیں۔

قال فی الشامية عن البدائع: وعلٰى هذا لو صلى علٰى حجر الرحى أو باب أو بساط غليظ أو مكعب أعلاه طاهر وباطنه نجس عند أبى يوسف لايجوز نظرًا إلٰى اتحاد المحل، فاستوى ظاهره وباطنه كالثوب الصفيق، وعند محمد يجوز؛ لأنه صلى فى موضع طاهر كثوب طاهر تحته ثوب نجس، بخلاف الثوب الصفيق لأن الظاهر نفاذ الرطوبة إلى الوجه الآخر، آه. وظاهره ترجيح قول محمد وهو الأشبه ... وذكر فى المنية وشرحها: إذا كانت النجاسة علٰى باطن اللبنة أو الآجرة و صلى علٰى ظاهرها جاز، وكذا الخشبة إن كانت غليظة بحيث يمكن أن تنشر بصفين فيما بين الوجه الذى فيه النجاسة والوجه الآخر وإلا فلا، آه.

وذكر فى الحلية أن مسألة اللبنة والآجرة على الاختلاف المار بينهما، وأنه فى الخانية جزم بالجواز، وهو إشارة إلى اختياره وهو حسن متجه، وكذا مسألة الخشبة على الاختلاف، وأن الأشبه الجواز عليها مطلقًا، ثم أيده بأوجه فراجعه.

وأيضًا فيها تحت (قوله ومبسوط علٰى نجس، الخ) عن شرح المنية: وكذا الثوب إذا فرش على النجاسة اليابسة، فإن كان رقيقًا يشف ما تحته أو توجد منه رائحة النجاسة علٰى تقدير أن لها رائحة لاتجوز الصلٰوة عليه وإن كان غليظًا بحيث لا يكون كذلك جازت، آه. (رد المحتار: ٥٨٦/١، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، قبل مطلب فى المشى فى الصلاة) فقط والله تعالىٰ أعلم

۱۷ / ربیع الاول ۱۳۸۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۴۲۳-۴۲۴)

---

(۱) **وفى القنية: لو صلى على زجاج يصف ماتحته قالوا جميعاً يجوز، الخ. (ردالمحتار، باب شروط الصلاة، قبيل مطلب فى ستر العورة: ٤٠٣/١. انيس)**

پلاسٹک کا مصلی:

سوال: آج کل پلاسٹک کی جائے نماز کا رواج ہوگیا ہے خاص کر سفر میں ایسے مصلی استعمال کئے جاتے ہیں، اگر ایسا مصلی ایسی جگہ پر بچھا دیا جائے جہاں نجاست ہو تو کیا اس پر نماز ادا کی جاسکتی ہے؟　　(عبدالقادر، کلکتہ)

الجواب ــ

نماز کے لیے ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیے جو پاک بھی ہو اور صاف بھی اور طبیعت کو وہاں نماز ادا کرنے میں پورا انشراح ہو، اس سے نماز میں خشوع اور خضوع کی کیفیت باقی رہتی ہے جب قلب کو اطمینان نہ ہو تو عبادت بھی بے لطف ہوجاتی ہے۔ تاہم اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اگر نجاست خشک ہو تب تو اس مصلی پر نماز پڑھنا درست ہے، اگر مرطوب نجاست ہو اور نجاست کا اثر نیچے کی سطح سے اوپر تک نہیں پہنچ پائے اور اوپری سطح پر نجاست کی بو محسوس نہیں کی جائے، تو اس پر نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ فقہا نے ایسے موٹے کپڑے پر نماز ادا کرنے کی اجازت دی ہے، جس کو مرطوب نجاست پر ڈال دیا جائے اور کپڑے کے اوپر بو محسوس نہ ہو۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب (کتاب الفتاویٰ:۲/۸۹)

شیر، چیتے کی کھال پر نماز:

سوال: شیر اور چیتے کی کھال بہت قیمتی ہوا کرتی ہے، میں نے بعض ملکوں میں دیکھا ہے کہ لوگ جائے نماز کے طور پر بھی ان کا استعمال کرتے ہیں، جب کہ یہ جانور درندوں کے قبیل سے ہیں، کیا ان پر نماز پڑھنا صحیح ہے؟
(سید صادق حسین، ملک پیٹ)

الجواب ــ

چیتا اور شیر ان جانوروں میں سے ہے کہ اگر ان کی کھال کو دباغت دے دی جائے، تو وہ پاک ہوجاتی ہیں۔ اس لیے ان کا استعمال کرنا درست ہے اور نماز ادا ہوجائے گی۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

"ولا بأس بجلود النمر والسباع كلها إذا دبغت أن يجعل منها مصلى أو منبر السرج".(۲)

---

(۱) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۱۱۲.

(وإن كانت النجاسة رطبة فألقى عليها لبداً أو ثنى ماليس ثخيناً أو كسبها بالتراب فلم يجد ريح النجاسة جازت صلاته. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، باب شروط الصلاة وأركانها: ۲۰۸. انيس)

(۲) حاشية ابن عابدين مع الدر المختار: ۶/۵۰۶، كتاب الحظر والإباحة، أول فصل في اللبس

البتہ چوں کہ لوگ درندہ کے چمڑوں پر از راہ تکبر بیٹھا کرتے تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سواری بنانے یعنی جانور پر زین بنانے سے منع کیا ہے۔(۱)

اس سے خیال ہوتا ہے کہ ایسے چمڑوں پر بیٹھنا بھی کراہت سے خالی نہیں۔ لہذا درندہ کے چمڑوں کو جائے نماز بنانے سے اجتناب کرنا بہتر ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۵۸)

حلال جانور کی دباغت شدہ کھال کی جائے نماز پاک ہے:

سوال: کیا ہرن کی کھال کی بنی ہوئی جائے نماز پر ادائیگی نماز میں کوئی حرج ہے؟

الجواب

کوئی حرج نہیں، جانوروں کی کھال دباغت کے بعد پاک ہو جاتی ہے، اس پر نماز ادا کی جاسکتی ہے۔(۲)

(آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۳۴۸)

میز وغیرہ پر ناپاک روغن اور پالش لگایا گیا ہو، اس پر بغیر کپڑا ڈالے نماز پڑھنا کیسا ہے:

سوال: آج کل میز وغیرہ سب پر جو روغن ہوتا ہے، اس پالش میں شراب کی آمیزش مسموع ہے، دریں صورت بلا بسط ثوب اس پر نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ایسی میز پر بلا بسطِ ثوب نماز پڑھنا خلافِ احتیاط ہے۔(۳)

۱۲/رمضان ۱۳۴۷ھ۔ (امداد الاحکام:۲/۹۷-۹۸)

---

(۱) مشكوة المصابيح، رقم الحديث: ٤٣٥٥ - ٤٣٥٧ -

عن أبي المليح بن أسامة عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن جلود السباع. (سنن أبي داؤد، باب في جلود النمور والسباع (ح:٤١٣٢)

عن أبي شيخ الهنائي أن معاوية قال لنفر من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه نهى أن يفترش جلود السباع. (مصنف عبدالرزاق، باب جلود السباع (ح::٢١٦) انيس)

(۲) (كل إهاب) ... (دبغ) ... (وهو يحتملها طهر) فيصلى به ويتوضأ منه. (الدر المختار مع رد المحتار: ٢٠٣/١ كتاب الطهارة، مطلب في أحكام الدباغة، انيس)

(۳) ولو مُوِّهَ الحديد بالماء النجس يُمَوَّهُ بالطاهر ثلاثًا فيطهر خلافًا لمحمد، فعنده لا يطهر أبدًا وهذا في الحمل في الصلاة، أما لو غسل ثلاثًا ثم قطع به نحو بطيخ أو وقع في ماء قليل لا ينجسه فالغسل يطهر ظاهره إجماعًا. (رد المحتار، باب الأنجاس، تحت قول الدر: مما يتشرب النجاسة،: ٣٣٢/١. دار الفكر، انيس)

میت کے غسل کے لئے استعمال شدہ پاک تختہ پر نماز درست ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ تختہ نماز پر ایک بچے کی میت کو غسل دیا گیا اب اس تختہ پر نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: منشی محمود مانسہرہ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

واضح رہے کہ صحت صلوٰۃ کے لئے طہارت مکان شرط ہے، پس اگر یہ تختہ پاک ہو تو اس پر نماز پڑھنا درست ہوگا۔(۱)
والظاهر هي الطهارة وإلا فلم يصح صلاة الجنازة،أيضًا، فافهم وتدبر وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۱۵-۲۱٦)

نماز غسل خانہ میں جائز ہے یا نہیں:

سوال: درحمام نماز جائز است یا نہ؟(۲)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

نماز درحمام مکروہ است۔(۱) بدو وجہ: یکے آنکہ حمام جائے غسالہ است، ودیگر آنکہ آں خانۂ شیاطین است۔(۴)
قد عقد الحديث العلامة نجم الدين الطرسوسى فى منظومته الفوائد،فقال:
نهى الرسول محمد خير البشر☆ عن الصلاة فى بقاع تعتبر☆معاطن الجمال ثم مقبره☆
مزبلة طريق ثم مجزره☆وفوق بيت الله والحمام☆والحمد لله على التمام☆(۵)فقط
(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۳۵)

---

(۱) وفى الهندية:تطهير النجاسة من بدن المصلى وثوبه والمكان الذى يصلى عليه واجب هكذا فى الزاهدى فى باب الأنجاس.(الفتاوىٰ الهندية،الفصل الأول فى الطهارة: ۱/۵۸)
(۲) غسل خانہ میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ انیس
(۳) وكذا تكره فى أماكن كفوق كعبة وفى طريق الخ ومغتسل وحمام. (الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة: ۱/۳۵۲-۳۵۳،ظفير)قبل باب الأذان،قبيل مطلب تكره الصلاة فى الكنيسة)
عن أبى سعيد الخدرى أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال:الأرض كلها مسجد إلا الحمام والمقبرة.(السنن الماثورة للشافعي،باب ماجاء فى فضل النبى صلى اللّٰه عليه وسلم (ح: ۱۸٦)/سنن أبى داؤد،باب فى المواضع التى لا تجوز فيها الصلاة (ح:٤۹۲)انيس
(۴) خلاصۂ جواب: غسل خانہ میں نماز مکروہ ہے۔دو وجہ سے،ایک یہ کہ وہ غسل کردہ پانی کی جگہ ہے اور دوسرے یہ کہ وہ شیطان کا گھر ہے۔انیس
(۵) الدرالمختارعلىٰ هامش ردالمحتار،كتاب الصلوٰة: ۱/۳۵۲،ظفير) تحت قول الدر كفوق كعبة،كتاب الصلوٰة،قبل باب الأذان،قبيل مطلب تكره الصلاة فى الكنيسة)
==

طہارت خانہ کی چھت پر نماز:

سوال: ایک مسجد میں صحن بیت الخلا کی چھت سے متصل ہے، جب جمعہ وغیرہ کے موقع پر لوگ زیادہ ہوجاتے ہیں، تو طہارت خانہ کی چھت پر نماز ادا کرتے ہیں، ہماری مسجد کے ایک مصلی صاحب کا خیال ہے کہ طہارت خانہ کی چھت پر نماز درست نہیں ہوتی؟ (محمد اسحٰق، حیدرآباد)

الجواب

یہ بات درست نہیں کہ مسجد شرعی کے نیچے بیت الخلا یا طہارت خانہ بنایا جائے، یہ احترام مسجد کے خلاف ہے۔ البتہ اگر مسجد تو نہ ہو، لیکن مسجد سے متصل ہو اور بوقت ضرورت لوگ اس پر نماز پڑھ لیتے ہوں، تو یہ درست ہے۔ کیونکہ ناپاکی سطح زمین میں ہے اور نماز پڑھنے کی جگہ اور سطح زمین کے درمیان خلا اور چھت کا فاصلہ موجود ہے اور ایسے فاصلہ کے ساتھ نماز پڑھنا درست ہے۔

"وإذا صلى على حجر الرحى أو على باب أو على بساط غليظ أوعلىٰ مكعب ظاهره طاهر وباطنه نجس يجوز عند محمد رحمه الله وبه كان يفتي الشيخ أبوبكر الإسكاف وهو الأشبه بالترجيح". (١)

مذکورہ صورت میں بھی نجاست اور نماز پڑھنے والے کے درمیان چھت حائل ہے، اس لئے نماز درست ہوجائے گی۔

(کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۵۸-۱۵۹)

نالہ کے اوپر نماز:

سوال: ہماری مسجد کا حجرہ جس میں امام صاحب رہتے ہیں، وہ اور وضوخانہ اور استنجا خانہ یہ سب مسجد سے متصل نالہ کی زمین پر بنے ہیں اور اب مسجد کی زمین کے ساتھ حجرہ، وضوخانہ اور استنجا خانہ کے اوپر کا حصہ مسجد کی دوسری منزل میں شامل کیا گیا ہے تو دوسری منزل کے اس حصہ میں جہاں نیچے حجرہ وغیرہ نالے کی زمین پر ہے، اس میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ نماز درست ہوگی یا نہیں؟

== عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى أن يصلى في سبعة مواطن: في المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطريق وفي الحمام وفي معاطن الإبل وفوق ظهر بيت الله. (سنن الترمذي، باب ماجاء في كراهية ما يصلى إليه وفيه (ح: ٣٤٦)/انيس)

(١) الفتاوىٰ الهندية: ٦٢/١. (الفصل الثاني في طهارة مايستر به العورة/وكذافي بدائع الصنائع، فصل بيان مايقع به التطهير: ٨٣/١. انيس)

هو المصوب

وضوخانہ استنجا خانہ نالہ کی زمین ہے، اس کے اوپر کا حصہ مسجد میں شامل کر دینے سے وہ مسجد کے حکم میں ہوگا۔اس پر نماز پڑھنا درست ہے۔

تحریر: محمد ظہور ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۲/۴۲)

رنڈی (فاحشہ) کے بالاخانہ کے نیچے کے مکان میں نماز درست ہے یا نہیں:

سوال: ایک مکان سرکار جنید کا ہے، اس نے کسی وجہ سے ایک رنڈی کو دیدیا، جب چاہے ضبط کر لیتا ہے، اس کے نیچے دو کانیں ہیں ان کو کرایہ پر لے رکھا ہے، اس میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

اس مکان مذکور میں نماز پڑھنا صحیح ہے نماز ہو جاتی ہے۔(۱)

لیکن اولیٰ یہ ہے کہ مسجد میں نماز پڑھیں۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۴۰)

کوئلہ کی کان میں نماز پڑھنے کے متعلق ایک استفتا:

سوال: جس جگہ ہم لوگ رہتے ہیں وہاں پر کھا دہے، کوئلہ کی زمین کے اندر سے کوئلہ نکالا جاتا ہے، لہذا جو لوگ مسلمان غریب اس میں کام کرتے ہیں کوئلہ کاٹتے ہیں اور گاڑیوں میں بھرتے ہیں، وہاں پر پانی ملتا ہے، مگر اندھیرا سخت، قیامت کا نمونہ ہے، وہاں پر لوگ نماز پڑھتے ہیں، لیکن مسئلہ پوچھتے ہیں، کیونکہ جس جگہ وہ لوگ کام کرتے ہیں، جگہ بہت خراب ہے اور حالت یہ ہے کہ کپڑا جسم میں صرف فرض یعنی ستر ڈھانکنے کے لائق ہوتا ہے، بعض تو لنگوٹ باندھ کر کام کرتے ہیں، نیچے بھی پانی ہے، پانی کی جگہ سے کوئلہ ٹوکری میں بھر کے گاڑی میں لادتے ہیں، اس پر اوپر سے پانی مثال سوتوں کے ٹپکتا رہتا ہے، اور گرمی بھی بعض جگہ ایسی ہے کہ پسینہ کثیر ہر وقت جاری رہتا ہے، اسی حالت میں کوئلہ اٹھانا پڑتا ہے اور کان میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے کہ جماعت ہو جاوے اگر کوشش کی جاوے تو مع امام کے چار پانچ پڑھتے ہیں جماعت کے ساتھ، مگر اکثر جگہ گیلی پائی جاتی ہے وہاں پر نماز چھوڑ دینا چاہئے یا کہ نہیں، اور عورت

(۱) اس مکان میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

(۲) فرض نماز مسجد میں جماعت سے ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے۔

"(والجماعة سنة مؤكدة للرجال) الخ، ولو فاتته ندب طلبها في مسجد آخر إلا المسجد الحرام ونحوه.(الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة : ۱/۵۱۷، ظفير)

ومرد دونوں مل کر کام کرتے ہیں اور دونوں مسلمان ہیں، کس صورت سے نماز پڑھیں۔ کیا حکم فرماتے ہیں اور یہاں پر کام کرنے کا وقت ۸/ بجے صبح سے ۸/ بجے رات تک ہے اور دوسرے وقت ۸/ بجے رات سے ۸/ بجے صبح تک کام ہوتا ہے، دو وقتہ کام ہوتا ہے، یعنی یہ کارخانہ چوبیس گھنٹہ چالو رہتا ہے۔ اتوار کی رخصت ملتی ہے، جو شخص اس ہفتہ دن میں کام پر جاویگا وہ اگلے ہفتہ رات کو کام پر جاوے گا، اول تو وہاں رات اور دن دونوں کی ایک صورت ہے، گھڑی کے ذریعہ سے وقت معلوم ہوتا ہے اور جس جگہ زمین کے اندر جاتے ہیں اس جگہ سے کام کرنے کی جگہ آدھ میل یا آدھ میل سے زیادہ دور جانا پڑتا ہے، بلکہ بعض جگہ ایک میل سے زائد دور جانا پڑتا ہے، اول وقت کو معلوم کرنے کی قلت ہے، دوسرے پانی کی سخت تکلیف ہے اور وہاں پر پانی بہتا رہتا ہے۔ نالی سے مگر اس میں لوگ شبہ اور کراہت کرتے ہیں، کیونکہ وہیں پر لوگ پاخانہ پیشاب کرتے ہیں، اور جگہ جگہ نالی کے سرے پر اکثر غلیظ پایا جاتا ہے، بہت سخت تکلیف ہے، اگر اوپر اٹھ کر نماز پڑھی جاوے تو وقت بہت سا برباد ہو جاتا ہے، اور جو کام ہم لوگ کر کے آتے ہیں وہ کوئی دوسرا لے لے گا، یعنی کوئلہ گرایا ہے، ہم گئے نماز پڑھنے تو دوسرے شخص نے آ کر لے لیا، ہماری محنت ضائع ہوگئی اور ہم نماز ہی کے لئے تین دفعہ گئے وقت ختم ہو گیا۔ دوسرے کا وقت آ گیا یعنی آٹھ بجے، اب ہم کو کل پھر صبح آٹھ بجے گاڑی ملے گی اور ہم کوئلہ کاٹ کر لائیں گے، ہم لوگ کیا کریں، سخت مجبور ہیں۔

اب حضور بتلا دیں کہ یہ لوگ نماز پڑھتے نہیں، اگر کہتے ہیں، تو سو سو اعتراض کرتے ہیں اور حیلہ وحجت کرتے ہیں، اور جو لوگ نماز کے شوقین ہیں وہ پانی کے ناپاک ہونے کے خیال سے اوپر سوکھی مٹی لے جاتے ہیں، اور تیمّم کر کے نماز پڑھتے ہیں، وہ وہ لوگ ہیں جو سرداروں میں سے ہیں، حضور کیا حکم دیتے ہیں کہ وہاں پر تیمّم جائز ہوگا یا کہ نہیں یا کہ اس پانی سے وضو جائز ہوگا، اور جگہ گیلی ہونے کی متعلق کیا حکم ہوتا ہے یا ایسی جگہ نماز چھوڑ دینے کا حکم ہے یا اوپر آ کر قضا پڑھنی چاہیئے، اس لئے ہم نے تفصیل وار لکھا ہے، آدمی جب کھاد سے اوپر اٹھتا ہے تو ایک دم کالا بھوت ہو جاتا ہے، اور زمین کے نیچے ایک ہزار یا ڈیڑھ ہزار فٹ نیچے جا کر یہ سب کام ہوتا ہے، بعض جگہ کم ہے پانچ سو یا سات سو فٹ ہے جو حکم ہو وہی کیا جاوے؟

الجواب

جگہ کا گیلا ہونا نماز سے مانع نہیں، گیلی جگہ پر نماز درست ہو جاتی ہے، جب کہ زمین پر پیشانی جم جائے،(۱) اور جو پانی اس جگہ نالی سے بہتا ہے؛ وہ پاک ہے۔ جب تک پانی میں غلیظ ونجاست کی بو وغیرہ ظاہر نہ ہو۔ پس جو لوگ

(۱) ولو سجد على الحشيش أو التبن أو على القطن أو الطنفسة أو الثلج إن استقرت جبهته وأنفه ويجد حجمه يجوز وإن لم يستقر لا. (الفتاویٰ الهندية، الفصل الأول فی فرائض الصلاة: ۱/ ۷۰. انیس)

کوئلہ کی کان میں کام کرتے ہیں، ان کو ایسی جگہ جہاں وہ کام کرتے ہیں نماز پڑھنا چاہئے اور وقت کو اور قبلہ کے رخ کو انداز سے معلوم کرنا چاہئے اور نماز کے وقت ستر کو اچھی طرح ڈھانک لینا چاہئے، پھر اگر سہولت ہو تو جماعت سے نماز پڑھیں اور اگر دشواری ہو تو الگ الگ ہی پڑھ لیں اور جب تک بہتے ہوئے پانی میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو، اس وقت تک اس کو ناپاک سمجھنا غلط ہے اور تیمّم جائز نہیں؛ بلکہ وضو کرنا واجب ہے۔(۱) ہٰذا واللہ اعلم

۲۷ ؍رمضان ۱۳۴۷ھ۔ (امداد الاحکام: ۹۵/۲-۹۷)

نجاست پر کپڑا بچھا کر نماز:

سوال: خشک پاخانہ کیسا ہے، خشک پاخانہ پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ نماز کی شرطوں میں ایک شرط جائے پاک بھی ہے، جو فرض عین ہے۔ (ممتاز الاسلام)

الجو اب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

پاخانہ خشک ہو کر بھی ناپاک ہی رہتا ہے، جب تک اس کی ماہیت نہ بدل جائے (۲) اس پر پاک کپڑا یا بوریا بچھا کر نماز درست ہے اور اس وقت نماز کی جگہ کپڑا یا بوریہ ہے جو پاک ہے، پاخانہ نہیں، لہذا نماز کی شرط مفقود نہیں۔(۳)

محمود گنگوہی، مدرسہ مظاہر علوم۔ ۲۴/۲/۱۳۵۳ھ۔ صحیح: عبد اللطیف۔ ۲۴ ؍ربیع ۲/۱۳۵۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۱۶/۵)

ناپاک جگہ پر شیشہ بچھا کر نماز پڑھنا:

سوال: کسی ناپاک جگہ پر شیشہ کا تختہ بچھا کر اس پر نماز پڑھ لی تو درست ہے یا نہیں، جبکہ شیشہ کے نیچے کی ناپاکی نظر آتی ہو؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) وبتغير أحد أوصافه) من لون أو طعم أو ريح (ينجس) الكثير ولو جارياً إجماعاً. (الدر المختار: ۱۸۵/۱، كتاب الطهارة، باب المياه، سعيدية)

عن أبي أمامة الباهلي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الماء لاينجسه شيء إلا ما غلب علىٰ ريحه وطعمه ولونه. (سنن ابن ماجة، باب الحياض (ح: ۵۲۱) انيس)

(۲) "السرقين إذا أحرق حتى صار رماداً، فعند محمد يحكم بطهارته، وعليه الفتوى، هكذا في الخلاصة، وكذا العذرة، هكذا في البحر الرائق". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة وأحكامها، الفصل الأول في تطهير الأنجاس: ۴۴/۱، رشيدية، سعيد)

(۳) "بخلاف غير مضرب ومبسوط علىٰ نجس إن لم يظهر لون أو ريح". (الدر المختار)

قال في شرح المنية: وكذا الثوب إذا فرش على النجاسة اليابسة، فإن كان رقيقاً يشف ماتحته أو توجد منه رائحة النجاسة علىٰ تقدير أن لها رائحة لاتجوز الصلاة عليه، وإن كان غليظًا بحيث لايكون كذلك، جازت". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، قبيل مطلب في المشي في الصلاة: ۶۲۶/۱، سعيد)

الجواب ــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

نماز ہو جائے گی۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ:

وفى القنية: لو صلى علىٰ زجاج يصف ماتحته قالوا جميعًا يجوز، آهـ. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ٣٧٤/١) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

١٧ / ربیع الاخر ١٣٩٧ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ٤٠٤/٣)

فرش پر کپڑا بچھائے بغیر نماز پڑھنا:

سوال: فرش پر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (مستفتی: عبداللہ، واڑیا کالج پونہ۔ ٩ / رمضان ١٤٢٥ھ)

الجواب ــــــــــــــــــــــ

فرش پاک ہو تو کپڑا بچھائے بغیر بھی اس پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ (١)

" **تطهير النجاسة من بدن المصلي وثوبه والمكان الذى يصلى عليه واجب، الخ.** (الفتاویٰ الهندية: ٥٨/١) **والله أعلم وعمله أتم**

مفتی محمد شاکر خان قاسمی، پونہ۔ (فتاویٰ شاکر خان: ١١٣/٢ ـ ١١٤)

پختہ فرش اگر ناپاک ہو جائے، تو اس پر نماز کا حکم:

سوال: عیدگاہ کا پختہ فرش بنانا جائز ہے یا نہیں؛ جبکہ عیدگاہ کے صحن میں ایسا درخت موجود ہے؛ جو پورے صحن کو احاطہ کئے ہوئے ہے اور تمام سال جانور بیٹ کرتے رہتے ہیں۔ جب فرش ہو جائے گا تو اس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ پختہ اینٹ نجاست رقیقہ کو جذب کرتی ہے یا نہیں؟ جو ثواب مسجد کے پختہ فرش کا ہے وہی ثواب عیدگاہ کے فرش کا ہے یا نہیں؟

---

(١) **عن أبى سلمة قال: سألت أبا سعيد الخدرى فقال: جاءت سحابة فمطرت حتى سال السقف وكان من جريد النخل فأقيمت الصلاة فرأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يسجد فى الماء والطين حتى رأيت أثر الطين فى جبهته. (الصحيح للبخارى، باب هل يصلى الإمام بمن حضر؟ (ح: ٦٦٩) / مسند الإمام أحمد، مسند أبى سعيد الخدرى (ح: ١١٥٨٠) / الصحيح لمسلم، باب استحباب صوم ستة أيام من شوال (ح: ١١٦٧) / السنن الكبرىٰ للنسائى، متى يخرج المعتكف (ح: ٣٣٧٤) / مسند أبى يعلى الموصلى، من مسند أبى سعيد (ح: ١١٥٨) انيس)**

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

پختہ فرش بنانا بھی جائز ہے، متولی اور نمازیوں کی جیسی رائے ہو عمل کرلیا جائے۔ جن پرند، جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کی بیٹ کی وجہ سے فرش نجس نہیں ہوتا۔(١)

پختہ فرش پر رقیق نجاست گر کر جب خشک ہو جائے اور نجاست کا اثر باقی نہ رہے تو وہ فرش نماز کے لیے پاک ہو جائے گا۔(٢) نجاست خشک ہونے کی وجہ سے فرش کو ناپاک نہیں کہا جائے گا۔ اگر نجاست کا اثر ظاہر ہو خواہ رقیق یا کثیف تو بغیر پاک کئے وہاں نماز درست نہیں ہوگی۔(٣) مسجد کے پختہ فرش پر جس طرح نماز کا ثواب ہے، اسی طرح عیدگاہ کے پختہ فرش پر بھی ثواب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ١١/١٠/١٣٨٥ھ۔ الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ٥١٨/٥)

شطرنجی کا ایک کونہ ناپاک ہے تو دوسرے کونہ پر نماز درست ہے:

سوال: مکان کے دیوان خانے میں فرش (شطرنجی) بچھا رہتا ہے، اس کے ایک کونے پر بچہ نے پیشاب کیا ہو تو دوسرے کونے پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

صورت مسئولہ میں فرش کے دوسرے پاک کونے پر کپڑا بچھائے یا نہ بچھائے، نماز بلا حرج کے ادا ہو جائے گی۔(٤) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ٢٣١/١)

---

(١) (وخرء) كل طير لا يذرق في الهواء كبط أهلي (ودجاج) أما مايذرق فيه، فإن مأكولا فطاهر، الخ. "(قوله: فإن مأكولاً) كحمام عصفور (قوله: فطاهر) وقيل: معفو عنه لو قليلاً لعموم البلوى، والأول أشبه، وهو ظاهر البدائع والخانية. حلية". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مبحث في بول الفأرة، الخ: ٣٢٠/١، سعيد)

(٢) "ومنها: الجفاف وزوال الأثر. الأرض تطهر باليبس وذهاب الأثر للصلوٰة... آه". (الفتاوىٰ الهندية، الباب السابع في النجاسة وأحكامها: ٤٤/١، رشيدية)

عن أبي جعفر، قال: زكاة الأرض يبسها. (في الرجل يطأ الموضع القذر يطأ بعده ماهو (ح: ٦٢٤)

عن أبي قلابة قال: جفوف الأرض طهورها وصلى الله على محمد وسلم كثيراً. (مصنف عبدالرزاق، باب تزئين المساجد والممر في المسجد (ح: ٥١٤٣) انيس)

(٣) وإزالتها إن كانت مرئيةً بإزالة عينها، وأثرها إن كانت شيئًا يزول أثره، آه. (الفتاوىٰ الهندية، الباب السابع في النجاسة وأحكامها: ٤١/١، رشيدية) وكذا في منحة السلوك في شرح تحفة الملوك، فصل في إزالة النجاسة: ٨٠/١. انيس)

(٤) (قوله ومكانه) فلا تمنع النجاسة في طرف البساط ولو صغيرًا في الأصح. (ردالمحتار، باب شروط الصلاة: ٣٧٤/١)

نماز میں قدمین یارکبتین یاسجدہ کی جگہ ناپاک ہوتو نماز کاحکم:

سوال: اگرنماز میں قدمین یارکبتین یاسجدہ کی جگہ ناپاک ہےتو نماز ہوگی یانہیں اوراگراس پرکوئی باریک یا موٹا کپڑا بچھادیں تو کیاحکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگرقدمین یاسجدہ کی جگہ ناپاک ہےتو نماز درست نہیں ہوگی اوراصح قول کے مطابق رکبتین کی جگہ نجاست ہے توبھی نماز درست نہ ہوگی، پھراگرنجاست تر ہےاور کپڑا اتنا موٹا ہے کہ دوتہہ بناسکتے ہیں، نیزنجاست کی تری اوپر کی طرف ظاہرنہیں ہوتی تو نماز کراہت کے ساتھ درست ہے، ورنہ نہیں، اوراگرنجاست خشک ہےتو کپڑا ایسا ہونا چاہئے کہ نجاست نظرنہ آئےتو نماز درست ہے، ورنہ نہیں۔

مراقی الفلاح میں ہے:

أنـه يشتـرط طهارة موضع القدمين فتبطل الصلاة بنجس مانع تحت أحدهما أوبجمعه فيهما تـقـديـرًا فـي الأصـح...ومنها طهارة موضع اليدين والركبتين على الصحيح لافتراض السجود عـلـٰى سبـعة أعـظـم واختاره الفقيه أبوالليث وأنكرماقيل من عدم افتراض طهارة موضعها ولأن رواية جـوازالـصـلاة مع نجاسة موضع الكفين والركبتين شاذة،ومنها طهارة موضع الجبهة على الأصـح مـن الروايتين عن أبى حنيفة وهوقولهما ليتحقق السجود عليها. (مراقى الفلاح: ٨٠، باب شروط الصلاة وأركانها،مكة المكرمة وهكذا فى ردالمحتار: ٤٠٤/١،سعيد)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولـوكـانـت الـنـجـاسة رطبة فـألقي عليها ثوبًا وصلى إن كان ثوبًا يمكن أن يجعل من عرضه ثـوبان كالنهالي يجوزعند محمد وإن كان لايمكن لايجوزإن كانت يابسة جازت إذاكان يصلح ساترًا كذا فى الخلاصة. (الفتاوىٰ الهندية: ٦٢/١ ⁄ كذا فى البحرالرائق: ٢٦٨/١، كوئٹة ⁄ وكذا فى حاشية الطحطاوى علىٰ مراقى الفلاح: ٢٠٨، قديمى) **واللّٰه سبحانه تعالىٰ أعلم** (فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ٢/١١٥-١١٦)

وضوکے پانی کو پونچھ کررومال کوبوقتِ نماز آگے رکھنا کیسا ہے:

سوال: اگرکوئی آدمی وضوکرے اوراس کے بعدرومال سے اس کو پونچھ لیا اوراس گیلے رومال کونماز پڑھنے کی حالت میں سامنے رکھا، تواس طرح نماز کی حالت میں سامنے رکھنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلياً و مسلماً

وضو کے بعد جس رومال سے منہ ہاتھ وغیرہ پونچھے جاتے ہیں، اس کو بوقتِ نماز اپنے سامنے اس طرح ڈال دیا کہ اس پر سجدہ نہیں ہوتا ہے یا اس پر کھڑا نہیں ہے، تو کوئی حرج نہیں ہے، البتہ اگر اس کو باقاعدہ مصلیٰ کی طرح بچھا کر اس پر نماز ادا کرتا ہے، تو بہتر یہ ہے کہ ایسا نہ کرے۔

الأولٰى أن لايصلى علٰى منديل الوضوء الذى يمسح به،الخ. (الكلام الجليل لمولانا عبد الحيي اللكنوى: ٣٦)**فقط و اللّٰه تعالٰى أعلم**(محمود الفتاویٰ: ۱/۴۵۹)

غیر مسلم کے گھر میں فرش پر نماز پڑھنا:

سوال: کسی غیر مسلم کے گھر فرش پر نماز کا ٹائم ہو جانے کی صورت میں نماز ادا کر سکتے ہیں؟ جبکہ دور دور تک کوئی مسجد نہ ہو اور نماز قضا ہو جانے کا ڈر بھی ہو۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

زمین خشک ہونے کے بعد نماز کے لیے پاک ہو جاتی ہے،(۱) اور جگہ پاک ہو تو وہاں نماز پڑھ سکتے ہیں، اس لیے غیر مسلم کے گھر کے خالی فرش پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر پاک کپڑا بچھا لیا جائے تو اور بھی اچھا ہے۔(۲)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۳۷-۳۳۸)☆

---

(۱) الأرض تطهر باليبس،إلخ.(الفتاوىٰ الهندية: ١/٤٤)

(۲) تطهير النجاسة واجب من بدن المصلّى وثوبه والمكان الذى يصلّى عليه ، الخ.(الهداية : ١/٥٤)

☆ غیر مسلم کے گھر میں گوبر سے لیپی ہوئی جگہ پر نماز پڑھنا:

سوال: میری ملازمت سرکاری ہے، گاؤں گاؤں گھومنا پڑتا ہے، بعض جگہوں پر مسجد یا مسلمانوں کے گھر گوبر سے لیپے ہوئے ہوتے ہیں تو ایسی جگہ پر مصلی بچھا کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

گوبر سے لیپی ہوئی خشک جگہ پر پاک کپڑا بچھا کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ جائز ہے نماز صحیح ہو جائے گی۔

قال ابن عابدين عن شرح المنية:وكذا الثوب إذا فرش على النجاسة اليابسة فإن كان رقيقًا يشف ماتحته أوتوجد منه رائحة النجاسة علٰى تقدير أن لها رائحة لايجوز الصلاة عليه وإن كان غليظًا بحيث لايكون كذلک جازت. (ردالمحتار: ١/٥١٦)(كتاب الصلاة،باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها،قبيل مطلب فى المشى فى الصلاة.انيس)**فقط و اللّٰه أعلم بالصواب**(فتاویٰ رحیمیہ: ۱/۲۳۰-۲۳۱)

گوبر سے لیپی ہوئی زمین پر نماز:

سوال: اگر کسی مکان میں گوبر مع مٹی کے لیپا گیا ہو، اول گوبر بعد میں مٹی، یا بالعکس یا صرف گوبر، ان صورتوں میں سے کسی صورت میں نماز اس پر ہوسکتی ہے یا نہیں؟ (عبدالرزاق جالندھری، مقیم حجرہ نالہ)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر اول گوبر سے زمین کو لیپا گیا ہے اور بعد میں مٹی سے اس طرح پر کہ گوبر بالکل چھپ گیا اور اس کی بو وغیرہ کچھ محسوس نہیں ہوتی تو اس پر نماز جائز ہے۔

''هكذا يفهم من الخانية حيث قال فيها: أراد أن يصلي علىٰ أرض عليها نجاسة، فكنسها بالتراب، نظر إن كان التراب قليلاً بحيث لو استشمّه يجد رائحة النجاسة، لايجوز، وإلا فيجوز، انتهىٰ''. (نفع المفتی: ٦٩) (١) **فقط واللّٰه سبحانه وتعالىٰ أعلم** (فتاویٰ محمودیہ: ٥/٥١٧-٥١٨)

ناچ گانے والی جگہ پر نماز کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایسی مخصوص جگہ جہاں پر اکثر ناچ گانا ہوتا ہے، اس جگہ پر نماز جنازہ وغیرہ پڑھنا اور پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: منصب دار مقام بولیا تو ال ضلع اٹک...... ٢٣/رمضان/١٤٠٨ھ)

الجوابــــــــــــــــــــ

بنا بر حدیث تمام روئے زمین پر نماز پڑھنا جائز ہے، (٢) سوائے بعض خاص مقامات کے جن کو حدیث نے مستثنیٰ کیا

---

(١) نفع المفتي والسائل من مجموعة رسائل اللكنوي، نوع منها طهارة المكان: ٨٠، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی)

قال في المنية: إذا أصابت الأرض بنجاسة، ففرشها بطين أو جص فصلى عليها جاز، ولو فرشها بالتراب ولم يطين إن كان التراب قليلاً بحيث لو استشمّه يجد رائحة النجاسة، لاتجوز، وإلا تجوز. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، قبيل مطلب في المشي في الصلاة: ١/٦٢٦، سعيد)

(٢) عن حذيفة قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: ''فضلنا على الناس بثلاث جعلت صفوفنا كصفوف الملائكة وجعلت لنا الأرض كلها مسجدًا وجعلت تربتها لنا طهورًا إذا لم نجد الماء''. (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة (ح: ٥٢٢)

(٣) عن ابن عمر قال: ''نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم أن يصلى في سبعة مواطن: في المزبلة والمجزرة والمقبرة وقاعة الطريق وفي الحمام وفي معاطن الإبل وفوق ظهر بيت اللّٰه''. (سنن الترمذي، باب ماجاء في كراهية ما يصلى إليه وفيه (ح: ٣٤٦) / وابن ماجة، باب المواضع التي تكره فيها الصلاة (ح: ٧٤٦)

ہے، (٣) اور یہ مسئولہ جگہ ان میں سے نہیں ہے۔ وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ٢/٢٢٣-٢٢٤)

جن چٹائیوں پر رقص کیا گیا ہو، ان پر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے مسجد کی چٹائیاں بلا اجازت اٹھا کر قوالی کے لئے فرش بنایا اور ان پر حقہ وسگریٹ نوشی کی گئی اور کھینچا تانی سے ان کو خراب کیا گیا، اب ان چٹائیوں کا مسجد میں استعمال کرنا کیسا ہے؟

(قاری غلام قادر شاہ، جمال ٹاؤن، والٹن روڈ، لاہور)

الجواب

مسجد کی چیز کو مسجد کے علاوہ دوسرے کاموں میں استعمال کرنا خصوصاً ایسے منکرات میں؛ جہاں حقہ اور سگریٹ نوشی بھی ہوتی ہو جرم اور گناہ ہے۔ شریعت میں اس پر ضمان مانقص واجب ہے، اگر چٹائیاں نجس ہو چکی ہوں؛ تو دھونا بھی ضروری ہے، اگر نجس نہ ہوں تو اسی طرح استعمال کر سکتے ہیں، مگر احتیاط دھو لینے میں ہے۔

علامہ ابن الحاج، مدخل: ٢/١٥٤، میں فرماتے ہیں:

قالت الحنفية: الحصر التي يرقص عليها لايصلى عليها حتى يغسل، آه. (١) فقط و الله أعلم

بندہ محمد عبد اللہ غفر اللہ لہ، خادم الافتاء جامعہ خیر المدارس، ملتان۔

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہٰذا۔ یکم محرم ١٣٦٩ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ٢/٢٨٧-٢٨٨)

☆☆☆

(١) المدخل لابن الحاج، توقير السلف المساجد: ٣/٩٩. انيس

نماز میں سترعورت

نماز کے اندر ستر چھپانے میں سرین وران اور گھٹنا تین عضو ہیں یا دو:

سوال: مردوں کو ناف سے گھٹنے تک بدن چھپانا فرض اور نماز میں چوتھائی عضو برہنہ ہوجانا مفسدِ صلوٰۃ ہے، تو آیا گھٹنا علیحدہ اور سرین وفخذ وغیرہ علیحدہ عضو ہیں یا یہ سب مجموعہ ایک ہے؟

الجواب

سرین ایک عضو ہے۔(۱) اور فخذ ورکبہ ملا کر ایک عضو۔ فقط

(تتمہ اولیٰ صفحہ: ۳۵)(امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۰۴)

---

(۱) لیکن سرین دو ہیں اور ہر ایک علیحدہ علیحدہ عضو ہیں اور حلقہ دبر (محل براز) الگ تیسرا عضو ہے۔ اسی طرح رانیں بھی دو ہیں اور ہر ایک ران مع اس کے گھٹنہ کے ایک عضو ہے۔ طحطاویؒ نے حاشیہ درمختار میں تفصیل کی ہے کہ مرد کے ستر کے آٹھ عضو ہیں:

ذکر اور اس کا ماحول، خصیتین اور ان کا ماحول، دو سرین، دو ران مع گھٹنہ اور ناف کے نیچے سے عانہ تک اور اس کے محاذی پہلو کا حصہ۔(ردالمحتار: ۱/۳۸۰، وکذا فی السعایة: ۲/۷۸، سعید)

(والعورة الغليظة والخفيفة سواء) أي في حكم الانكشاف المانع وغير المانع .العورة الغليظة هي القبل والدبر، والخفيفة غيرهما من موضع العورة وفائدة كونهما على السواء، يظهر إذاانكشف قدرربع العضو تمنع سواء كانت من الخفيفة أو الغليظةومادونه، لايمنع فيهما وهذا هو الصحيح. (منحة السلوك شرح تحفة الملوك، فصل في شروط الصلاة: ۱/۱۱۸)

(وهي ماتحت سرته إلى تحت ركبتيه)أي بينهما هو العورة، لقوله عليه الصلاة والسلام:عورة الرجل مابين السرة إلى الركبة. ويروىٰ ما دون سرته حتى يجاوز ركبتيه وكلمة إلى نحملها على كلمة مع عملاًبكلمة حتى، أو عملاً بقوله عليه الصلاة والسلام:"الركبة عورة"وبهذا تبين أن السرة ليست من العورة والركبة منها. (تبيين الحقائق، باب شروط الصلاة: ۱/۹۵-۹۶)

عن عبدالله بن جعفربن أبي طالب قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:مابين السرة والركبة عورة. (المعجم الصغيرللطبراني، من اسمه محمد (ح:۱۰۳۳)صححه الألباني في الإرواء، ح:۲۷۱، ج:۱/ص:۳۰۲)

عن جرهد قال:جلس عندنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وفخذي منكشفة فقال:"خمرعليك إزارك إن الفخذ عورة". (موطأالإمام مالك، ت:أبو مصعب الزهري، باب مايكره من الصدقة (ح:۲۱۲۲)انيس)

نماز میں ستر کا حصہ کھلنے پر ناظر ومنظور کی نماز کا حکم:

سوال: زید ایک نمازی آدمی ہے، اس سے اگلی صف میں عمر نماز پڑھ رہا ہے، عمر کا حالتِ صلوٰۃ میں ستر کا حصہ کھل جاتا ہے، تو زید کی نگاہ حالت صلاۃ میں عمر کے ستر کے اس مخصوص جگہ پر اچانک پڑ گئی، یا وہ خود عمداً اپنی نگاہ ڈالتا ہے، تو صورت مذکورہ میں زید کی نماز ہوئی یا نہیں ہوئی؟ اور عمر کی نماز کا کیا حکم رہے گا؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

حالتِ نماز میں دوسرے نمازی یا غیر نمازی کے ستر پر نگاہ پڑ جانے سے، یا ڈالنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی؛ اگر چہ قصداً نگاہ ڈالنا گناہ ہے، رہا عمر جس کا ستر نماز میں کھل گیا تھا، اگر وہ کھلنا غیر اختیاری تھا اور تین تسبیحات پڑھ سکیں؛ اس سے کم وقت کے لیے کھلا رہا، تو اس کی نماز بھی فاسد نہیں ہوئی، ورنہ فاسد ہوگئی۔(ردالمحتار: ۱/ ۳۰۰) (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری۔ ۱۷/ شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ۔ الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ۔

(محمود الفتاویٰ: ۴/ ۲۰۰-۲۰۱)

نماز کی حالت میں ستر نظر آنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اس کا کرتا کمر تک تھا اور لنگی پھٹی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے اس کی ران کا کچھ حصہ نظر آرہا تھا تو نماز درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

اگر ران کے چوتھائی حصہ سے کم نظر آرہا تھا تو نماز ہوگئی، ورنہ نہیں۔

”قلیل الانکشاف عفو؛ لأن فیه بلویٰ و لابلویٰ فی الکثیر فلا یجعل عفوا الربع وما فوقه کثیر ما دون الربع وهو الصحیح، هکذا فی المحیط“. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/ ۵۸. **کذا فی الغیاثیة علی الفتح:** ۱/ ۲۲٦) **فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم بالصواب**

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ: ۳/ ۵٦)

(۱) (ویمنع) حتی انعقادها (کشف ربع عضو) قدر أداء رکن بلاصنعه (من) عورة غلیظة أو خفیفة. (الدر المختار)
(قوله قدر أداء رکن) أی بسنیته، منیة. قال شارحها: و ذلک قدر ثلاث تسبیحات، آه. و کأنه قیده بذلک حملاً للرکن علی القصیر منه للاحتیاط و إلا فالقعود الأخیر و القیام المشتمل علی القراءة المسنونة أکثر من ذلک، ثم ماذکره الشارح قول أبی یوسف، واعتبر محمد أداء الرکن حقیقة، والأول المختار، للاحتیاط کما فی شرح المنیة واحترز عما إذا انکشف ربع عضو أقل من قدر أداء رکن فلایفسد إتفاقاً لأن الانکشاف الکثیر فی الزمان القلیل عفو کالانکشاف القلیل فی الزمن الکثیر وعما إذا أدیٰ مع الإنکشاف رکناً فإنها تفسد إتفاقاً، قال ح: واعلم ==

گریبان میں سے ستر دیکھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے گریبان میں سے اپنے ستر کو دیکھا، تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

اس مسئلہ میں فقہا کے دو قول ہیں بعض فقہا کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور بعض کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی، لیکن مکروہ تحریمی ہوگی، تاہم احتیاط پر عمل کرتے ہوئے نماز کے فاسد ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

بدائع الصنائع میں ہے:

ثم لم يذكر في ظاهر الرواية أن القميص الواحد إذا كان محلول الجيب والزر هل تجوز الصلاة فيه؟ ذكر ابن شجاع: فيمن صلى محلول الأزرار وليس عليه إزار: أنه إن كان بحيث لو نظر رأى عورة نفسه من زيقه لم تجز صلاته وإن كان بحيث لو نظر لم ير عورته جازت وروى عن محمد في غير رواية الأصول: إن كان بحال لو نظر إليه غيره يقع نظره عليه من غير تكلف فسدت صلاته وإن كان بحال لو نظر إليه غيره لا يقع بصره على عورته إلا بتكلف فصلاته تامة فكأنه شرط ستر العورة في حق غيره لا في حق نفسه وعن داؤد الطائي أنه قال: إن كان الرجل خفيف اللحية لم يجز لأنه يقع بصره على عورته إذا نظر من غير تكلف فيكون مكشوف العورة في حق نفسه وستر العورة عن نفسه وعن غيره شرط الجواز وإن كان كث اللحية جاز لأنه لا يقع بصره على عورته إلا بتكلف فلا يكون مكشوف العورة. (بدائع الصنائع: ٢١٩/١، سعيد)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله ولا يضر نظرها من جيبه) لأنه يحل له مسها والنظر إليها ولكنه خلاف الأدب كما في النهر واختار البرهان الحلبي أن تلك الصلاة مكروهة وإن لم تفسد ومقابل الصحيح ما عن بعض المشائخ من اشتراط ستر عورته عن نفسه وفرع عليه أنها لو كانت لحيته كثيفة و ستر بها زيفه صحت وإلا فلا. (حاشية الطحاوي على الدر المختار: ٤١/١، وكذا في ردالمحتار: ٤١٠/١، سعيد وكذا في الجوهرة النيرة: ٥٤/١، وكذا في درر الحكام في شرح غرر الاحكام: ٥٩/١، وكذا في تبيين الحقائق: ٩٥/١)

فتح باب العنایہ میں ہے:

وفي الخلاصة: لو صلى في قميص واحد محلول الجيب: إن كان بحال يقع بصره على

== أن هذا التفصيل في الانكشاف الحادث في أثناء الصلاة أما المقارن لابتدائها فإنه يمنع انعقادها مطلقاً اتفاقاً بعد أن يكون المكشوف ربع العضو. (ردالمحتار، شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة: ٤٠٨/١، دار الفكر. انيس)

(٢) المصلي في سراويل إذا انكشف مابين سرته وعورته إن كان ربعاً فسدت صلاته لأن مابينهما عضو كامل، والمراد منه حول جميع البدن فإذا انكشف ربعه كان فاحشاً. (الفتاوىٰ الغياثية، ط: بولاق، كتاب الصلاة: ٢١-٢٢. انيس)

عـورتـه لاتـجـوز صلاته و كذا لو كان بحال يقع بصر غيره عليه من غير تكلف، كذا ذكره هشام عن محمد وعن أبى حنيفة وأبى يوسف: أن عورة الشخص ليست بعورة فى حقه، قلت: وهذا ضعيف جدا للإجماع على بطلان من صلى صلاة فى بيت وحده أوفى ظلمة من غير ستر عورة إذا لم يكن من عذر. (فتح باب العناية: ۱/ ۲۰۵) **والله سبحانه وتعالٰى أعلم** (فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۲/۱۱۶-۱۱۷)

کپڑے میں ستر پایا جانا ضروری ہے:

سوال: کپڑے کی غلظت میں شرط کیا ہے؟ اگر صورت بدن دیکھا جاوے اور لون بشرہ نہ دیکھا جاوے، تو نماز درست ہے یا نہیں؟ اگر رنگت کی وجہ سے نہ دیکھا جاوے یا پاجامہ بنانے کی وجہ سے نہ دیکھا جاوے تو کیا حکم ہے؟

الجواب

جب کہ رنگ بشرہ کا معلوم نہ ہو تو ستر ثابت ہے اور نماز صحیح ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۴۴)

ناف سے لے کر گھٹنوں تک کپڑوں میں نماز:

سوال: میرے ایک چچا ہیں جنہوں نے مجھے آدھی آستین والی قمیص میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا کہ آدھی آستین والی قمیص پہن کر نماز نہیں پڑھنی چاہیے، اس طرح نماز مکروہ ہو جاتی ہے، جب کہ میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ مرد کو نماز پڑھتے وقت ناف سے لے کر گھٹنوں تک ڈھانپنا چاہیے۔

الجواب

آپ کے چچا نے جو مسئلہ بتایا ہے وہ صحیح ہے، اور جو مسئلہ آپ نے کتاب میں پڑھا ہے وہ بھی صحیح ہے، مگر اس کا مطلب آپ نہیں سمجھے، ناف سے گھٹنوں تک ڈھانپنا فرض ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔(۲) اور کہنیاں یا سر کھلا ہو تو نماز مکروہ ہوگی۔ (۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۱۹)

---

(۱) (وعادم ساتر)لايصف ماتحته.(الدرالمختار)

(قوله لايصف ماتحته)بأن لايرى منه لون البشرة احترازاً عن الرقيق ونحوالزجاج.(رد المحتار،باب شروط الصلاة،مطلب فى سترالعورة: ۱/ ۳۸۰)

(۲) (و)الرابع (سترعورته) و وجوبه عام ولوفى الخلوة على الصحيح ... (وهى للرجل ما تحت سرّته إلٰى ما تحت ركبته) الخ.(الدرالمختار)وفى رد المحتار:وأما لوصلّى فى الخلوة عرياناً ولوفى بيت مظلم وله ثوب طاهر لايجوز إجماعاً كما فى البحر. (رد المحتار،باب شروط الصلاة: ۱/ ٤٠٤، مطلب فى سترالعورة)

(۳) عن ابن عمر قال: مررت برسول الله صلى الله عليه وسلم وفى ازارى استرخاء فقال: يا عبد الله! ارفع إزارك، فرفعته، ثم قال: زد ! فزدت فما زلت أتحرّاها بعد، فقال بعض القوم: إلى أين؟ قال: إلٰى أنصاف الساقين. (مشكوٰة، كتاب اللباس،الفصل الثانى،ط:قديمى(الصحيح لمسلم،باب تحريم جر الثوب خيلاء (ح: ۲۰۸٦)انيس)

صرف نیچے کے کپڑوں میں نماز:

سوال: انڈر ویئر میں بلا عذر نماز ادا کی جاسکتی ہے؟

هو المصوب

صرف انڈر ویئر سے ستر پوشی نہیں ہوتی ہے؛اس لئے نماز فاسد ہوجائے گی۔(۱)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۲/۵۶)

صرف بنڈی پہن کر نماز پڑھنا:

سوال: کیا صرف واسکٹ جس کو بنڈی(۲) کہتے ہیں؛ پہن کر نماز پڑھ سکتے ہیں؟ جب کہ پائجامہ باندھنے کی جگہ سے ناف تک کا حصہ کھلا ہوا ہے؛ جس کا ستر ضروری ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً

بدن کے جس حصہ کو چھپانا فرض ہے،اگر وہ چھپا رہے؛ تب بھی ایسا لباس پہن کر نماز پڑھنا؛ جس کو پہن کر آدمی معزز مجلس میں نہ جاسکتا ہو،مکروہ ہے۔(۳) چہ جائے کہ فرض ستر ہی ادا نہ ہوتو ایسی حالت میں نماز ہی نہ ہوگی۔(۳)فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند-۱۲/۹/۸۸ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۲۲)

---

(۱) (قوله:وهي من تحت سرته إلى تحت ركبته) أي ما بينهما فالسرة ليست بعورة والركبة عورة.(البحر الرائق، فصل في شروط الصلاة: ١/٤٦٨)

(۲) ''بنڈی بغیر آستین والا چھوٹا کوٹ،ایک قسم کی صدری''۔(نور اللغات:۱/۶۵۵،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور)

(۳) (صلاته في ثياب بذلة)يلبسها في بيته.(الدرالمختار)

وفي ردالمحتار:وفسرها في شرح الوقاية بمايلبسه في بيته ولايذهب بي إلى الأكابر،الخ.(كتاب الصلاة، الباب السابع فيمايفسد الصلاة ومايكره فيها: ١/٦٤٠-٦٤١،دارالفكر.انيس)

(وفي ثياب البذلة) وهي مايلبس في البيت ولا يذهب بها إلى الكبراء.(شرح الوقاية)

(قوله وفي ثياب البذلة)أي تكره صلاته في ثياب البذلة بكسرالباء الموحدة وسكون الذال المعجمة بمعنى الإبتذال والخدمة والكراهة تنزيهية كما في البحر ووجه الكراهة أن فيه ترك الاهتمام بالصلاة التي هي أفضل العبادات وهذا إذا كان له غيرها وإلا فلا.(عمدة الرعاية،كتاب الصلاة،باب الحدث في الصلاة: ١/١٥٩.مطبوعة الهند.انيس)

وتكره الصلاة في الثيا ب البذلة.(الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها،الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لايكره: ١/١٠٧،رشيدية)

(۳) (و)الرابع (سترعورته).(تنويرالابصارمع الدرالمختار،كتاب الصلاة، با ب شروط الصلاة: ١/٤٠٤،سعيد)==

دھوتی باندھ کر نماز درست ہے:

سوال: دھوتی مثل اہل ہنود کے باندھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر کشف عورت نہ ہو تو نماز ہو جاتی ہے مگر یہ طریق اچھا نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۴۳)

دھوتی باندھ کر نماز پڑھنا:

سوال: بعض لوگ دھوتی باندھ کر نماز پڑھتے ہیں اور نماز پڑھنے کے بعد وہ لوگ ٹانگ اٹھا کر اور دھوتی کمر میں باندھ کر چلے جاتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

دھوتی اس طرح باندھی جائے کہ گھٹنے اور اوپر کا حصہ (رانیں) نہ کھلیں، اگر اس طرح نماز پڑھی جائے کہ گھٹنے یا رانیں کھلی رہیں تو نماز نہیں ہوگی (۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۲۰/۱/۹۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۲۳)

جانگیا پر لنگی باندھ کر نماز پڑھے، تو درست ہے:

سوال: اگر کوئی شخص رومالی یا جانگیا باندھ کر اس کے اوپر دھوتی یا پاجامہ وغیرہ پہن کر نماز پڑھے تو نماز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر رومالی و جانگیا باندھ کر اس کے اوپر گھٹنا یعنی نصف پاجامہ پہن لے اور اس کے اوپر تہبند باندھ کر نماز پڑھے تو نماز جائز ہوگی یا نہیں؟

== ومنها ستر العورة، لقوله تعالىٰ: ﴿يَابَنِيٓ آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾، قيل فى التأويل: الزينة ما يوارى العورة، والمسجد الصلاة، فقد أمر بمواراة العورة فى الصلاة" (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فى بيان شرائط الاركان: ١/٥٤٣، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) (و) الرابع (سترعورته) الخ (وهى للرجل ماتحت سرته إلىٰ ماتحت ركبته) الخ. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب شروط الصلاة، مطلب فى ستر العورة: ١/ ٣٧٤-٣٧٥، ظفير)

(۲) (و) الرابع (سترعورته)، ووجوبه عام ولو فى الخلوة على الصحيح". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب فى ستر العورة: ١/ ٤٠٤، سعيد)

"ومنها ستر العورة..." الخ. (بدائع الصنائع، فصل فى بيان شرائط الاركان: ١/٥٤٣، درالكتب العلمية)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

ان صورتوں میں جبکہ ستر عورت ہو جاوے نماز صحیح ہے۔(١) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:٢/١٤٣-١٤٤)

کوٹ پتلون اور ٹائی پہنے ہوئے نماز پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ انگریزی لباس یعنی کوٹ، پتلون اور ٹائی پہننا ایک رسم عام بن گیا ہے، خاص کر افسر شاہی لوگوں کا یہ شیوہ ہے، ڈیوٹی کے دوران جب نماز کا وقت ہو جائے اور کپڑوں کو تبدیل کرنے کا موقع نہ ملے، کیا اسی لباس میں نماز پڑھنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: ڈاکٹر خالد حسین میڈیکل آفیسر میر علی وزیرستان......٢٨/٥/١٩٧٢ء)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

نماز قضا ہونے سے یہ بہتر ہے کہ اسی غیر شرعی لباس میں نماز پڑھی جائے، خصوصاً جب کہ عذر بھی ہو۔(٢) فقط

(فتاویٰ فریدیہ:٢/٢١٧)

ایک ہی چادر اوڑھ کر نماز درست ہے:

سوال: مریض اگر بباعث سردی، رزائی یا چادر اوڑھ کر نماز پڑھے کہ سارا جسم مع منہ اور سر اُس ملبوس سے پوشیدہ ہو اور ستر اس کا مثل زانو یا فخذ یا سرین مکشوف غیر مستور ہو؛ مریض کی نظر سے اور جو شخص اس کے پاس ہو، اس کی نظر سے بھی پوشیدہ ہو، تو نماز اس مریض کی جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

نماز اس مریض کی صحیح ہے۔(٣) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:٤/٤٣٢-٤٣٣)

---

(١) (و) الرابع (ستر عورته) الخ، (وهی للرجل ماتحت سرته إلیٰ ماتحت رکبته) الخ. (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار، باب شروط الصلوٰة، مطلب فی ستر العورة : ٣٧٤/١، ظفير)

(٢) قال الشيخ محمد أمين ابن عابدين: (قوله: والرابع سترعورته) أی ولوبما لایحل لبسه کثوب حریروان أثم بلا عذر کالصلاة فی الأرض المغصوبة. (رد المحتار، باب شروط الصلاة، مطلب فی ستر العورة: ٤٠٤/١. دار الفکر)

(٣) (والشرط سترها عن غيره) ولوحكما كمكان مظلم (لا) سترها (عن نفسه) به يفتیٰ فلو رآها من زيقه لم تفسد وإن كره. (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار، باب شروط الصلاة، مطلب فی ستر العورة: ٣٨٠/١، ظفير)

عن وائل بن حجر قال، قلت: لأنظرن إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف يصلی؟ قال: فنظرت إليه، قام فكبر، ورفع يديه حتى حاذتاأذنيه ثم وضع يده اليمنیٰ علی ظهر كفه اليسریٰ والرسغ والساعد، ==

تنہائی میں برہنہ ہوکر نماز پڑھنا:

سوال: وقت (اتنا) تنگ ہے کہ فرض ادا کرسکتا ہے، ایسی صورت میں کپڑا پاک کرنا ضروری ہے، اگر تنہائی کی جگہ میسر ہوتو ننگا پڑھ لے یا نہیں، اوراگر تنہائی میسر نہ ہوتو انہی کپڑوں سے نماز ادا کرے تو نماز ہوجائے گی یا قضا کرے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

تنگی وقت کی وجہ سے ناپاک کپڑے سے نماز درست نہیں، اس کو پاک کرنا ضروری ہے۔(۱) تنہائی میں بھی برہنہ نماز جائز نہیں۔(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۵/ ۶/ ۱۳۸۷ھ۔ الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۶/ ۶/ ۱۳۸۷ھ۔ الجواب صحیح: سید احمد علی سعید۔ ۱۸/ ۶/ ۱۳۸۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/ ۵۱۹-۵۲۰)

معذور ننگا نماز پڑھ سکتا ہے:

سوال: ایک مسجد میں جمعہ کی نماز میں پیش امام صاحب نے تقریر میں کہا کہ نماز کسی بھی حالت میں معاف نہیں ہے، اگر آپ کے کپڑے نجس ہیں اور کپڑے نہیں مل رہے ہیں تو نجس کپڑے سے نماز پڑھ لیں، اور اگر آپ کے پاس اور کپڑے نہیں ہیں یا کپڑے نہیں مل رہے ہیں تو آپ ننگے ہی سر نماز پڑھ سکتے ہیں، براہ کرم کتابوں کے حوالہ سے جواب مطلع فرمائیں؟

== ثم قال: لما أراد أن يركع، رفع يديه مثلها ووضع يديه على ركبتيه، ثم رفع رأسه، فرفع يديه مثلها ثم سجد، فجعل كفيه حذاء أذنيه، ثم قعد فافترش رجله اليسرىٰ ووضع كفه اليسرىٰ على فخذه وركبته اليسرىٰ وجعل مرفقه الأيمن على فخذه اليمنىٰ ثم قبض بين أصابعه فحلق حلقة ثم رفع إصبعه فرأيته يحركها يدعوبها، ثم جئت بعد ذلك في زمان فيه برد فرأيت الناس عليهم الثياب تحرك أيديهم من تحت الثياب من البرد. (مسندالإمام أحمد، حديث وائل بن حجر (ح: ۱۸۸۷۰)/ سنن الدارمي، باب صفة صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم (ح: ۱۳۹۷)/ الصحيح لابن خزيمة، باب وضع بطن كف اليمنىٰ على كف اليسرىٰ (ح: ٤٨٠)/ الصحيح لابن حبان، ذكرمايستحب للمصلي رفع اليدين عند إرادته (ح: ۱۸٦۰)/ المعجم الكبيرللطبراني، عن وائل بن حجر (ح: ۸۲) انيس)

(۱) ثم الشرط، الخ، وشرعاً مايتوقف عليه الشي ولايدخل فيه (هي) ستة: (طهارة بدنه) من حدث ... وخبث ... (و ثوبه). (تنويرالأبصارمع درالمختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/ ٤۰۲، سعيد)

وأما طهارة ثوبه فلقوله تعالىٰ: (وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ) [المدثر] (كنزالدقائق متن البحرالرائق، باب شروط الصلاة: ۱/ ۲۸۱)

(۲) وأما لوصلى في الخلوة عرياناً ولوفي بيت مظلم وله ثوب طاهر، لايجوز اجماعاً، كما في البحر". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في سترالعورة: ۱/ ٤٤۰، سعيد)

هوالمصوب

امام صاحب کی بات صحیح ہے، ننگے پڑھنے کی صورت میں چھپی جگہ بیٹھ کر پاؤں قبلہ کی جانب پھیلا کر اشارہ سے نماز پڑھے گا، یہ صورت کھڑے ہو کر پڑھنے سے افضل ہے۔حوالہ ذیل میں ملاحظہ ہو۔

وعادم ساتر يصلى قاعداً مؤمياً بركوع وسجود وهو أفضل من صلاته قائماً. (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب فى ستر العورة: ۸۵/۲)

وجد ثوباً ربعه طاهر وصلى عارياً لم يجزوان كان أقل من ربعه طاهراً أو كله نجساً خيربين أن يصلى عارياً قاعداً بايماء وبين أن يصلى فيه قائماً بركوع وسجود وهو أفضل كذا فى الكافى ولولم يجد الا جلد ميتة غيرمذبوح لا يجوزأن يستر به عورته. (الفتاوىٰ الهندية: ۵۹/۱-۶۰)

تحریر: ساجد علی۔تصویب: محمد ظہور ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۴۲/۲-۴۳)

زنانہ کے لئے نماز میں ستر عورت:

سوال: چہ می فرمایند علماء کرام درین مسئلہ کہ یک زن مسلمان واصیل کہ در یک لباس نماز ادا می کنند، ودران لباس ساق زن وصدرش از جہت کشادگی گریوان ظاہر می شود، ایں نماز زن دران لباس درست است یا نہ؟ بینوا توجروا۔(۱)

(المستفتی: باز محمد افغانی ...... ۲۴/۱/۱۹۸۷ء)

الجواب

ماسوائے وجہ وقدمین وکفین ہر اندام مکمل یا ربع وے کہ برہنہ شود، نمازش فاسد شود۔

(كما فى الهندية: ۶۰/۱):الربع وما فوقها كثيروما دون الربع قليل وهو الصحيح،هكذا فى المحيط.(۲) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۲۰/۲)☆

---

(۱) ترجمہ: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان عورت ایک ہی لباس میں نماز ادا کرتی ہے اور اس لباس میں اس عورکی پنڈلی اور اس کا سینہ گریبان کے کھلے حصے سے ظاہر ہوتا ہے تو اس عورت کی نماز اس لباس میں درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔انیس

(۲) الفتاوىٰ الهندية، الفصل الأول فى الطهارة وستر العورة: ۵۸/۱۔

ترجمہ: چہرہ، دونوں ہتھیلی اور دونوں قدم کے علاوہ بدن کے کسی بھی عضو کا مکمل یا چوتھائی حصہ برہنہ ہو تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔انیس

☆ **(عورت کے لئے) نماز میں ستر عورت:**

سوال: نماز میں عورت کو اپنا کتنا حصۂ بدن چھپانا ضروری ہے؟ ==

عورت کی ہتھیلی کا اوپری حصہ ستر ہے یا نہیں، اس کی تحقیق:

سوال: قبل ازیں یہ لکھا گیا تھا کہ جب عورت پشت کف دست ہاتھ کی ہتھیلی کا اوپری حصہ کھول کر نماز پڑھ لے تو اس کا اعادہ کرنا پڑے گا یا نہیں اس کا جواب جناب عالی نے یہ تحریر فرمایا کہ نماز اس کی صحیح ہے اعادہ نہ کرے۔

اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ جب درمختار میں یہ لکھا ہے:

فظهر الكف عورة على المذهب. (الدر المختار: ٤٠٥/١، مطلب فی ستر العورة)

تو جب نماز میں ستر عورت نہ ہوا تو نماز نہ ہوئی لہذا اس کا اعادہ ضروری ہوا، لہذا اس تردد کو رفع فرمایئے؟

الجواب

ظہر کف کا عورت ہونا چونکہ مختلف فیہ ہے۔(۱) میں نے سہولت وابتلاء عام کے لئے دوسرا قول لے لیا ہے۔

۲۱ / جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ۔ (تتمہ ثانیہ، صفحہ:۲۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲۱۹/۱-۲۲۹)

عورت کے ہاتھ کہنیوں تک ڈھکے ہونا، نماز کے لیے ضروری ہے:

سوال: کچھ خواتین کہتی ہیں کہ! نماز پڑھنے کے لیے عورت کے ہاتھ کہنیوں تک لازمی ڈھکے ہونے چاہئیں اور کلائی تک ڈھکنا ضروری نہیں؟

الجواب

عورت کا سارا بدن ہاتھ گٹوں تک اور پاؤں ٹخنے تک پورا ستر ہے، کلائیوں کا کھولنا جائز نہیں۔(۲)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۲۰/۳)

==

الجواب

نماز میں عورت کو اپنے تمام جسم کا چھپانا فرض ہے، بجز چہرہ، دونوں ہتھیلیوں اور دونوں قدموں کے۔(وبدن الحرة عورة إلا وجهها وكفيها وقدميها. (كنز الدقائق مع البحر: ٢٦٩/١، الهندية: ٥٨/١) (فتاویٰ شیخ الاسلام: ۲۴)

(۱) فظهر الكف عورة على المذهب. (الدر المختار)

(قوله على المذهب) أي ظاهر الرواية، وفي مختلفات قاضي خان وغيرها أنه ليس بعورة أيده في شرح المنية بثلاثة أوجه وقال فكان هو الأصح وإن كان غير ظاهر الرواية وكذا أيده في الحلية وقال مشى عليه في المحيط وشرح الجامع لقاضي خان، آه، واعتمده الشرنبلالي في الإمداد. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل في شروط الصلاة: ٣٧٦/١) (فتاویٰ قاضي خان، فصل فيما يفسد الصلاة: ١٦٢/١، ط: كلكته/المحيط البرهاني، الفصل الرابع في فرائض الصلاة وغيرها: ٢٧٩/١/درر الحكام شرح غرر الحكام، باب شروط الصلاة: ٥٩/١. انيس)

(۲) وذراعها عورة كبطنها في ظاهر الرواية عن أصحابنا الثلاثة. (الحلبي الكبير: ٢١٠، الشرط الثالث)

آدھی آستین والی قمیص میں عورت کا نماز پڑھنا:

سوال: آدھی آستین کی قمیص جو کہنیوں سے اوپر ہو، لیکن گاڑھی اور بڑی چادر سے پورا جسم کلائی تک ڈھکا ہوا ہو، کیا ایسی صورت میں عورت کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر بدن کا کوئی حصہ نماز میں نہ کھلے تو نماز ہو جاتی ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۲۲۰-۲۲۱) ☆

بلاؤز پہن کر نماز پڑھنا:

سوال: اگر کوئی عورت بلاؤز پہن کر نماز پڑھے تو کیا نماز درست ہوگی، جب کہ بلاؤز کی صورت یہ ہے کہ ناف سے اوپر ہی ہوا کرتا ہے اور جب رکوع وسجدہ میں جاتی ہے تو ساڑی ہٹ جاتی ہے اور بدن کا اچھا خاصا حصہ کھل جاتا ہے؟

هو المصوب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

بلاؤز پہن کر نماز پڑھنا(۲) درست نہیں ہے اور اس صورت میں نماز درست نہیں ہوگی۔(۳)

مروجہ بلاؤز پہننا درست نہیں ہے۔(۴)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۲/۵۵-۵۶)

---

(۱) قال أبو جعفر: أما المرأة فتواری فی صلاتها کل شیء منها إلا وجهها وکفیها وقدمیها. قال أبوبکر: وذلک لأن جمیع بدنها عورة لایحل للأجنبی النظر إلیه منها إلا هذه الأشیاء. (شرح مختصر الطحاوی، باب صفة الصلاة: ۱/۷۰۰. انیس)

☆ **عورت کی کہنی کھلی رہ جائے، تو نماز کا حکم:**

سوال: اگر آستین کہنی سے اوپر ہو اور کھلی ہو، تو کیا نماز ہو جائے گی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

عورت کے پہنچوں، ٹخنوں اور چہرے کے سوا کوئی عضو کھلا ہے، تو نماز نہیں ہوتی۔(وبدن المرأة الحرة کلّها عورة ... إلاّ وجهها وکفیها ... وقدمیها. (الحلبی الکبیر: ۲۱۰))(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۳۲۱)

(۲) جبکہ اس بلاؤز پہننے کی صورت میں پیٹھ یا پیٹ کا چوتھائی حصہ کھل جاتا ہو۔انیس

(۳) (ویمنع) حتیٰ انعقادها (کشف ربع عضو) قدر أداء رکن بلا صنعه (من عورة) غلیظة أو خفیفة علی المعتمد. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب فی ستر العورة: ۲/۸۲)

(۴) مروجہ بلاؤز جب کہ اس سے سینہ، پیٹ، پیٹھ اور بازو کا قابل ستر حصہ کھلا ہوا ہو، اگر بلاؤز کے علاوہ بھی کسی دوسرے کپڑے سے مذکورہ قابل ستر حصہ کو ڈھک دیا گیا ہو تو اس صورت میں نماز درست ہو جائے گی اور اس کا پہننا بھی درست ہوگا۔ کیوں کہ مانع قابل ستر حصہ کا کھلا رہنا ہے، جو کہ اب مستور ہے۔انیس

عورت کا جسم کھلا رہ گیا تو نماز ہوگی:

سوال: ساڑی پہن کر نماز کے دوران پیٹھ کا حصہ کھل جائے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

(مستفتی: حافظ عبداللہ خاکسار مسجد پونہ-۲/رمضان ۱۴۲۵ھ)

الجواب

پیٹھ مستقل ایک عضو ہے، اسی طرح پیٹ بھی جن کا ڈھانپنا فرض ہے، اگر صرف پیٹھ کا چوتھائی حصہ کھل جائے تو نماز نہ ہوگی، چوتھائی سے کم کھل جائے تو نماز درست ہوگی اور اگر پیٹھ کا تھوڑا اور پیٹ کا تھوڑا حصہ مل کر پیٹ (جو پیٹھ کے مقابلہ میں چھوٹا ہوتا ہے) کے چوتھائی حصہ کے برابر کھلا رہ جائے تو نماز نہ ہوگی، یہ سب اس صورت میں ہے جب کہ ایک رکن کے ادا کرنے کی مقدار جسم کھلا رہے اور اگر فوراً ڈھانپ دیا تو نماز درست ہو جائے گی، چاہے جسم کھل جائے۔

"**بدن الحرة عورة إلا وجهها وكفيها وقدميها**". (الفتاویٰ الهندية: ۵۸/۱)(۱)

"**انكشاف ما دون الربع معفوعنه اذا كان فى عضو واحد وإن كان فى عضوين أوأكثرو جمع وبلغ ربع أدنٰى عضومنها يمنع جوازالصلاة**". (الفتاویٰ الهندية: ۵۸/۱)(۲)

"**وان انكشف عورته فى الصلاة فسترها بلا مكث جازت صلاته إجماعاً وان أدىٰ ركناً مع الانكشاف فسد إجماعاً وإن لم يؤده لكن مكث قدرما يمكن الأداء تفسد عند أبى يوسف خلافاً لمحمد**". (الفتاویٰ الهندية: ۵۸/۱)(۳) **والله أعلم وعلمه أتم**

مفتی محمد شاکر خان قاسمی، پونہ۔ (فتاویٰ شاکر خان: ۱۱۸/۱-۱۱۹) ☆

(۱-۳) **الفتاویٰ الهندية، الفصل الأول فى الطهارة وسترالعورة / حاشية الطحطاوى، فصل فى متعلقات الشروط وفروعها: ۲۴۲/۱ / وكذا فى ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب فى سترالعورة: ۴۰۸/۱، دارالفكر. انيس**

☆ **نماز میں اگر کوئی عضو کھلا رہ گیا:**

سوال: نماز کے دوران اگر عورت کا کوئی عضو کھل گیا تو نماز کب فاسد ہوگی؟

الجواب

اگر نماز میں کسی عضو کا چوتھائی حصہ اتنی دیر کھلا رہے گا جتنی دیر میں وہ کوئی فریضہ نماز ادا کرتی تو نماز باطل ہو جائے گی حتی کہ اگر سر کے بالوں کا چوتھائی حصہ یا گردن یا بانہہ کا چوتھائی حصہ کھل جائے گا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ خواہ یہ کھلنا گھر میں ہو یا باہر، اندھیرے میں ہو یا روشنی میں کوئی دیکھے یا نہ دیکھے۔ ((ويمنع) حتى انعقادها (كشف ربع عضو) قدرأداء ركن بلا صنعه (من عورة) غليظة أوخفيفة على المعتمد. (الدرالمختار، باب شروط الصلاة، مطلب فى سترالعورة: ۴۰۸/۱)

مکتوبات: ۸۶/۴۔ (فتاویٰ شیخ الاسلام: ۲۵)

عورت کا کھلی جگہ نماز پڑھنا:

سوال: عورت اگر مسافر ہوتو وہ قصر کرے گی، لیکن اگر کہیں سیر وتفریح کے لئے گئی جہاں قصر کی نماز اس کے لئے لاگو نہیں، مگر نماز کا وقت ہوگیا۔ کیا وہ کھلی جگہ نماز ادا کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجو اب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

شرعی سفر میں تو بہر حال وہ قصر کرے گی۔ (۱) اگر سیر وتفریح کے لئے گئی ہے اور نماز کھلی جگہ میں پڑھے تب بھی اس کو پڑھنا درست ہے۔ (۲) تمام بدن کو ڈھاک کر اس طرح کہ صرف ہاتھ اور قدم اور چہرہ کھلا رہے گا اس کی نماز درست ہے، (۳) اگر پیروں میں موزے ہوں اور ہاتھوں میں دستانے تب بھی نماز درست ہے۔ فقط واللہ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔ ۲۹/۷/۱۴۰۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۴۲/۵-۶۴۳)

---

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ، فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَن يُّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾. (سورة النساء: ۱۰۱)

"يقول تعالىٰ: ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ﴾: أى سافرتم فى البلاد ، كما قال تعالىٰ: ﴿عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَرْضٰى وَآخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ الآية. وقوله ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾: أى تخففوا فيها إما من كميتها بأن تجعل الرباعية ثنائية كما فهمه الجمهور من هذه الآية واستدلوا بها علىٰ قصر الصلوة فى السفر". (تفسير ابن كثير: ۷۲۳/۱، دار الفيحاء، دمشق)

"عن أنس بن مالک رضى اللّٰه تعالى عنه قال: صليت الظهر مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم بالمدينة أربعاً والعصر بذى الحليفة ركعتين".

"وخرج على بن أبى طالب رضى اللّٰه تعالى عنه، فقصر وهو يرى البيوت، فلما رجع قيل له: هذه الكوفة، قال: لا، حتى ندخلها". (صحيح البخارى، أبواب تقصير الصلوة، باب: يقصر إذا خرج من موضعه: ۱٤۸/۱، قديمى)

"من خرج من عمارة موضع إقامته قاصدًا مسيرة ثلاثة أيام ولياليها بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة، صلى الفرض الرباعى ركعتين ولو عاصيًا بسفره حتى يدخل موضع مقامه، آه". (تنوير الأبصار متن الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۲۰/۲-۱۲٤، سعيد)

(۲) عن أبى ذر رضى اللّٰه تعالى عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: جعلت لى الأرض طهورًا ومسجدًا.

"عن أبى سعيد الخدرى رضى اللّٰه تعالى عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم وقال موسى فى حديثه فى ما يحسب عمرو أن النبى صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم قال: "الأرض كلها مسجد إلا الحمام والمقبرة". (سنن أبى داؤد، كتاب الصلوة، باب فى المواضع التى لاتجوز فيها الصلوة: ۷۰/۱، دار الحديث، ملتان)

(۳) والرابع ستر عورته ... وللحرة جميع بدنها خلا الوجه والكفين والقدمين". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب فى ستر العورة: ٤۰٤/۱-٤۰٥، سعيد)

ایسے کپڑے میں نماز پڑھنا جس میں جسم یا بال نظر آتے ہوں:

سوال: عورتوں کو نماز میں کتنا جسم ڈھانپنا ضروری ہے؟ آیا اگر کوئی باریک کپڑے سے نماز پڑھے جس میں جسم یا بال نظر آتے ہوں، اگر چہ اکیلے میں ہو، تو کیا اس سے نماز یا طواف ادا ہوگا یا نہیں؟ کیوں کہ میں نے سنا ہے کہ باریک کپڑے میں نماز نہیں ہوتی۔

الجواب

عورت کا منہ، ہاتھ اور پاؤں کے علاوہ پورا بدن ڈھکنا ضروری ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔(۱) باریک کپڑا جس کے اندر سے بدن یا بال نظر آتے ہوں، اس میں نماز نہیں ہوتی۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۲۰/۳)

عورتوں کا نماز میں بالوں کو چھپانا:

سوال: عورتوں کا افراد خانہ کے سامنے باریک دوپٹہ یا رومال کی قسم کا چھوٹا کپڑا جس سے بال نہیں چھپتے؛ اوڑھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

اگر سر کے بال نہیں چھپتے تو نماز نہیں ہوتی۔ (۳) اگر چہ وہاں کوئی محرم نہ ہو، بلکہ سب محرم ہوں۔ فقط اللہ سبحانہ تعالی اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ ۱۳۸۸/۶/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔ ۱۳۸۸/۶/۲۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۲۱/۵)

جارجٹ کے دوپٹے کے ساتھ نماز پڑھنا:

سوال: جارجٹ کے دوپٹے کے بارے میں کیا حکم ہے، کیا اس سے نماز ہو سکتی ہے؟ کیوں کہ اس میں تو سب کچھ نظر آتا ہے، یا ململ کا دوپٹہ ہونا چاہیے؟ دوپٹے کے کپڑے کی صحیح مقدار اور کپڑے کی قسم ضرور بتائیں؟

---

(۱) وبدن المرأة الحرة كلها عورة ... إلاّ وجهها وكفيها ... وقدميها.(الحلبي الكبير : ٢١٠)

(٢) إذا كان الثوب رقيقًا بحيث يصف ما تحته أي لون البشرة لا يحصل به ستر العورة. (الحلبي الكبير: ٢١٤)

(٣) "(و)الرابع (سترعورته)ووجو به عام ولو في الخلوة على الصحيح،إلا لغرض صحيح ...(وللحرة) ... (جميع بدنها) حتى شعرها النازل في الأصح (خلا الوجه والكفين) ... (و القدمين)".(الدرالمختار،باب شروط الصلاة،مطلب في سترالعورة: ٤٠٤/١ـ٤٠٥،سعيد)

الجواب

اگر کپڑا اتنا باریک ہو کہ اندر سے بدن، بال وغیرہ نظر آتے ہوں، تو اس سے نماز نہیں ہوتی، نماز کے لیے موٹا کپڑا اوڑھنا ضروری ہے۔ (۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳۲۰/۳) ☆

مستورات کا باریک دوپٹہ اور آستین کا کلائیوں سے اوپر ہونے کی حالت میں نماز:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!

(۱) باریک دوپٹہ جس میں بال نظر آتے ہوں اس میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۲) نیز جب آستین کلائیوں سے اوپر ہوں نماز کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا۔ (المستفتی: نامعلوم)

الجواب

(۱) زنانہ کے لئے اس میں (باریک دوپٹہ میں) نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے اور دوبارہ با قاعدہ واجب الاعادہ ہے، روایات حدیثیہ اور فقہیہ سے یہ ثابت ہے۔ (۲)

---

(۱) وفي شرح شمس الأئمة السرخسي إذا كان الثوب رقيقًا بحيث يصف ما تحته أي لون البشرة لا يحصل به سترة العورة إذ لا ستر مع رؤية لون البشرة،الخ. (الحلبي الكبير: ٢١٤، شرائط الصلاة، الشرط الثالث، طبع سهيل اكيڈمی لاهور)

☆ **باریک دوپٹہ میں نماز:**

سوال: آج کل بہت باریک دوپٹہ چلے ہیں جس میں سر کے بال صاف نظر آتے ہیں، اس قسم کا دوپٹہ اوڑھ کر نماز درست ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً

عورت اگر ایسا باریک دوپٹہ اوڑھ کر نماز پڑھے گی تو نماز درست نہ ہوگی۔ ("وعادم ساتر) لا يصف ما تحته. (الدر المختار)(قوله: لايصف ما تحته) بأن لايرى منه لون البشرة احترازًا عن الرقيق ونحو الزجاج". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ٤١٠/١، سعيد)

وحد الستر أن لا يرى ما تحته، حتى لو سترها بثوب دقيق يصف ما تحته، لايجوز". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ٤٦٧/١، رشيديه)

"والثوب الرقيق الذي يصف ما تحته، لاتجوز الصلاة فيه؛ لأنه مكشوف العورة معنى". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ٢٥٢/١، دار الكتب العلمية، بيروت) فقط اللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۲۱/۵)

(۲) بدن الحرة عورة إلا وجهها و كفيها وقدميها كذا في المتون، وشعر المرأة ما على رأسها عورة وأما المسترسل ففيه روايتان الأصح أنه عورة كذا في الخلاصة: وهو الصحيح وبه أخذ الفقيه أبو الليث وعليه الفتوىٰ ... والثوب الرقيق الذي يصف ما تحته لا تجوز الصلاة فيه، كذا في التبيين. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة: ٥٨/١)

(٢) مرد کے لئے مکروہ ہے اور عورت کے لئے مفسد ہے۔

"والدلیل علی الأول کراهة الصلاة علی وجه الولایة،والدلیل علی الثانی کون الیدین عورة إلّا الکفین". (١) فقط (فتاویٰ فریدیہ:٢/٢١٨)

عورتوں کی نماز ساڑی میں جائز ہے یا نہیں:

سوال: عورتوں کی نماز ساڑی یعنی لہنگا پہن کر درست ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر وہاں کا رواج عورتوں کے لباس کا یہی ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے نماز ہو جاتی ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ ستر پورا ہو۔ (٢) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:٢/١٤٣)

ساڑی پہن کر نماز پڑھنا:

سوال: بہت سی عورتیں بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھتی ہیں، جب ان سے کہا جاتا ہے کہ بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں تو وہ سب کہتی ہیں کہ ساڑی پہن کر کھڑے ہو کر نماز صحیح نہیں ہوتی ہے۔ چونکہ عورتیں ساڑیاں ٹخنوں سے اوپر پہنتی ہیں اور ان کے رکوع کرنے پر پنڈلیاں زیادہ کھل جاتی ہیں تو کیا نماز صحیح ہو جاتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

ایسی ساڑی پہن کر ہرگز نماز نہ پڑھیں جس سے پنڈلیاں کھلی ہوں اور قیام صحیح ادا نہ ہو، (٣) فریضۂ قیام ترک کرنے سے نماز نہیں ہوگی۔ (٤) فقط اللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:٥/٥٢٣-٥٢٤) ☆

---

(١) قال ابن عابدین رحمه الله: وقید الکراهة فی الخلاصة والمنیة بأن یکون رافعاً کمیه إلی المرفقین.(رد المحتار هامش الدر المختار،باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها،مطلب مکروهات الصلاة: ٤٧٣/١)

(٢) (و)الرابع (سترعورته)ووجوبه عام ولوفی الخلوة علی الصحیح إلا لغرض صحیح. (الدر المختار) (قوله ووجوبه عام) أی فی الصلاة وخارجها،الخ.(رد المحتار،باب شروط الصلاة: ٣٧٤/١،ظفیر)

(٣) قال ابن نجیم رحمه الله تعالی:"وکشف ربع ساقها یمنع وکذا الشعر ... لأن قلیل الانکشاف عفو عندنا للضرورة ... والکثیر مفسد لعدمها، فاعتبر الربع،أقیم مقام الکل احتیا طاً؛لأن للربع شبهًابا لکل کما فی حلق ربع الرأس، فإنه یجب به الدم کما لو حلق کله".(البحر الرائق،باب شروط الصلاة : ٤٧١/١،رشیدیه)

(٤) "من فرائضها)التی لا تصح بدونها (التحریمة)قائماً (وهی شرط) ... (ومنها القیام)..(فی فرض) ... (لقادر علیه).(الدر المختار)

(قوله:وسنة فجرفی الأصح)أقول:لکن فی الحلیة عند الکلام علی صلوة التراویح:لو صلی التراویح ==

نماز کے دوران خواتین کی ٹانگوں کا باہم ملنا:

سوال: خواتین کے ستر اور جسم کے ڈھکنے کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے، تاہم چند کے ذہن میں یہ خیال ہے کہ نماز کی ادائیگی کے لئے لازم ہے کہ دونوں ٹانگیں برہنہ آپس میں نہ چھوئیں؛ جو کہ شلوار پاجامہ عزارہ میں ہی ممکن ہے، پھر جو خواتین مغرب یا مشرق میں سایہ قسم کا لباس یا ساڑی پیٹی پہنتی ہیں ان کے لئے بروقت نماز کا کیا حکم ہے؟

هو المصوب

ساڑی و پیٹی وغیرہ لباس جب پورے بدن کو ڈھک دے؛ جسم کا کوئی حصہ کھلا نہ رہے تو نماز درست ہے، بعض عورتوں کا جو خیال استفتاء میں درج ہے وہ صحیح نہیں ہے۔(۱)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۵۵/۲)

== قاعدًا بلاعذرٍ، قيل: لايجوز قياسا على سنة الفجر فإن كلا منهما سنة مؤكدة وسنة الفجر لاتجوز قاعدًا من غير عذر باجماعهم.(رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب فی ستر العورة: ٤٤٤/١ـ٤٤٥، سعيد)

☆ ساڑھی میں نماز:

سوال: یہاں پر خواتین میں کرتہ اور پائجامہ پہننے کا رواج نہیں ہے اور وہ لہنگا پر ساڑھی باندھ لیتی ہیں، اور کسی قسم کا کپڑا اندر استعمال نہیں ہوتا ہے۔ تو کیا اس صورت میں ان کی نماز ادا ہو جائے گی یا پھر ان کو ساڑھی کے اندر پاجامہ یا اس قسم کا کپڑا پہننا پڑے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً

اگر لہنگا اور ساڑی اس طرح ہے کہ جسم نظر نہیں آتا تو ان کی نماز ادا ہو جائے گی اس کے اندر پاجامہ ہو یا نہ ہو، ورنہ انکشاف کی حالت میں نماز نہیں ہوگی، کیونکہ سترعورت فرض ہے اور عورت کو چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں قدم کے سوا تمام بدن کو چھپانا نماز میں فرض ہے۔

’’(و)الرابع (ستر عورته) ... (وهی للحرة) ... (جميع بدنها) ... (خلا الوجه) ... (والكفين والقدمين،آه. (الدرالمختار، باب شروط الصلاة، مطلب فی ستر العورة: ٤٠٤/١ـ٤٠٥، سعيد)/’’وبدن الحرة عورة الا وجهها و كفيها، لقوله تعالى: ﴿ولايبدين زينتهن الاما ظهر منها﴾ [النور: ٣١].

قال ابن عباس رضی اللّٰه تعالى عنهما: وجهها و كفيها‘‘.(البحرالرائق، باب شروط الصلاة: ٤٦٩/١، رشيدية) فقط واللّٰه سبحانه وتعالى أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۲۰/۵)

(۱) وبهذا علم أن لبس السراويل فی الصلاة ليس بواجب؛ لأن الستر من أسفل ليس بلازم بل انما يلزم من جونبه وأعلاه ولذاقال فی منية المصلی: ومن صلى فی قميص ليس له غيره فلو نظر إنسان من تحته رأى عورته فهذا ليس بشئ .(البحر الرائق، شروط الصلاة: ٤٦٨/١)

کیا قدم کھول کر عورت کی نماز نہیں ہوتی:

سوال: ''کتاب صلوٰۃ الرحمٰن'' میں لکھا ہے کہ نماز کے اندر اگر عورت کے قدم کی چوتھائی کھل جائے تو نماز نہ ہوگی تو عورتوں کو موزے پہن کر نماز پڑھنا چاہئے؟

الجواب

درمختار میں لکھا ہے کہ معتمد یہ ہے کہ قدمین عورت کے عورت نہیں، اس کے کھلنے سے نماز میں خلل نہیں آتا اور یہ جو صلوٰۃ الرحمٰن میں لکھا ہے، یہ بھی ایک قول ہے اور مراد اس سے باطن قدم ہے نہ ظہر قدم۔(کذا فی ردالمحتار: ۴۲۱/۱)(۱)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۴۲/۲) ☆

☆☆☆

(۱) وللحرة ولو خنثیٰ جميع بدنها الخ خلاالوجه والكفين الخ والقدمين على المعتمد.(الدرالمختار) (قوله على المعتمد)أی من أقوال ثلاثة مصححة ثانيها عورة مطلقاً، ثالثها عورة خارج الصلوٰة لا فيها،أقول: ولم يتعرض لظهرالقدم، وفی القهستانی عن الخلاصة:اختلفت الروايات فی بطن القدم آه وظاهره أنه لاخلاف فی ظاهره،ثم رأيت فی مقدمة المحقق ابن الهمام المسماة بزادالفقير قال بعد تصحيح أن انكشاف ربع القدم مانع ولوانكشف ظهر قدمها لم تفسد الخ ثم نقل عن الخلاصة:أن الخلاف إنما هوفی باطن القدم وأماظاهره فليس بعورة بلاخلاف،الخ.(رد المحتار،باب شروط الصلوٰة،مطلب ستر العورة: ۳۷۶/۱-۳۷۷،ظفير)

☆ **کیا عورت پاؤں ڈھانکنے کیلئے موزے پہنے:**

سوال: عورت کو سارا بدن ڈھانکنا فرض ہے سوا منھ اور دونوں ہتھیلی کے اور دونوں پاؤں کے تو نماز میں ظہر ید و بطن رجل بھی ڈھانکنا چاہئے اس کے لیے موزے ودستانے پہننے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب

دونوں پاؤں اور دونوں ہاتھوں کی ظہر و بطن نماز میں ڈھانکنا ضروری نہیں ہے۔((وهی أی العورة للرجل ما تحت سرته إلیٰ ما تحت ركبته) الخ (وللحرة) ولوخنثیٰ (جميع بدنها) الخ، (خلا الوجه والكفين)الخ (والقدمين) على المعتمد.(الدرالمختارعلیٰ صدر رد المحتار،باب شروط الصلاة،مطلب فی ستر العورة: ۳۷۶/۱)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عزیز الرحمٰن۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۴۳/۲)

نیت کے مسائل

نماز میں نیت کے ضروری ہونے پر حدیث ''إنما الأعمال بالنیات'' سے استدلال:

سوال: غیر مقلد لوگوں نے ہمیں تنگ کیا ہوا ہے، کہتے ہیں کہ نماز کی نیت کرنا کہاں فرض ہے، یہ فرائض، واجبات اور سنن وغیرہ بدعت ہیں، اس سلسلے میں ہماری رہنمائی فرمائیں؟ (عتیق الرحمٰن، ٧٧/٥، آر، ساہیوال)

الجواب

حدیث ''إنما الأعمال بالنیات'' (١) کی بنا پر تمام عبادات میں نیت ضروری ہے اور نیت دل کا فعل ہے، جب دل میں یہ استحضار ہو جائے کہ فلاں نماز اتنی رکعات اللہ کے لئے اس امام کے پیچھے پڑھتا ہوں تو یہ کافی ہے۔ زبان سے کہنا یہ ضروری نہیں، (٢) اگر غیر مقلد نیتِ قلبی کو بھی ضروری نہیں سمجھتے تو یہ حدیث صریح کے خلاف ہے اور اگر زبانی نیت کا انکار کرتے ہیں تو یہ ہمارے نزدیک بھی ضروری نہیں، غیر مقلدین نے سادہ لوح لوگوں کو واقعی تنگ کر رکھا ہے، ہمیں مسلسل ایسی شکایات موصول ہوتی رہتی ہیں، جو شبہ ہو؛ لکھ کر صاف کر لیا کریں۔

فرائض و واجبات وسنن والا سوال واضح نہیں کہ وہ کس چیز کا انکار کرتے ہیں، تفصیلاً لکھیں یا بہتر یہ ہے کہ کسی وقت دارالافتا میں تشریف لا کر حل کر لیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔ ٢/٧/١٣٩٦ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ٢/٢٦٣)

---

(١) الصحيح للبخاري، كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم (ح: ١)/موطأ الإمام مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني، باب النوادر (ح: ٩٨٣)

(قوله: إنما الأعمال بالنية) أفردت النية لكونها مصدرًا، وقد تكلم العلماء على هذا الحديث في أوراق و ذكروا له معاني وإنما الذي عندي في معناه هو أن الأعمال أي: الأفعال الإختيارية لا توجد ولا يتحقق إلا بالنية وليس للفاعل من فعله إلا ما نوىٰ، أي: نيته على أن ما مصدرية، أي: الذي يرجع إليه من عمله نفعاً، أو ضررًا هي النية فإن العمل يحسب بحسبها خيرًا و شرًا، أو يجزى المرء بحسبها على العمل ثوابًا وعقابًا، وإذا تقرر المقدمتان ترتب عليهما قوله: فمن كانت هجرته ...الخ، أي: من كانت هجرته إلى الله وإلى رسوله أي قصدًا ونيةً فهجرته إلى الله وإلى رسوله أجرًا وثوابًا وقد أوضحت عن هذا المعنى في بعض التعليقات، ولعل المتأمل في مباني الألفاظ ونظمها يشهد بأن هذا المعنى هو معنى هذه الكلمات. (حاشية السندي على سنن ابن ماجة، باب النية: ٢/٥٥٦-٥٥٧ (ح: ٤٢٢٧) انيس)

(٢) ويكفيه أن ينوي بقلبه ولا يشترط أن يقول بلسانه ما نوى بقلبه كما في الصلاة لأن النية عمل القلب والذكر باللسان دليل عليها. (بدائع الصنائع، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية: ٥/٧١. انيس)

نیت کی حیثیت:

سوال (۱) نماز میں اردو زبان میں جو نیت کی جاتی ہے شریعت میں اس کی کیا حیثیت ہے، بعض حضرات اس نیت کو سنت کے خلاف قرار دیتے ہیں، اس کی کیا حقیقت ہے؟

(۲)　بعض سنتوں میں سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہہ کر نیت باندھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جو لوگ سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں کہتے ہیں، ان کی سنت نماز درست نہیں ہوتی، شریعت میں اس کی کیا حیثیت ہے؟

هو المصوب

(۱)　زبان سے جو نیت کی جاتی ہے، اس کو متاخرین علما نے مستحسن قرار دیا ہے۔(۱) کیونکہ اس زمانہ میں انتشار بہت رہتا ہے، تا کہ اس کی وجہ سے دل کی بھی نیت ہو جائے۔ اصل نیت دل کی ہے؛ اس لئے متقدمین علما دل ہی سے نیت کرتے تھے، زبان سے بھی نیت کرنے کو خلاف سنت نہیں کہا جائے گا۔(۲)

(۲)　سنت کی نیت کر لینا کافی ہے، سنت کی نیت کہنا ضروری نہیں ہے۔(۳)

تحریر: محمد ظہور ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۲/۶۱)

نماز کی نیت کا حکم:

سوال:　ہمارے علاقہ میں چونکہ پشتو زبان بولی جاتی ہے اور اکثر نمازی پشتو میں ہی نیت کے الفاظ کہہ لیتے ہیں اور ایسے ہی بعض لوگ دل میں نیت کر لیتے ہیں، کیا شرعا دل میں نیت کرنا کافی ہے یا زبان سے بھی نیت کرنا ضروری ہے؟

الجواب

نیت نماز کے فرائض میں سے ہے، لیکن نیت کا دائرہ بنیادی طور پر دل تک محدود ہے۔ تاہم عوام الناس اس سے غافل رہتے ہیں۔

---

(۱)　أما الذكر باللسان فلا معتبر به و يحسن ذلک لاجتماع عزيمته. (الهداية على صدر فتح القدير: ۱/۲۷۲، باب شروط الصلاة التى تتقدمها)

محل التعيين هو القلب بالاتفاق ويندب عند الجمهور غير المالكية التلفظ بالنية... ولا يشترط الذكر باللسان وإنما يستحب للقلب الجمع بين نية القلب وتلفظ اللسان. (الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۷۷۳، محل النية)

(۲)　وفى القنية: إنه بدعة إلا أنه لا يمكنه إقامتها فى القلب إلا بإجرائها على اللسان فحينئذٍ يباح، ونقل عن بعضهم أن السنة الاقتصار علىٰ نية القلب فإن عبر عنه بلسانه جاز (البحر الرائق: ۲/۴۸۳، باب شروط الصلاة)

(۳)　وفى القنية: إذا أراد النفل أو السنة يقول: اللّٰهم إنى أريد الصلاة فيسرها لى وتقبلها منى وفى الفرض: اللّٰهم إنى أريد أن أصلى فرض الوقت أو فرض القضاء. (البحر الرائق: ۲/۴۸۴، باب شروط الصلاة)

لہٰذا ان کے لئے دل کی نیت کے ساتھ زبان سے بھی نیت کے الفاظ ادا کرنا بہتر ہے؛ تا کہ زبان پر بولنے سے دل کے ارادے کا اظہار ہو سکے۔

ولا عبرة للذكر باللسان فإن فعله لتجتمع عزيمة قلبه فهو حسن، كذا فى الكافى. ومن عجز عن إحضار القلب يكفيه اللسان، كذا فى الزاهدى. (الفتاوىٰ الهندية، باب شروط الصلاة: ١/٦٥)(١)

(فتاویٰ حقانیہ: ٣/٧٣)

زبان سے نیت ضروری نہیں:

سوال: میں نے ایک کتاب فقہ میں دیکھا تھا کہ ہر نماز کی نیت اول دل میں کرنی چاہئے اور بعدہ اس کو زبان سے ادا کرنا چاہئے۔ مجھے الفاظ نیت زبان سے ادا کرنے میں سخت دقت ہوتی ہے؛ اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

الجواب

اس صورت میں دل میں صرف یہ خیال کر لینا کافی ہے کہ مثلاً! یہ نماز ظہر کی ہے اور زبان سے الفاظ نیت ادا کر لینا بھی بہتر ہے اور اگر اس میں کچھ دقت ہو تو اس کو چھوڑ دیجئے۔ (٢) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ٢/١٤٧-١٤٨) ☆

---

(١) قال الحصكفى: (والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة) فلا عبرة للذكر باللسان إن خالف القلب لأنه كلام لا نية إلا إذا عجز عن إحضاره لهموم إصابته فيكفيه اللسان. مجتبىٰ. (الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار، باب شروط الصلاة، بحث النية: ١/٤١٥) ومثله فى البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ١/ ٢٧٧)

(٢) (و) الخامس (النية) بالإجماع (وهى الإرادة) المرجحة، الخ (والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة) الخ (والتلفظ) عند الإرادة (بها مستحب) هو المختار. (الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار، باب شروط الصلاة، بحث النية: ١/٣٨٥-٣٨٦، ظفير)

(و أن ينوى) بقلبه (أى صلاة يصلى) أى الشرط الخامس النية وهى أن بقلبه أى صلاة يصلى وأدناه أن يصير بحيث لو سئل امكنه أن يجيب من غير فكرة ذكره الزيلعى ثم النية فى قصد كون الفعل لما شرع له يقع العبادات قصد كونها لله تعالىٰ قال الله تعالىٰ ﴿وماامروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين قاله الحلبى ويشترط فيها أن يفصل بينها وبين التكبير بفاصل أجنبى وهو كل عمل لايليق فى الصلاة مثل الأكل والشرب ونحو ذلك وأما إذا فصل بينهما بعمل يليق فى الصلاة مثل الوضوء والمشى إلى المسجد فلايضره حتى لو نوى ثم توضأ أو مشى إلى المسجد فكبر ولم تحضره النية جاز لعدم الفصل بينهما بعمل لايليق فى الصلاة، الخ. (إسعاف المولىٰ القدير شرح زاد الفقير، كتاب الصلاة، شروط الصلاة: ٥٢، مخطوطة مكتبة جامعة الملك سعود، ط: دار الكتب المصرية. انيس)

☆ **کیا زبان سے نیت شرط ہے:**

سوال: زبان سے نیت کرنا نماز کی صحت کیلئے ضروری ہے، یا صرف دل میں نیت کر لینا کافی ہے؟

الجواب

نیت قلبی صحت نماز کیلئے کافی ہے۔ (والمستحب فى النية أن ينوى ويقصد بالقلب ويتكلم باللسان بأن يقول: أصلى صلاة، الخ، ولو نوىٰ بالقلب ولم يتكلم باللسان جاز بلاخلاف بين الأئمة لأن النية عمل القلب لاعمل اللسان و استحباب ضمه إليه لما ذكرنا. (غنية المستملى: ٢٥١-٢٥٢. ظفير)) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ٢/١٤٧)

نماز میں زبان سے نیت کی شرعی حیثیت:

سوال: التلفظ بالنّیّة فی الصلاة کے مسئلہ میں ہمارے فقہانے متعدد اقوال ذکر فرمائے ہیں:

إنّه مستحبّ وقیل سنّة وقیل بدعة ثم جعل بعضهم بدعة حسنة وبعضهم بدعة سیئة.

تقریباً ہمارے فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں عام شارحین ومحققین کا میلان "فلا عبرة به" کا معلوم ہوتا ہے، مثل محقق ابن الہمام وغیرہ، مولانا عبدالحی لکھنوی اور ملاعلی قاری نے بھی عدم ثبوت کی تصریح فرمائی ہے، بلکہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کوئی بھی عہد رسالت اور زمان مشهود له بالخیر تک اس کے ثبوت کا قائل نہیں۔ مجدد الف ثانی نے مکتوبات میں لکھا ہے:

وکذلک استحسن العلماء بل بعضهم فی نیّة الصلاة النطق باللسان مع إرادة قلبیة والحال أنه لم یثبت عن النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم ولا عن أصحابه الکرام ولا عن التابعین العظام فی النیّة النطق باللسان لا فی روایة صحیحة ولا فی روایة ضعیفة بل کانوا یکبرون للتحریمة عقب القیام فیکون النطق بدعةً وقالوا إنّ ذلک بدعة حسنة،ویقول هٰذا الفقیر:إنّ هٰذه البدعة رافعة للفرض فضلاً عن السنّة فإنّ أکثر الناس یکتفون علٰی هذا التقدیر بالنطق باللسان یعنی من غیر استحضار النیّة بالجنان ومن غیر مبالاة بالغفلة القلبیة عن هٰذا الشأن فحینئذ یکون فرض من فرائض الصلاة وهو النیة القلبیة متروکاً بالکلیة ویفضی إلٰی فساد الصلاة. (المکتوب السادس والثمانون والمأة من مکتوبات الإمام الربانی: ٢/١٦٠)

جب سنت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا؛ بلکہ ثبوت عدم کی وضاحت ملتی ہے اور احادیث مبارکہ میں اس کی تصریح ہے کہ! "ما أحدث قوم بدعة إلا رفع مثلها من السنّة". (الجامع الصغیر، للسیوطی: ٢/٧٤١) (١) تو اس کو بدعت کہنے سے کیا چیز مانع ہے؟ نیز اس میں سنیت، استحباب، کراہت اور بدعت وغیرہ کے سب اقوال کی موجودگی میں جب سنت ہونے کی نفی تصریح فقہا سے ثابت ہے اور یہ عمل دائر بین الجائز والبدعة ہے، تو کیا بدعت کے قول کو ترجیح نہ ہوگی۔ کما صرّح به الفقهاء رحمهم اللّٰه تعالٰی، نیز استحباب اگر اجتماع عزیمت کی وجہ سے ہے، جیسا کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے، تو مجدد الف ثانی کے قول کے بموجب اس سے اجتماع عزیمت تو کیا ہوتا انتفاء جزء اعظم لازم آرہا ہے، یعنی عموماً ارادہ قلبیہ یا اس جانب دھیان وفکر باقی ہی نہیں رہتا اور اگر استحباب کی دلیل استحسان

---

(١) مسند الإمام أحمد، حدیث عضیف بن الحارث (ح: ١٦٩٧٠)/البدع لابن وضاح، باب تغیر البدع (ح: ٩٠)/ الإبانة الکبریٰ، لابن بطة، باب ما أمر من التمسک بالسنة والجماعة (ح: ٢٤٤) انیس)

علما ہے، تو وہ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہونا چاہیے، نیز بصورت جواز اگر اس کو کوئی ضروری سمجھے تو کیا حکم ہے؟ **بینوا بالدلیل والبرھان آجرکم الرحمن.**

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

بدعت شرعیہ اس لیے نہیں کہ اس کو مقصود نہیں سمجھا جاتا، بلکہ ذریعہ مقصود سمجھا جاتا ہے، **وھو إحضار القلب** اور جس امر کو محض ذریعہ کے درجہ میں رکھا جائے، اس پر بدعت کی تعریف صادق نہیں آتی۔ **کالمدارس العربیّة وما فیھا من الأمور المحدثة**، البتہ اس کو مقصود اور ضروری سمجھنا بلا شبہ بدعت ہے، باقی رہی یہ بحث کہ یہ معین احضار قلب ہے یا کہ مغفل قلب ہے، اس میں قول اوّل راجح معلوم ہوتا ہے۔

ذکر آرد فکر را در اہتزاز　　ذکر را خورشید ایں افسردہ ساز

علاوہ ازیں صحت صلوٰۃ کے لیے اتنا استحضار کافی ہے کہ کسی کے اچانک دریافت کرنے پر فوراً بتا سکے کہ کونسی نماز پڑھ رہا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ / جمادی الاخریٰ ۱۳۹۸ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۱۴۔ ۱۵) ☆

(۱) والمستحب فی النیة أن ینوی بالقلب ویتکلم باللسان وھذا ھو المختار، ولو نویٰ بالقلب ولم یتکلم جاز. (منیة المصلی متن شرح الحلبی الکبری: ۲۵۴۔۲۵۵. مطبع سندہ. انیس)

☆ نیت دل سے ضروری ہے یا زبان سے:

سوال: منیۃ المصلی میں لکھا ہے کہ! نماز کی نیت کے الفاظ زبان سے کہنے مستحب ہیں اور دل سے نیت فرض ہے۔(۱) بعض لوگ کہتے ہیں کہ زبان سے نیت کرنی بدعت ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

صحیح یہ ہے کہ زبان سے الفاظ نیت کہنے میں کچھ حرج نہیں؛ بلکہ مستحب ہے۔ لیکن ضرور ہے کہ دل میں بھی نیت کرے۔ حنفیہ کا محقق مذہب یہی ہے۔ ((و) الخامس (النیة) بالإجماع (وھی الإرادة) ... (لا) ... (العلم) ... (والمعتبر فیھا عمل القلب اللازم للإرادة) ... (والتلفظ) ... (بھا مستحب) ھو المختار ... بل قیل بدعة. (الدر المختار)

(قوله بل قیل بدعة): نقله فی الفتح. وقال فی الحلیة: ولعل الأشبه أنه بدعة حسنة عند قصد جمع العزیمة... فلا جرم أنه ذھب فی المبسوط والھدایة والکافی إلیٰ أنه إن فعله لیجمع عزیمة قلبه فحسن. (ردالمحتار، باب شروط الصلاة، بحث النیة: ۱/ ۳۸۵، ظفیر) فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۲/ ۱۴۸)

زبان سے نیت کرنا کیسا ہے:

سوال: زبان سے نماز کی نیت کرنا شرعاً کہاں سے ثابت ہے؟　　==

زبان سے نیت:

سوال: کیا نماز کی نیت زبان سے ادا کرنا بدعت ہے؟ اگر بدعت ہے تو جس نے زبان سے نیت کی تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بدعت فرماتے ہیں، صحیح مسلک کیا ہے؟ اگر حنفی مذہب میں بدعت ہے تو فقہ کی دوسری کتابوں میں زبان سے نیت کرنا کیوں سکھلایا جاتا ہے؟

الجو اب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنا ضروری نہیں اور بدعت ممنوعہ بھی نہیں، ادا کر لے گا تو گنہگار نہیں ہوگا، نہیں ادا

==

الجواب ــــــــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

نماز میں نیت دل سے کرنا صحت نماز کے لئے کافی ہے، زبان سے نیت ضروری نہیں ہے۔ (زبان سے نیت کے الفاظ کو ادا کرنا کتاب وسنت، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے ثابت نہیں ہے، البتہ چونکہ بسااوقات نماز پڑھنے والے کا دل ودماغ حاضر نہیں رہتا ہے، دل و دماغ کو حاضر کرنے کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ الفاظ زبان سے کہے جائیں، اس لئے علماء کرام نے نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔ [مجاهد]

(والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة)فلاعبرة للذكرباللسان إن خالف القلب لأنه كلام لا نية ... (و هو)أى عمل القلب (أن يعلم)عند الإرادة(بداهة)بلا تأمل(أيّ صلاة يصلّي) ... (والتلفظ)عند الإرادة(بها مستحب) هو المختار ... (وقيل سنة) يعني أحبه السلف أوسنه علماؤنا،إذ لم ينقل عن المصطفىٰ ولا الصحابة ولا التابعين،بل قيل بدعة.(الدرالمختار)

(قوله بل قيل بدعة) ... وقال في الحلية:ولعلّ الأشبه أنه بدعة حسنة عند قصد جمع العزيمة،لأن الإنسان قد يغلب عليه تفرق خاطره،وقد استفاض ظهورالعمل به في كثيرمن الأعصارفي عامة الأمصار،فلا جرم أنه ذهب في المبسوط والهداية والكافي إلىٰ أنه إن فعله ليجمع عزيمة قلبه فحسن، فيندفع ماقيل إنه يكره، آهـ .(رد المحتار: ۹۲/۲،باب شروط الصلاة،بحث النية) فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم

محمد عثمان غنی ۔۲۲/۲/۱۳۷۰ھ ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱۲۴/۲)

کیا نیت زبان سے ضروری ہے:

سوال: نماز کی نیت زبان سے ضروری ہے یا صرف ارادہ کافی ہے۔ نماز کے قبل "اِنِّیْ وَجَّھْتُ" کا نہیں پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

نماز کی نیت زبان سے ضروری نہیں ہے۔ لیکن زبان سے ادا کر لینے میں غفلت کی امید کم ہے۔ اس لئے یہ مناسب ہے۔ ((و) الخامس(النية) بالإجماع (وهى الإرادة) المرجحة لأحد المتساويين ...(والتلفظ)عند الإرادة(بها مستحب) هو المختار. (الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،باب شروط الصلاة،بحث النية: ۲/ ۹۰۔۹۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عباس ۔۱۴/۵/۱۳۵۳ھ ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳۱۸/۲)

کرے گا؛ تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ نیت تو مراد قلبی کا نام ہے؛ وہ ادائے نماز کے لیے کافی۔ لوگوں کے قلوب پر عامۃً افکار کا ہجوم رہتا ہے اور وہ پوری یکسوئی کے ساتھ قلب کو حاضر نہیں کر پاتے۔ اس لیے زبان سے بھی الفاظ ادا کرائے جاتے ہیں، تاکہ حضور قلب میں جس قدر کمی ہے وہ الفاظ کے ذریعہ سے پوری ہو جائے، اگر کوئی شخص احضار قلب پر قادر نہ ہو، تو اس کے لیے الفاظ کا ادا کر لینا بھی کافی ہے۔

"وتشترط: أی النیة وهی الإرادة الجازمة لتتمیز العبادة عن العادة، ویتحقق الإخلاص فیها للّٰه سبحانه وتعالٰی". (مراقی الفلاح)

قال الطحطاوی: "(قوله: وهی الإرادة الجازمة) أی لغة: لأنها فسرت لغة بالعزم هی الإرادة الجازمة القاطعة، وفی الشرع: قصد الطاعة والتقرب إلی اللّٰه تعالٰی فی إیجاد فعل، کما فی التلویح، وهویعم فعل الجوارح وفعل القلب سواء کان إیجادًا أو کفًا". (حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلٰوة، باب شروط الصلاة وأرکانها: ۲۱۵/۱، قدیمی)

فقہا کے کلام میں تلفظ باللسان کے متعلق سنت، مستحب، مکروہ، بدعت، مباح سب الفاظ موجود ہیں، صاحب بحر نے ان سب کو نقل کر کے لکھا ہے۔

لم ینقل عن الأئمة الأربعة أیضًا، فتحرز من هذا أنه بدعة حسنة عند قصد جمع العزیمة، وقد استفاض ظهور العمل بذلک فی کثیر من الأعصار فی عامة الأمصار". (البحر الرائق: ۲٦٧٨/۱)(۱)

متن تنویر میں ہے:

"والتلفظ بها مستحب، وقیل: سنة. (۲)

درمختار میں قول مستحب کے متعلق لکھا ہے:

"هو المختار". (۳)

تیسرا قول: "قیل: بدعة" کا ہے، اس پر شامی نے حلیہ سے نقل کیا ہے:

" لعل الأشبه أنه بدعة حسنة عند قصد جمع العزیمة؛ لأن الإنسان قد تغلب علیه تفرق خاطره". (ردالمحتار: ۳۸٦/۱)(۴) **فقط واللّٰه أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۵/٦/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۰۸-۵۱۰)

---

(۱)　البحر الرائق، کتاب الصلٰوة، باب شروط الصلاة: ۴۸۴/۱، رشیدیة

(۲-۳)　تنویر الأبصار متن الدر المختار علٰی صدر رد المحتار، کتاب الصلٰوة، باب شروط الصلاة: ۴۱۵/۱، سعید

(۴)　رد المحتار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۴۱٦/۱، سعید

دل کی نیت معتبر ہے یا زبان کا تلفظ:

سوال: نماز پڑھنے سے پہلے نیت کچھ اور تھی اور عین نماز سے پہلے زبان سے کچھ اور نکل جائے تو کس نیت کا اعتبار ہوگا؟ (محمد واصل، مرادنگر)

الجواب ـــــــــــــــ

نیت کا تعلق اصل میں دل سے ہے نہ کہ زبان سے، زبان سے محض اس لئے نیت کے الفاظ دہرانے کی اجازت دی گئی ہے کہ استحضار قلبی میں اضافہ ہوجائے۔ لہذا اگر دل میں کسی اور نماز کی نیت تھی اور زبان سے کچھ اور نکل گیا ہو تو دل کی نیت کا ہی اعتبار رہوگا اور اس کے مطابق اس کی نماز ادا ہوجائے گی۔

"(والمعتبر فيها عمل القلب...)فلا عبرة للذكر باللسان إن خالف القلب". (١)(کتاب الفتاویٰ:٢/١٦١)

کیا زبان سے نیت بدعت ہے:

سوال: آیا تلفظ بہ نیت نماز بدعت است؟ وبسم اللہ درمیان فاتحہ وسورہ خواندن ممنوع است؟ بیان فرمایند۔(٢)

الجواب ـــــــــــــــ

تلفظ بہ نیت نماز بدعت نیست، (٣) وبسم اللہ مابین فاتحہ وسورہ ممنوع نیست۔(٤) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:٢/١٤٧) ☆

(١) الدرالمختار على صدر رد المحتار:٢/٥١، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، بحث النية.

(٢) ترجمہ سوال: کیا نماز کی نیت زبان سے کرنا بدعت ہے؟ اور سورۂ فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا ممنوع ہے؟ واضح فرماویں۔ انیس

(٣) (والتلفظ)عند الإرادة (بها مستحب)هو المختار ... (وقيل سنة) يعنى أحبه السلف أوسنّه علماء نا إذ لم ينقل عن المصطفىٰ. صلى الله عليه وسلم. ولا الصحابة ولا التابعين، بل قيل بدعة. (الدرالمختار)

(قوله بل قيل بدعة): نقله فى الفتح، وقال فى الحلية: ولعل الأشبه أنه بدعة حسنة عند قصد جمع العزيمة. (رد المحتار، باب شروط الصلاة، بحث النية: ١/٣٨٦، ظفير)

(٤) (و)...(سمّى)... (سرًا فى)أول(كل ركعة)ولو جهريةً (لا)تسن(بين الفاتحة والسورة مطلقاً) ولو سريةً، ولاتكره اتفاقاً. (الدرالمختارعلىٰ صدر ردالمحتار، فصل فى تأليف الصلاة، مطلب لفظة الفتوىٰ آكد: ١/٤٥٧، ظفير)

ترجمہ جواب: زبان سے نماز کی نیت کرنا بدعت نہیں ہے اور سورۂ فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا منع نہیں ہے۔ انیس

☆ **زبان سے نیت کیا بدعت ہے:**

سوال: زید کہتا ہے کہ زبان سے نیت نماز کرنا بدعت ہے، عمر کہتا ہے کہ سنت ہے۔

الجواب ـــــــــــــــ

اصل نیت دل سے ہے، اور زبان سے کہنے کو بھی فقہاء کرام نے مستحب لکھا ہے۔ درمختار میں ہے:"(والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة) ... (والتلفظ)...(بها مستحب) هو المختار. (الدرالمختارعلىٰ صدررد المحتار، باب شروط الصلاة، بحث النية: ١/٣٨٥، ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم:٢/١٤٨-١٤٩)

زبان سے نیت کو لازم قرار دینا بدعت ہے:

سوال: ہمارے دیار میں یہ عام رواج ہے کہ نماز جنازہ اور عیدین کی نماز شروع ہونے سے قبل ایک آدمی زور زور سے ان کی نیتیں فارسی زبان میں کہتا جاتا ہے اور لوگ اس سے تلقین یا تعلیم پاتے ہوئے آہستہ آہستہ وہی الفاظ کہتے ہیں اور اسی نیت سے اپنی نماز شروع کرتے ہیں، اس کی وجہ سے تقریباً اکثر عوام ان کی نیات خود نہیں کرتے ہیں، کہ وقت پر وہ بتایا جائیگا، اگر کوئی امام اس طرح سے نیت کو بآواز بلند نہ کہے اور اس تلقین سے منع کرے تو اس کو مطعون وجاہل کہا جاتا ہے، حتی کہ کہا جاتا ہے کہ جنازہ کی نماز اس نے پڑھائی ہی نہیں، ایسی صورت میں اس رواج یا فتنۂ عمل کے متعلق کیا کہا جاوے؟ اور شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ یہ مسئلہ ہمارے دیار میں بہت ہی رواج پا چکا ہے، اسی پر جنازہ کی نماز کی صحت کو موقوف سمجھا جاتا ہے، اگر یہ مسئلہ احسن الفتاویٰ میں آجائے تو مناسب ہے۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

قلب کی نیت بالاتفاق کافی ہے اور اگر زبان سے بھی نیت کرنا چاہے تو اتنے مختصر الفاظ کافی ہیں کہ: ''نماز جنازہ یا نماز عید امام کے ساتھ پڑھتا ہوں'' لمبی چوڑی نیت جو مشہور ہے؛ اس کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی ثبوت ہے۔(۱) لہٰذا آپ کے ہاں مروّج طریقہ کو ضروری سمجھنا اور صحت نماز کو اس پر موقوف قرار دینا بلاشبہ بدعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳/ جمادی الآخرہ ۱۳۹۸ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۱۳-۱۴)

زبان سے نیت کے بارے میں حضرت مجددؒ کے قول کی تحقیق اور نیت الفاظ کے ذریعہ ادا کرنا:

سوال: بہشتی زیور حصہ دوم صفحہ ۱۰۸ فصل نماز کی شرطوں کے بیان میں مسئلہ ذیل درج ہے:

مسئلہ: اگر زبان سے نیت کہنا چاہے تو اتنا کہنا کافی ہے کہ! نیت کرتی ہوں میں آج کے ظہر کے فرض کی اللہ

(۱) (والشرط أن يعلم بقلبه أى صلاة يصلى،أما الذكر باللسان فلا معتبر به ويحسن ذلك لاجتماع عزيمته) وإنما أراد الشرط فى اعتبارها علمه أى الصلاة هى أى التمييز فحاصل كلامه النية الإرادة للفعل وشرطها التعيين فى الفرائض (قوله ويحسن ذلك،الخ) قال بعض الحفاظ:لم يثبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بطريق صحيح ولاضعيف أنه كان يقول عند الافتتاح أصلى كذا ولا عن أحد من الصحابة والتابعين بل المنقول أنه كان صلى الله عليه وسلم إذا قام كبر،وهذه بدعة،آه.

وقد يفهم من قول المصنف لاجتماع عزيمته أنه لايحسن لغيرهذا القصد وهذا لأن الإنسان قد يغلب عليه تفرق خاطره فإذا ذكره بلسانه كان عوناً على جمعه ثم رأيته فى التجنيس قال:والنية بالقلب لأنه علمه،والتكلم لا معتبر به ومن اختاره اختاره لتجتمع عزيمته.(فتح القدير،باب شروط الصلاة التى تتقدمها: ٢٦٧/١.انيس)

أکبر ،الخ. اس سے معلوم ہوا کہ زبان سے اگر نیت کرے تو کچھ حرج نہیں ہے؛ مگر مکتوبات مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ میں تحریر ہے۔ جلد اول مکتوب صد و ہشتاد و ششم نقل بلفظہ:

وہم چنیں است آنچہ علما در نیت نماز مستحسن داشتہ اند کہ باوجود ارادۂ قلب بزبان نیز باید گفت وحالانکہ ازاں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ثابت نشدہ است نہ بروایت صحیح ونہ بروایت ضعیف ونہ از اصحاب کرام وتابعین عظام کہ بزبان نیت کردہ باشند بلکہ چوں اقامت می گفتند تکبیر تحریمہ می فرمودند پس نیت بزبان بدعت باشد وایں بدعت را حسنہ گفتہ اند وایں فقیر می داند کہ ایں چہ جائے رفع سنت کہ رفع فرض می نماید چہ در تجویز آن اکثر مردم بزبان اکتفا می نمایند واز غفلت قلبی باک ندارند پس دریں ضمن فرض از فرائض نماز کہ نیت قلبی باشد متروک می گردد وبفساد نماز می رساند۔ وجہ تطبیق ارقام فرمائی جاوے؟

ترجمہ عبارتِ فارسی: اور ایسا ہی ہے یہ مسئلہ جو علماء کرام نماز کی نیت میں اچھا سمجھتے ہیں کہ دل کے ارادے کے باجود جو زبان سے بھی کہنا چاہیے؟ حالانکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے نہ کسی صحیح روایت سے اور نہ ہی کسی ضعیف روایت سے اور نہ صحابہ کرام اور تابعین عظام سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے زبان سے نیت کی ہو، بلکہ جب اقامت کہتے تھے تکبیر تحریمہ کر لیتے تھے، لہذا زبان سے نیت بدعت ہے اور اس بدعت کو بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ اور یہ فقیر (مجدد الف ثانیؒ) خیال کرتا ہے کہ یہ صورت رفعِ سنت کے علاوہ ختم فرض کا ذریعہ ہو رہی ہے، کیونکہ اس کے جواز کی صورت میں اکثر لوگ صرف زبان ہی پر اکتفا کریں گے اور دلی غفلت سے خوف نہ کریں گے (یعنی دل میں نیت کا خیال نہ رکھ سکیں گے)، چنانچہ اس ضمن میں فرائض نماز میں سے ایک فرض جو دل کی نیت ہے؛ متروک ہوگی؛ جو نماز کے فساد کی وجہ بنی گی۔

الجواب

یہ حضرت مجددؒ کی خاص رائے ہے، چنانچہ جملہ ''ایں فقیر می داند'' اس میں صریح ہے؛ دوسرے سب کے لئے منع فرماتے بھی نہیں؛ بلکہ خاص ان کے لئے جو اس پر کفایت کر کے قلب سے بالکل ارادہ ہی نہیں کرتے۔ چنانچہ اخیر کی عبارت اس میں صریح ہے پس ''قول فقہا'' و ''قولِ مجدد صاحب'' میں کوئی تعارض نہ رہا۔(۱)

۱۱ رشعبان المعظم ۱۳۳۲ھ۔ (تتمہ ثالثہ، صفحہ:٦١) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱۹۴-۱۹۵)

(۱) یعنی درحقیقت نیت ''ارادۂ قلب'' کا نام ہے جس پر نماز کی صحت موقوف ہے؛ جیسا کہ حضرت مجددؒ نے لکھا ہے؛ لیکن اگر نیت قلبی کے ساتھ ساتھ زبان سے بھی نیت کے الفاظ کہہ لے تو فقہا نے اس کو مستحب کہا ہے۔ لہٰذا کوئی تعارض نہ رہا۔ البتہ اگر صرف زبان سے نیت کہہ لئے اور دل میں کوئی نیت اور ارادہ نہیں ہے تو یہ زبانی نیت کافی نہیں ہے اور اس شخص کی نماز نہ ہوگی۔ سعید احمد

نیت کے الفاظ دل کو متوجہ کرنے کے لیے زبان سے ادا کئے جاتے ہیں:

سوال: کیا زبان سے نماز کی نیت کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟

الجواب

زبان سے نماز کی نیت کے الفاظ کا کہنا نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور نہ ائمہ متقدمین سے، اس لیے اصل نیت دل ہی کی ہے، (۱) مگر لوگوں پر وساوس وخیالات اور افکار کا غلبہ رہتا ہے، جس کی وجہ سے نیت کے وقت دل متوجہ نہیں ہوتا، دل کو متوجہ کرنے کے لیے متاخرین نے فتویٰ دیا ہے کہ نیت کے الفاظ زبان سے بھی ادا کرلینا بہتر ہے، تاکہ زبان کے ساتھ کہنے سے دل بھی متوجہ ہو جائے۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۴۰)

نماز کی نیت عربی میں ضروری ہے یا نہیں:

سوال: نماز کی نیت عربی زبان میں کرنا ضروری ہے یا اردو فارسی وغیرہ میں بھی کرسکتا ہے؟

الجواب

نیت دل کے ارادہ کو کہتے ہیں، زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں، اگر کہے بہتر ہے، (۳) اور زبان سے کسی زبان میں اردو فارسی وغیرہ میں کہہ لیوے تو کچھ حرج نہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۱۴۹) ☆

(۱) والحق أنهم إنما ذكروا العلم بالقلب لإفادة أن النية إنّما هى عمل القلب وأنه لايعتبر باللسان، الخ. (البحر الرائق: ۱/۲۹۲، باب شروط الصلاة)

(۲) ونقل عن بعضهم أن السنّة الاقتصار علىٰ نية القلب، فإن عبرعنه بلسانه جاز ونقل فى شرح المنية عن بعضهم الكراهة، الخ. (البحر الرائق: ۱/۲۹۳، باب شروط الصلاة)

وفى الأصل: النيّة أن يقصد بقلبه فإن قصد بقلبه وذكر بلسانه فهوأفضل عندنا. (خلاصة الفتاویٰ: ۱/۷۹)

(۳) النية إرادة الدخول فى الصلاة و الشرط أن يعلم بقلبه أىّ صلاة يصلى الخ ولاعبرة للذكرباللسان فإن فعله لتجتمع عزيمة قلبه فهوحسن، كذا فى الكافى. (الفتاویٰ الهندية، الباب الثالث، الفصل الرابع: ۱/٦۱، ظفير)

☆ **نیت عربی میں یا اردو میں:**

سوال: ایک عالم دین نے کہا کہ نماز کی نیت عربی میں باندھنا چاہئے، اردو میں نیت نماز باندھنا بدعت ہے؟
(محمد عبدالواحد)

الجواب

نیت دل کے ارادہ کا نام ہے، نہ کہ زبان کے بول کا، زبان سے جو الفاظ کہے جاتے ہیں، وہ تو محض نیت کو نقل کرنا ہے، اور اس سے ذہنی استحضار مقصود ہے، اس لئے اول تو عربی یا اردو میں نیت کے الفاظ کہنا واجب یا مستحب نہیں، دوسرے چونکہ یہ کلمات نماز شروع کرنے سے پہلے کہے جاتے ہیں، اس لئے اس کو اردو میں بھی کہا جاسکتا ہے، اور عربی میں بھی۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۶۱)

اردو زبان میں نیت:

سوال: یہاں پالونپچہ جامع مسجد میں ایک عالم صاحب نے جمعہ کی تقریر کے دوران کہا کہ عربی زبان کی بجائے اردو زبان میں نماز کی نیت کرنا بدعت ہے، نیت تو عربی ہی میں ہونی چاہئے۔ (محمد بشیر، پالونپچہ)

الجواب

نیت دل کے ارادے کا نام ہے، نہ کہ زبان کے بول کا، زبان سے جو کچھ ہم کہتے ہیں؛ وہ اصل میں نیت نہیں، بلکہ نیت کی نقل ہے، نیت نماز سے پہلے کا فعل ہے نہ کہ نماز کے اندر کا، (١) نماز کے اندر جواذ کار ہیں؛ انہیں عربی ہی میں کہنا چاہئے، نماز کے شروع ہونے سے پہلے جواذ کار کہے جاتے ہیں، ان کو عربی زبان میں کہنا ضروری نہیں، اردو میں بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے اردو اور عربی میں نیت کرنے کے درمیان کوئی فرق نہیں، نہ اردو میں نیت کرنا بدعت ہے اور نہ عربی میں نیت کرنا سنت ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۱۶۲/۲) ☆

نماز کی نیت کا طریقہ:

سوال: سنت مؤکدہ کی نیت ایک شخص اس طرح کرتا ہے کہ نیت کرتا ہوں میں دو رکعت نماز سنت، رسول اللہ کے واسطے، دوسرا کہتا ہے اللہ کے واسطے، دونوں میں کون صحیح ہے؟

(١) النية إرادة الدخول في الصلاة والشرط أن يعلم بقلبه أيّ صلاة يصلي ... ولا عبرة للذكر باللسان فإن فعله لتجتمع عزيمة قلبه فهو حسن، كذا في الكافي. (الفتاویٰ الهندية: ٦٥/١)

وقيل نسخت أن يتكلم بلسانه لما ينوي بقلبه، والمختار أنه يستحب. (قنية المنية لتتميم الغنية، باب النية والدخول في الصلاة: ١٣، مطبع كلكتة. انيس)

(الخامس) أي الشرط الخامس (النية وهي إرادة الصلاة بقلبه) وهي أن يعلم أي صلاة يصلي وأدناه مالو سئل لأمكنه أن يجيب على البديهة وإن لم يقدر على لايجيب إلا بتأمل، لم تجز صلاته وهذا هو الأصل ولاعبرة للذكر باللسان لأنه كلام لا نية فإن فعله لتجتمع عزيمته فهو حسن. (منحة السلوك شرح تحفة الملوك، فصل في شروط الصلاة: ١٢١/١. انيس)

☆ نیت نماز کے الفاظ خواہ کسی زبان میں کہے، جائز ہے:

سوال: ہمارے گاؤں کے لوگ نیت نماز ایسے کرتے ہیں ’’چار رکعت نماز ظہر، فرض اس امام کے پیچھے منہ کعبہ شریف‘‘ یہ کہہ کر نماز شروع کر دیتے ہیں، یہ نیت نماز درست ہے یا صرف عربی میں جو الفاظ ہیں ان کا کہنا ہی جائز ہے؟

الجواب

نیت دل سے ہوتی ہے، یعنی دل میں یہ دھیان جما لینا کہ فلاں وقت کی نماز پڑھ رہا ہوں، زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں، تاہم اگر زبان سے کہہ لے خواہ کسی زبان سے کہے، جائز ہے۔ (حوالہ بالا نمبر:١) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۴۲/۳)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ہر عبادت اللہ کے لئے ہوتی ہے، غیر اللہ کی عبادت مشرکانہ فعل ہے، اس شخص کو فرض، واجب، سنت، نفل ہر نماز کی نیت اللہ کے لئے کرنی چاہئے، سنت نماز میں نیت اس طرح کرے کہ نیت کرتا ہوں چار رکعت سنت کی اللہ کے واسطے۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔ ۱/۷/۳۷۳۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۱۲۳-۱۲۴)

نماز کی نیت میں سنت رسول کہنا ضروری ہے یا نہیں:

سوال: ہم لوگوں کے یہاں نیت کے بارے میں کچھ اختلاف چل رہا ہے وہ یہ کہ لوگ اس طرح نیت کرتے ہیں کہ: ''نیت کرتا ہوں واسطے نماز فرض، فرض پڑھتا ہوں واسطے اللہ کے چار رکعت اللہ اکبر''، اور سنت کی بھی اسی طرح کرتے ہیں اور ''منہ میرا کعبہ شریف کی طرف اللہ اکبر''، میں نے ان سے اس طرح کہہ دیا کہ نیت صرف اس طرح کیا کرو کہ ''نیت کرتا ہوں اس نماز کی واسطے اللہ کے چار رکعت نماز فرض، جو وقت ہو، اس کا نام بھی لیوے'' تو اس پر سوال یہ ہوا کہ سنت رسول کو اس بات پر بھول ہوا کہ ہم رسول کا نام چھوڑ رہے ہیں اور اس بارے میں اب حدیث مانگتے ہیں۔ حاصل یہ کہ سنت رسول کہنا ضروری ہے یا نہیں؟ طریقۂ رسول کہنا ضروری ہے؟ اگر دونوں نہ کہے تو نماز ہو جائے گی، سنت میں سنت رسول کہتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے اور چار اماموں کے نزدیک کوئی اختلاف ہے یا نہیں؟ اس کا جواب حدیث سے چاہتے ہیں، کیوں کہ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے کبھی عالم نہیں تھے اب نئے طریقے نکل رہے ہیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جس طرح وہ لوگ نیت کرتے ہیں اس طرح بھی درست ہے اور جس طرح آپ نے نیت بتائی ہے وہ بھی ٹھیک

---

(۱) ﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴾ (سورة الأنعام: ١٦٣)

(وذكر المتأخرون أن التراويح وسائر السنن تتأدى بمطلق النية وهو اختيار صاحب الهداية ومن تابعه، قال الشيخ كمال الدين بن همام: وتحقيق الوجه فيه أن معنى السنية كون النافلة مواظباً عليها من النبي صلى الله عليه وسلم بعد الفريضة المعينة وقبلها فإذا وقع المصلى النافلة فى ذلك المحل صدق عليه أنه فعل النفل المسمىٰ سنة، فالحاصل أن نفس السنة تحصل بنفس الفعل على الوجه الذى فعله عليه السلام وهو إنما كان يفعل على ماسمعت فإنه عليه السلام لم يكن ينوى السنة بل الصلاة للّٰه تعالىٰ فعلم أن وصف السنة ثبت بعد فعله على ذلك الوجه تسمية منا لفعله المخصوص لا أنه وصف يتوقف حصوله على نية، انتهىٰ، وهذا فى السنة الثابتة بفعله وكذا فى السنة الثابتة بقوله كقوله عليه السلام ما من عبد مسلم يصلى للّٰه تعالىٰ فى كل يوم ثنتى عشرة ركعة من غير الفريضة إلا بنى اللّٰه له بيتاً فى الجنة ونحوه من الأحاديث، الخ. (الحلبى الكبير شرح منية المصلى، شروط الصلاة، الشرط السادس النية: ٢٤٨. انيس)

ہے۔ ناواقف لوگوں سے اس قسم کے مسائل میں نہیں الجھنا چاہئے، اتنا خیال رہے کہ جو جماعت کے ساتھ نماز ہوتو مقتدی کو یہ بھی نیت کرنی چاہئے کہ پیچھے اس امام کے، اور نیت اصل میں دل سے ہوتی ہے، اگر زبان سے کچھ بھی نہ کہا اور صرف دل میں ارادہ کر کے اللہ اکبر کہہ دیا تب بھی درست ہے۔ (۱) سنت نام حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کا ہے، جب سنت کہا تو گویا طریقہ بھی کہہ دیا۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۰۵-۵۰۶)

مروجہ طریق پر نیت کرنے کا حکم:

سوال: تکبیر تحریمہ سے قبل نماز کی نیت باندھنا، بایں الفاظ کہ دو رکعت یا چار رکعت فرض وقتِ ظہر یا عصر وغیرہ پیچھے اس امام کے اللہ اکبر، کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح نیت باندھنے کا صحابہ کرام کو حکم دیا ہے اور کیا صحابۂ کرام علیہم الرضوان، حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے پیچھے اس طرح نیت باندھا کرتے تھے؟

الجواب

دل سے نیت کرنا فرض ہے، زبان سے مروجہ طریق کے مطابق نیت کرنا نہ فرض ہے اور نہ ہی واجب، البتہ متأخرین نے دونوں کو حاضر کرنے اور جمع کرنے کی بنا پر مستحب قرار دیا ہے۔ (۳) لہٰذا اس مسئلہ میں بحث ومنازعت غیر مناسب ہے، جو زبان سے نیت کرے اس پر بھی نکیر نہ کی جائے اور جو دل سے نیت کرے وہ بھی سنت کا عامل ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۸/۴/۱۳۸۴ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۴۲-۲۴۳)

(۱) "(النية)...(وهى الإرادة) ... (لا)مطلق (العلم)...(والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة)... (وهو)... (أن يعلم) ... (بداهة)...(أىّ صلاة يصلى)...(و التلفظ)...(بها مستحب)...(وكفى مطلق نية الصلاة)...(لنفل وسنة)...(وتراويح)على المعتمد،إذ تعيينها بوقوعها وقت الشروع،والتعيين أحوط...(وينوى)المتقدى (المتابعة)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة: ١/ ٤١٤-٤٢٠،سعيد)

(۲) "الطريقة المسلوكة فى الدين من غير لزوم علىٰ سبيل المواظبة،وهى المؤكدة إن كان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم تركها أحيانا". (مراقى الفلاح،كتاب الطهارة،فصل فى سنن الوضوء: ٦٤، قديمى)

"السنة تطلق علىٰ قول الرسول وفعله وسكوته". (نورالأنوار،باب أقسام السنة: ١٧٥،سعيد)

(۳) درمختار شروط صلاۃ میں ہے: (و)الخامس(النيّة).إلىٰ قوله.(والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة)فلا عبرة للذكر باللسان إن خالف القلب؛ لأنه كلام لا نية إلا إذا عجز عن إحضاره لهموم أصابته فيكفيه اللسان.مجتبىٰ. (وهو)أى عمل القلب(أن يعلم)عند الإرادة(بداهة)بلا تأمل(أىّ صلاة يصلى)فلو لم يعلم إلا بتأمل لم يجز (واللفظ)عند الإرادة (بها مستحب) هو المختار، وتكون بلفظ الماضى ولو فارسيًا؛ لأنه الأغلب فى الإنشاء ات ، وتصح بالحال.قهستانى.(وقيل سنة)يعنى أحبه السلف أو سنه علماء نا إذ لم ينقل عن المصطفىٰ ولا الصحابة ولا التابعين،بل قيل بدعة.(الدرالمختار علىٰ صدر رد المحتار: ١/٣٠٥)　==

نمازاورروزہ کی نیت:

سوال: کیاروزہ اورنماز کی نیت کرنا ضروری ہے اوراگر بھول جائے توکس وقت تک نیت کی جاسکتی ہے؟
(محمد واصل، مرادنگر)

الجواب

اللہ تعالیٰ نے اخلاص کے ساتھ عبادت کا حکم دیا ہے۔

﴿وَمَا اُمِرُوۡا اِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ﴾ (١)

اوربغیر نیت کے اخلاص حاصل ہی نہیں ہوسکتا۔

”والإخلاص لايحصل بدون النية“. (٢)

اس لئے نہ صرف نماز وروزہ بلکہ تمام عبادات میں نیت شرط ہے، نماز کی نیت تکبیر تحریمہ سے پہلے پہلے کرلینا ضروری ہے، روزہ کے سلسلہ میں تفصیل ہے کہ اگر نذر یا قضا کا روزہ ہوتو اس کی نیت صبح صادق سے پہلے پہلے واجب ہے، لیکن رمضان المبارک کا روزہ اورنفل روزہ میں سورج ڈھلنے سے پہلے تک روزہ کی نیت کی جاسکتی ہے۔

”وإنما تجوز النية قبل الزوال إذا لم يوجد قبل ذلک بعد طلوع الفجر ما ينافی الصوم“. (٣)

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفل اورفرض روزہ کی نیت کرنا صبح میں بھی ثابت ہے۔(۴) (کتاب الفتاویٰ:۳/۱۱۶-۱۱۷)

== (قوله بل قيل بدعة) نقله فى الفتح، وقال فى الحلية: ولعل الأشبه أنه بدعة حسنة عند قصد جمع العزيمة؛ لأن الإنسان قد يغلب عليه تفرق خاطره، وقد استفاض ظهور العمل به فى كثير من الأعصار فى عامة الأمصار فلا جرم أنه ذهب فى المبسوط والهداية والكافى إلىٰ أنه إن فعله ليجمع عزيمة قلبه فحسن، فيندفع ماقيل إنه يكره. (ردالمحتار، باب شروط الصلاة، بحث النية: ١/٣٠٦) فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ، مرتب خیر الفتاویٰ)

(١) سورة البينة: ٥۔

(٢) بدائع الصنائع، فصل فى شرائط أركان الصلاة: ١/٣٢٩۔

(٣) الفتاوى الهندية، الباب الأول فى تفسيره وتقسيمه وسببه ووقته: ١/١٩٦۔

(۴) نفل روزہ میں سورج ڈھلنے سے پہلے نیت کی اجازت صحیح مسلم، حدیث نمبر:۱۱۵۴، باب جواز صوم نافلة بنيته من النهار قبل الزوال، الخ / سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۲۴۵۵، باب في الرخصة في ذلک، كتاب الصوم، اسی طرح الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۷۳۳، سے معلوم ہوتی ہے۔

جب کہ فرض روزوں کے لیے اس کی اجازت، صحیح مسلم، حدیث نمبر:۱۱۳۵، باب من أكل في عاشوراء فكيف بقية يومه، اور صحيح البخاري، حدیث نمبر:۲۰۰۷، باب: صيام يوم عاشوراء، میں مذکور ہے۔ محشی

امام کی اجازت مقتدی کیلئے شرط نہیں:

سوال: زید امام مسجد ہے، بکر سے کہتا ہے کہ تم ہمارے پیچھے نماز نہ پڑھنا، آیا بکر زید کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ یا جب زید حکم دیوے اس وقت پڑھ سکتا ہے؟

الجواب

زید کے پیچھے بکر نماز پڑھ سکتا ہے اور نماز صحیح ہے، زید کی اجازت اور حکم کی ضرورت نہیں ہے، بکر ہر حال میں اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے اور زید کا یہ کہنا بیجا اور خلاف شریعت تھا۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۴۸)

نیتِ امامت:

سوال: اگر امام نیتِ اقتدا یعنی نماز مقتدیوں کی نہ کرے، تو نماز ہوگی یا نہیں، اور کس کی نیت کرنا اس پر چاہئے؟

الجواب

اگر امامت کی نیت نہ کرے گا تو امامت کا ثواب نہ ملے گا پس حصولِ ثواب امامت کے لئے تو امامت کی نیت ضروری ہے۔ رہا صحتِ صلوٰۃ مقتدی کے لئے پس اگر مقتدی مرد ہے تو ضروری نہیں اور اگر عورت ہو تو اگر وہ کسی مرد کے محاذی ہے تب اس کی صحتِ نماز کے لئے نیتِ امامت ضروری ہے اور اگر محاذی نہیں تو اس میں اختلاف ہے اور جنازہ میں بالاجماع اور جمعہ اور عیدین میں بنا بر قولِ صحیح نیت اس کے اقتدا کی(۲) شرط نہیں۔

(والإمام ينوى صلاته فقط)و (لا)يشترط لصحة الاقتداء نية (إمامة المقتدى)بل لنيل الثواب ... (لو أم رجالاً)...(وإن أم نساءً،فإن اقتدت به)المرأة(محاذية لرجل فى غير صلاة جنازة، فلابد)لصحة صلاتها(من نية إمامتها)...(وإن لم تقتد محاذية اختلف فيه)فقيل يشترط وقيل لا كجنازة إجماعًا،وكجمعة وعيد على الأصح. خلاصة وأشباه. (الدرالمختار)(۳) **والله أعلم**

(امداد:۱/۱۰۲)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۲۰۱-۲۰۲)

مقتدی عورت کیلئے کیا امامت کی نیت ضروری ہے:

سوال: ایک عورت جماعت میں شریک ہوکر نماز پڑھے، تو امام کو نیت امامت عورت ضروری ہے یا نہیں؟

(۱) (والإمام ينوى صلاته فقط) و (لا)يشترط لصحة الاقتداء نية (إمامة المقتدى).(الدرالمختارعلیٰ صدر رد المحتار،باب شروط الصلاة،بحث النية،قبل مطلب إذا اجتمعت الإشارة والتسمية: ١/٣٩٤،ظفير)

(۲) یعنی! عورت کے اقتدا کی۔ سعید احمد

(۳) الدرالمختارعلیٰ صدر رد المحتار،باب شروط الصلاة،بحث النية: ١/٤٢٤ـ٤٢٥،انيس

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر محاذی مرد کے نہ کھڑی ہو تو امام کو اس کی امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔(۱)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۴۹/۲)

امام کی اقتدا کی نیت ضروری ہے:

سوال: مقتدیوں کے لیے امام کی نیت کرنا کیسا ہے؟ بغیر امام کی نیت کے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر کوئی شخص کسی امام کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا ہے، تو اس کے لیے بوقتِ نیت یہ ضروری ہے کہ امام کی متابعت و اقتدا کی نیت کرے۔

(وينوي)المقتدي(المتابعة)،الخ.(الدرالمختار،باب شروط الصلاة: ۳۰۹/۱)فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم

(محمود الفتاویٰ:۲۰۱/۴)

نماز باجماعت میں اقتدا و امامت کی نیت دل میں کافی ہے:

سوال: مقتدی حضرات باجماعت نماز میں یہ کہتے ہیں کہ پیچھے اس امام صاحب کے، لیکن امام صاحب جب مقتدیوں کے آگے مصلیٰ پر ہوتے ہیں، کیا ان کو بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ آگے ان مقتدیوں کے؟ اس بارے میں تفصیل سے بتائیں۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

زبان سے کہنے کی ضرورت تو مقتدیوں کو بھی نہیں، صرف یہ نیت کرنا کافی ہے کہ میں اکیلے نماز نہیں پڑھ رہا، امام کے ساتھ پڑھ رہا ہوں۔(۲) امام کو بھی یہ نیت کرنی چاہیے کہ میں اکیلا نماز نہیں پڑھ رہا، بلکہ لوگوں کو نماز پڑھا رہا ہوں۔(۳)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳۴۰/۳)

---

(۱) (وإن أمّ نساءً،فإن اقتدت به) المرأة (محاذيةً لرجل في غير صلاة جنازة، فلابد) لصحة صلاتها (من نية إمامتها)لئلايلزم الفساد بالمحاذاة بلا التزام (وإن لم تقتد محاذية اختلف فيه)فقيل يشترط وقيل لا. (الدر المختار علىٰ صدرردالمحتار،باب شروط الصلاة، بحث النية،قبيل مطلب إذا اجتمعت الإشارة والتسمية: ۳۹٤/۱،ظفير)

(۲) ومن اقتدىٰ بإمام ينوى صلاته ولم يدرأنها الظهر أو الجمعة أجزأه أيهما كان؛لأنه بنى صلاته على صلاة الإمام وذلك معلوم عند الإمام فالعلم في حق الأصل يغني عنه في حق التبع والبناء والأصل في حديث علي وأبي موسىٰ رضي اللّٰه عنهما فإنهما قدما من اليمن على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال:بم أهللتما فقالا:بإهلال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ،فجوزهما ذلك لهما،الخ.(المبسوط للسرخسي،كتاب الصلاة: ۲۰۷/۱.انيس)

(۳) یعنی بہتر ہے، البتہ مطلق نماز یا امامت کی نیت کافی ہے، علیحدہ علیحدہ نیت کی ضرورت نہیں ہے۔علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

وهل يحتاج إلى نية الإمامة؟أما نية إمامة الرجال فلايحتاج إليهاويصح اقتداؤهم به بدون نية إمامتهم.(بدائع الصنائع،فصل في شروط الصلاة: ۱۲۷/۱.انيس)

امام ومقتدی کی نیت میں فرق:

سوال: جو شخص امام ہو، اس کے لیے کیا نیت ہونی چاہئے، نیت مقتدی سے کیا فرق ہے؟ (محمد بشیر رنگونی)

الجواب ـــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

امام صرف اپنی نماز کی نیت کرے اور امامت کی نیت نہ کرے، تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی، البتہ تحصیل ثواب جماعت کے لیے امامت کی نیت بھی ضروری ہے، اور صورت استخلاف میں بلا نیت امامت، امامت درست نہیں اور مقتدی کو صحت اقتدا کے لیے متابعت بھی ضرور ہے۔

"والإمام ینوی صلاته فقط) و (لا) یشترط لصحة الاقتداء نیة (إمامة المقتدی)بل لنیل الثواب. (الدرالمختار)

قال الشامی: والحاصل ماقاله فی الأشباه من أنه لایصح الاقتداء إلا بنیته، وتصح الإمامة بدون نیتها... آه، لکن یستثنی من کان إمامته بطریق الاستخلاف، فإنه لایصیر إمامًا ما لم ینو الإمامة بالاتفاق". (ردالمحتار: ٤٤٠/١)(١) **واللّٰه سبحانه وتعالٰی أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۰۷۔۵۰۸)

زید کی اقتدا کی نیت کی، بعد کو معلوم ہوا کہ عمر ہے تو نماز ہوئی:

سوال: عالمگیری میں ہے: نیت اقتدا میں یہ ضروری نہیں کہ امام کون ہے، زید ہے، عمرو ہے۔ اگر یہ نیت کی کہ اس امام کے پیچھے اور اس کی نیت میں وہ زید ہے، بعد کو معلوم ہوا کہ وہ عمرو ہے تو اقتدا صحیح ہے اور اگر اس شخص کی نیت نہ کی بلکہ یہ کہا، زید کی اقتدا کرتا ہوں، بعد کو معلوم ہوا کہ عمرو ہے تو صحیح نہیں، (٢) عالمگیری کا یہ مسئلہ صحیح ہے یا غلط؟

(المستفتی: نظیر الدین امیر الدین، املیز ہ، ضلع مشرقی خاندیس)

الجوابـــــــــــــــــ

جب اس شخص کی اقتدا کی نیت کی جو نماز پڑھا رہا ہے تو نماز ہو جائے گی، خواہ مقتدی کو یہ علم ہو کہ وہ کون ہے یا نہ ہو،

---

(١) **الدرالمختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، بحث فی النیة، قبل مطلب إذا اجتمعت الإشارة والتسمیة: ٤٢٤/١، سعید)**

"(قوله: ناویاً الإمامة)قید به لما فی الدرایة: اتفقت الروایات علٰی أن الخلیفة لایکون إمامًا مالم ینو الإمامة، و مقتضاه أن لایکفی قیامه مقام الأول بدون النیة".(رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الاستخلاف: ٦٠٢/١، سعید)

(٢) **ولو نوی الاقتدیٰ بالإمام ولم یخطر بباله أنه زیدأوعمرو أویری أنه زید فإذا هو عمرو صح اقتداءه، کذا فی فتاویٰ قاضی خان.(الفتاویٰ الهندیة، الفصل الرابع فی النیة: ٦٧/١. انیس)**

یا اس کو وہ خود زید سمجھ رہا تھا، حالانکہ وہ عمرو تھا، ان سب صورتوں میں نماز ہو جاوے گی، لیکن اگر مقتدی نے امامت کرنے والے شخص کی اقتدا کی نیت نہ کی، بلکہ پہلے سے یہ نیت کی کہ زید کی اقتدا کرتا ہوں اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ عمرو تھا تو زید کی نیت کرنے والے کی نماز نہ ہوگی۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔ (کفایت المفتی: ۱۴۵/۳)

مقتدی نماز کی نیت کس طرح کرے:

سوال: یہاں مسجدوں میں نماز کے لئے لوگ اس طرح بھی نیت کرتے ہیں کہ جو نیت امام کی وہی نیت ہماری پیچھے اس امام کے اللہ اکبر، اس طرح سے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

اس طرح نیت کرنے سے نماز درست ہوجائے گی۔

(وإن نوى)أن يصلي(صلاة الإمام ولم ينو الاقتداء به لايجزيه)لشرطية نية الاقتداء في صحته ... قال صاحب الخلاصة وأستاذنا ظهير الدين يقول:ينبغي أن يزيد علىٰ هذا ويقول واقتديت به،انتهىٰ. (الكبيرى: ٢٥١-٢٥٢) اسی طرح یہ مسئلہ درمختار اور شامی (۳۹۱/۱) میں لکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری۔ ۲۰/۱۱/۱۴۰۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۵۱/۲-۴۵۲)

تعداد رکعات کی نیت کرنا:

سوال: نماز میں تعداد رکعات کی نیت کرنا شرط ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ

نہیں۔(۲) فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”ولايشترط نية عدد الركعات،هكذا في شرح الوقاية“.انتهىٰ(۲) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۰۲) ☆

---

(۱) ولو إقتدى بالإمام ولم يخطر بباله أ زيد هو أم عمرو وهو يظن أنه زيد فإذا هو عمرو جاز ولو نوىٰ الاقتداء بزيد فإذا هو عمرو لا يجوز؛لأنه نوى الاقتداء بالغائب.(تبيين الحقائق،باب شروط الصلاة: ١٠٠/١،انيس)

(۲) یعنی فرض نماز میں نماز کی تعیین کی نیت شرط ہے، تعداد رکعات کے تعیین کی نیت شرط نہیں ہے۔ انیس

(۲) الفتاوىٰ الهندية،الفصل الرابع في النية: ٦٦/١ ولـلـفرض شرط تعيينه لانية عدد ركعاته.(شرح الوقاية مع عمدة الرعاية،باب شروط الصلاة: ١٣٠، مطبع يوسفى لكهنو.انيس)

ونية عدد الركعات والسجدات ليست بشرط عندنا.(البناية شرح الهداية،تعريف النية: ١٤٢/١.انيس)==

نماز کی نیت میں استقبال قبلہ کی نیت کرنا ضروری نہیں:

سوال: کیا نماز کی نیت کرتے ہوئے ''منہ طرف کعبہ شریف کے'' کہنا ضروری ہے؟

الجواب

استقبال قبلہ ضروری ہے، استقبال قبلہ کی نیت ضروری نہیں اور زبان سے نیت کا تلفظ بھی ضروری نہیں۔
ونية القبلة ليست بشرط والتوجه إليها يغنيه عن النية هو الأصح،آه.(مراقی الفلاح)
(قوله:ونية القبلة ليست بشرط)لأنها من الوسائل وهى لاتحتاج إلىٰ نية كالوضوء فالشرط حصولها لا تحصيلها،آه.(حاشية الطحطاوى:١١٥،باب شروط الصلاة وأركانها)(١)فقط والله أعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان۔(خیر الفتاویٰ:٢٦٨/٢)

نماز میں نیت کرتے وقت بجائے عصر کے مغرب کی نیت کر لی، تو نماز ہو جائے گی یا نہیں:

سوال: نماز میں دل سے نیت کرتے وقت سہواً دل ہی میں بجائے وقت عصر کے وقت مغرب ذہن میں آ گیا اور تکبیر تحریمہ کہہ کر نیت باندھ لی، پھر معاً خیال آیا کہ میں نے غلطی کی، تو وہ نیت توڑ کر پھر سے نیت کرے، یا نماز پڑھ لے؟

الجواب

اس صورت میں نیت درست نہیں ہوئی، جب کہ نیت ہی میں غلطی ہے، پس دوبارہ صحیح نیت سے تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز شروع کرنا لازم ہے۔(٢)واللہ تعالیٰ اعلم
٨/محرم ١٣٢٦ھ۔(امداد الاحکام:٩٥/٢)

☆ نیت کے لیے نماز کا تعین کر لینا کافی ہے، رکعتیں گننا ضروری نہیں:

سوال: ہر نماز کو پڑھنے سے پہلے جتنی رکعتیں ہم پڑھ رہے ہیں، ان کی تعداد اور نماز کی نیت کے الفاظ ادا کرنا ضروری ہیں، یا صرف دل میں نیت کر لینا کافی ہے؟

الجواب

نیت تو دل ہی سے ہوتی ہے، اگر دل کی نیت کا استحضار کرنے کے لیے زبان سے بھی کہہ لے کہ فلاں نماز پڑھتا ہوں تو جائز ہے، رکعتوں کی تعداد گننے کی ضرورت نہیں۔**((وللفرض شرط تعيينه كالعصر مثلاً)لأن الفروض متزاحمة فلابد من تعيين ما يريد أداءه حتى تبرأ ذمته ولأن فرضاًمن الفروض لا يتأدىٰ بنية فرض آخرفوجب التعيين ويكفيه أن ينوى ظهرالوقت مثلاً أوفرض الوقت والوقت باقٍ لوجود التعيين.(تبيين الحقائق،باب شروط الصلاة:٩٩/١.انيس)**
(آپ کے مسائل اور ان کا حل:٣٤١/٣)

(١) **كذا فى البدائع،فصل فى شرائط أركان الصلاة:١١٨/١/وكذا فى العناية شرح الهداية،باب شروط الصلاةالتى تتقدمها:٢٧٠/١.انيس**
(٢) حوالہ بالا:''**وللفرض شرط،الخ.(تبيين الحقائق،باب شروط الصلاة:٩٩/١.انيس)**

نیت میں غلطی کا حکم:

سوال: اگر نماز کی نیت کرتے وقت ظہر کی بجائے عصر یا عشاوغیرہ کا لفظ زبان سے نکل گیا، یا چار رکعت کی بجائے دو رکعت کہہ گیا اور قصر کی نیت کرنی تھی، لیکن پوری نماز (چار رکعات) کے الفاظ زبان سے نکل گئے، یا چار رکعات کی بجائے قصر کی نیت کرلی، اب اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ دل میں صحیح وقت، تعداد رکعات اور قصر یا پوری نماز کی نیت تھی، صرف زبان سے الفاظ ان کے خلاف نکل گئے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ زبان سے بھی یہی الفاظ نکلے اور دل میں بھی یہی خیال اور نیت تھی، تو کیا ایسی صورت میں نماز شروع کرنے کے بعد نیت کی تصحیح کرسکتے ہیں یا نیت توڑ کر دوبارہ صحیح نیت کی جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

نیت صرف ارادہ سے ہوجاتی ہے، زبان سے الفاظ کہنے کی ضرورت نہیں، بلکہ زبان سے قلبی نیت کے خلاف بھی ہوجائے تو بھی نماز ہوجائے گی، نیت قلب کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی کے سوال کرنے پر فوراً بتا سکے کہ کیا پڑھنا چاہتا ہے، قلبی نیت میں بھی نفل، سنت اور تراویح میں کسی قسم کی تعیین کی ضرورت نہیں، مطلق نماز کی نیت کافی ہے، البتہ فرض اور واجب میں صرف اتنی تعیین ضروری ہے کہ ظہر کے فرض ہیں یا عصر کے اور واجب میں یہ کہ وتر ہیں یا نذر، ان میں بھی دن اور تعداد رکعات کی نیت ضروری نہیں، بلکہ اس میں قلبی نیت کی غلطی بھی مضر نہیں۔

قال في الدر: (والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة) فلا عبرة للذكر باللسان إن خالف القلب لأنه كلام لا نيّة إلاَّ إذا عجز عن إحضاره لهموم أصابته فيكفيه اللسان. مجتبى. (وهو) أى عمل القلب (أن يعلم) عند الإرادة (بداهةً) بلا تأمل (أىّ صلاة يصلّى) فلو لم يعلم إلاَّ بتأمل لم يجز.

وفى الشامية: (قوله إن خالف القلب) فلو قصد الظهر وتلفّظ بالعصر سهوًا أجزأه كما فى الزاهدى. قهستانى، آهـ.

(قوله أن يعلم عند الإرادة، الخ) قال الزيلعي: وأدناه أن يصير بحيث لو سئل عنها أمكنه أن يجيب من غير فكر، آهـ. (رد المحتار: ٣٨٦/١)(١)

وفى التنوير: وكفى مطلق نية الصلاة لنفل وسنّة وتراويح ولابد من التعيين عند النيّة لفرض ولو قضاء وواجب دون عدد ركعاته.

وفى الشرح: لحصولها ضمناً فلا يضر الخطأ فى عددها. (الدرالمختار: ٣٩٠/١)(١) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

۱۳ / ربیع الآخر ۱۳۸۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ١٦/٣) ☆

---

(١) كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، بحث النية: ٤١٥/١، دارالفكر بيروت. انيس

(٢) كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب فى حضور القلب والخشوع: ٤٢٠/١، دارالفكر۔انيس ==

نیت میں ایک نماز کی جگہ دوسری نماز کا نام لیا، یا تعداد رکعت میں غلطی کی:

سوال: اگر ظہر کی فرض نماز شروع کرتے وقت دل میں تو نیت فرض ظہر ہی کی تھی ،مگر زبان سے بجائے ظہر کے عصر کہہ دیا، یا بجائے فرض کے نفل کہہ دیا، بجائے چار رکعت تین رکعت کہہ دیا، تو ان صورتوں میں نماز ہوگی یا نہیں؟

==☆ نماز شروع کرنے کے بعد یاد آیا کہ غلط نیت کی ہے تو کیا نماز میں نیت درست کرسکتا ہے:

سوال: نماز شروع کرنے کے بعد یاد آیا کہ بجائے عصر کے ظہر کے فرض کی یا اسی طرح سنت کی نیت کی ہے تو اب نماز توڑ کر پھر تکبیر تحریمہ کہے یا نماز میں ہی نیت بدل دے، اگر نماز میں ہی نیت بدل سکتا ہو تو کب تک بدلنے کا اختیار ہے رکوع کے بعد بھی بدل دے۔ اگر نماز میں ہی نیت بدل سکتا ہو تو کب تک بدلنے کا اختیار ہے رکوع کے بعد بھی بدل سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔ (حیدرآباد)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

بلانیت ہی نماز شروع کردی پھر یاد آیا کہ نیت نہیں کی ہے یا غلط نیت کی مثلا عصر کی جگہ ظہر کی نیت کرلی تو اب نیت کا وقت جاتا رہا۔ نماز شروع کرنے کے بعد نیت کا اعتبار نہیں از سرنو نیت کرنے کے بعد تکبیر تحریمہ کہے۔

(ولا عبرة بنية متأخرة عنها)على المذهب.(الدرالمختار)

(قوله ولا عبرة بنية متأخرة)لأن الجزء الخالي عن النية لا يقع عبادة فلا ينبني الباقي عليه.(رد المحتار، باب شروط الصلاة،مطلب فی حضور القلب والخشوع: ٢٨٧/١)فقط واللہ أعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ:۳۰۳/۴)

نیت کی غلطی سجدۂ سہو سے درست نہیں ہوتی:

سوال: ظہر یا عصر یا مغرب کی نماز جماعت سے یا علیحدہ پڑھتے وقت بھولے سے نیت نماز عشا کی کرلی، رکوع میں جاتے وقت یا سجدے میں خیال آیا کہ اس نے غلطی کی، تو کیا نیت توڑ کر دوبارہ نیت کی جائے گی یا سجدۂ سہو کیا جائے گا؟ مگر جماعت کے ساتھ تو سجدۂ سہو بھی نہیں کرسکتے، ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

نیت اصل میں دل کے قصد وارادے کا نام ہے، **(فالنية هي الإرادة للفعل وشرطها التعيين للفرائض، كذا في فتح القدير...إلخ.(البحرالرائق،فصل فی شروط الصلاة: ٢٩٢/١)/فتح القدير شرح الهداية،باب شروط الصلاة التی تتقدمها: ٢٦٦/١.انیس)**

اورزبان سے محض اس قصد کی ترجمانی کی جاتی ہے، پس اگر دل میں دھیان؛ مثلاً! ظہر کی نماز کا تھا، مگر زبان سے عصر یا عشا کا لفظ نکل گیا تو نماز صحیح ہے اور اگر دل میں دھیان ہی نہیں تھا تو نماز کی نیت باندھ کر نماز نئے سرے سے شروع کردے، نیت کی غلطی سجدۂ سہو سے درست نہیں ہوگی۔ **(وقد علم مما قدمنا من أنه لا معتبر باللسان أنه لو نوى الظهر وتلفظ بالعصر فإنّه يكون شارعًا فى الظهر كما صرحوا به.(البحر الرائق: ٢٩٨/١)** (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳۴۰/۳-۳۴۱)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

ان سب صورتوں میں نماز درست ہوگئی۔(ردالمحتار: ۲۷۸/۱۔۲۸۱)(۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۰۶۔۵۰۷)

دل میں ارادہ کرنے کے بعد اگر زبان سے غلط نیت نکل گئی،تو بھی نماز صحیح ہے:

سوال: بعض دفعہ ہم لوگ جلدی میں غلط نیت کر لیتے ہیں، جیسے کہ ہمیں پڑھنی تو چار سنتیں ہیں،لیکن ہم نے دو سنت کی نیت کر لی،تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

الجوابــــــــــــــــــــــــــــ

نیت اصل میں زبان سے نہیں ہوتی ، بلکہ یہ دل کا فعل ہے،(۲) پس اگر دل میں ارادہ چار رکعت کا تھا اور زبان سے دو کا لفظ نکل گیا تو نیت صحیح ہے،(۳) اور سنتوں میں تو مطلق نماز کی نیت بھی کافی ہے،اگر چار کی جگہ دو کا یا دو کی جگہ چار کا لفظ کہہ دیا؛ یا رکعتوں کا ذکر ہی نہیں کیا،تب بھی سنتوں کی نیت صحیح ہوگئی۔(۴)(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۳۴۱۔۳۴۲)

---

(۱) ”(والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة) ، فلا عبرة للذكر باللسان إن خالف القلب؛لأنه كلام لانية“.(الدرالمختار)

قال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالٰى عنه:”(قوله:إن خالف القلب) فلو قصد الظهر وتلفظ بالعصر سهوًا أجزأه كما في الزاهدى،قهستاني“.(ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،بحث النية: ۴۱۵/۱،سعيد)

(ويقصد)المقتدى والإمام (صلاته)وأدناه أن يجيب عنها في الحال وفيه إشارة إلى أنه لو قصد الظهر وتلفظ بالعصر سهواً أجزأه،كمافي القنية.(جامع الرموز للقهستاني،كتاب الصلاة،فصل شروط الصلاة: ۶۱/۱.ط:نول كشورلكهنو/قنية المنية لتتميم الغنية،فصل في النية: ۱۴،مخطوطة مكتبة جامعة الملك سعود.انيس)

ولايشترط نية عدد الركعات،هكذا في شرح الوقاية ... لو عزم على الظهر وجرى على لسانه العصر يجزيه، كذا في شرح مقدمة أبي الليث،وهكذا في القنية.رجل افتتح المكتوبة فظن أنها تطوع فصلى على نية التطوع حتى فرغ،فالصلاة هي المكتوبة،ولو كان الأمر بالعكس،فالجواب بالعكس،هكذا في فتاوىٰ قاضيخان“.(الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة،الفصل الرابع في النية: ۶۶/۱.رشيدية)

(۲) والشرط أن يعلم بقلبه أىّ صلاة يصلي وأدناها ما لو سئل لأمكنه أن يجيب على البديهة وإن لم يقدر على أن يجيب إلاّ بتأمل لم تجز صلاته إلخ.(الفتاوىٰ الهندية: ۶۵/۱،الفصل الرابع في النية)

(۳) وقيد بنية التعيين لأن نية عدد الركعات ليست بشرط في الفرض والواجب،لأن قصد التعيين مغنٍ عنه ولو نوى الظهر ثلاثاً والفجر أربعًا جاز...الخ. (البحر الرائق: ۲۹۸/۱،فصل في شروط الصلاة)

(۴) ويكفيه مطلق النية للنفل والسنة والتراويح هو الصحيح،كذا في التبيين.(الفتاوىٰ الهندية: ۶۵/۱،الفصل الرابع في النية/تبيين الحقائق،باب شروط الصلاة: ۹۹/۱.انيس)

کیا وتر کی نیت سے تراویح کی نماز درست ہوگی:

سوال: سنت تراویح کی نیت سہواً کر کے وتر پڑھنے سے وتر ادا ہو جائے گا، بموجب درمختار: ۱/ ۳۸۷، ۳۸۸۔(۱) میں اکثر وتر کی نیت کر لیتا ہوں یہ سمجھ کر کہ امام بیس رکعت تراویح پڑھا کر اب وتر پڑھا رہے ہیں، جب امام قرأت شروع کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ امام تراویح پڑھا رہے ہیں۔ میری نماز فاسد نہیں ہوتی ہے کیا؟ چاہئے یہ تھا کہ نیت توڑ کر سنت تراویح کی نیت کرتے؟

الجو اب ــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اعلی کے تابع ہو کر ادنیٰ کا ادا ہو جانا مصرَّح ہے، آپ کی تراویح اس طرح بھی ادا ہو جاتی ہے، لیکن آپ کو اس قدر بے خبر نہ رہنا چاہئے کہ تراویح اور وتر کا پتہ نہ چلے۔(۲) فقط واللہ تعالی اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔ ۳/ ۷/ ۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/ ۵۱۰)

وتر کی نیت میں وقت عشا کہنے کی ضرورت نہیں:

سوال: وتر کی نیت کس طرح کی جاتی ہے؟ کیا نیت میں وقت نماز عشا کہا جاتا ہے؟

الجو اب ــــــــــــــــــــــ

وقت عشا کہنے کی ضرورت نہیں، البتہ یہ نیت کرنا ضروری ہے کہ میں آج کے وتر پڑھ رہا ہوں۔(۳)

(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳/ ۳۴۱)

---

(۱) اس طرح کا جزئیہ درمختار میں تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملا۔

(۲) ”ولو علم ولم یمیز الفرض من غیرہ، إن نوی الفرض فی الکل، جاز “.(الدرالمختار)

(”قوله ولو علم الخ): أی علم فرضية الخمس، لكنه لايميز الفرض من السنة والواجب“.(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب فی حضور القلب والخشوع: ١/ ٤١٨، سعيد)

(۳) وفی الوتر ينوی صلاة الوتر، كذا فی الزاهدی.(الفتاویٰ الهندية: ١/ ٦٦، الفصل الرابع فی النية)

واعلم أن النية لا تتأدی باللسان لأنها إرادة والإرادة عمل القلب لا عمل اللسان لأن عمل اللسان يسمی كلاماً لا إرادة إلا أن الذكر باللسان مع عمل القلب سنة فالأولٰی أن يشغل قلبه بالنية ولسانه بالذكر ويده بالرفع وأما إذا كانت الصلاة نفلاً فإنه يكفيه مطلق نية الصلاة واختلفوا فی التراويح والأصح أنه لاتجوز إلا بنية التراويح وقال المتأخرون تجوز التراويح والسنن بنية الصلاة المطلقة إلا أن الاختيار فی التراويح أن ينوی التراويح أو قيام الليل وفی السنة أن ينوی السنة وفی الوتر أن ينوی الوتر وكذا فی صلاة العيدين.(الجوهرة النيرة، باب شروط صحة الصلاة: ١/ ٤٨. انيس)

نماز میں یاد نہیں رہا کہ کس نماز کی نیت کی تھی:

سوال: ایک شخص کو حالت نماز میں یہ یاد نہیں رہا کہ اس نے کس وقت کی نماز کی اور کتنی رکعات کی نیت کی تھی؟ نہ زبان سے کہنا یاد ہے اور نہ دل میں نیت کرنا یاد ہے، یوں ہی غفلت کی حالت میں نماز شروع کر دی تھی، تو ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

اگر کسی نماز کی نیت تو کی ہو؛ مگر یہ یاد نہ رہا ہو کہ کس نماز کی نیت کی تھی، تو دو رکعت پوری کر لے اور یہ نماز نفل ہو جائے گی اور اگر نیت کی ہی نہیں تھی تو نماز میں شروع ہونا ہی صحیح نہیں ہوا۔ لہٰذا از سر نو نیت کر کے نماز شروع کرے۔(١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

١٦/ ذوالقعدہ ۱۳۹۴ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳۶/۳)

مقتدی نے نیت میں غلط وقت کا نام لیا تو کیا ہوگا:

سوال: امام کے ساتھ نماز با جماعت میں بھی اگر وقت پکارنے میں غلطی کر بیٹھے، یعنی وقت ظہر کا ہے اور جماعت میں شامل پہلی رکعت میں رکوع سے قبل ہو گیا ہے، لیکن وقت ظہر کے بجائے وقت عصر کہہ کر جماعت میں شامل ہوا، اس صورت میں اب یہ نمازی کیا کرے گا؟ اس کی یہ نماز ہو گئی یا اسے دوبارہ پڑھنی ہوگی؟

الجواب ــــــــــــ

نیت دل کا فعل ہے،(٢) اگر دل میں ارادہ ظہر کی نماز پڑھنے کا تھا، مگر غلطی سے ظہر کی جگہ عصر کا وقت زبان سے نکل گیا، تو نماز صحیح ہو گئی۔ (٣) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۳۹/۳)

نماز شروع کرنے کے بعد نیت میں تبدیلی:

سوال: اگر نفل نماز پڑھ رہے ہوں، لیکن رکوع میں جانے سے پہلے نفل کی نیت ختم کر کے فجر کی قضا کی نیت کر لے، تو کیا نیت تبدیل کر سکتے ہیں؟ اور یہ فجر کی قضاء ہوگی، یا نفل؟ (س، ج، سنتوش نگر)

(١) ویکفی مطلق النیة للنفل والسنة والتراویح علی الأصح وللفرض شرط تعیینه کالعصر مثلاً. (ملتقی الأبحر، باب شروط الصلاة: ١٢٨/١. انیس)

(٢) والشرط أن یعلم بقلبه أی صلاة یصلی، الخ. (البحر الرائق: ٢٩٢/١)

(٣) وفی القنیة: عزم علیٰ صلاة الظهر وجریٰ علیٰ لسانه نویت صلاة العصر یجزئه الخ. (البحر الرائق: ٢٩٣/١)

الجواب

روزہ کے سوا تمام افعال میں یہ بات ضروری ہے کہ اس فعل کے کرنے سے پہلے ہی نیت کرلی جائے، اس لئے کہ فعل کے آغاز کا وقت ہی اصل میں نیت کا محل ہے اور اسی وقت کی نیت معتبر ہوگی، جب آپ نماز ایک نیت سے شروع کر چکے، تو اب نیت کرنے کا کوئی موقع ومحل باقی نہیں رہا۔ لہذا اب بعد میں قضاء فجر کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں، اس لئے یہ نفل نماز ہی شمار ہوگی۔ ہاں، اگر قضاء فجر کا خیال آنے کے بعد آپ نے دوبارہ تکبیر تحریمہ کہہ کر قضاء فجر شروع کی اور ازسرنو نماز ادا کی تو اب یہ فجر کی قضا ہوگی، لیکن چونکہ آپ نفل نماز شروع کر چکے تھے اور نفل عبادت بھی شروع کرنے کے بعد واجب ہوجاتی ہے، لہذا آپ پر نفل کی ان دو رکعتوں کی بھی قضا کرنی واجب ہوگی۔ (۱) نیز یہ بات بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ نفل شروع کرکے بلا عذر توڑنا جائز نہیں ہے۔

”إن القطع يكون حرامًا ومباحًا ومستحبًا وواجبًا، فالحرام بغير عذر“. (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۶۵-۱۶۶)

نماز کے اندر دوسری نماز کی نیت کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص بوقت ظہر بھول کر بجائے سنت مؤکدہ کی نیت کے فرضوں کی نیت باندھ لے، درمیان ہی میں یاد آنے پر پھر سنتوں کی نیت دل میں کرلے، تو یہ سنت ادا ہوں گی یا فرض یا نماز ازسرنو ادا کی جائے گی، شرعاً کیا حکم ہے؟ اسی طرح اگر کوئی شخص ظہر کے فرض پڑھتا ہو اور بھول کر بجائے فرض کے سنت کہہ گیا ہو درمیان میں یاد آنے پر ارادہ بدل لے کہ مجھے فرض ادا کرنے ہیں، تو یہ فرض ادا ہوجائیں گے یا نہیں؟ یا ازسرنو فرض پڑھنا پڑیں گے جب کہ ظہر کی سنت پہلے ادا کر چکا ہو۔ اسی طرح کوئی شخص وتر پڑھتا ہو نیت کرتے وقت بجائے وتر کے سنت کہہ گیا ہو اور دعاء قنوت کے وقت یاد آیا تو اس نے وتروں کا ارادہ دل میں کرلیا تو یہ وتر ہوگئے یا دوبارہ ادا کریں خواہ وتر تنہا پڑھ رہے ہوں یا جماعت کے ساتھ تراویح کے بعد۔ شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصّواب

اس صورت میں فرض صحیح ہوگئے، سنت بعد میں پڑھے، مگر نیت میں دل کا اعتبار ہے، زبان کا اعتبار نہیں، اس لیے اگر دل میں سنت مؤکدہ پڑھنے کا قصد تھا، مگر زبان سے لفظ فرض کہا، تو سنت ہوگی، فرض نہیں ہوئے، (۱) سوال کی بقیہ صورتوں کا بھی یہی حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷/ذیقعدہ ۱۳۹۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۱۷) ☆

(۱) ”واتفق أصحابنا رحمهم الله أن الشروع في التطوع بمطلق النية لايلزمه أكثر من ركعتين“. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۱۱۳، باب في النوافل، محشی)

(۲) ردالمحتار: ۲/٤٤١. باب إدارک الفريضة.

==

امام سے پہلے نماز شروع کر دی پھر امام کی تکبیر کے بعد دوبارہ تحریمہ کہی، تو نماز کا حکم:

سوال: ایک آدمی نے امام سے پہلے نماز کی نیت باندھ لی، یہ شخص قیام میں کھڑا ہوگیا، مگر امام نے اللہ اکبر کہا تو اس نے فوراً سوچا کہ میں نے امام صاحب سے پہلے نیت کر لی ہے، اب اس نے ہاتھ باندھے ہوئے صرف ایک بار اللہ اکبر کہہ دیا اور نماز امام کے ساتھ پوری کر لی، تو کیا اس شخص کی شرعاً نماز درست ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

بہ نیتِ اقتدا تکبیر تحریمہ کہنے سے اقتدا صحیح ہوگئی اور پہلی نماز ختم ہوگئی، پس شخص مذکور کی نماز درست ہے۔

ففي الدر المختار: يفسدها انتقاله من صلاة إلى مغايرتها ولو من وجه حتى لو كان منفردًا فكبر ينوي الاقتداء أو عكسه صار مستأنفاً، آه. (ردالمحتار: ٤١٩/١)(١) **فقط والله أعلم**

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔ ٢٧ / محرم ١٤٠٢ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ٢٥١/٢)

==(١) **والشرط أن يعلم بقلبه أى صلاة يصلى أما الذكر باللسان فلا معتبر به، الخ.** (الهداية على صدر العناية، باب شروط الصلاة التى تتقدمها: ٢٦٦/١. انيس)

☆ **سوال متعلق بالا:**

سوال: جناب کا تحریر کردہ فتویٰ صادر ہوا، شکریہ! فتویٰ ہذا میں یہ امر مبہم رہ گیا کہ آپ نے فرمایا کہ ''نیت میں دل کا اعتبار ہے، زبان کا اعتبار نہیں، اس لیے اگر دل میں سنت پڑھنے کا قصد تھا، مگر زبان سے لفظ فرض کہا تو سنت ہوئی فرض نہیں ہوئے، سوال کی بقیہ صورتوں کا بھی یہی حکم ہے''۔

لیکن فتاویٰ دار العلوم ص: ٢٠٨، ج: ٤ میں مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ!

سوال: ''بجائے سنتوں کی نیت کے فرضوں کی نیت باندھ لے اور یاد آنے پر دل ہی دل میں سنتوں کی نیت کر لی، تو نماز صحیح ہوئی کہ نہیں؟

جواب: نیت توڑ کر پھر سے سنتوں کی نیت باندھ لے اور دوبارہ تکبیر بہ نیت سنت کہے۔

رجل افتتح المكتوبة فظن أنها تطوع فصلى على نيّة التطوع حتى فرغ فالصلاة هى المكتوبة ولو كان الأمر بالعكس فالجواب بالعكس الخ والنية بدون التكبير ليس بمخرج. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل السابع فى النيّة: ٦٤/١-٦٥)

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

اگر نماز سے قبل زبان و قلب میں اختلاف پایا جائے، تو قلب کی نیت کا اعتبار ہے، زبان کی غلطی معتبر نہیں، اور اگر نماز شروع کرنے کے بعد دل سے نیت بدلے، تو یہ معتبر نہیں، عزیز الفتاویٰ کی تحریر کا یہی مطلب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

٢۵ / ذی قعدہ ١٣٩٩ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ١٧/٣)

حاشیہ صفحہ ھذا:

(١) **الدر المختار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، قبل مطلب فى تشبه باهل الكتاب: ٦٢٣/١، دار الفكر. انيس**

امام کی تکبیر کے بعد نیت باندھنے والے کی نماز صحیح ہے:

سوال: میں جماعت میں اس طرح شریک ہوا کہ امام نے تکبیر کہہ کر نیت باندھ لی اور میری صف میں مجھ سے پہلے کچھ نمازی ایسے ہیں جنہوں نے ابھی نیت نہیں باندھی ہے اور میں نے ان سے پہلے نیت باندھ لی، تو کیا میرا یہ فعل درست ہے؟

الجواب

آپ نے امام کی تکبیر کے بعد نیت باندھی ہے، تو آپ کی نماز صحیح ہے، دوسروں نے باندھی ہو یا نہ باندھی ہو، اس سے کوئی غرض نہیں۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۴۱/۳)

سابقہ نیت سے نماز کا اعادہ کرنا:

سوال: اگر کسی وجہ سے اقتدا صحیح نہیں ہوئی، اب مقتدی اسی سابقہ نیت سے اپنی نماز پوری کرتا ہے، تو کیا اس کی نماز ادا ہو جائے گی؟

الجواب

امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ادا نہ ہوگی اور امام صاحب وامام یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ادا ہو جائے گی۔

برجندی شرح نقایہ میں بیان کرتے ہیں:

واعلم أن فی کل موضع لایصح الاقتداء لایصیر المقتدی شارعًا فی صلوٰۃ نفسه فی روایة باب الحدث حتی لوقهقه لاینقض طهارته وفی روایة باب الأذان یصیر شارعًا، قیل ماذکر فی الحدث قول محمد وماذکر فی باب الأذان قولهما، کذا فی الظهیریة. انتهٰی(۲)

ابوالحسنات محمد عبدالحئی۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۱۳)

فاسد نماز میں فرض کی نیت کی جاتی ہے، دہرانے کی نہیں:

سوال: نماز دہرانے کا کیا طریقہ ہے؟ نمازی نے یہ محسوس کیا کہ غلطی ہوگئی ہے، نماز دہرائی جائے، تو اگر وہ دوسری تیسری رکعت پڑھ رہا ہے اور نماز چار رکعت کی ہے، اس صورت میں وہ کیا کرے جو نماز اس نے غلط پڑھی ہے جب دوبارہ پڑھے، تو نیت میں اس کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ میں یہ نماز دوبارہ دہرا رہا ہوں؟

(۱) إذا انتظر تکبیر الإمام ثم کبّر بعد ما کبّر الإمام یصح شروع فی صلاة الإمام، الخ. (خلاصة الفتاویٰ: ۸۰/۱)

(۲) عبارة الخلاصة: وفی کل موضع لایصح الاقتداء هل یصیر شارعًا فی صلاة نفسه ؟ عند محمد: لا، وعندهما یصیر شارعاً، آه. (ردالمحتار، باب الإمامة: ۵۸۳/۱، دارالفکر بیروت. انیس)

الجواب

نماز میں اگر ایسی غلطی ہو جائے جس سے نماز فاسد ہو جائے، تب اسے دہرانے کی ضرورت پیش آتی ہے، اور جب پہلی نماز فاسد ہوگئی تو فرض اس کے ذمہ ہوگا، (۱) اسی کی نیت کرنی چاہیے، دوبارہ دہرانے کی نیت خود ہی ہو جائے گی۔ (۲)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۳۹/۳-۳۴۰)

نماز کی نیت میں "اقتديت بالقرآن" کہنے کا حکم:

سوال: یہ نیت امام کی جائز ہے یا ناجائز۔

"نويت أن أصلي لله تعالىٰ ركعتي صلوٰة الفجر فرض الله تعالىٰ أنا إمام لمن حضر ولمن لم يحضر اقتديت بالقرآن متوجهًا إلىٰ جهة الكعبة الشريفة الله أكبر"

یعنی اقتدا کیا قرآن پر اور پڑھا نماز پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، آیا یہ نیت جائز ہے یا نہیں اور یہ نیت امام کے لئے ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب

اس شخص سے دریافت کیا جاوے کہ قرآن کے ساتھ اقتدا کرنے سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے سے کیا مراد ہے؟ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ **بالمعنى المتعارف** قرآن کا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدا کر رہا ہوں اور یہ دونوں مجھ کو نماز پڑھا رہے ہیں، تب تو اس کا فساد اور بطلان ظاہر ہے قرآن تو امام بن ہی نہیں سکتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالفعل اس کو نماز نہیں پڑھا رہے ہیں، پس اس صورت میں خود اس شخص ہی کی نماز نہ ہوگی۔

لأن الانفراد في موضع الاقتداء مفسد كعكسه. (ردالمحتار: ۵۹۶/۱، فروع اقتداء متنفل بمتنفل)

ولأنه نوىٰ الاقتداء بمعدوم وهو لايجوز. (۳)

جب اس کی نماز نہ ہوگی، تو اوروں کی بھی اس کے پیچھے نہ ہوگی اور اگر اس شخص کا یہ مطلب ہے کہ میں حسبِ تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحسبِ امر قرآن نماز پڑھتا ہوں، تو یہ مطلب صحیح ہے، لیکن اس کو نماز کی اقتدا کہنا یہ ایک اصطلاح مخترع ہے، اس صورت میں نماز ہو جائے گی، لیکن ایسے الفاظ سے خواہ مخواہ شورش ہوتی ہے، چھوڑ دینا ان کا واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ۔ (امداد، صفحہ: ۳۷، جلد: ۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱۹۳/۱-۱۹۴)

---

(۱) أما بيان مايفسد الصلاة فالمفسد لها أنواع منها: الحدث العمد قبل تمام أركانها بلا خلاف حتّٰى يمتنع عليه البناء. (بدائع الصنائع: ۲۲۰/۱، فصل بيان مايفسد الصلاة)

(۲) والشرط أن يعلم بقلبه أيّ صلاة يصلي. الخ. (البحر الرائق: ۲۹۲/۱)

(۳) (وفي المجتبىٰ: نوى أن لا يصلي إلا خلف من هو على مذهبه فإذا هو غيره لم يجز) وجهه أنه لما نوى الاقتداء بإمام مذهبه فإذا هو غيره فقد نوى الاقتداء بمعدوم. (ردالمحتار: ۴۲۶/۱، مطلب في ستر العورة)

علم کے اعتبار سے نمازی کی اقسام اور عبارت عالمگیری میں ''فیه''ضمیر کا مرجع:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ فتاویٰ عالمگیری کی درج ذیل عبارت کے متعلق ایک استفسار ہے۔

''المصلون ستة: من علم الفرائض منها والسنن وعلم معنى الفرائض أنه مايستحق الثواب بفعله والعقاب بتركه والسنة مايستحق الثواب بفعلها ولايعاقب بتركها فنوى الظهر والفجر أجزأته وأغنت نية الظهر عن نية الفرض والثانى من يعلم ذلك وينوى الفرض فرضاً ولكن لايعلم ما فيه من الفرائض والسنن يجزيه كذا فى القنية''. (١)

اس عبارت میں ''ما فيه'' میں ''ہ''ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ **ما فى الوقت يا ما فى الفرض؟ بينوا توجروا.**

(المستفتی: محمد صادق ناظم مجلس منتظمہ اشاعت فتاویٰ عالمگیری سہگل جہلم...... ١٧/٥/١٩٧٠ء)

الجواب

ضمیر ''مافیه'' میں نماز فرض کو راجح ہے، یعنی اتنا جانتا ہوں کہ یہ نماز فرض ہے، لیکن اس نماز میں جتنے فرائض اور واجبات وغیرہا ہیں ان سے ناواقف ہو۔ وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۱۸-۲۱۹)

سنتوں اور نفلوں میں وقت کا ذکر کرنا ضروری نہیں:

سوال: سنن ونوافل میں نیت کرتے وقت، اس وقت کا بھی نام لے، یا نہیں؟

الجواب

ذکرِ وقت کی حاجت نہیں۔ (۲)

(بدست خاص، ص: ۳۷) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۸۲)

فرض نماز اور سنت کی نیت کس طرح کی جائے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!

(۱) نماز کی نیت کس طرح کرنی چاہئے، صرف قلب سے یا صرف قلب وزبان دونوں سے؟

(۲) سنت نماز میں سنت رسول اللہ کہنا کیا حکم رکھتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: صفدر حسین اینڈ برادرز سعودی عرب...... ۳۰/۱/۱۹۸۶ء)

---

(١) الفتاویٰ الهندية، الفصل الرابع فى النية: ٦٧/١. انيس

(٢) واحترز به عن النفل فإنه يصح بمطلق النية حتى التراويح على المعتمد كما مر فى بحث النية. (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، بحث شروط التحريمة، مطلب قد يطلق الفرض على ما يقابل الركن: ٤٥٢/١، دارالفكر. انيس)

الجواب

(۱) نیت قلب کے ارادہ کا نام ہے خواہ زبان سے تلفظ کیا جائے یا نہیں، البتہ زبان سے تلفظ مستحب ہے، اس سے ارادہ قلبی کی تائید اور تقویت ہوتی ہے اور سنت ثابتہ سے متصادم بھی نہیں ہے۔ (۱)

(۲) سنت یا سنت رسول اللہ کہنا ایک حکم رکھتا ہے، ایک مجمل ہے اور دوسرا مفصل۔ (۲) **وهو الموفق**

(فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۱۹-۲۲۰)

سنتوں کی نیت کس طرح کرے:

سوال: سنتوں کی نیت بعبارت ذیل کرنا کیسا ہے۔ امام مسجد منع کرتے ہیں۔

''نیت کرتا ہوں نماز کی واسطے اللہ تعالیٰ کے دو رکعت نماز سنت رسول اللہ وقت فجر منہ میرا طرف کعبہ کے، اللہ اکبر'' اور امام مذکور بعبارت ذیل نیت کرنا بتلاتے ہیں۔ ''نیت کرتا ہوں نماز کی، واسطے اللہ تعالیٰ کے دو رکت سنت منہ میرا طرف کعبہ کے، اللہ اکبر'' اور نماز جمعہ کی نیت اس طرح بتلاتے ہیں۔ ''دو رکعت نماز فرض وقت ظہر واسطے جمعہ کے، الخ؟

الجواب

اصل اس معاملہ میں یہ ہے کہ نیت درحقیقت ایک فعل قلب ہے، جو دل ہی سے تعلق رکھتا ہے، اسی لئے اگر کوئی دل میں نیت نماز کرے اور زبان سے کچھ بھی نہ کہے۔ تب بھی نماز ہو جاتی ہے اور اگر دل سے نیت نہ کی اور زبان پر عبارت مندرجہ سوال سے بھی زیادہ مفصل عبارت پڑھ دی، تب بھی نماز نہ ہوگی۔ **صرح به في عامة كتب الفقه.** (۳)

البتہ عوام کیلئے بہتر یہ ہے کہ دل کی نیت کے ساتھ زبان سے بھی مختصر الفاظ کہہ لے۔ **صرح به في الهداية.** (۴)

لیکن لمبی عبارتیں نیت کے وقت پڑھنا مکروہ ہے۔ اسی لئے بہتر اور افضل طریقہ نیت کا یہ ہے کہ دل سے نیت کرے کہ میں دو رکعتیں سنت فجر پڑھتا ہوں اور زبان سے اس قدر کہہ لے سنت فجر۔ ایسے ہی فرض فجر۔

---

(۱) قال العلامة إبراهيم الحلبي: و المستحب في النية أن ينوي يقصد بالقلب ويتكلم باللسان بأن يقول أصلي صلاة... ولو نوى بالقلب ولم يتكلم باللسان جاز بلاخلاف بين الأئمة؛ لأن النية عمل القلب لا عمل اللسان واستحباب ضمه لما ذكرنا. (غنية المستملي شرح منية المصلي: ٢٥١-٢٥٢)

(۲) في ردالمحتار: إن كان مما واظب عليه الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أو الخلفاء الراشدون من بعده فسنة. (رد المحتار هامش الدر المختار، مطلب في السنة وتعريفها: ٧٦/١)

(۳) كذا في الجوهرة النيرة، باب شروط صحة الصلاة: ٤٨/١. انيس

(۴) و النية هي الإرادة والشرط أن يعلم بقلبه أيّ صلاة يصلي أما الذكر باللسان فلامعتبر به ويحسن ذلك لإجماع عزيمته. (الهداية، باب شروط الصلاة التي تنفذها: ٩٦/١، انيس)

وہ طویل عبارتیں جو سوال میں درج ہیں۔ دونوں خلاف اولیٰ ہیں اور سنت کے ساتھ لفظ رسول کا بڑھانا بہتر تو نہیں، لیکن اگر کوئی بڑھا جائے تو کوئی ناجائز بھی نہیں۔ کیوں کہ غرض اس جملے سے باتفاق یہ ہوتی ہے کہ یہ سنتیں نص قرآن سے اگرچہ ثابت نہیں، مگر طریقۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اس لئے پڑھتا ہوں اور اس میں کچھ حرج نہیں اور منع کرنے والوں نے شاید اس خطرے سے منع کیا ہوگا کہ لوگ یہ نہ سمجھنے لگیں کہ فرض تو ہم لوگ اللہ کے لئے پڑھتے ہیں اور سنتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور یہ کھلا شرک ہے، کیوں کہ نمازیں دونوں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ صرف اتنا ہی ہے کہ فرض کا ثبوت نص قطعی غیر متعارض فیہ سے ہے اور سنتوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے۔

(فتاویٰ دار العلوم مسمی امداد المفتین: ۲/۳۱۰-۳۱۱)

سنت کی نیت میں سنت رسول اللہ کہنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں؛ کوئی شخص اگر اس طرح نماز کی نیت کرتا ہے تو صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے، تو عربی میں کس طرح نیت کرنی چاہیے؟ زید کہتا ہے اگر اس طرح نیت کرے تو شرک لازم آتی ہے اور زید عالم بھی ہے۔

صبح کی دو رکعت سنت نماز کی نیت یہ ہے:

"نَوَيْتُ أَنْ اُصَلِّيَ لِلّٰهِ تَعالٰى رَكْعَتَيْنِ صَلاَةَ الفجرِ سنّةَ رسولِ اللّٰه تعالٰى متوجِّهاً إلٰى جِهةِ الكعبةِ الشَّريفَةِ اللّٰه أكبر".

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

نیت کے لیے اتنے طویل الفاظ کی ضرورت نہیں، دل کی نیت کافی ہے، زبان سے نیت کرنا چاہے تو فرض نماز کے لیے صرف اتنے الفاظ کافی ہیں کہ ظہر یا عصر کے فرض پڑھتا ہوں، نہ رکعات کی تعیین ضروری نہ دن کی اور نہ وقتی فرض کہنے کی ضرورت اور واجب میں صرف وتر یا نذر کی نیت کافی ہے، سنت اور نفل کی نیت میں سنت یا نفل کہنے کی بھی ضرورت نہیں، مطلق نماز کی نیت کافی ہے، (۱) مع ہذا اگر کسی نے نیت میں سنت رسول اللہ کے الفاظ کہہ دیئے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس کو شرک بتانا جہالت ہے، اس لیے کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت مقصود نہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ یہ نماز سنت سے ثابت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵/ محرم ۱۳۹۳ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۱۸)

(۱) ثم إن كانت الصلاة نفلاً يكفي مطلق النية وكذا إن كانت سنة في الصحيح وإن كانت فرضاً فلا بد من تعيين الفرض كالظهر مثلاً لاختلاف الفروض وإن كان مقتدياً ينوي الصلاة ومتابعته. (الهداية، باب شروط الصلاة التي تتقدمها: ٤٦/١. انيس)

نماز جمعہ میں فرض اور سنتوں کی نیت:

سوال: نمازِ جمعہ کی فرض اور سنت دونوں کی نیت جمعہ کی کرے یا صرف فرض کی، جمعہ کی کرے؟ اور سنت کی نیت، ظہر کی کرے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

فرض اور سنت دونوں میں فرض جمعہ اور سنت جمعہ ہی کی نیت ہوتی ہے، مگر سنتوں میں مطلق نماز کی نیت کر لینا کافی ہے، اس کے لیے وقت کے تعین کی ضرورت نہیں۔ (۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳/۳۳۷) ☆

قضا نماز کو ادا کی نیت سے پڑھنا:

سوال: اگر ظہر کا وقت جا تا رہا اور عصر کا وقت آ گیا، تو اس قضا شدہ نماز ظہر کو اگر بہ نیت ادا پڑھے اور نیت قضاء کی نہ کرے، حالانکہ نماز قضا ہی پڑھی ہے، تو وہ نماز ادا ہوگئی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

[نماز] ادا ہو جاتی ہے۔ فقط

(بدست خاص، ص: ۴۰) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۷۶) ☆☆

---

(۱) ویکفیه مطلق النیة للنفل والسنة والتراویح هو الصحیح، کذا فی التبیین. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۶۵)

☆ **جمعہ کی سنتوں کی نیت کس طرح کرے:**

سوال: جمعہ میں اول کی چار رکعت اور بعد جمعہ چھ رکعت کی نیت کس طرح کرے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

چار رکعت سنت پڑھتا ہوں۔ فقط

(بدست خاص، ص: ۳۷) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۸۲)

☆☆ **قضا نماز بنیت ادا پڑھ لی:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر کسی شخص نے قضا نماز بنیت ادا پڑھ لی ہو تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

نماز ہو جائے گی۔ "ویستعمل أحد هما مکان الآخر مجازًا حتیٰ یجوز الأداء بنیة القضاء وبالعکس، الخ، یجوز القضاء بنیة الأداء بأن یقول نویت أن أؤدی ظهر الأمس، الخ. (نور الأنوار: ۳۳) فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ: ۱/۴۵)

ادا نماز کو قضا کی نیت سے پڑھنا:

سوال: اگر وقت نماز کا تھا مگر مصلی نے اس ادا نماز کو بہ نیت قضاء ادا کیا، حالانکہ ادا ہی پڑھی ہے تو نمازِ ادا، ادا ہوگئی، یا نہیں؟

الجواب

درست ہے۔(۱)

(بدست خاص، ص:۴۰)(باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۶)

تحریمہ سے پہلے نیت میں ''اِنِّی وَجَّھْتُ'' پڑھنے کے جواز پر شبہ کا جواب:

سوال: بعض رسائل میں احادیث صحیحہ لکھی ہیں کہ نیت کے بعد توجیہ یعنی ''اِنِّی وَجَّھْتُ، الخ'' ہاتھ باندھنے اور تحریمہ کے پہلے ثابت ہے؛ ہمارے امام صاحب منع فرماتے ہیں، اس کی وجہ اگر مناسب ہو، ارقام فرمائی جاوے؟

الجواب

تحریمہ کے قبل توجیہ کی کوئی حدیث ذہن میں حاضر نہیں، اگر ایسا ہے تو امام صاحب کے قول کی وجہ ظاہر ہے کہ بدوں دلیل کے کیسے قائل ہو جاوے اور اگر کوئی حدیث ہو تو نقل کی جاوے۔ البتہ بعد تحریمہ کے منقول ہے، چنانچہ مسلم میں روایت ہے، امام صاحب اس کو نوافل پر محمول فرماتے ہیں، چنانچہ نسائی کی روایت میں اس کی تصریح ہے، یہ دونوں حدیثیں ''مشکوٰۃ، باب مایقرء بعد التکبیر'' میں ہیں۔(۲)

(تتمہ خامسہ، صفحہ:۳۷۷)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۲۲۵-۲۲۶)

---

(۱) وإذا كان الرجل شاكاً فی وقت الظهر هل هو باقی ينوى ظهر الوقت فإذا الوقت قد خرج يجوز، بناءً على أن القضاء يجوز بنية الأداء والأداء بنية القضاء وهو المختار. (المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی، الفصل الرابع فی كيفية النية: ٢٨٩/١. انيس)

(۲) عن علی بن أبی طالب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه كان إذا قام إلى الصلاة قال: وجهت وجهی للذی فطر السماوات والأرض حنيفاً، الخ. (الصحيح لمسلم، باب مايقال بين التكبير والقراءة (ح: ٧٧١)/ سنن النسائی، نوع آخر من الدعاء بين التكبير والقراءة (ح: ٨٩٦)

عن أبی رافع قال: وقع إلي كتاب فيه استفتاح رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا كبر قال: إني وجهت وجهي للذی فطر السماوات والأرض حنيفاً وما أنا من المشركين إن صلاتی ونسكی ومحياي ومماتی لله رب العالمين لا شريك له، وبذلك أمرت وأنا أول المسلمين، اللهم أنت الملك لا إله إلا أنت سبحانك وبحمدك أنت ربي وأنا عبدك لا شريك لك، ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی جميعاً فإنه لا يغفر الذنوب إلا أنت لبيك وسعديك والخير فی يديك لا ملجأ ولا منجا منك إلا إليك استغفرلك وأتوب إليك، ثم يقرأ. (المعجم الكبير للطبرانی، عبدالرحمن بن الحارث بن هشام عن أبی رافع (ح: ٩٢٨)/ معجم ابن الأعرابی، باب ی (ح: ٦٤١) انيس)

نماز کی نیت کا وقت:

سوال: مقتدی کب نیت کرے؟ اقامت سے پہلے، یا اقامت کے درمیان؟ یا اقامت کے بعد؟ جس جگہ پر نماز پڑھ رہا ہو کیا وہیں اقامت کہنا ضروری ہے، جماعت کھڑی ہو چکی ہو تو کیا نماز کے لئے آتے ہوئے چلنے کی حالت میں بھی نیت کی جا سکتی ہے، اگر نیت کے بعد گفتگو کر لی ہو تو کیا دوبارہ نیت کرنی پڑے گی؟ (اختر پاشا، محبوب نگر)

الجواب

نیت کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ وہ عبادت سے پہلے بھی ہو اور اس سے متصل بھی، نماز سے متصل ہونے کی فقہانے دو صورتیں کی ہیں، ایک یہ کہ حقیقی طور پر متصل ہو، اور اس کی صورت یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے نیت کرے، یہ صورت بہتر ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ حقیقتاً تو نیت عبادت سے متصل نہ ہو، لیکن حکماً متصل ہو، حکماً متصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نیت اور نماز کے درمیان کسی ایسے کام میں نہ لگا ہو جو نماز سے گریز کو بتاتا ہو، چنانچہ وضو اور تیمّم کے وقت ہی نماز کی نیت کی ہو، پھر نماز پڑھنے گیا اور درمیان میں کسی ایسے کام میں مشغول نہیں ہوا تو اس کی نیت ابھی باقی ہے، اگر ایک جگہ نیت کر کے نماز کی جگہ جانے کے بعد بھی وہ نیت باقی رہتی ہے، تو چلتے ہوئے جو نیت کی جائے: ظاہر ہے وہ بدرجۂ اولیٰ کافی ہوگی، البتہ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ نیت کا تعلق قلب سے ہے، نیت کے لئے ایسا قلبی استحضار ضروری ہے کہ اگر نماز شروع کرتے وقت اس سے پوچھا جائے کہ تم کونسی نماز پڑھ رہے ہو، تو وہ ادنی غور و تامل کے بغیر بتا سکے کہ میں فلاں نماز پڑھ رہا ہوں، یہ تمام تفصیلات علامہ ابن نجیم مصریؒ نے اپنی مشہور کتاب ''**الأشباہ و النظائر**'' میں نیت کی بحث میں لکھی ہے۔(۱)

جہاں تک نیت کے بعد گفتگو کی بات ہے، تو اگر نیت کے بعد نماز کی طرف جاتے ہوئے یا نماز کا انتظار کرتے ہوئے کچھ گفتگو کر لی جائے، تو دوبارہ نیت ضروری نہیں، اور اگر نیت کے بعد طویل گفتگو یا مباحثہ میں لگ گیا ہو جو بظاہر نماز سے اعراض اور گریز کو ظاہر کرتا ہو، تو دوبارہ نیت کرنی ہوگی۔

(۱) دیکھئے: الأشباه والنظائر مع حاشية الرافعي: ص: ۲۱، ط: دهلی

الأصل عندنا أن المنوى أن يكون من العبادات أو لا، فإن كان عبادة فإن كان وقتها ظرفاً للمؤدى بمعنى أنه يسعه وغيره فلابد من التعيين كالصلاة كأن ينوى الظهر فإن قرنه باليوم كظهر اليوم صح وإن خرج الوقت أو بالوقت ولم يكن خرج الوقت. فإن خرج ونسيه لا يجزيه فى الصحيح وفرض الوقت كظهر الوقت إلا فى الجمعة فإنها بدل لا أصل إلا أن يكون اعتقاده أنها فرض الوقت فإن نوى الظهر لا غير اختلف فيه. والأصح الجواز قالوا وعلامة التعيين للصلاة أن تكون بحيث لو سئل أى صلاة تصلى يمكنه أن يجيب بلاتأمل، الخ. (الأشباه والنظائر، الثالث فى بيان تعيين المنوى وعدمه: ۲۵. انیس)

مقتدی کے لیے بہتر ہے کہ جس وقت امام نماز شروع کرے اس وقت اقتداء کی نیت کرے، تاہم امام کے نماز شروع کرنے سے پہلے اور نماز کے لئے کھڑے ہونے کے بعد بھی اقتداء کی نیت کر لے تو کافی ہے۔

"والأفضل أن ینوی الاقتداء عند افتتاح الإمام فإن نوی حین وقف عالمًا بأنه لم یشرع جاز".(۱)

(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۶۳-۱۶۴)

تکبیر تحریمہ کے بعد نیت کرنے سے نماز نہ ہوگی:

سوال: زید نے تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ ناف پر باندھ لئے اور ہاتھ باندھ کر پھر زبان سے پوری نیت کر کے تعوذ و تسمیہ وفاتحہ وقراءت پڑھ کر نماز تمام کی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اور سجدۂ سہو بھی لازم آئے گا یا نہیں؟ اور تکبیر اولیٰ باطل ہوگئی یا وہی کافی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

تکبیر تحریمہ ختم ہونے سے پہلے نیت ضروری ہے۔ اس لیے زید کی نماز نہیں ہوئی، اور اگر تکبیر تحریمہ ختم ہونے سے قبل دل میں نماز کی نیت کر لی تھی، تو اگر چہ نیت قلبی کی وجہ سے نماز کی ابتدا صحیح ہوگئی، مگر بعد میں نیت کے الفاظ کہنے سے نماز فاسد ہوگئی۔

قال فی الدرالمختار:(ولاعبرة بنیّة متأخرة عنها)علی المذهب.

وقال فی رد المحتار:لأنّ الجزء الخالی عن النیّة لایقع عبادة فلا ینبنی الباقی علیه،وفی الصّوم جوزت للضرورة،بهنسی.حتی لونوی عند(۲)قوله اللّٰه قبل أکبرلایجوز؛ لأنّ الشروع یصحّ بقوله اللّٰهُ فکأنّه نویٰ بعد التکبیر.حلیة عن البدائع.(ردالمحتار: ۳۸۷/۱،باب شروط الصلاة،مطلب فی حضورالقلب والخشوع)

قلت:هذا الفرع مبنی علٰی غیرالظاهرمن المذهب لما قررالشارح والمحشی فی بیان تألیف الصّلاة:أنّ المذهب أنه لایصیرشارعًا باللّٰه فقط.ونص الشارح:

"ولایصیرشارعًا بالمبتدأ فقط کاللّٰه ولا بأکبرفقط هوالمختار،فلوقال اللّٰه مع الإمام وأکبر قبله أوأدرک الإمام راکعًا فقال اللّٰه قائمًا وأکبرراکعًا لم یصحّ فی الأصح". (ردالمحتار: ٤٤٨/١، فصل فی تالیف الصلاة)فقط واللّٰه تعالٰی أعلم

۳/ذی قعدہ ۱۳۸٦ھ۔(احسن الفتاویٰ:۳/۱۳)

---

(۱) الأشباه والنظائر،السابع فی وقتها:۳۷۔

(۲) لعله عقب،آه.منه

امام سے پہلے مقتدی نیت کرلے:

سوال: باجماعت نماز میں کیا مقتدی امام سے پہلے نیت کرسکتا ہے، یا امام کے تکبیر کہنے کے بعد ہی مقتدی کو نیت کرکے رکعت باندھنا چاہئے؟ (محمد خلیل الرحمان، مدینہ مسجد، محبوب نگر)

الجواب

نیت نماز شروع کرنے سے پہلے کا عمل ہے، اس لئے اگر مقتدی کی نیت امام سے پہلے ہوجائے تو کچھ حرج نہیں، جو افعال نماز میں کئے جاتے ہیں، ان میں مقتدی کا عمل امام سے پہلے نہ ہونا چاہئے، جیسے امام کے تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے ہی مقتدی نے تکبیر تحریمہ کہہ دیا تو یہ درست نہیں، نہ اقتدا صحیح ہوگی اور نہ مقتدی کی نماز، نیت چونکہ نماز سے باہر اور نماز سے پہلے کا فعل ہے، اس لئے نیت میں اگر مقتدی امام پر سبقت کرجائے تو کوئی قباحت نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے مقتدی امام سے پہلے وضو کرلے، فقہا نے لکھا ہے کہ اگر گھر سے چلتے ہوئے نماز میں شرکت کا ارادہ کرلیا تھا، تو یہی نیت ہوگی اور یہ نماز کے لئے کافی ہوگی۔(١) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۶۶)

امام رکوع میں ہوتو نیت:

سوال: کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا، اور امام صاحب باجماعت رکوع میں ہوں تو کیا ایسے شخص کو نیت کرکے جماعت میں شامل ہونا چاہئے، یا وقت کم ہونے کی وجہ سے نیت کرنا ضروری نہیں؟ (محمد عبدالعظیم صدیقی، ظہیر آباد)

الجواب

نماز کے لئے نیت کا پایا جانا شرط ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إنّما الأعمال بالنّيات". (٢)

البتہ نیت دل کا فعل ہے نہ کہ زبان کا، جب ایک شخص وضو کرکے مسجد میں آتا ہے، تو اسی ارادہ سے آتا ہے کہ اسے نماز ادا کرنی ہے، یہی نیت ہے، اس لئے اس صورت میں نیت پائی جاتی ہے؛ بشرطیکہ درمیان میں کسی غیر متعلق کام میں مشغول نہ ہوا ہو، زبان سے نیت کے الفاظ کہنا ضروری نہیں، بلکہ اگر زبان سے نیت کرنے کی صورت میں اس رکعت کے فوت ہوجانے کا اندیشہ ہوتو چاہئے کہ زبان سے نیت کے کلمات کہے بغیر امام کے ساتھ شریک ہوجائے۔

---

(١) دیکھئے: ردالمحتار : ٩٣/٢۔

(٢) دیکھئے: صحيح البخاري، رقم الحديث: ١، باب كيف كان بدأ الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم. محشی

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

''النية إرادة الدخول في الصلاة والشرط أن يعلم بقلبه''. (١) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۶۲-۱۶۳)

اگر نیت میں اطمینان نہ ہو:

سوال: ایک صاحب نماز میں نیت کرتے ہیں، لیکن ان کو اپنی نیت کے بارے میں اطمینان ہی نہیں ہوتا اور مستقل شک کی کیفیت رہتی ہے، ایسے شخص کے لئے نیت کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ (عبداللہ، سکندرآباد)

ایسے شخص کو چاہئے کہ نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرلے، خواہ عربی میں ہو یا اردو میں، مثلاً: یوں کہہ لے ''میں دو رکعت فریضۂ فجر کی نیت کرتا ہوں'' یہ اس کے لئے کافی ہے۔

''...من عجز عن إحضار القلب في النية يكفيه، الخ''. (٢) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۶۴-۱۶۵)

☆☆☆

(١) الفتاویٰ الهندية: ٦٥/١، الفصل الرابع فی النية.

(٢) البحر الرائق: ٤٨٤/١، مکتبه زکریا، دیوبند

استقبالِ قبلہ کے مسائل

غیر اللہ یعنی کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا جواز:

از غلام علی شاہ صاحب، حضرت سلامت السلام علیکم ورحمۃ اللہ

سوال: قبر اور تصویر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا حرام ہے، تو شرع میں یہ حکم کس واسطے ہوا کہ کعبہ شریف کی دیوار کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا چاہئے، اس واسطے کہ اس طور سے نماز پڑھنے میں بھی قبر کی طرف نماز پڑھنے کی مشابہت پائی جاتی ہے اور یہ مسلم ہے کہ حجر اسود کو انبیا علیہم السلام نے بوسہ دیا تو حجر اسود کی نسبت انبیا علیہم السلام کے ساتھ ہے اور مقام ابراہیم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نسبت ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انوار رخلت کا اثر مقام ابراہیم میں ہو، اور کعبہ شریف کی دیوار کی طرف انبیا علیہم السلام اور ملائکہ علیہم السلام نے طواف کیا ہے اور اس وجہ سے وہ محل درود و برکات ہے، تو اس واسطے نماز میں اس کی طرف منہ کرنے کا حکم صادر ہوا۔ لیکن ہمارا خدشہ باقی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کے سامنے سجدہ کرنا کس واسطے جائز ہوا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

اصل حقیقت یہ ہے کہ کعبہ شریف قبلہ ہے، اس واسطے کہ بیت اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب ہے، اس امر کا لحاظ نہیں کہ کس نے بنایا اور یہ بھی لحاظ نہیں کہ انبیاء سابقین علیہم السلام نے اس کا طواف کیا اور اسی وجہ سے شرعاً یہ حکم ہے کہ اگر کعبہ شریف کی دیوار منہدم ہو جائے۔ (نعوذ باللہ من ذلک) جیسا کہ حجاج کے وقت میں وقوع میں آیا، یا حجر اسود وہاں سے دور کر دیا جائے، جیسا کہ قرامطہ کے وقت میں آیا، یا مقام ابراہیم دور کر دیا جائے، تو کعبہ کی فضا کے بارے میں قبلہ کا حکم برقرار رہے گا۔ کعبہ شریف کا قبلہ ہونا اس کی اینٹ اور لکڑی اور پتھر پر موقوف نہیں۔ (۱) تو معلوم ہوا کہ کعبہ شریف کی دیوار، مقام ابراہیم اور حجر اسود کی طرف جو نماز پڑھنے کا حکم ہے، تو اس میں کچھ یہ لحاظ نہیں کہ کسی نبی

---

(۱) وعندنا أن القبلة هى الكعبة والكعبة هى العرصة والهواء إلى عنان السماء ولا معتبر بالبناء لأنه ينقل. (العناية شرح الهداية، باب الصلاة فى الكعبة: ١٥٢/١)

البيت الحرام سميت كعبة لتربعها أو لنُتُوئِهَا ومنه الكاعب لمن ارتفع نهدها. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب الصلاة فى الكعبة: ٤١٧)/وكذا فى المصباح المنير فى غريب الشرح الكبير، مادة: ك ع ب: ٥٣٤/٢. انيس)

کا وہاں پر قدم پڑا، اور انبیا علیہم السلام اور ملائکہ اور اولیاء کرام نے اس کا طواف کیا اور انبیا علیہم السلام نے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ بلکہ صرف یہی لحاظ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کعبہ شریف کی نسبت ہے، تو اس واسطے کعبہ شریف اور مقام ابراہیم اور حجر اسود کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں شرک کا گمان نہیں ہوسکتا۔ بخلاف قبور انبیاء علیہم السلام اور قبور اولیاء کرام اور بخلاف بزرگوں کی تصویروں کے، صاف ظاہر ہے کہ ان چیزوں کی نسبت ان بزرگوں کے ساتھ ہے جن کی وہ قبر یا تصویر ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ جو لوگ ان چیزوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا بہتر جانتے ہیں، ان کا خیال یہی ہوتا ہے کہ ان چیزوں کی نسبت بزرگوں کے ساتھ ہے، اس واسطے یہ چیزیں متبرک ہیں اور ان کے سامنے منہ کر کے نماز پڑھنا بہتر ہے، تو کعبہ شریف اور حجر اسود اور مقام ابراہیم کی طرف منہ کر کے جو نماز پڑھی جاتی ہے اور قبور انبیاء کرام اور اولیاء کرام یا بزرگوں کی تصویروں کی طرف جو بعض لوگ منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے، وہ اب ظاہر ہوا۔ مقام ابراہیم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت کے سوا اور کسی دوسرے امر کا لحاظ نہیں اور کسی کو امام بنانا دوسری چیز ہے اور کسی کو سجدہ کرنا دوسری چیز ہے اور یہ بھی صرف مستحب ہے کہ مقام ابراہیم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے؛ واجب نہیں۔ حتیٰ کہ مسجد حرام میں کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے جس جگہ چاہے نماز پڑھ لے؛ نماز درست ہو جائے گی، جیسا کہ کعبہ شریف کے حق میں ثابت ہے کہ بیت اللہ ہے، (۱) اسی طرح حجر اسود کے حق میں بھی وارد ہے۔

"**الحجر الأسود يمين الله في الأرض**". (۲)

(ترجمہ): یعنی حجر اسود گویا اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے زمین میں۔

تو حجر اسود کو چومنا گویا بمنزلۂ خدا کی دست بوسی ہے، اس کی عظمت بھی اسی وجہ سے ہے کہ اس کی نسبت خدا کے ہاتھ سے ہے، تو کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی وجہ معلوم ہوئی۔ البتہ اس نسبت کی ثبوت کے لئے نص صریح متواتر چاہئے اور کعبہ شریف اور بیت المقدس کے بارے میں اس نسبت کے ثبوت کے لئے نص صریح متواتر ہے۔ لیکن کعبہ شریف اور بیت المقدس کے سوا اور کسی دوسری چیز کے بارے میں کوئی نص صریح متواتر نہیں؛ جس سے یہ نسبت ثابت ہو۔

---

(۱) (الكعبة): بيت الله عزوجل، يقال: سمي بذلك لتربعه وكل بيت مربع: كعبة. (شمس العلوم ودواء كلام العرب من الكلوم، الكعبة: ۵۸۵۱/۹. انيس)

(۲) ابن عباس يقول: الركن - يعني الحجر - يمين الله في الأرض يصافح بها خلقه مصافحة الرجل أخاه، يشهد لمن يستلمه بالبر والوفاء والذي نفس ابن عباس بيده ما حاذى به عبد مسلم يسأل الله تعالىٰ خيرًا إلا أعطاه إياه. (مصنف عبدالرزاق، باب الركن من الجنة، عن ابن عباس رضي الله عنهما قوله (ح: ۸۹۱۹)/أخبار مكة للأزرقي، ماجاء في فضل الركن الأسود: ۳۲۳/۱. انيس)

اوراسی خیال سے بنی اسرائیل نے کہا:

﴿اجْعَلْ لَّنَا اِلٰهاً كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ﴾(۱)

(ترجمہ) یعنی اے موسیٰ! بنایئے ہمارے لئے معبود جیسا کہ ان کافروں کے لئے معبود ہیں۔

اوراب کوئی ایسی چیز جہاں میں نہیں؛ جس کی نسبت بلا واسطہ حضرت حق کے ساتھ ہو،سوا فضاء حجر معلق کے اور یہ منسوخ ہے اورسوا فضاء کعبہ شریف کے یہ برقرار ہے اور باقی جن چیزوں کی طرف سجدہ کرنا بعض اشخاص بہتر جانتے ہیں اوروہ چیزیں تصاویر اور معابد اسلاف کے قبیل سے ہیں تو ان چیزوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی طرف ہے، بہرکیف دونوں صورتوں میں بہت فرق ہے، ذرا غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔

اورتفسیر فتح العزیز میں پارہ الٓم کے آخر میں یہ جوآیت ہے:

﴿وَعَهِدْنَا إِلٰى اِبْرَاهِيمَ وَاِسْمٰعِيلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ﴾(سورۃالبقرۃ:۱۲۵)

اس آیت کی تفسیر میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔(۲)

اورشروع پارہ سیقول میں جوآیت ہے۔

﴿قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾(سورۃالبقرۃ:۱۴۲)

اس آیت کی تفسیر میں بھی تفسیر فتح العزیز میں یہ مسئلہ مذکور ہے،اس کو دیکھنا چاہئے،تاکہ اسرار عجیبہ ظاہر ہوں۔(۳)

اس قدر خیال کرنا یہ اشکال دفع کرنے کے لئے کافی اور شافی ہے کہ انبیاعلیہم السلام نے کعبہ شریف کی طرف منہ

---

(۱) سورة الأعراف:۱۳۸.انیس

(۲) تفصیل کے لیے دیکھئے!جواہر عزیزی اردو ترجمہ تفسیر عزیزی، جزء اول:۲۹۰-۳۲۰،مطبوعہ اشتیاق اے مشتاق پرنٹر لاہور۔انیس

فمعنى الآية:وأمرنا إبراهيم وإسماعيل بتطهير بيتي للطائفين ."والتطهير"الذى أمرهما به فى البيت هو تطهيره من الأصنام وعبادة الأصنام فيه ومن الشرك بالله.(تفسير الطبرى،تفسير سورة البقرة:۱۲۵-:۳۸/۲.انيس)

(۳) تفصیل کے لیے دیکھئے!جواہر عزیزی اردو ترجمہ تفسیر عزیزی، جزء دوم:۴۳۵-۴۵۶،مطبوعہ اشتیاق اے مشتاق پرنٹر لاہور۔انیس

ومن جهة أخرىٰ أن اليهود زعمت أن الأرض المقدسة أولىٰ بالتوجه إليهالأنها مواطن الأنبياء عليهم السلام وقد شرفها تعالىٰ وعظمها فلاوجه للتولى عنها فأبطل الله قولهم ذلك بأن المواطن من المشرق والمغرب لله تعالىٰ يخص منها مايشاء فى كل زمان على حسب مايعلم من المصلحة فيه للعباد إذ كانت المواطن بأنفسها لا تستحق التفضيل وإنما توصف بذلك على حسب ما يوجب الله تعالىٰ تعظيمها لتفضيل الأعمال فيها.(أحكام القرآن للجصاص،ت:قمحاوى،سورة البقرة:۱۰٦/۱.انيس)

کر کے نماز پڑھی ہے اور حجر اسود کو بوسہ دیا ہے، تو ان کے نزدیک ان دونوں چیزوں کی عظمت کس درجہ سے ثابت تھی، اگر یہ وجہ تھی کہ نبی کو یہ خیال ہوا کہ ہمارے سابق نبی نے کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور حجر اسود کو بوسہ دیا تو یہ لازم آئے گا کہ انبیاء کرام میں تسلسل ہو اور کعبہ شریف قدیم ہو اور حادث نہ ہو اور اگر انبیاء کرام کو صرف یہ خیال ہوا کہ کعبہ شریف اور حجر اسود کی نسبت خدا کے ساتھ ہے، اس وجہ سے کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہے اور حجر اسود کو چومنے کا حکم ہے، تو اب بھی وہی علت موجود ہے۔

خلاصہ یہ کہ کعبہ شریف اور حجر اسود کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، اس واسطے کہ کعبہ شریف کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہے اور حجر اسود کو بوسہ دینے کا حکم ہے اور کوئی دوسری وجہ نہیں اور قبور انبیا علیہم السلام اور قبور اور تصاویر اولیاء کرام کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہیں، اس واسطے ان چیزوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا نہیں چاہئے۔(۱) والسلام مع الاکرام

(فتاویٰ عزیزی: ۴۷۷-۴۷۹)

بیت المقدس کو ''قبلۂ اول'' کہنے کی وجہ:

سوال: بیت المقدس کو قبلہ اول کیوں کہتے ہیں؟ جب کہ مکہ کی زندگی میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔(مدینہ میں صرف چند ماہ کے لئے بیت المقدس کو عارضی قبلہ بنایا گیا تھا) بعد میں پھر بیت اللہ شریف کی طرف منھ کر کے نماز پڑھی ہے اور قیامت تک یہ قبلہ رہے گا اور یہ بیت اللہ بیت المقدس سے بنا بھی پہلے اور اس میں نیکی (عبادت) کا ثواب ایک لاکھ ہے، دوسری جگہ کا کم ہے؟

الجواب ______________ وباللہ التوفیق

اس امت میں بھی شروع میں بیت المقدس ہی قبلہ تھا، مگر ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں بین الرکنین نماز پڑھنے سے بیت المقدس و بیت اللہ دونوں کی مواجہت حاصل ہو جاتی تھی، مگر بعد ہجرت، مدینہ منورہ جانے کے بعد یہ صورت ممکن

---

(۱) عن عثمان بن طلحة أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال:إنی نسیت أن آمرک أن تخمر القرنین فإنہ لیس ینبغی أن یکون فی البیت شیء یشغل المصلی.(سنن أبی داؤد،باب فی دخول الکعبة (ح: ۲۰۳۰)

وفی روایة:أنہ لا ینبغی أن یکون فی البیت شیء یلھی المصلین.(مسندالإمام أحمد،حدیث أم عثمان بنت سفیان وھی أم بنی شیبة (ح:۱۶۶۳۶)

عن أنس بن مالک، کان قرام لعائشة سترت بہ جانب بیتھا فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم:أمیطی عنا قرامک ھذا فإنہ لا تزال تصاویرہ تعرض فی صلاتی.(الصحیح للبخاری،باب إن صلی فی ثوب مصلب،الخ (ح:۳۷۴)

وقد یستدل بحدیث عائشة ھذا علی کراھة الصلاة إلی التصاویر المنصوبة فإن فی ذلک مشابھة للنصاریٰ وعباد الأصنام المصلین لھا ولایترک فی المسجد صورة فی بناء.(فتح الباری لابن رجب،باب إن صلی فی ثوب مصلب أوتصاویر ھل تفسد،الخ : ۴۲۹/۲ .انیس)

نہ رہی اور پھر قبلہ اس امت کا بیت اللہ شریف سال ڈیڑھ سال بعد ہجرت مقرر ہوگیا، اس لئے بیت المقدس کو قبلہ اول کہنے لگے۔ ابن کثیر: ۱/۳۴۴(۱) وخازن نے اس مضمون کو احادیث کثیرہ اور آیت کریمہ:

﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا﴾(الآية)(۲) کے تحت بیان فرمایا ہے۔

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ۱۳۸۸/۵/۵ھ۔ الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔ ۱۳۸۸/۵/٦ھ۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزءاول: ۱۵۲-۱۵۳) ☆

قبلہ کی طرف پیر پھیلانا:

سوال: کیا قبلہ کی طرف پیر پھیلا کر لیٹنے میں بے ادبی ہے؟ گناہ ہے؟

الجو اب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

بے ادبی، مکروہ ہے۔ (۳) (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۳۴۲)

(۱) والمقصود أن التوجه إلى بيت المقدس بعد مقدمه صلى اللّٰه عليه وسلم المدينة واستمر الأمر على ذلک بضعة عشر شهراً وكان يكثر الدعاء والابتهال أن يوجه إلى الكعبة التى هى قبلة إبراهيم عليه السلام فأجيب إلى ذلک وأمر بالتوجه إلى البيت العتيق فخطب رسول اللّٰه عليه وسلم الناس فاعلمهم بذلک وكان أول صلاة صلاها إليها صلاة العصر. (تفسير ابن كثير من سورة البقرة: ۱۴۲-۱/۳۲۵، دار الكتب العلمية/تفسير الخازن لباب التأويل فى معانى التنزيل من سورة البقرة: ۱/۸٦. انيس)

☆ ہجرت سے پہلے بھی قبلہ ''بیت اللہ شریف'' تھا:

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں مسجد حرام قبلہ رہا یا مسجد اقصیٰ؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

ہجرت سے قبل مکہ کی زندگی میں بھی قبلہ بیت اللہ شریف ہی تھا، بعد ہجرت کے صرف تقریباً سال ڈیڑھ سال کے لئے بیت المقدس ہوگیا تھا، پھر حسب سابق بیت اللہ شریف ہوگیا اور قیامت تک رہے گا۔ جو لوگ مکہ میں ہجرت سے قبل مسلمان ہوگئے تھے، وہ لوگ بیت اللہ شریف ہی کی جانب رخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزءاول: ۱۵۴)

(۲) سورة البقرة: ۱۴۲. انيس

(۳) (ويكره) تحريمًا (استقبال القبلة بالفرج) ... كما كره (مد رجليه فى نوم أوغيره إليها) أى عمدًا؛ لأنه إساءة أدب الخ''. (الدر المختار)

قال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالىٰ: ''(قوله أى عمدًا): أى من غير عذرٍ، أما بالعذر أو السهو فلا، ط. ==

استقبال قبلہ شرط ہے، استقبال قبلہ کی نیت شرط نہیں:

(نیت استقبال قبلہ کی مختلف صورتوں کا تفصیلی جائزہ اوران کا حکم)

سوال: زید استقبال خانہ کعبہ کی نیت سے نماز شروع کرتا ہے، کیا اس کی نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ علامہ شامی نے تذبذب میں ڈال دیا ہے، کیونکہ ان کی مندرجہ ذیل عبارت (۳۳۲/۱) سے راجح وصحیح، جواز معلوم ہوتا ہے۔

"أما على القول الراجح من أنه لايشترط نيتها فلايضره نية غيرها بعد وجود الاستقبال الذى هوالشرط الخ فما ذكره الشارح تبعًا للبحروالحلية صحيح". (۱)

اوراس کے بعد دوسری عبارت جوشرح منیہ سے نقل فرمائی ہے کہ!

" أن نية القبلة وإن لم تشترط،لكن عدم نية الإعراض عنها شرط آه.وعليه فهومفرع على الراجح". (۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ راجح قول عدم جواز کا ہے۔

لہذا براہ کرم محقق مفتی یہ جواب عنایت فرما کرعنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب

بیشتر فقہانے مسئلہ یہی لکھا ہے اوراسی کوترجیح دی ہے کہ نماز میں استقبال قبلہ شرط ہے، لیکن استقبال قبلہ کی نیت ضروری نہیں، بغیر نیت استقبال ہوجائے گا، تب بھی نماز درست ہوگی۔خود شارح منیہ نے بھی یہ مسئلہ ذکر کرکے اس کو صحیح قرار دیا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

وقال صاحب الهداية فى التجنيس:نية الكعبة ليست بشرط فى الصحيح من الجواب؛لأن استقبال القبلة شرط فلا يشترط فيه النية كالوضوء انتهٰى،وهذا لأن الشروط يراعى وجودها تبعًا لا وجودها قصدًا؛لأنها وسائل ليست بمقصودة بالذات.(الكبيرى شرح المنية)(۳)

البتہ آگے چل کرانہوں نے یہ بھی لکھاہے کہ اگرچہ استقبال قبلہ کی نیت شرط نہیں، لیکن "**عدم نية الإعراض عن القبلة**" شرط ہے، لہذا اگر کوئی شخص اعراض عن القبلہ کی نیت کرے گا، تواس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔علامہ شامی نے

== (قوله لأنه إساء ة أدب)أفاد أن الكراهة تنزيهية ط،لكن قدمنا عن الرحمتى فى با ب الاستنجاء أنه سيأتى أنه بمد الرجل إليها ترد شهاد ته.قال:وهذا يقتضى التحريم، فليحرر.(الدرالمختارمع رد المحتار، كتاب الصلاة،باب مكروهات الصلاة،مطلب فى أحكا م المساجد: ٦٥٥/١،رشيدية)

(۱-۲) رد المحتار: ٤٢٥/١،طبع سعيد،كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،قبيل مطلب إذا اجتمعت الإشارة والتسمية

(۳) غنية المستملى: ٢١٨،طبع سهيل اكيڈمى لاهور

ان کا یہ قول محتمل طریقہ سے نقل فرمایا ہے، اس لئے تردد ہوتا ہے، لیکن علامہ ابراہیم حلبی شارح منیہ کی عبارتیں دیکھنے کے بعد ان کے قول کا جو منشا سمجھ میں آتا ہے، وہ یہ ہے کہ مسئلہ کی چند صورتیں ہیں۔

(۱)　استقبال قبلہ بھی ہو اور اس کی نیت بھی ہو، یہ بالاتفاق صحیح اور درست ہے۔

(۲)　استقبال قبلہ ہو اور نیت کچھ نہ ہو، اس صورت میں راجح قول کی بنا پر نماز درست ہے۔ **كما مر قول شارح المنية عن صاحب الهداية وهو الذى اختاره فى تنوير الأبصار و الدر المختار.**

(۳)　استقبال قبلہ ہو اور نیت غیر قبلہ کی ہو، اس معنی میں کہ وہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کی بجائے اور چیز کو قبلہ سمجھ کر اس کا رخ کرنا چاہتا ہو، یہ وہ صورت ہے جس میں شارح منیہ نے نماز کو فاسد کہا ہے۔

”كمن توجه إلى الركن اليمانى ناوياً الصلاة إلٰى بيت المقدس فإن نية القبلة وإن لم يشترط إلا أن عدم نية الإعراض عنها شرط“. (الكبيرى: ۲۲۲، طبع سهيل اكيڈمى لاهور) اس پر قیاس کر کے انہوں نے یہ مسئلہ بھی بیان فرمایا ہے کہ!

”وإن نوى المصلى يعنى وقت الشروع أن قبلته محراب مسجده لا تجوز صلاته لأنه علامة علٰى جهة القبلة“. (الحوالة السابقة)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ فساد صلوٰۃ کی صورت یہ ہے کہ محراب کی طرف اس خیال سے رخ کرے کہ قبلہ یہی ہے۔ اس پر علامہ شامی نے اس صورت کو بھی قیاس فرمایا ہے کہ کوئی شخص بناء کعبہ کی نیت کرے، تو اس کا بھی حکم یہی ہوگا، لیکن مقیس علیہ پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ اس وقت ہے جب وہ عرصۂ کعبہ سے صراحتًا اعراض کرنے کی نیت کرے اور محض بناء وجدران کو قبلہ سمجھے، جس کی علامت یہ ہے کہ اس کا خیال یہ ہو کہ اگر یہ پتھر اس مقام سے ہٹا کر کہیں اور رکھ دیئے جائیں تو وہی قبلہ ہوں گے اور انہی کا استقبال کیا جائے گا، تب اس کی نماز فاسد ہوگی، لیکن ظاہر ہے، ایسا خیال کرنا بہت بعید ہے۔

(۴)　چوتھی صورت اس سے خود بخود نکل آئی اور وہ یہ کہ کوئی شخص کسی مسامت قبلہ چیز کے استقبال کی نیت کرے، نہ اس وجہ سے کہ وہ قبلہ ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ وہ جہت قبلہ کی علامت ہے، تو اس صورت میں نماز ہو جائے گی مثلاً محراب کے استقبال کی نیت کرے، لیکن مقصد یہ نہ ہو کہ محراب قبلہ ہے، بلکہ یہ ہو کہ قبلہ کی علامت ہے۔ تو درحقیقت یہ استقبال محراب کی نیت نہیں ہوگی، بلکہ اس کو استقبال قبلہ کی نیت ہی کہا جائے گا، اس لئے نماز جائز ہوگی۔

كما يفيده قول المنية: ”إن نوى المصلى أن قبلته محراب مسجده الخ وقوله لأنه علامة علٰى جهة القبلة الخ“. (غنية المستملى: ۲۲۳، طبع سهيل اكيڈيمى لاهور)

اسی طرح اگر کوئی شخص بناء کعبہ کی نیت کرے، لیکن اس لئے نہیں کہ وہ قبلہ ہے، بلکہ اس لئے کہ قبلہ کی علامت ہے، تو بلاشبہ اس کی نماز درست ہوگی۔ اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ اگر کوئی شخص نماز میں کعبہ کا رخ کرنے کی نیت کرے، تو اس کی نماز درست ہوگی؛ کیوں کہ اس نیت کا مفہوم عرفاً یہی ہے کہ مقصود استقبال قبلہ وکعبہ ہے اور خانہ کعبہ کو عرف میں لفظ کعبہ ہی کے لئے بولتے ہیں، نیز اگر اس سے بناء کعبہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر بناء کے پتھر وہاں سے ہٹا کر کہیں اور رکھ دیئے جائیں؛ تو یہ مصلی ان کا استقبال نہیں کرے گا؛ لہذا اس کی نماز درست ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص ان پتھروں کو قبلہ سمجھے اور ان کے اپنی جگہ سے ازالہ کے بعد انہی کی طرف رخ کرنے کا قائل ہو تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی۔

وهذا مما لا يتصور في مسلم. والله سبحانه وتعالیٰ أعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔ ۲۸/۲/۱۳۹۱ھ۔ والجواب صحیح: محمد عاشق الٰہی۔ (فتویٰ نمبر ۳۲۹-۲۲، الف) (فتاویٰ عثمانی: ۱/۴۱۰-۴۱۲)

بحث سمت قبلہ:

سوال (۱) خورجہ (۱) سے کعبہ کی عین سمت کیا ہے، آیا علم ہیئت اور علم ہندسہ شریعت میں قابل لحاظ ہے؟

(۲) کیا قطب کو بجانب یمین دیکھتے ہوئے قبلہ خورجہ سے عین مغرب کے سامنے ہے؟

(۳) کیا ذریعہ قطب مندرجہ بالا ایک عام اور کل اصول ہندوستان کیلئے ہے؟

(۴) خورجہ میں اگر اکثر مساجد مندرجہ بالا طریقہ پر یا کسی اور غلط طریقہ پر تعمیر ہوئی ہیں تو کیا دیگر جدید مساجد اس غلط طریقہ پر آئندہ بھی بنائی جائیں؟ اطلاعاً عرض خدمت ہے کہ چند مساجد مندرجہ ذیل طریقہ پر یعنی علم ہیئت اور علم ہندسہ کے مطابق بنی ہوئی ہیں۔ خورجہ علم ہیئت کے مطابق ۲۸ر درجہ شمال عرض البلد پر واقع ہے اور مکہ معظمہ ۲۱ر درجہ ۴۰ ر لمحہ عرض البلد پر واقع ہے۔ لہٰذا اس طریقہ پر تقریباً ۷ر درجہ کا فرق ہے اور بریں اصول ۷ر درجہ بجانب مغرب وجنوب نماز پڑھنی چاہئے، جیسا کہ چند علماء کرام نے اس پر فتویٰ دیا ہے۔

(۵) ہمیں عین قبلہ معلوم کرنا ضروری ہے یا محض جہت قبلہ کافی ہے؟

الجواب

(۱-۵) سمت قبلہ اور جہت قبلہ میں شرعاً بہت وسعت ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ عین کعبہ کی طرف استقبال ہو؛ بلکہ جہت قبلہ کافی ہے اور اس میں بھی تھوڑے سے انحراف سے یعنی کسی قدر دائیں بائیں ہوجانے سے استقبال کعبہ میں خلل نہیں آتا۔ جیسا کہ درمختار میں ہے:

---

(۱) ہندوستان کے صوبہ یوپی میں واقع شہر کا نام ہے۔ انیس

''(ولغیرہ)أی غیر معاینها(إصابة جهتها)بأن یبقی شیء من سطح الوجه مسامتًا للکعبة أو لهوائها،الخ''.(۱)

اور شامی میں قہستانی سے منقول ہے:

''ولا بأس بالانحراف انحرافًا لاتزول به المقابلة بالکلیة،بأن یبقی شیء من سطح الوجه مسامتًا للکعبة،آه...(إلیٰ أن قال)...وسیأتی فی المتن فی مفسدات الصلاة:أنها تفسد بتحویل صدره عن القبلة بغیرعذر،فعلم أن الانحراف الیسیر لایضر،وهوالذی یبقی معه الوجه أوشیء من جوانبه مسامتًا لعین الکعبة أو لهوائها،بأن یخرج الخط من الوجه أومن بعض جوانبه ویمرعلی الکعبة أوهوائها مستقیمًا،ولا یلزم أن یکون الخط الخارج علی استقامةٍ خارجًا من جبهة المصلی بل منها أومن جوانبها،الخ.(۲)

الحاصل جبکہ یہ امر محقق ہوا کہ انحراف یسیر سے استقبال کعبہ میں فرق نہیں آتا،تو اس سے واضح ہے کہ قطب شمالی کو جانب شمال رکھ کر نماز پڑھنے میں استقبال کعبہ حاصل ہو جاتا ہے۔اور مساجد جو اس طریق سے بنی ہوئی ہیں وہ صحیح رُخ پر ہیں،اس میں زیادہ کنج وکاؤ کی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ آلات سمت قبلہ کے دریافت کرنے کے لئے مہیا ومیسر نہیں ہیں۔اور پھر وہ بھی ظنی ہیں اور عام لوگوں کو اس کی تکلیف دینا دشوار ہے اور مساجد قدیمہ خود اس بارہ میں حجۃ صحیحہ ہیں اور تغیر کرنا ان میں تھوڑے سے انحراف مظنون کی وجہ سے مناسب نہیں ہے اور قطب شمالی کو حجت سمجھنا اس بارہ میں اکابر علما کا دلیل واضح اس کے صحت کی ہے۔فقط(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۴۵-۱۴۶)

مسئلہ سمتِ قبلہ:

سوال: سوال یہ ہے کہ کلکتہ، پٹنہ، گیا اور الہ آباد سے مکہ معظّمہ پچھّم دکن کی طرف ہے،اس لئے خیال ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے میں قبلہ کی طرف رُخ کرنے کی یہ صورت ہوگی کہ ذرا سا دکن مُڑتے ہوئے پچھّم کے رُخ کھڑے ہوں،مگر ایک عالم صاحب ہیئت دان یہ فرماتے ہیں کہ ان شہروں میں پچھّم سے ذرا اُتر کی طرف مڑتے ہوئے کھڑے ہونے سے مصلّی قبلہ رُخ ہوگا، یہ فرمانا اُن کا صحیح ہے یا نہیں؟

اور نماز میں ان مذکورہ جگہوں میں کس طرف کھڑا ہونا چاہئے، یا ٹھیک پچھّم کی طرف؟ بینوا توجروا۔

(۱) الدرالمختار علیٰ صدر رد المحتار،باب شروط الصلاة،مبحث فی استقبال القبلة:۱/۳۹۷،ظفیر

(۲) رد المحتار،باب شروط الصلاة،مبحث فی استقبال القبلة:۱/۳۹۹،ظفیر

الجواب

فی الدر: وھو فی القریٰ و الأمصار محاریب الصحابة و التابعین. (الدر المختار)

وقال الشامی تحته: فلا یجوز التحری معھا. زیلعی. بل علینا اتباعھم. خانیة. ولا یعتمد علٰی قول الفلکی العالم البصیر الثقة إن فیھا انحرافًا خلافا للشافعیة فی جمیع ذلک کما بسطه فی الفتاوی الخیریة، الخ.

وقال الشامی أیضًا بعده قلیلاً: و الظاھر أن الخلاف فی عدم اعتبارھا (أی النجوم) إنما ھو عند وجود المحاریب القدیمة، إذ لا یجوز التحری معھا کما قدمناه؛ لئلا یلزم تخطئة السلف الصالح و جماھیر المسلمین، بخلاف ما إذا کان فی المفازة، الخ. (۱/٤٤٧)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جمہور مسلمین نے جس سمت پر مساجد بنائی ہیں، ان کو غلط نہ کہنا چاہئے، پس **تدقیقات مذکورہ فی السوال** سے احتراز لازم ہے، اور اگر کوئی شخص اپنے قواعد کو صحیح گمان کر کے تھوڑا بہت تفاوت مساجد عامہ میں ثابت بھی کردے، تو اس سے سمت کا غلط ہونا لازم نہیں آتا، جیسا کہ قول در: **(ولغیرہ) أی لغیر معاینھا (إصابة جھتھا)** کے تحت شامی کے ملاحظہ کرنے سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے اور دور والوں کو سوائے جہت کے اور کیا معلوم ہوسکتا ہے، عین کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کے واسطے ہمارے پاس کیا ذریعہ ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔ الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ۔ ۷/رجب ١٣٤٥ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۹۹-۱۰۰)

سمت قبلہ کی بحث:

(۱) کیا ایک مسافر مہمان یا سیاح کے لئے جائز ہے کہ بلا دعوت کسی تعمیر شدہ مسجد یا کسی مسلمان کے گھر میں قطب نما (قبلہ نما) کو حجت بنا کر قبلہ کی سمت کی تصحیح کرے۔

(۲) کسی مقام اور کعبے کے درمیان جس رخ سے فاصلہ قریب ترین ہوا سی سمت قبلہ ہوگا عام طور سے یہ تسلیم کیا جاتا ہے مگر آج جو آدمی ایک مقام پر مسجد تعمیر کر رہے ہیں اور اصول پر یعنی قریب ترین فاصلے کی طرف قبلہ مقرر کر کے محراب بنا دیں، اگر آج سے بیس سال بعد کچھ نئے آلات سے یہ دریافت کیا جائے کہ ایک اور سمت سے جو کہ پہلے سے برعکس تو نہیں، لیکن اگر پہلی مغرب تھی تو یہ مشرق نہیں بلکہ مغربی جنوب ہے مسجد کا کعبہ سے فاصلہ قریب ترین ہے کیا، اس صورت میں سابقہ محراب اور رخ قائم رکھا جائے یا تبدیل کر دیا جائے؟

(ابراہیم ہمدانی۔ کیلی فورنیا۔ یو، ایس، اے)

---

(۱) ردالمحتار، باب شروط الصلاة، مبحث فی استقبال القبلة، انیس

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

(۱)　ایسی صورت میں اس کو خود وہاں کے ذمہ داروں سے مشورہ کئے بغیر کوئی تغیر وتبدیلی کرڈالنا درست نہیں، بلکہ اس شخص پر لازم ہے کہ پہلے یہ دیکھ لے کہ مسجد کا انحراف کتنا ہے، صرف اتنا انحراف ہو جس سے مواجہۃ فی الجملہ بھی حاصل ہو جاتی ہے جب تو سکوت کرے۔ ہاں اگر اتنا زیادہ انحراف ہے جس سے مواجہت مسجد حرام فی الجملہ بھی حاصل نہیں ہے، تو اس مسجد کے ذمہ داروں اور سمجھ دار مصلیوں سے ذکر کرے، پھر ان کے مشورے سے وہاں کے معتمد علما سے فتویٰ لے کر اس کے مطابق جس تبدل وتغیر کی ضرورت ہو اتفاق واتحاد سے کرے، خود رائی ہرگز نہ کرے، اسی طرح اگر کسی مسلمان نے اپنے گھر میں نماز پڑھنے کے لئے کوئی جگہ متعین کر رکھی ہے اور اس کا قبلہ منحرف پائے، تو اس میں بھی یہی مذکورہ بالا تفصیل ہے، صرف فرق اتنا ہے کہ اس صورت میں عام نمازیوں سے یا عام مسلمانوں سے مشورہ کی حاجت نہیں، بلکہ اس گھر کے ذمہ داروں سے مشورہ لے کر استفتا کرے، پھر اس فتویٰ کے مطابق اتحاد واتفاق کے ساتھ جو کرنا ہو کرے، ہاں مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ خود اپنی نماز پڑھنی ہو اور وہاں کوئی صحیح قبلہ رخ بتانے والا نظر نہ آئے تو فقط اپنی تحری اور اس تحری کی قطب نما وغیرہ کے مطابقت کے بعد نماز پڑھ لینا کافی اور جائز ہوگا۔(۱)

مواجہت فی الجملہ کا مفہوم۔ جواب:۲، کا ضمنی نمبر ''ب'' کے اندر آگے آرہا ہے۔

(۲)　جناب نے جو کچھ لکھا اور سمجھا ہے، تقریباً صحیح سمجھا اور لکھا ہے جواب نمبر ا کے اندر درج کی ہوئی تفصیل و قیود وشرائط کے مطابق اتحاد واتفاق کے ساتھ تبدل وتغیر کر دیا جائے گا، اس کی نظیر مسجد ذو قبلتین موجود ہے، البتہ خود رائی وغیرہ کرنا کسی کے لئے بھی جائز نہ ہوگا۔(۲)

---

(۱)　''وإن اشتبهت عليه القبلة وليس بحضرته من يسأله عنها اجتهد وصلى كذا في الهداية''. (الفتاویٰ الهندية: ٦٤/١، الفصل الثالث في استقبال القبلة)

(۲)　اس لئے کہ جہت کعبہ کی طرف رخ کرنا نماز کے لئے شرط ہے۔

لقوله تعالٰی: ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾. (سورة البقرة: ١٥٠)

نیز تحویل قبلہ سے متعلق حدیث کے اخیر میں ہے:

''فصلى رجل معه العصر ثم مر علٰى قوم من الأنصار وهم ركوع في صلاة العصر نحو بيت المقدس، فقال: هو يشهد أنه صلى مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأنه قد وجه إلى الكعبة، قال فانحرفوا وهم ركوع''. (سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ما جاء في ابتداء القبلة، رقم الحديث: ٣٤٠، مرتب) عن عن البراء بن عازب/شرح السنة للبغوي، با تحويل القبلة من بيت المقدس إلى الكعبة (ح: ٤٤٤)/انيس)

تمام حوالجات کے ساتھ مدلل ومکمل جواب تفصیل سے لکھنے کے لئے ایک رسالہ درکار ہے، اوراس کی گنجائش ان اوراق استفتا میں نہیں ہے، اس لئے مختصر مگراس انداز سے لکھ دیا جاتا ہے کہ آسانی سے پوری بات سمجھ میں آجائے۔اس کے لئے پہلے چند باتوں کا بطور تمہید ذکر کردینا ضروری ہے۔

(الف) مسئلہ شرعی یہ ہے کہ جب تک کعبۃ اللہ شاہد اور نگاہوں کے سامنے ہو، تو عین کعبہ کا استقبال ضروری ہوتا ہے اور جب عین کعبہ مشاہد نہ ہو، لیکن مسجد حرام مشاہد ہو، تو مسجد حرام کا استقبال ضروری ہوتا ہے، (۱) اور جب مسجد الحرام بھی مشاہد اور نگاہوں کے سامنے نہ ہو، تو مسجد حرام کی سمت کا رخ کرنا اور مواجہت کرلینا اور وہ بھی مواجہت فی الجملہ کرلینا کافی ہوجاتا ہے، حتی کہ اگر صحیح سمت کا پتہ کسی وجہ سے نہ چلے اور نہ کوئی صحیح بتانے والا ملے تو ستاروں وغیرہ سے اندازہ لگا کر اور تحری کرکے یا آلات وغیرہ سے مدد لے کر اور تحری کرکے، جس رخ وسمت پر دل قرار پائے، اس رخ پر تحریمہ باندھ کر نماز پڑھ لے، کیونکہ ان سب صورتوں پر مواجہت فی الجملہ حاصل ہوجاتی ہے۔

﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ (۲) جو اصلی حکم ہے؛ اس پر عمل ہوجاتا ہے اور یہ سب احکام تقریباً مذہب کی تمام ہی کتابوں میں درج ہیں جو معتبر ہیں۔ (۳)

(ب) کعبہ شریف کی لمبائی چوڑائی صرف ۲۸x۲۲ کے لگ بھگ ہے اور مسجد قباء و مسجد نبوی کی لمبائی چوڑائی یقیناً اس سے (۲۸x۲۲) سے زیادہ ہے۔ نیز مسجد نبوی کے دائیں بائیں مدینہ طیبہ کی دیگر مساجد جو دور رسالت میں تعمیر ہوئیں۔ ان سب میں بھی تمام مقتدی ایک ہی خط پر صف بستہ کھڑے ہوتے تھے ظاہر ہے کہ ان میں صرف بعض ہی مقتدی سے اس خط پر عین کعبہ کی مواجہت کا امکان ہے اور باقی تمام مقتدیوں میں عین کعبہ کی مواجہت متصور نہیں ہوسکتی، اس کے باوجود سب کے حق میں مواجہت کعبہ تسلیم کی گئی یہ عمل مواجہت قبلہ فی الجملہ کافی ہونے پر کھلی دلیل ہے۔

(ج) پھر دور صحابہ وتابعین میں بہت دور دراز مقامات تک صحابہ وتابعین پہنچے، مثلاً فارس وروم بلکہ افریقہ کے بڑے بڑے جنگلات کے آگے پہنچ گئے اور تقریباً ہر جگہ مسجدیں بنائیں اور بر بر کے علاقہ کی صرف ایک مسجد کے سوا

(۱) وفی التجنیس: من كان بمعاينة الكعبة فالشرط إصابة عينها، ومن لم يكن بمعاينتها فالشرط إصابة جهتها وهو المختار. (البحر الرائق: ۱/۴۹۵)

(۲) سورة البقرة: ۱۱۵۔

(۳) من كان خارجًا عن مكة فقبلته جهة الكعبة وهو قول عامة المشائخ هو الصحيح هكذا فى التبيين، وجهة الكعبة تعرف بالدليل، والدليل فى الأمصار والقرى المحاريب التى نصبها الصحابة والتابعون، فعلينا اتباعهم فإن لم تكن فالسؤال من أهل ذلك الموضع، وأما فى البحار والمفاوز فدليل القبلة النجوم، هكذا فى فتاوىٰ قاضى خان. (الفتاوى الهندية: ۱/۶۳)

جس کی جہت کعبہ غیبی آواز پر عین کعبہ کے رخ پر بنائی باقی سب مسجدیں یا تو اپنے سامنے والی آبادی کی مسجدیں جس رخ وسمت پر بنی تھیں اسی رخ وسمت پر بنائیں یا پھر جہاں بڑے بڑے ریگستان یا غیر آباد جنگلات یا سمندر و پہاڑ حائل ہوئے وہاں محض ستاروں کے انداز پر تخمینہ وتحری کر کے یا اس دور کے آلات وحسابات کے اصول پر سمت قبلہ متعین کر کے بنائیں، بلکہ ایک مسجد جس خط پر بنائی اس کے دائیں بائیں سوسو پچاس پچاس میل کے فاصلے پر بھی اسی خط پر سمت قبلہ تسلیم کر کے اور مسجدیں بھی بنائیں یہ بھی کھلی دلیل ہے کہ صرف مواجہت قبلہ فی الجملہ شرعاً مطلوب ہے۔

(د)　مواجہۃ فی الجملہ کا مفہوم۔ لفظ مواجہہ وجہ (چہرہ) سے ماخوذ ہے، پیشانی کے اوپر آگے بال کی جڑ سے تھوڑی کے نیچے تک کا اور دونوں کانوں کے قریب تک کا حصہ ہے یہ حصہ دائرہ نما ہوتا ہے جس میں بیچ میں ابھار اور ہر طرف ڈھلاؤ اور نیچا ہوتا ہے اور اس کی صورت مثلا یہ ہوگی اگر اس طرح کھڑا ہوا جائے کہ اس دائرۂ وجہ کے کسی بھی حصہ سے اگر کوئی خط مستقیم آگے کو نکلے اور وہ سیدھا مسجد حرام کے کسی بھی حصہ تک یا بیت اللہ کے اوپر جو عرش معلیٰ تک ہے اس کے کسی حصہ تک پہنچ جائے تو مواجہت فی الجملہ حاصل ہو جائے گی اور ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (۱) کا مفہوم صادق آ کر نماز کی ادائیگی صحیح ہو جائے گی اور یہی مواجہۃ فی الجملہ شرعاً مطلوب ہے اور یہی مواجہۃ فی الجملۃ جس مسجد میں حاصل ہو جائے گی؛ اس مسجد کا قبلہ صحیح متصور ہوگا اور اس کا بدلنا اور متغیر کرنا ضروری نہیں ہوگا۔(۲)

(ھ)　زمین مع پانی کے کروی ہے اور اس میں ایک جگہ کعبہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام عالم کا قبلہ ومرکز قرار دیا ہے اور قبلہ سے مراد کعبہ کی یہ عمارت نہیں ہے بلکہ وہ حصہ ہے جس پر یہ عمارت ہے وہ حصہ اور اس کے مقابل جتنا حصہ تحت الثریٰ تک ہے وہ اور پھر اس کے مقابل جتنی فضا عرشِ معلیٰ تک ہے، وہ سب قبلہ گاہ عالم اور تجلی باری تعالیٰ کا خصوصی مورد ہے، اسی کی طرف سارے عالم کا رخ پھیر دیا ہے اور یہ عمارت اس پر نشانی وعلامت ہے اور اس کے ساتھ ملصق ہے اس لئے یہ بھی محترم اور واجب الاحترام ہے اور کعبہ کو کعبہ اس لئے کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اسی حصہ زمین کو پانی کے اوپر ظاہر کیا اور ابھارا، پھر اس کے بعد اللہ نے اپنی قدرت وحکمت سے جتنا چاہا پھیلایا اور بڑھایا، پھر اسی طرح جہاں جہاں اور جتنا حصہ زمین کا چاہا پانی کے اوپر ابھارا اور پھیلایا۔

”کما أشار إلیه قوله تعالیٰ: ﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا﴾(۳)

---

(۱)　سورۃ البقرۃ:۱۴۹۔

(۲)　لأن وجه الإنسان مقوس،فمهما تأخر یمیناً أو یساراً عن عین الکعبة یبقی شيء من جوانب وجهه مقابلا لها. (تفصیل کے لئے دیکھئے: رد المحتار علی الدر المختار: ۱۰۹/۲-۱۱۰. کتاب الصلاۃ، باب شروط الصلاۃ، مبحث فی استقبال القبلة. انیس)

(۳)　سورۃ آل عمران: ۹۶۔

==

غرض اللہ نے اسی حصہ کو تمام عالم کا قبلہ قرار دیکر تمام جنات وانسان کواسی کی جانب رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا آیت کریمہ:

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾(۱) میں دیا ہے اور ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ﴾ اور ﴿فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ﴾ میں مواجہت فی الجملہ مراد لیا ہے۔(۲) جیسا کہ احادیث صحاح سے بھی معلوم ہوتا ہے اور تعامل صحابہ سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔ اور مزید وضاحت ذیل کے نقشے سے ہوگی۔

(و) زمین کے کروی ہونے کی وجہ سے کعبہ شریف سے خط مستقیم پورب جانب کو سطح ارض وسمندر پر چلے گا؛ وہ جتنا پورب بڑھتا جائے گا کروی ہوتا جائے گا، اسی طرح کعبہ شریف سے جو خط مستقیم سطح ارض وسمندر پر پچھّم جانب کو چلے گا؛ وہ بھی کروی ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ یہ دونوں خط (خط غربی وشرقی) نصف دائرہ کے ایک نقطہ پر آپس میں مل کر ایک مکمل دائرہ بنا دیں گے۔

اسی طرح کعبہ شریف سے جو خط مستقیم اتر کی جانب سطح ارض وسمندر پر چلے گا، وہ بھی کروی ہوتا جائے گا اور جو خط مستقیم کعبہ شریف سے دکھن کی جانب سطح ارض وسمندر پر چلے گا وہ بھی کروی ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ یہ دونوں (جنوبی وشمالی) بھی نصف دائرہ کے ایک نقطہ پر آپس میں مل کر دائرہ بنا دیں گے اور یہ نقطہ بعینہ وہی نقطہ ہوگا جو خط غربی وشرقی کو آپس میں ملا کر ایک مکمل دائرہ بنا چکا ہے، پس اس نقطہ پر چاروں سمت (پچھّم، پورب، اتر، دکھن) سے کعبہ شریف کا فاصلہ برابر ہوگا اور اس نقطہ پر جو شخص اس پر نماز پڑھ سکتا ہو، تو وہ جس طرف چاہے رخ کر کے نماز پڑھ لے مواجہۃ فی الجملہ حاصل ہو کر اس کی نماز صحیح ادا ہو جائے گی۔

البتہ اس جگہ سے ذرا ہٹ جانے پر یہ حکم نہ رہے گا۔ مثلاً اس جگہ سے اگر خط غربی کی طرف ہٹے گا، تو اس کو پورب

== وبكة لغة في مكة عند الأكثرين،...وقيل بكة موضع المسجد ومكة البلد بأسرها وأصلها من البك بمعنى الزحم...وذهب أكثر أهل الأخبار أن الأرض دحيت من تحته. (تفسير روح المعاني: ۸/۳-۹)

(۱) سورة البقرة: ۱۵۰۔

نیز "وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ" کی تفسیر میں مذکور ہے:

أى لكل قوم من المسلمين جهة وجانب من الكعبة يصلى إليها جنوبية أو شمالية أو شرقية أو غربية. (تفسير روح المعاني، تفسير الجزء الثاني: ۲۱)

(۲) أى ليس المراد بالقبلة الكعبة التي هي البناء المرتفع على الأرض، ولذا لو نقل البناء إلى موضع آخر وصلى إليه لم يجز، بل تجب الصلاة إلى أرضها، كما في الفتاوى الصوفية عن الجامع الصغير. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۱۴/۲، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة، قبيل مطلب كرامات الأولياء ثابتة)

رخ نماز پڑھنا لازم ہو جائے گا،اب اگر وہاں کوئی مسجد کسی وجہ سے پچھّم رخ پر بنی ہوگی،تو اس کا قبلہ بدل کر پورب رخ بنا لینا لازم ہو جائے گا؛ کیوں کہ پچھّم رخ میں مواجہت فی الجملہ بھی حاصل نہ ہوگی اور دیدہ و دانستہ پچھّم ہی رخ نماز پڑھے گا،تو نماز نہ ہوگی اسی طرح اس جگہ سے اگر خط شرقی کی طرف ہٹے گا تو اس کو پچھّم رخ پر نماز پڑھنا لازم ہوگا،اب اگر وہاں کوئی مسجد کسی وجہ سے پورب رخ بنی ہوئی ہو تو اس کا قبلہ بدلکر پچھّم رخ کر لینا ضروری ہوگا کیونکہ پورب رخ میں مواجہۃ فی الجملہ بھی حاصل نہ ہوگی اور نماز نہ ہوگی۔(۱)

اسی طرح اس نصف دائرہ کے مرکزی نقطہ سے اگر اتر ہٹے گا؛ تو اس کو دکھن رخ قبلہ بنانا واجب ہوگا اور اگر دکھن سے ہٹے گا؛ تو اتر رخ قبلہ بنانا ضروری ہو جائے گا۔اور خلاف ورزی کرنے میں نماز نہ ہوگی اسی طرح جو مسجدیں یا جو لوگ ان دونوں دائروں کے درمیان واقع ہوں گے انکو بھی مواجہۃ قبلہ فی الجملہ حاصل کرنے میں انہی ضمنی نمبروں میں ذکر کئے ہوئے احکام کے مطابق عمل کرنا لازم ہوگا،یعنی اس طرح نماز پڑھنا ہوگا یا مسجد بنانا ہوگا کہ جتنے خط مستقیم وجہ مصلی سے نکل کر سمت قبلہ کی طرف چلیں ان میں سے کم از کم ایک خط مستقیم سیدھا مسجد حرام کے کسی حصہ تک یا بیت اللہ کے اوپر عرشِ معلّٰی تک بیت اللہ کے محاذی جو فضا ہے،اس کے کسی حصے تک پہنچ جائے اور یہی مفہوم ہے سوال کے اس جملہ کا (کہ کسی مقام اور کعبہ کے درمیان جس رخ سے فاصلہ قریب ترین ہو اسی سمت قبلہ ہوگا) کیونکہ اس خط مستقیم پر اس مقام اور کعبہ کے درمیان کا فاصلہ کمتر ہوگا اور بیت اللہ قریب تر ہوگا۔

(ز) کعبہ کی عمارت جس بقعہ پر واقع ہے،اس بقعہ کو جب اللہ تعالیٰ نے پانی کے اوپر تمام زمین ابھارنے سے پہلے ابھارا اور نمودار کیا اور اس کو مرکز عالم بنایا،پھر حصۂ بقعہ کو اور اس کے محاذی حصے کو تحت الثریٰ تک اور اس بقعہ سے اوپر اس بقعہ کے محاذی فضا کا حصہ عرش معلّٰی تک اپنی خصوصی توجہ کا مورد بنا کر اس کو معظم ومحترم بنایا اور تمام عالم کا قبلہ قرار دے دیا اور ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ (۲) کا اصل حکم موجود ہوتے ہوئے؛ (جس کا ثمرہ اب بھی تحری قبلہ وغیرہ کے موقع پر ظاہر ہوتا ہے)،اس کے بجائے صرف اسی قبلہ عالم کی جانب

(۱) یعنی ہندوستان وغیرہ کے لوگوں کے لیے۔انیس

(۲) سورۃ البقرۃ:۱۱۵۔

نیز درمختار میں ہے: ”(والمعتبر)فی القبلة (العرصة لا البناء)فهی من الأرض السابعة إلی العرش“.

اس کے تحت علامہ شامی لکھتے ہیں:

”لیس المراد بالقبلة الكعبة التی هی البناء المرتفع علی الأرض،ولذا لو نقل البناء إلٰی موضع آخر وصلی إلیه لم یجز،بل تجب الصلاة إلٰی أرضها“. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱۱٤/۲ ،مرتب،كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة، مبحث فی استقبال القبلة،قبیل مطلب كرامات الأولیاء ثابتة.انیس)

تمام انسانوں اور جناتوں کو نماز پڑھنے کا حکم دے دیا، تاکہ اس تجلی گاہ عالم کی عظمت اور احترام ہمیشہ باقی اور محفوظ رہے، نیز اس لئے کہ مصلی کی یہ ایک رنگی اور وحدت اشارہ کرے گی وحدت عقیدہ پر اور وحدت عقیدہ دلیل ہوگی وحدتِ ذات پر اور اس کی توحید پر اور یہ عین محمود و مطلوب ہے، ان سب باتوں کا تقاضہ تو یہ تھا کہ ہر نماز میں اور ہر جگہ عین کعبہ کی مواجہۃ فرض ہوتی، مگر ہر جگہ سے عین کعبہ کی مواجہۃ متعذر اور دشوار ہی نہیں، بلکہ بسا اوقات انسانی قابو سے باہر تھی، اس لئے اللہ نے اپنے قانون ﴿لاَ يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (۱) اور ''الدين يسر'' (۲) کے مطابق ہر جگہ و ہر مقام سے عین کعبہ کی مواجہت فرض نہیں رکھا، بلکہ محض کعبہ کے مشاہد ہونے تک محدود رکھا اور کعبہ کے غیر مشاہد ہونے کی صورت میں صرف مواجہۃ فی الجملہ کی فرضیت قائم فرمادی، تاکہ یک رنگی عمل بھی باقی رہے اور احترام و اعزاز بقعہ مبارکہ بھی محفوظ و حاصل رہے۔

اتنا سمجھ لینے کے بعد اصل سوال کا جواب خود بخود نکل آیا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

خلاصۂ جواب: کسی خطہ و مقام پر جب کوئی نئی مسجد تعمیر کرنا ہو، تو پہلے یہ دیکھیں کہ اس خطہ کے قدیم مساجد کا رخ کیا ہے، اگر ان کے رخ سے مواجہۃ فی الجملہ حاصل ہوتی ہے، اس سے اختلاف مذموم اور مخالفت نادرست ہوگی، بلکہ انہی مساجد کے رخ کے رخ پر اس نئی مسجد کا قبلہ و محراب رکھیں، یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی قدیم مسجد کا قبلہ نئے آلات سے دریافت کے بعد بالکل برعکس و متضاد تو نہیں ہے، بلکہ محض دائیں بائیں (شمالا یا جنوباً) کچھ منحرف ہے، تو یہ دیکھ لیں کہ اگر اس انحراف کے باوجود مواجہۃ القبلہ فی الجملہ حاصل ہے جب تو کوئی تبدل و تغیر اس کے محراب و قبلہ میں نہ کریں کیونکہ اس صورت میں عمل کی یک رنگی محفوظ نہ رہے گی اور یک رنگی حد شرع میں رہتے ہوئے قائم رکھنا عند اللہ مطلوب و محدود ہے، اور مقصود ہے۔ (۳)

ہاں اگر انحراف اتنا زیادہ ہو کہ مواجہۃ فی الجملہ بھی باقی نہ رہے، تو اس کی اصلاح کرنا اور محراب و قبلہ بدل کر مذکورہ طریقہ پر صحیح رخ پر قائم کر دینا ضروری ہو جائے گا، دور دراز مقامات پر مواجہۃ قبلہ فی الجملہ معلوم کرنے کا ایک طریقہ

---

(۱) سورة البقرة:٢٨٦۔

(۲) عن أبي هريرة.رضي الله عنه.عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:''إن الدين يسرولن يشاد الدين أحد إلا غلبه،فسددوا وقاربوا وبشروا واستعينوا بالغدو ة والروحة و شيء من الدلجة''. (صحيح البخارى مع فتح البارى: ۹۳/۱، رقم الحديث: ۳۹)

(۳) أى شرطه اللّٰه تعالٰى لاختبار المكلفين،لأن فطرة المكلف المعتقد استحالة الجهة عليه تعالٰى تقتضى عدم التوجه فى الصلاة إلٰى جهة مخصوصة فأمرهم علٰى خلاف ما تقتضيه فطرتهم اختبارًا لهم هل يطيعون أولا كما فى البحر، ح.(ردالمحتارعلى الدرالمختار: ۱۰۸/۲)كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،أول مبحث فى استقبال القبلة.انيس)

کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ کمپاس وغیرہ کسی آلہ کے ذریعہ سے عین کعبہ کی مواجہت معلوم کرنے کے بعد یہ دیکھا جائے کہ جس خطہ میں جس خط پر نماز پڑھی جارہی ہے، اس خط کے کسی حصہ پر عین کعبہ سے اگر ایک خط مستقیم آکر زاویتین قائمتین بنا دیتا ہے، تو اس پورے خطہ کا مواجہۃ قبلہ فی الجملہ حاصل ہونا تسلیم کرلیا جائے گا اور اس کی صورت مثلاً یہ ہوگی:
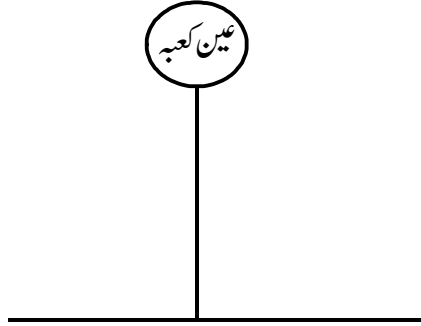
زاویتین قائمتین

(خط مستقیم جس پر لوگ نماز پڑھتے ہیں یہ ہے اور اس پر سب مصلیّ کو مواجہۃ قبلہ فی الجملہ حاصل ہوگی)

اور یہ ضابطہ کعبہ شریف کے ہر چہار سمت میں یکساں و بے خطر جاری ہوگا وہ خط مستقیم جس کے کسی حصہ پر عین کعبہ سے خط مستقیم آکر زاویتین قائمتین پیدا کرتا ہے کعبہ مکرمہ سے جتنا دور ہوگا اتنا ہی زیادہ طویل ہوگا اور جتنا قریب ہوگا اسی قدر چھوٹا ہوگا، اسی طرح جو ممالک و جزائر کعبہ شریف سے بہت ہی دور واقع ہیں ان ممالک میں مواجہۃ قبلہ فی الجملہ معلوم کرنے کے لئے فقہائے کرام نے کچھ اور ضابطے بھی لکھے ہیں، مثلاً جو ممالک کعبہ شریف سے پورب بہت دور واقع ہیں جیسے ہندوستان اور اس کے پورب منتہائے نصف دائرہ تک تمام ممالک خواہ وہ نصف دائرہ امریکہ میں واقع ہو، ان کے لئے یہ دو ضابطے بھی مواجہۃ قبلہ معلوم کرنے کے ہوسکتے ہیں۔

ضابطہ (۱) یہ کہ مسجد پچھّم رخ ہو اور قبلہ کی دیوار اس خط مستقیم پر واقع ہو جو قطب شمالی سے نکل کر قطب جنوبی پر جاتا ہے؛ یا قطب جنوبی سے نکل کر سیدھا قطب شمالی پر جاتا ہو، بعینہ یہی ضابطہ دور دراز کے اور ممالک کے لئے بھی ہوسکتا ہے؛ جو کعبہ شریف سے پچھّم جانب واقع ہوں جیسے الجیریا وغیرہ اور اس کے پچھّم منتہائے نصف دائرہ تک تمام ممالک خواہ وہ نصف دائرہ امریکہ میں کیوں نہ واقع ہو اور مسجد پورب رخ واقع ہو تو جس مسجد کی قبلہ کی دیوار اس خط مستقیم پر واقع ہوگی، جو قطب شمالی سے نکل کر سیدھا قطب جنوب پر پہنچتا ہے، یا بالعکس قطب جنوبی سے نکل کر سیدھا قطب شمالی پر پہنچتا ہے۔

ضابطہ (۲)　　جو ممالک کعبہ شریف سے پورب بہت زیادہ دوری پر واقع ہیں ان کی مسجد پچھّم رخ ہو اور قبلہ کی دیوار بین المغربین واقع ہو یعنی سب سے بڑے دن میں جس نقطے پر آفتاب غروب ہوتا ہو اس نقطے کے اور سب سے چھوٹے دن میں جس نقطہ پر آفتاب غروب ہو؛ اس نقطہ کے درمیان بغیر کسی انحراف کے قبلہ کی دیوار واقع ہو تو مواجہت قبلہ فی الجملہ حاصل تسلیم ہوگی۔

آفتاب غروب ہونے کے انہیں دونوں نقطوں کو فقہا مغربین کہتے ہیں، بعینہ یہی ضابطہ دور دراز کے ان ممالک و جزائر کے لئے بھی ہوسکتا ہے جو کعبہ شریف سے پچھّم واقع ہوں، جیسے الجیریا وغیرہ اور اس کے پچھّم منتہائے نصف دائر تک کہ تمام ممالک خواہ نصف دائرہ امریکہ پر کیوں نہ واقع ہو اور مسجد پورب رخ ہو صرف فرق یہ ہوگا کہ مسجد کی قبلہ کی دیوار بین المغربین واقع ہونے کے بجائے بین المشرقین واقع ہو؛ یعنی سب سے بڑے دن میں جس نقطہ پر آفتاب طلوع ہوتا ہے؛ اس نقطے کے اور سب سے چھوٹے دن میں آفتاب جس نقطہ پر طلوع ہوتا ہے؛ اس نقطہ کے درمیان واقع ہو تو مواجہۃ قبلہ فی الجملہ حاصل ہوجائے گی۔

فقہائے کرام آفتاب طلوع ہونے کے ان دونوں نقطوں کو مشرقین سے تعبیر کرتے ہیں۔ جو لوگ کعبہ شریف سے دکھن جانب واقع ہیں؛ وہ لوگ قطب شمالی سے یا اور ستاروں سے اندازہ لگا کر مواجہۃ قبلہ فی الجملہ کا پتہ لگا سکتے ہیں اور جب کعبہ سے اتنے دور دراز فاصلہ پر واقع ہوں؛ جہاں سے قطب شمالی نیچے پڑ جانے کی وجہ سے نظر نہیں آئے تو وہاں قطب جنوبی سے اندازہ لگا سکتے ہیں، یا کمپاس وغیرہ آلہ کے ذریعے سے عین کعبہ کی مواجہہ معلوم کرنے کے بعد دیکھیں کہ اگر عین کعبہ سے اگر کوئی خط مستقیم نکل کر اس خط کے کسی حصہ پر آکر زاویتین قائمتین بنا دیتا ہے، تو مواجہت فی الجملہ بلاشبہ حاصل ہوجائے گا۔

جو لوگ کعبہ سے اتر جانب واقع ہیں وہ لوگ قطب شمالی یا دوسرے تاروں سے اندازہ لگا کر مواجہہ قبلہ فی الجملہ معلوم کر سکتے ہیں یا کمپاس وغیرہ آلات سے عین کعبہ کی مواجہۃ معلوم کرنے کے بعد دیکھیں کہ اگر عین کعبہ سے کوئی خط مستقیم نکل کر اس خط کے کسی حصہ پر آکر زاویتین قائمتین بنا دیتا ہے، تو مواجہۃ فی الجملہ بلاشبہ حاصل ہوجائے گی۔

یہی طریقہ ان لوگوں کے لئے مواجہۃ قبلہ فی الجملہ معلوم و متعین کرنے کا ہے جو لوگ شمال مغرب یا شمال مشرق کے گوشوں میں یا جنوب مغرب یا جنوب مشرق کے گوشوں میں آباد ہیں خواہ کتنے بھی دور ہوں۔ (۱)

وهذا آخر ما أردنا بيانه ههنا، فقط والله أعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۱۰/۱۰/۱۴۰۰ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۲۰۴-۲۱۲)

---

(۱)　تفصیل کے لئے دیکھئے: رد المحتار علی الدر المختار: ۲/۱۰۸-۱۱۳، مبحث فی استقبال القبلة

سمت قبلہ کی تحقیق:

سوال: شہر مرگوئی میں قبلہ کے بارے میں دو فرقے ہیں، بعض مسجدیں شمال کی طرف جھکی ہوئی ہیں۔ کمپاس کے حساب سے دس پندرہ ڈگری کا فرق ہے، بعض مسجدیں جنوب کی طرف کسی قدر جھکی ہوئی ہیں، کمپاس کے حساب سے دس پندرہ ڈگری کا فرق ہے۔ اور قبرستان میں نماز جنازہ ادا کرنے کیلئے ایک نئی مسجد بنائی گئی ہے، وہ قطب نما کے حساب سے بالکل ٹھیک مغرب یعنی قبلہ کی طرف ہے۔ اس کے بعد فرض کفایہ ادا کرنے کا پرانا نماز گاہ توڑ کر ایک نیا بنایا ہے۔ وہ کسی قدر ٹیڑھا ہو گیا ہے۔ اگر کسی مسلمان کے انتقال کی خبر ہم کو ملتی ہے، تو ہم لوگ جنازہ کے ساتھ جا کر پرانی نماز گاہ ہو یا نئی ہم فرض کفایہ ادا کرتے ہیں۔ پہلے فرقے والے لوگ کہتے ہیں ان کے قبلہ کا کچھ ٹھکانہ نہیں یہ دو قبلے والے ہیں اور ان کے ایمان کا بھی کچھ ٹھکانہ نہیں اور ان کے پیچھے نماز بھی درست نہیں؟

(۲) ایسا کہنے والوں کے حق میں حکم کیا ہے؟

(۳) کیا پرانی نماز گاہ میں نماز ہو جائے گی یا توڑ کر نیا بنانا ہوگا۔ کیا صفیں ٹیڑھی اور جنازہ ٹیڑھا رکھ کر پڑھنا ہوگا؟

(۴) کیا ہم دہلی، بمبئی دیوبند، سہارنپور، رنگوں کے فتاویٰ پر عمل کر سکتے ہیں۔ اور احیاء العلوم میں جو کعبۃ اللہ کا نقشہ درج ہے۔ اسی کے مطابق عمل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۵) احیاء العلوم کے مصنف شافعی ہیں، تو قبلہ کے بارے میں ہم اس پر عمل کر سکتے ہیں؟ قبلہ کے بارے میں کوئی اور کتاب بھی ہے یا نہیں؟

(۶) کیا ہم اہل مشرق حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی چاروں کا قبلہ ایک ہی ہے؟

الجواب

اصل اس معاملہ میں یہی ہے کہ ہم اہل مشرق کیلئے سمت مغرب قبلہ ہے، اگر تھوڑا سا فرق بھی ہو جائے، تو قبلہ کی سمت صادق آ جاتی ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ مذکورہ سوال کے بیانات سے آپ کو معلوم ہو چکا ہے وہ سب فتاویٰ صحیح ہیں، لہٰذا آپ لوگ دونوں محلوں کی میت اور نماز جنازہ میں شریک ہو سکتے ہیں اور دونوں جگہوں میں نماز جنازہ درست و صحیح ہے۔

(۲) جو لوگ صورت مذکورہ کی وجہ سے آپ کو دو قبلہ والا وغیرہ کہتے ہیں وہ گنہگار رہیں۔ حدیث میں ہے:

''سباب المسلم فسوق''(۱)

---

(۱) مسند أبی داؤد الطیالسی، ما أسند عبداللّٰہ بن مسعود (ح: ۲۵٦)/ مسند الحمیدی (ح: ۱۰٤)/ مسند إسحاق بن راھویة عن أبی ھریرة (ح: ٤۰۰)/ مسند الإمام أحمد، مسند عبداللّٰہ بن مسعود (ح: ۳٦٤۷)/ صحیح البخاری، باب ماینھٰی من السباب واللعن (ح: ٦۰٤٤)/ الصحیح لمسلم (ح: ٦٤) انیس

نیز"من قال هلك الناس فهو أهلك". (۱)

(۳) نماز تو بلا شبہ ہو جائے گی۔لیکن اگر تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ شہر کی عام مساجد و نماز گاہوں وغیرہ سے اس کا رخ کچھ پھرا ہوا ہے،تو بہتر یہ ہے کہ رفع فتنہ کے لئے اس میں صفوں کے نشانات عام مساجد کے رخ کے موافق قائم کر دیئے جائیں۔اور اسی کے موافق نماز پڑھی جائے۔کیونکہ اس میں باہمی اختلافات بھی قطع ہو جائیں گے۔اور قرب الیٰ عین القبلہ بھی ہونے کی توقع ہے اور مسلمانوں کے آپس سے رفع فتنہ اور قطع اختلاف نہایت ضروری اور بڑے ثواب کا کام ہے،البتہ اس نماز گاہ کی تعمیر کو گرانے کی ضرورت نہیں،کیونکہ اس میں بلاضرورت اضاعت مال ہے

(۴) فتاویٰ مذکورہ صحیح ہیں اور احیاء العلوم کا کلام بھی ان کے خلاف نہیں ہے،اس لئے اس پر عمل کر سکتے ہیں۔

(۵) احیاء العلوم کے مصنف شافعی ہیں،لیکن اس مسئلے میں ان کا حنفیہ سے کوئی خاص خلاف نہیں۔اس لئے ان کے قول کو لینا بھی گویا حنفیہ ہی کے قول کا لینا ہے،اس لئے جائز ہے۔"فتاویٰ شامی مسمی رد المحتار فی شرح الدر المختار" میں بھی نقشہ دے کر بہت واضح طور اس مسئلے کو سمجھایا ہے،اگر احیاء العلوم کے ماننے میں شبہ ہے،تو شامی حنفی کی معتبر کتاب ہے،اس میں دیکھ لیا جائے۔

قبلہ سب کا ایک ہی ہے۔البتہ تعیین سمت کے بعض جزئیات میں خفیف سا اختلاف ہے۔(واللہ اعلم)

(فتاویٰ دار العلوم مسمی امداد المفتین:۲/۳۵۱-۳۵۳)

سمت قبلہ کی تعیین کا تتمہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصبہ جہانگیر آباد ضلع بارہ بنکی میں ایک مسجد تعمیر ہو رہی ہے جس کا سمت قبلہ ایک انجینئر صاحب نے ایک انگریزی ماہر ہیئت کے ذریعہ مغرب سے دس درجہ جانب جنوب قرار دیا ہے۔ایک دوسرے عالم دین ہیئت نے سمت قبلہ مغرب سے ۲۸/دقیقہ جانب شمال نکالا ہے،ان کا بیان ہے کہ جہاز رانی میں شہروں کی سمت بھی اسی قاعدہ سے معلوم کی جاتی ہے مسجد کا طول ۲۹/فٹ ہے اور اس اختلاف کی بنا پر ۳ فٹ ۱۹ انچ کا فرق نکلتا ہے۔اس حالت میں جو حکم شرع شریف کا ہو،اس سے مطلع فرمایا جاوے اور عام طور سے مسجد کی تعمیر کے لئے سمت قبلہ کس طرح معلوم کی جاوے،اس کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

الجواب

سمت قبلہ کی تعیین اور بناء مساجد میں سنت سلف صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے آج تک یہ ہے کہ جس

(۱) موطأ الإمام مالك،ت:عبدالباقی،باب مایکره من الكلام (ح: ۲)/الصحيح لمسلم،باب النهي عن قول هلك الناس (ح:۲٦۲۳)انیس

بلدہ میں مساجد قدیمہ مسلمانوں کی تعمیر کردہ موجود ہوں ان کا اتباع کیا جاوے ایسے مقامات میں آلات رصدیہ اور قواعد ریاضیہ کی تدقیق میں پڑنا سنت سلف کے خلاف اور نامناسب اور باعث تشویش ہے۔ ہاں جنگلات اور ایسی نوآبادیات میں جن میں مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں وہاں قواعد ریاضیہ سے مدد لی جائے تو مضائقہ نہیں۔ گوان سے مدد لینا ضروری وہاں بھی نہیں۔ بلکہ وہاں بھی تحری اور تخمینہ قریبی آبادیوں کی مساجد کا کافی ہے۔ اور اگر مساجد بلدہ کی سمتیں کچھ باہم متخالف ہوں تو بظن غالب یا چند تجربہ کار مسلمانوں کے اندازہ سے جوان میں سے زیادہ اقرب معلوم ہو، اس کا اتباع کرلیا جاوے۔

البتہ اگر کسی بلدہ کی عام مساجد کے متعلق قوی شبہ ہو جاوے کہ وہ سمت قبلہ اس درجہ منحرف واقع ہیں کہ نماز ہی درست نہ ہوگی تو ایسی صورت میں ان کا اتباع نہ کیا جاوے گا۔ بلکہ یا قواعد ریاضیہ سے سمت قبلہ کا استخراج کیا جاوے یا اس بلدہ کے قریب کی کسی مسجد سے تخمینہ کر کے سمت قبلہ متعین کی جاوے۔

لہذا صورت مندرجہ سوال میں انجینئر صاحب اور دوسرے ماہر ہیئت صاحب نے جو متخالف سمتیں نکالی ہیں دونوں کو نظر انداز کر کے مساجد قدیمہ کے مطابق مسجد تعمیر کی جاوے۔ اصل سوال کا جواب اتنا ہی ہے جو مقتضی ادلہ شرعیہ کا ہے، باقی مسئلہ سمت قبلہ کی تحقیق اور اس کے دلائل پر اجمالی نظر کے لئے سطور ذیل لکھی جاتی ہیں۔

اس مسئلہ میں اصل قابل نظر دو چیزیں ہیں:

(۱) استقبال قبلہ جو نماز میں فرض ہے، اس کی حد ضروری کیا ہے۔

(۲) بلاد بعیدہ میں اس ضروری سمت قبلہ کے معلوم کرنے کا شرعی طریق کیا ہے یہ دونوں مسئلے جدا جدا سمجھ لئے جاویں تو مسئلہ زیر بحث خود بخود حاصل ہو جائے گا۔ پہلے مسئلہ کے متعلق مذہب مختار حنفیہ کا یہ ہے کہ جو شخص بیت اللہ شریف کے سامنے ہو، اس کے لئے عین کعبہ کا استقبال فرض ہے اور جو اس سے غائب ہے، اس کے ذمہ جہت کعبہ کا استقبال ہے؛ عین کعبہ کا نہیں۔ لما فی البدائع:

وتعتبر الجهة دون العين، كذا ذكر الكرخي والرازي وهو قول عامة مشائخنا بماوراء النهر. (بدائع الصنائع: ١١٨/١، فصل في شرائط أركان الصلاة)

ومثله في الهداية وعامة المتون والشروح.(١)

(١) ثم من كان بمكة ففرضه إصابة عينها ومن كان غائباً ففرضه إصابة جهتها هو الصحيح لأن التكليف بحسب الوسع. (الهداية، باب شروط الصلاة التي تتقدمها: ٤٧/١)/ كذا في المحيط البرهاني، الفصل الرابع في فرائض الصلاة وسننها: ٢٨٤/١)/ تبيين الحقائق، باب شروط الصلاة: ١٠٠/١)/ الجوهرة النيرة، باب شروط الصلاة: ٤٨/١/١)/ البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ٣٠٠/١) انيس)

پھر جہت قبلہ کے معنی یہ ہیں کہ ایک خط جو کعبہ پر گزرتا ہوا جنوب وشمال پر منتہی ہو جاوے اور نمازی کے وسط جبہہ سے ایک خط مستقیم نکل کر اس پہلے خط سے اس طرح تقاطع کرے کہ اس سے موقع تقاطع پر دو زاویہ قائمہ پیدا ہو جاویں۔ وہ قبلہ مستقیم ہے اور اگر نمازی اتنا منحرف ہو کہ وسط جبہہ سے نکلنے والا خط تقاطع کر کے زاویہ قائمہ پیدا نہ کرے؛ بلکہ حادہ یا منفرجہ پیدا کرے؛ لیکن وسط جبہہ کو چھوڑ کر پیشانی کی اطراف میں کسی طرف سے نکلنے والا خط۔ زاویہ قائمہ پیدا کر دے تو وہ انحراف قلیل ہے، اس سے نماز صحیح ہو جاوے گی اور اگر پیشانی کی کسی طرف سے بھی ایسا خط نہ نکل سکے جو خط مذکور پر زاویہ قائمہ پیدا کر دے تو وہ انحراف کثیر ہے، اس سے نماز نہ ہوگی اور علماء ہیئت وریاضی نے انحراف قلیل وکثیر کی تعیین اس طرح کی ہے کہ پینتالیس درجہ تک انحراف ہو تو قلیل اس سے زائد ہو، تو کثیر مفسد صلوٰۃ ہے۔ (کما سیأتی عن الخیریة)

انحراف قلیل وکثیر کی تعیین میں فقہاء امت اور علماء ہیئت کے اور بھی اقوال ہیں جن میں سے بعض اس سے زیادہ وسعت کو چاہتے ہیں اور بعض میں اس سے کم کی گنجائش ہے، اس جگہ اوسط سمجھ کر اس قول کو اختیار ہے اور یہ سب اقوال عبارات ذیل میں مذکور ہیں:

فی رد المحتار: بل المفهوم مما قدمناه عن المعراج والدرر من التقييد بحصول زاويتين قائمتين عند انتقال المستقبل لعين الكعبة يمينًا أويسارًا أنه لايصح لو كانت إحداهما حادة و الأخرى منفرجة ... (إلىٰ أن قال) ... فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهو الذى يبقى معه الوجه أوشيء من جوانبه مسامتًا لعين الكعبة أو لهوائها، بأن يخرج الخط من الوجه أومن بعض جوانبه ويمر على الكعبة أوهوائها مستقيمًا، ولايلزم أن يكون الخط الخارج على استقامة خارجًا من جبهة المصلى بل منها أومن جوانبها، الخ. (٢٨٨/١، هندى)(١)

ويؤيده ما فى الفتاوى الخيرية:

وعن أبى حنيفة: المشرق قبلة أهل المغرب والمغرب قبلة أهل المشرق والجنوب قبلة أهل الشمال والشمال قبلة أهل الجنوب، وعليه فالانحراف قليلاً لايضر. (الفتاویٰ الخیریة: ٧/١)(٢)

وأيضًا يؤيده ما فى البحر:

فلوفرض مثلاً خط من تلقاء وجه المستقبل للكعبة على التحقيق فى بعض البلاد وخط آخر يقطعه علىٰ زاويتين قائمتين، من جانب يمين المستقبل وشماله ولايزول تلك المقابلة

---

(١) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث فى استقبال القبلة: ٤٢٨/١، دارالفكر. انيس

(٢) الفتاویٰ الخيرية، أول كتاب الصلاة: ٧/١، مطبع بولاق مصر. انيس

بـالانتقال إلى اليمين والشمال علىٰ ذلك الخط بفراسخ كثيرة،ولهذا وضع العلماء قبلة بلد و بلدين وبلاد علىٰ سمت واحد.(البحر الرائق: ١/١ ٣٠،باب شروط الصلاة)

ومثله فى رد المحتار عن الفتح وشروح المنية وزاد الفقير وغيره.(١)

وفى الخيرية تحت قوله (سئل):

... ومن القواعد الفلكية إذا كان الانحراف عن مقتضى الأدلة أكثر من خمس وأربعين درجة يمنة أويسرة يكون ذلك الانحراف خارجًا عن جهة الربع الذى فيه مكة المشرفة من غير إشكال(إلىٰ)فهل هذه المحاريب المزبورة انحرافها كثير فاحش يجب الانحراف فيها يسرة إلىٰ جهة مقتضى الأدلة والحالة ماذكرنا أم لا،وإذا قلتم يجب فهل إذا عاند شخص وصلى فى هذه المحاريب بعد إثبات ماذكر يكون صلاته فاسدة،الخ.

(أجاب): حيث زالت بالانحراف المذكور المقابلة بالكلية بحيث لم يبقى شىء من سطح الوجه مسامتًا للكعبة عدم الاستقبال المشروط لصحة الصلاة بالإجماع وإذا عدم الشرط عدم المشروط.(الفتاوىٰ الخيرية: ٩/١-١٠، باب شروط الصلاة)

عبارات مذکورہ سے سمت قبلہ اور استقبال کی جو حد ضروری معلوم ہوئی ہے،اس کا حاصل سہل اور عامیانہ عبارت میں یہ ہے کہ انسان کے چہرہ کا کوئی ذرا سا ادنی حصہ خواہ وسط چہرہ کا ہو یا داہنی بائیں جانب کا بیت اللہ شریف کے کسی ذرا سے حصہ کے ساتھ مقابل ہوجائے اور فن ریاضی کی اصطلاحی عبارت میں یہ ہے کہ عین کعبہ سے پینتالیس درجہ تک بھی انحراف ہوجائے تو استقبال فوت نہیں ہوتا اور نماز صحیح ہوجاتی ہے،اس سے زائد انحراف ہوتو استقبال فوت ہوکر نماز فاسد ہوجائے گی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ انحراف قلیل جو عام طور پر کہیں جنوبا کہیں شمالا واقع ہوجاتا ہے،یہ نا قابل التفات ہے،اس کی وجہ سے نہ کسی مسجد کی جہت قبلہ بدلنے کی ضرورت ہے نہ اس کا قائم رکھتے ہوئے کسی طرف مائل ہونے کی ضرورت ہے۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

---

(١) ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،مبحث فى استقبال القبلة: ٤٢٨/١-٤٢٩،دار الفكر)

(ولا يشترط نية الاستقبال فى المختار)وهو قول العامة ... (ولا يسقط الاستقبال) عن المصلى (إلا لعدو) منعه عن الاستقبال (كمريض لا يقدر على التوجه) إلى القبلة (وليس عنده من يوجهه) إليها (أو) لم يكن عجزه لمرض و لكن (يخاف أن تحركه لتوجه فطن) ... (لسبع أو العدو) بأن يأتيه من جهة أخرىٰ يضره فى ماله أو بدنه.(وانكسرت به السفينة وبقى على لوح)فى البحر يخاف أن توجه فانه ، لأنه لايلزمه التوجه إلى القبلة فى هذه الأحوال كلها (فيصلى قائما) يركع ويسجد (أوقاعداً) إن أمكنه بركوع وسجود (أويومى مضطجعاً إلى أى جهة قدر عليها)أى على الصلاة لأن التكليف بحسب الوسع.(إسعاف المولىٰ القدير شرح زادالفقير، باب شروط الصلاة: ٥٠(ب)،مخطوطة جامعة الملك سعود.انيس)

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ بلاد بعیدہ میں سمت قبلہ اور استقبال قبلہ معلوم کرنے کا شرعی طریقہ کیا ہے۔صحابہؓ وتابعین اور جمہور امت کا اس میں تعامل کس طرح ہے اور یہ کہ قواعد ریاضیہ کا استعمال اس کام کے لئے جائز ومعتبر ہے یا نہیں اور ہے تو کس درجہ میں، اس بارے میں پہلے بطور مقدمہ یہ بتلا دینا مناسب ہے کہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تمام احکام کی بنیاد یسر وسہولت اور سادگی وبے تکلفی پر ہے۔فلسفیانہ تدقیقات پر نہیں،(۱) کیونکہ دائرہ حکومت اس شریعت کا تمام عالم کے بحر وبر اور اسود واحمر شہری ودیہاتی آبادیوں اور ان کے سکان پر حاوی ہے۔اسلامی فرائض نماز وروزہ وغیرہ جس طرح شہریوں پر عائد ہیں، اسی طرح دیہاتیوں اور پہاڑوں کے دروں اور جزائر کے رہنے والے ناخواندہ وناواقف لوگوں پر بھی عائد ہیں اور جو احکام اس درجہ عام ہوں، ان میں مقتضا عقل وحکمت ورحمت کا یہی ہے کہ ان کو تدقیقات فلسفیانہ اور قواعد ریاضیہ یا آلات رصدیہ پر موقوف نہ رکھا جائے؛ تاکہ ہر عام وخاص خواندہ وناخواندہ بآسانی اپنے فرائض انجام دے سکے۔

شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تمام تر احکام اسی نظریہ کے ماتحت بالکل آسان اور سادہ طریق پر آئے، روزہ رمضان کا مدار چاند دیکھنے پر رکھا گیا ہے۔حسابات ریاضیہ پر نہیں، مہینے قمری رکھے گئے ہیں جن کا مدار رؤیت ہلال پر ہے۔شمسی مہینے جن کا مدار خاص حسابات ریاضیہ پر ہے، عام شرعی احکام میں ان کو نہیں لیا گیا۔اسی طرح احکام اسلامیہ کے تتبع سے بکثرت اس کے نظائر معلوم کئے جاسکتے ہیں۔

اس مختصر مقدمہ کے بعد مسئلہ زیر بحث میں بھی یہ فیصلہ کر لینا آسان ہوگیا کہ سمت قبلہ اور استقبال قبلہ جس کا ہر مسلمان دن میں پانچ مرتبہ مامور ہے، اس کے لئے بھی شریعت نے ضرور کوئی آسان اور بالکل سادہ طریقہ اختیار کیا

---

(۱) عن أبی هريرة قال:قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:إن الدين يسر ولن يشادالدين أحد إلا غلبه فسددوا وقاربوا وأبشروا واستعينوا بالغدوة والروحة وشیء من الدلجة.(الصحيح للبخاری، كتاب الإيمان،باب الدين يسر (ح:٣٩)/سنن النسائی،الدين يسر (ح:٥٠٣٤)/صحيح ابن حبان،ذكر الأمر بالغدوة والروحة والدلجة،الخ (ح:٣٥١)

(ولن يشادالدين أحد)أی ولن يقاومه أحد بشدة والمعنى أن من شدد على نفسه وتعمق فی أمر الدين بما لم يجب عليه فلربما يغلبه ما تحمله من الكلفة ويضعف عن القيام بحق ما كلف به،الخ.(مرقاة المفاتيح،باب القصدفی العمل:٩٣٤/٣)

عن عبداللّٰه بن عمر عن النبی صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال:إنا أمة أمية لا نكتب ولا نحسب،الشهر هكذا وهكذايعنی مرة تسعة وعشرين ومرة ثلاثين.(الصحيح للبخاری، كتاب الصوم،باب قول النبی صلى اللّٰه عليه وسلم:لا نكتب،الخ (ح:١٩١٣)/الصحيح لمسلم،باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال (ح:١٠٨٠)

قال الملا علی قاری:فالمعنیٰ أن العمل على مايعتاده المنجمون ليس من هدينا وسنتنابل علمنا يتعلق برؤية الهلال ،الخ.(مرقاة المفاتيح،باب رؤية الهلال:١٣٧٤/٤.انيس)

ہوگا جس کو ہرشہری ودیہاتی بآسانی عمل میں لا سکے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس کے متعلق یہ ہے کہ!

"ما بین المشرق والمغرب قبلة". (رواہ الترمذی عن أبی هريرة)(۱)

یعنی مشرق ومغرب کے درمیان قبلہ ہے۔ یہ ارشاد اگر چہ تمام عالم کے لئے نہیں، بلکہ خاص اہل مدینہ اور اس کے قرب وجوار کے لئے ہے، لیکن اتنی بات اس میں عام ہے کہ سمت قبلہ کی تعیین میں شریعت نے زیادہ تدقیق کا مکلّف نہیں بنایا۔ بلکہ **بین المغرب والمشرق** فرما کر پوری جہت جنوب کو قبلہ قرار دے دیا اور اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اس حدیث میں **بین المشرق والمغرب** سے اصطلاحی ریاضی پر نقطہ مشرق ومغرب کی درمیانی قوس یعنی نصب دائرہ مراد نہیں جس سے ربع دائرہ کا قول جو بحوالہ خیر یہ نقل کیا گیا ہے، اس کے مخالف حدیث ہونے کا شبہ ہوسکے، بلکہ یہ عبارت محاورات عرفیہ پر آئی ہے، جس کا مقصود پوری جہت جنوب کو قبلہ قرار دینا ہے، تو جس طرح مدینہ طیبہ میں مشرق ومغرب کے درمیان قبلہ ہے، اسی طرح ہندوستان میں جنوب شمال کے درمیان قبلہ کہا جاسکتا ہے۔

وقد نص أحمد بن خالد بأن قول عمر "ما بين المشرق والمغرب قبلة"، قاله بالمدينة فمن كانت قبلته مثل قبلة المدينة فهو في سعة مما بين المشرق والمغرب ولسائر البلدان من السعة في القبلة مثل ذلك بين الجنوب والشمال، وقال أبو عمر بن عبد البر: لا خلاف بين أهل العلم فيه. (كتاب الخطط للمقريزي: ١/ ٢٥٨)(٢)

پھر حضرات صحابہ وتابعین اور ان کے بعد عامہ مسلمین کے تعامل نے اس کو بالکل واضح کردیا کہ بلاد بعیدہ میں جہاں کہیں حضرات صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یا آپ کے بعد پہنچے ہیں وہاں نمازیں ادا کرنے اور مستقل قیام کی صورت میں مساجد بنانے میں ان حضرات سے کہیں منقول نہیں کہ آلات رصدیہ سے کام لے کر سمت قبلہ متعین کی ہو؛ بلکہ موٹے موٹے آثار ونشانات اور شمس وقمر اور قطب وغیرہ۔ مشہور ومعروف ستاروں کی پہچان سے ایک اندازہ قائم کر کے محض تحری وتخمینہ سے سمت قبلہ متعین فرمائی ہے۔

سمت قبلہ اور استقبال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کا طرز عمل:

(۱) اس پر اتفاق ہے کہ مسجد بیت اللہ کے بعد سب سے پہلی مسجد جو اسلام میں بنائی گئی وہ مسجد قبا ہے؛ (قبا مدینہ طیبہ سے چند میل کے فاصلہ پر ایک مشہور مقام کا نام ہے۔) اس مسجد کی بنیاد تو اس وقت پڑی تھی جب کہ مسلمانوں کا قبلہ

---

(۱) سنن الترمذي، باب ما جاء أن ما بين المشرق والمغرب قبلة (ح: ٣٤٢)/ سنن النسائي، ذكر الاختلاف على محمد بن أبي يعقوب (ح: ٢٢٤٣) انیس

(۲) المواعظ والاعتبار بذكر الخطط والآثار، ذكر المحاريب التي بديار مصر وسبب اختلافها: ٢٦/٤. انیس

بیت المقدس تھا پھر جب تحویل قبلہ کی آیت نازل ہوئی، تو اس کی خبر لے کر قبا میں ایک صحابی ایسے وقت پہنچے کہ اس مسجد میں نماز ہو رہی تھی یہ خبر سنتے ہی امام اور پوری جماعت بیت اللہ کی سمت کی طرف پھر گئی۔(۱)

یہ واقعہ عام کتب حدیث وتفسیر میں منقول ہے اور اس واقعہ کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی، تو آپ نے ان لوگوں کے اس فعل کی تصویب فرمائی۔

ظاہر ہے کہ حالت نماز میں جو سمت قبلہ اہل قبا نے اختیار کی اس میں آلات رصدیہ اور اصطرلاب کا دخل ہوسکتا ہے؛ نہ کسی قطب نما اور ستارے کا محض تخمینہ وتحری سے سمت قائم کی گئی، پھر نماز کے بعد بھی کہیں منقول نہیں کہ اس تحری وتخمینہ کے سوا کوئی دوسرا انتظام واہتمام یا حسابات ریاضیہ کا استعمال استخراج سمت کے لئے کیا گیا ہو۔

(۲) حضرت فاروق اعظم نے اپنے عہد خلافت میں تمام اسلامی قلمرو میں ہر صوبہ کے عامل کے نام فرمان بھیجے کہ ہر محلّہ میں مسجد بنائی جائے؛ عمال حکومت نے حکم کی تعمیل کی، مگر سمت قبلہ قائم کرنے کے لئے نہ تو حضرت فاروق ہی نے کوئی انتظام آلات رصدیہ اور حسابات ریاضیہ کا کیا اور نہ عمال حکومت نے، بلکہ تخمینہ وتحری سے سمت قبلہ متعین کر کے مسجدیں تعمیر کی گئیں۔

(۳) آلات وحسابات سے نکالی ہوئی سمت قبلہ میں بھی اکثر اہل فن کا اختلاف رہتا ہے؛ جس کی وجہ یہ ہے کہ طول بلد اور عرض بلد کے معلوم کرنے میں ذرا سا فرق رہ گیا، تو سمت کہیں کی کہیں پہنچ جاتی ہے۔

(لطیفہ عجیبہ) علما کا اتفاق ہے کہ دنیا کی تمام مساجد محض تحری وتخمینہ سے قائم کی گئی ہیں، لیکن مسجد نبوی کی سمت قبلہ بطور وحی ومکاشفہ قائم کی گئی ہے؛ کیونکہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیت اللہ کو بطور معجزہ سامنے کر دیا تھا، اس کو دیکھ کر آپ نے مسجد مدینہ کی سمت قبلہ قائم فرمائی۔(كذا في البحر الرائق وردالمحتار)

اس سے باجماع امت مسجد نبوی کی سمت قبلہ بالکل یقینی ہے، لیکن حسابات ریاضیہ سے جانچا گیا تو وہ بھی صحیح نہیں، اتری چنانچہ امیر مصر ابن طولون نے جب مصر میں اپنی جامع مسجد بنانے کا ارادہ کیا، تو چند ماہرین ہندسہ کو مدینہ طیبہ بھیج

---

(۱) عن البراء بن عازب قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى نحو بيت المقدس ستة عشر أو سبعة عشر شهرًا، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب أن يوجه إلى الكعبة فأنزل الله: ﴿قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ﴾(البقرة: ١٤٤)فتوجه نحو الكعبة، وقال السفهاء من الناس وهم اليهود: ﴿مَا وَلّٰهم عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.(سورة البقرة: ١٤٢)فصلى مع النبي صلى الله عليه وسلم رجل، ثم خرج بعد ما صلى، فمر على قوم من الأنصار في صلاة العصر نحو بيت المقدس فقال: هو يشهد أنه صلى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنه توجه نحو الكعبة فتحرف القوم حتى توجهوا نحو الكعبة. (الصحيح للبخاري، كتاب الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان (ح:٣٩٩)انيس)

کر پہلے مسجد نبوی کی سمت قبلہ کو آلات رصدیہ کے ذریعہ جانچا، تو معلوم ہوا کہ آلات کے ذریعہ نکالی ہوئی خط سمت قبلہ سے مسجد نبوی کی سمت دس درجہ مائل بہ جنوب ہے، جیسا کہ مقریزی نے کتاب الخطط میں بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے۔

إن أحمد بن طولون لما عزم علٰى بناء هذا المسجد بعث إلٰى محراب مدينة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من أخذ سمته فإذا هو مائل عن خط سمت القبلة المستخرج بالصناعة نحو عشر درج إلٰى جهة الجنوب. (كتاب الخطط: ٢/٢٥٦)(١)

احمد بن طولون نے جب اپنی جامع مسجد بنانے کا ارادہ کیا، تو چند اہل فن کو مدینہ طیبہ بھیج کر مسجد نبوی کی سمت قبلہ بذریعہ آلات رصدیہ نکلوائی، دیکھا تو حسابات کے ذریعہ نکالی ہوئی سمت قبلہ سے دس درجہ مائل بجنوب ہے۔

اب وہ لوگ جو آلات رصدیہ پر سمت قبلہ کا مدار رکھنا چاہتے ہیں اوران پر فخر کرتے ہیں وہ دیکھیں کہ ان کی تجویز پر تو مسجد نبوی کی سمت قبلہ بھی درست نہیں ہوتی۔

معلوم نہیں کہ عنایت اللہ مشرقی جو ہندوستان کی مسجدوں میں ان ہی حسابات کی بنا پر نماز ناجائز قرار دیتے ہیں، وہ مسجد نبوی کے متعلق کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے۔ مشرقی کچھ کہیں لیکن مذکورالصدر تعامل مسلمانوں کے اطمینان کے لئے انشاءاللہ تعالیٰ کافی ووافی ہے۔ **والحمد للّٰه أوله وآخره.**

اس کے بعد احمد بن طولون نے مسجد نبوی کی موافق مسجد بنائی، جو جامع عمرو بن عاص فاتح مصر سے کسی قدر منحرف ہے؛ لیکن علما نے جامع عمرو بن عاص ہی کے اتباع کو اولیٰ قرار دیا ہے اور مصر اور اطراف مصر کی عامہ مساجد اسی کے مطابق ہیں۔

قال الكندي: وقال يزيد بن أبي حبيب: سمعت مشائخنا هم حضروا مسجد الفتح يعني (جامع عمرو بن العاص) يقولون وقف علٰى إقامة قبلة المسجد الجامع ثمانون رجلا من أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم منهم الزبير بن العوام والمقداد وعبادة بن الصامت وأبو الدرداء وفضالة بن عبيد وعقبة بن عامر رضي اللّٰه عنهم.

وفي رواية: أسس مسجدنا هذا أربعة من الصحابة أبو ذر وأبو بصيرة ومحمة بن جزء الزبيدي ونبيه بن صواب. قال عبد اللّٰه بن أبي جعفر: أقام محرابنا هذا عبادة بن الصامت ورافع بن مالك وهما نقيبان. وقال داؤد بن عقيبة: إن عمرو بن العاص بعث ربيعة بن شرجيل بن حسنة عمرو بن علقمة القرشي ثم العدوي يقيمان القبلة وقال لهما قوما إذا زالت الشمس وقال انتصف الشمس فاجعلاها علٰى حاجبيكما ففعلا، وقال الليث: إن عمرو بن العاص كان يمد

(١) المواعظ والاعتبار بذكر الخطط والآثار، ذكر المحاريب التي بديار مصر وسبب اختلافها: ٤/٢٣. انيس

الحبال حتی أقیمت قبلة المسجد،وقال عمرو بن العاص: شرقوا القبلة تصیبوا الحرم،قال فشرقت جدًا. (کتاب الخطط للمقریزی: ٢٤٦/٢ـ٢٤٧)(۱)

روایات مذکورہ میں اگرچہ بظاہر قدرے اختلاف نظر آتا ہے،لیکن اول تو غور کرنے کے بعد ان میں کوئی تعارض نہیں رہتا؛ کیونکہ ایک جماعت صحابہ کی متفقہ سعی وتخمین سے یہ کام ہوا روایت کرنے والوں نے اپنے اپنے علم کے مطابق خاص خاص صحابہ کے طرف منسوب کردیا،جس میں دوسروں کی نفی نہیں۔ ثانیاً یہ سب روایات اتنی بات پر متفق ہیں کہ تعیین سمت قبلہ میں آلات رصدیہ یا قواعد ریاضیہ سے کام نہیں لیا گیا، حالانکہ مصر جیسا شہر اس کے جاننے والوں سے خالی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ محض تحری وتخمین سے سمت قبلہ متعین کی گئی۔

اوراسی لئے صاحب البحر الرائق نے فرمایا ہے:

''لاعذر لأحد فی الجهل بالأدلة الظاهرة المعتادة کالشمس والقمر وغیرذلک أما دقائق علم الهیئة وصور النجوم الثوابت فهومعذور فی الجهل بها(إلیٰ أن قال)قال: ومحاریب الدنیا کلها نصبت بالتحری حتی منی ولم یزد علیه شیئاً،وهذا خلاف ما نقل عن أبی بکر الرازی فی محراب المدینه أنه مقطوع به فإنما نصبه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بالوحی بخلاف سائر البقاع حتی قیل بمثل إن محراب منی نصب بالتحری والعلامات وهوأقرب المواضع إلیٰ مکة. (البحر الرائق: ٣٠٢/١،فصل فی شروط الصلاة)/ومثله فی رد المحتار : ٤٣١/١،دارالفکر)

اور ملک العلما صاحب بدائع فرماتے ہیں:

وإن کان نائیًا عن الکعبة غائبًا عنها یجب علیه التوجه إلیٰ جهتها وهی المحاریب المنصوبة بالأمارات الدالة علیها لا إلیٰ عینها(ثم قال): أما إذا جعلت قبلة الجهة وهی المحاریب المنصوبة منصوبة لایتصور ظهور الخطاء فنزلت الجهة فی هذه الحالة منزلة عین الکعبة فی حال المشاهدة واللّٰه تعالیٰ أن یجعل أی جهة شاء قبلة لعباده علی اختلاف الأحوال وإلیه وقعت الإشارة فی قوله تعالیٰ: ﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا،قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾. (سورة البقرة: ١٤٢) ولأنهم جعلوا عین الکعبة قبلة فی هذه الحالة بالتحری وأنه مبنی علیٰ مجرد شهادة القلب من غیر أمارة والجهة صارت قبلة باجتهادهم المبنی علی الأمارات الدالة علیها من النجوم والشمس والقمر وغیرذلک،فکان فوق الاجتهاد بالتحری ولهذا من دخل بلدة وعاین المحاریب المنصوبة فیها یجب علیه التوجه إلیها ولایجوزله التحری،الخ. (بدائع الصنائع: ١١٨/١،فصل فی شرائط أرکان الصلاة)

(۱) المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار،ذکر المحاریب التی بدیار مصر وسبب اختلافها: ٧/٤. انیس

وفی فتاویٰ قاضی: وجهة الكعبة تعرف بالدليل،والدليل فی الأمصاروالقرى المحاريب التی نصبها الصحابة والتابعون فعلينا اتباعهم فی استقبال المحاريب المنصوبة فإن لم تكن فالسؤال من الأهل،آه. (۱)

عبارات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ بلاد بعیدہ میں سمت قبلہ معلوم کرنے کا شرعی طریقہ جو سلف سے چلا آ تا ہے، یہ ہے کہ جن بلاد میں مساجد قدیمہ موجود ہیں ان کا اتباع کیا جاوے؛ کیونکہ اکثر بلاد میں تو خود حضرات صحابہ وتابعین نے مساجد کی بنیاد ڈالی اور سمت قبلہ متعین فرمائی ہے اور پھر انہیں کو دیکھ کر دوسری بستیوں میں مسلمانوں نے اپنی اپنی مساجد بنائی ہیں،اس لئے یہ سب مساجد مسلمین سمت قبلہ معلوم کرنے کے لئے کافی وافی ہیں،ان میں بلا وجہ شبہات فلسفہ نکالنا شرعاً محمود نہیں، بلکہ مذموم اور موجب تشویش ہے۔ بلکہ بسا اوقات ان تدقیقات میں پڑنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ وتابعین اور عامہ مسلمین پر بدگمانی ہو جاتی ہے کہ ان کی نمازیں اور قبلہ درست نہیں، حالانکہ یہ باطل محض اور سخت جسارت ہے۔آٹھویں صدی ہجری کے مشہور ومعروف عالم علامہ ابن رجب حنبلی اسی بنا پر سمت قبلہ میں آلات رصدیہ اور تدقیقات ریاضیہ میں پڑنے کو منع فرماتے ہیں۔ولفظہ:

وأما علم التسيير فإذا تعلم منه ما يحتاج إليه للاهتداء ومعرفة القبلة، والطرق كان جائزًا عند الجمهور، ومازاد عليه فلاحاجة إليه وهويشغل عما هوأهم منه وربما أدى التدقيق فيه إلىٰ إساءة الظن بمحاريب المسلمين فی أمصارهم كما وقع فی ذلک كثيرمن أهل هذا العلم قديمًا وحديثًا وذلک يفضی إلىٰ اعتقاد خطأ الصحابة والتابعين فی صلاتهم فی كثيرمن الأمصار هو باطل وقد أنكر الإمام أحمد الاستدلال بالجدی وقال إنما ورد بين المشرق والمغرب قبلة، يعنی:لم يرد اعتبار الجدی ونحوه من النجوم.(ص:۱۲)(۲)

اور جنگلات یا نو آبادیات وغیرہ میں مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں، وہاں شرعی طریقہ جو سنت صحابہ وتابعین سے ثابت ہے، یہ ہے کہ شمس وقمر اور قطب وغیرہ کے مشہور ومعروف ذرائع سے اندازہ قائم کر کے سمت قبلہ متعین کر لی جاوے، اس میں معمولی میلان وانحراف بھی رہے،تو اس کو نظر انداز کیا جاوے؛ کیونکہ حسب تصریح صاحب بدائع ان بلاد بعیدہ میں تحری اور اندازہ سے قائم کردہ جہت ہی قائم مقام کعبہ کے ہے۔اور اسی پر احکام دائر ہیں جیسے شریعت نے نیند کو قائم مقام خروج ریح کا قرار دے کر اسی پر نقض وضو کا حکم کر دیا، یا سفر کو قائم مقام مشقت کا قرار دے کر مطلقاً سفر پر رخصتیں مرتب کر دیں، حقیقۃ مشقت ہو یا نہ ہو،اسی طرح بلاد بعیدہ میں مشہور ومعروف نشانات وعلامات کے ذریعہ جو سمت قبلہ تحری واندازہ سے قائم کی جائے گی، وہی شرعاً قائم مقام (۳) کعبہ کے ہوگی۔

---

(۱) فتاویٰ قاضی خان،فصل فی معرفة القبلة:۸۶/۱،اشپاٹک لیتھو گرافس کلکته.انیس
(۲) مجموع رسائل ابن رجب،فصل علم السلف علی علم الخلف:۱۲/۳.انیس
(۳) سمت قبلہ۔انیس

علامہ بحر العلوم نے رسائل الارکان میں اسی مضمون کو بالفاظ ذیل بیان کیا ہے:

والشرط وقوع المسامة علٰی حسب مایری المصلی ونحن غیرمأمورین بالمسامة علٰی ما یحکم به الآلات الرصدية ولهذا أفتوا أن الانحراف المفسد أن يتجاوز المشارق والمغارب. (رسائل الأركان: ٥٣)(١)

اور بلاد ہندوستان میں سہل اور احوط (٢) طریق تعیین سمت قبلہ کا یہ ہے کہ موسم گرما کے سب سے بڑے دن (٢٢/جون) میں اور اسی طرح موسم سرما کے سب سے چھوٹے دن (٢٢ دسمبر) میں غروب شمس کا موقع دیکھا جاوے، قبلہ ان دونوں موقع کے درمیان میں ہوگا، یعنی ان دونوں موقع کے درمیان جس نقطہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاوے گی صحیح ہو جاوے گی۔

أفاده سیدی حکیم الأمة التهانوی متعنا الله تعالٰی ببرکاته نقلاً عن رسالته بغیة الأریب وهو الذی صرح به الشامی فی مواضع ذکره فی البحر وحواشیه.

یہاں تک تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ سمت قبلہ میں آلات رصدیہ اور حسابات ریاضیہ سے کام لینا سلف کا طریقہ نہیں تھا اور نہ شریعت نے اس کا امر کیا ہے اور نہ کسی حال اس کی ضرورت ہے، بلکہ طریقہ معروفہ سلف کا یہ ہے کہ جن بلاد میں مساجد قدیمہ موجود ہوں، ان کا اتباع کیا جاوے جہاں نہ ہوں، وہاں مشہور ومعرف ستاروں اور دوسرے آثار جلیہ سے کام لے کر اندازہ قائم کر کے جہت متعین کر لی جاوے۔

بڑی وجہ ان آلات وحسابات کے استعمال نہ کرنے کی تو یہی ہے کہ یہ چیزیں اتنی عام نہیں کہ ہر شخص کو ہر جگہ میسر آسکیں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ درجہ ان آلات وحسابات کا بھی تخمینہ اور تحری اور اندازہ واٹکل سے زائد نہیں، جس طرح تحری واندازہ میں خطا ہو سکتی ہے، ان آلات وحسابات میں بھی خطا ہونا ممکن بلکہ واقع ہے، جیسا کہ خود صورت مندرجہ سوال میں دو ماہرین ہیئت کے اتنے شدید اختلاف سے ظاہر ہے کہ ایک دس درجہ جانب جنوب مائل قرار دیتا ہے اور دوسرا کچھ مائل بشمال بتلاتا ہے اور یہ اختلاف جو ان دونوں حضرات میں ہوا۔ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں۔ پہلے بھی ماہرین ارباب تصنیف میں اس قسم کے اختلاف واقع ہوئے ہیں۔

---

(١) رسائل الأركان، فصل فی التوجه إلی القبلة: ٥٣. مطبع علوی لکھنؤ. انیس

(٢) رسائل الارکان کی مذکورہ عبارت سے نیز فتاویٰ خیریہ کی عبارت سے جنوب وشمال میں ۴۵-۴۵، درجہ تک انحراف کا جواز معلوم ہوتا ہے اور بین المغربین کے قول پر صرف ۲۴، ۲۴ درجہ تک دونوں طرف انحراف کی گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ کیونکہ میل کلی حسب تصریح چغمینی وغیرہ ۲۴/درجہ ہے، تو فیصلہ بین المغربین کل ۴۸/درجہ ہوا؛ اور انحراف مباح ہر دو جانب میں ۲۴/درجہ ان میں سے قول اول اوسع اور ثانی احوط ہے۔ کما فی حاشیة البحر للشامی بعد نقل القولین وهذا استحباب والأول للجواز: ١/٢٨٥۔ (محمد شفیع عفا عنہ)

میرے سامنے اس وقت دو رسالے اس موضوع کے موجود ہیں۔ایک رسالہ مصنفہ جناب منشی بشیر الدین صاحب کاکوری جس کا ماخذ ایک مہندس کا رسالہ جو شاہ جہاں بادشاہ کے عہد میں لکھا گیا ہے۔اس میں لکھنؤ کی سمت قبلہ کو نقطہ مغرب سے پانچ درجہ گیارہ دقیقہ مائل بجنوب قرار دیا ہے اور دوسرا رسالہ ضوابط پر ہے۔اس میں لکھنؤ سمت قبلہ کو نقطہ مغرب سے ۹/درجہ،۲۵/دقیقہ مائل بشمال لکھا ہے اور دونوں قواعد ریاضیہ سے استدلال کررہے ہیں، پھر بلاد کے طول وعرض کے نقشے جو عام اٹلسوں اور قدیم کتب غیاث ومالا بدمنہ وغیرہ میں چھپے ہوئے ہیں، وہ خود مختلف ہیں؛ حالانکہ سب کا ماخذ یہی قواعد ریاضیہ ہیں۔

الغرض! جبکہ حسابات ریاضیہ اور آلات رصدیہ کا انجام بھی یہی غلبہ ظن با مارات وعلامات ہے اور احتمال خطا وصواب کا اس میں بھی یکساں ہے،تو سہل وسادہ طریق سلف کو کیوں چھوڑا جاوے۔

اب صرف ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آیا آلات رصدیہ اور حسابات ریاضیہ سے؛ اگر اس میں کام لے لیا جاوے تو جائز بھی ہے یا نہیں اور جو جہت ان حسابات کے ذریعہ متعین کی جاوے وہ شرعاً معتبر ہوگی یا نہیں؟

اس کے متعلق فیصلہ علامہ شامیؒ کا یہ ہے کہ جس جگہ مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں، وہاں تو باتفاقِ علما ان آلات وحسابات سے کام لینا جائز ہے، بلکہ جس شخص کو یہ فن آتا ہو،اس کے لئے ایسے مواقع میں جہاں مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں،ضروری ہے کہ بجائے دوسرے علامات ونشانات کے ان آلات وحسابات سے کام لے؛ کیونکہ وہ تقریباً مفید ظن غالب ہیں اور جس جگہ مساجد قدیمہ موجود ہوں، وہاں ان آلات وحسابات کے ذریعہ سمت قبلہ نکالنے میں علما کا اختلاف ہے۔بعض جائز قرار دیتے ہیں بعض ناجائز،حضرت امام احمد بن حنبل کا قول عدم جواز کا اسی تحریر میں گذر چکا ہے۔

أفاد في النهر أن دلائل النجوم معتبرة عند قوم وعند آخرين ليست بمعتبرة،قال:وعليه إطلاق عامة المتون،آه.

أقول:لم أرفي المتون مايدل علىٰ عدم اعتبارها،ولنا تعلم مانهتدى به على القبلة من النجوم، وقال تعالىٰ:"النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا"،علىٰ أن محاريب الدنيا كلها نصبت بالتحرى حتى منى كما نقله في البحر،ولايخفىٰ أن أقوى الأدلة النجوم،والظاهر أن الخلاف في عدم اعتبارها إنما هو عند وجود القديمة،إذ لايجوز التحرى معها كما قدمناه،لئلا يلزم تخطئة السلف الصالح و جماهير المسلمين، بخلاف ما إذا كان في المفازة فينبغي وجوب اعتبار النجوم ونحوها في المفازة لتصريح علمائنا وغيرهم بكونها علامة معتبرة،فينبغى الاعتماد في أوقات الصلاة وفي القبلة،علىٰ ماذكره العلماء الثقات في كتب المواقيت،وعلىٰ ما وضعوه لها من الآلات كالربع

والاصطرلاب فإنها إن لم تفد اليقين تفد غلبة الظن للعالم بها،وغلبة الظن كافية فى ذلك.(رد المحتار: ۲۸۹/۱،طبع هند)(۱)

وفى الفتاوىٰ الخيرية بعد قوله ولايجوز العمل بقول الفلكى المذكور:

والحاصل أن المسئلة خلافية،فمذهب الحنفية يعمل بالمحاريب المذكورة ولايلتفت للطعن المذكور،ومذهب الشافعية إليه ويعمل به إذاكان من عالم بصير ثقة،ولاخفاء أن مذهبنا سمح سهل حنيفى ميسر غير معسر،فإن الطاعة لحسب الطاقة وفى تعيين عين الكعبة حرج و هو مرفوع عنا بالنص الشريف.(كتاب الصلاة: ۸/۱)

هذا آخر ما أردت جمعه فى هذه العجالة لعل اللّٰه تعالىٰ ينفع بها المسلمين ويجنبهم عن طرق التعمق والتكلف فى أمور الدين،واللّٰه سبحانه وتعالىٰ أعلم بالصواب وإليه المرجع فى كل باب.

كتبه الأحقر محمد شفيع عفا اللّٰه عنه.خادم دارالعلوم ديوبند فى ثمانى ساعات من ۳/ربيع الثانى سنہ ۱۳۶۰ھ۔

للّٰه درالمجيب العلام وأصاب فيما أجاب: سید احمد علی سعید نگینوی معین المفتی دارالعلوم دیوبند

بعد الحمد والصلوٰة، میں نے اس فتوے کو دیکھا، مسئلہ زیر بحث میں کافی وافی پایا، جس سے میں حرفاً حرفاً متفق ہوں اور سہولت تعبیر کے لئے اس کو " تنقيح المقال فى تصحيح الاستقبال "(۱) سے ملقب کرتا ہوں۔

کتبہ اشرف علی عفی عنہ۔۴/ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ۔

---

(۱) كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،مبحث فى استقبال القبلة.انيس

(۱) **تنقيح المقال فى تصحيح الاستقبال:**

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم

الحمد للّٰه وكفىٰ وسلام علىٰ عباده الذين اصطفىٰ.

امابعد! قواعد ریاضیہ اور آلات رصدیہ کے ذریعہ سمت قبلہ کی تحقیق و تنقیح کے متعلق علمی بحثیں اور ان میں مسلمان ماہرین فن کی جدت طرازیاں اور موشگافیاں ہمیشہ سے چلی آتی ہیں۔ یہ مسئلہ فن ہیئت کی ہر کتاب کا جزو اعظم بنا ہوا ہے۔اس پر مستقل رسالے بھی ہر زبان اور ہر زمانہ میں غیر محصور لکھے گئے ہیں، لیکن اس وقت تک یہ سب بحثیں احکام شرعیہ کے جاننے والوں کے نزدیک محض ایک بحث و تدقیق اور علمی تفریح کے درجہ میں تھی۔ان چیزوں کو تعین قبلہ کا مدار اور اداء صلوٰۃ کا موقوف علیہ کسی ناواقف نے بھی نہ بنایا تھا۔ بلکہ سب کے نزدیک یہ امر مسلم تھا کہ اصل مدار معرفت قبلہ کا محاریب صحابہ و تابعین اور مساجد مسلمین ہیں ان کا اتباع تعیین سمت قبلہ کے لئے کافی ہے۔

لیکن پچھلے دنوں ایک مغرب زدہ مشرقی نے ایک نئے فتنہ کا دروازہ کھولا کہ ان چیزوں کو معرفت قبلہ کا مدار قرار دے دیا۔ پھر جس مسجد کے سمت قبلہ کو خود ساختہ حسابات ریاضیہ کے ذرا خلاف پایا، اس کو سمت قبلہ سے منحرف اور اس میں نماز پڑھنے کو ناجائز اور اب تک جتنے لوگوں نے ان میں نمازیں ادا کیں، سب کی نمازوں کو فاسد کہہ دیا۔ پھر چونکہ بناء مساجد میں عہد صحابہ سے آج تک کسی قرن اور کسی ملک میں ان حسابات پر مدار نہیں رکھا گیا اور نہ عموماً استخراج سمت میں ان سے مدد لی گئی، بلکہ شریعت کے بتلائے ہوئے سہل اور عام طریق پر موٹے موٹے آثار وعلامات شمس و قمر اور قطب و قطب نما وغیرہ کے ذریعہ مسجدیں تعمیر کی گئی ہیں۔ ==

تتمہ؛ جواب سوال مذکور:

(از حکیم الامۃ مجدد الملۃ سیدنا حضرت مولانا تھانوی دامت برکاتہم)

علمائے امت وفقہائے ملت نے قاطبۃ بلا اختلاف تصریح فرمائی ہے کہ سمت قبلہ کا مدار آلات رصدیہ وحسابات ریاضیہ پر نہیں، بلکہ اس میں مساجد قدیمہ کا اتباع وتوافق کافی ہے۔ جن کی بنا امارات وعلامات عرفیہ پر ہے، اگر چہ قواعد ہیئت کی رو سے ان میں سمت حقیقی سے کچھ انحراف بھی ہو جس میں اصل قاعدہ سے ربع (۱) دائرہ (۹۰/درجہ) کے قریب تک یعنی دونوں جانب ثمن ثمن دائرہ (۴۵-۴۵/درجہ) تک اور بنا بر احتیاط ما بین المغربین یعنی ہر طرف ۲۴/درجہ مجموعی ۴۸/درجہ تک گنجائش ہے۔

== 　اس لئے اس مشرقی کا یہ فتویٰ کسی ایک مسجد یا ایک بستی کی مسجدوں پر نہیں، بلکہ عامہ بلاد مسلمین کی جملہ مساجد پر حاوی ہو گیا اور اس نے کھلے بندوں یہ کہنا شروع کر دیا کہ عام مساجد مسلمین سمت قبلہ سے منحرف ہیں، ان میں نماز نہیں ہوتی۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ پوری امت محمدیہ اس کے نزدیک نماز سے محروم ہوگئی۔ (نعوذ باللہ منہ)

اس وقت بعض احباب نے احقر پر اصرار کیا کہ اس کا جواب لکھا جاوے۔ تا کہ عوام مغالطہ سے بچیں۔ لیکن مجھے غیرت آتی تھی کہ میں صحابہ وتابعین اور پوری امت محمدیہ کی نمازیں جائز وصحیح ہونے پر دلائل پیش کروں، اس لئے ان کو تو یہی لکھ دیا کہ اگر سمت قبلہ کوئی ایسا معمہ ہے جس کو حضرات صحابہ وتابعین اور تمام امت حل نہیں کر سکی تو آج بھی کسی مشرقی، مغربی یا جنوبی، شمالی کو اس کے حل کرنے کی ہوس کرنا فضول ہے اور جب کہ صحابہ وتابعین اور پوری امت کی نمازیں (معاذ اللہ) فاسد ہیں تو ہماری بھی سہی:

وأما أنا إلا من غزية إن غوت　　غويت وإن ترشد غزية أرشد

لیکن حال میں مخدومی جناب سید مقبول حسین صاحب بلگرامی جہانگیر آباد سے ایک استفتا مسئلہ سمت قبلہ کے متعلق لے کر تشریف لائے۔ اس کا جواب اتفاقاً کسی قدر مفصل لکھا گیا پھر موصوف نے یہ جواب سیدی ومرشدی حضرت حکیم الامت تھانوی دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت والا دامت فضائلہم وفواضلہم نے اس کو پسند فرما کر اس کا نام بھی تنقيح المقال في تصحيح الاستقبال تجویز فرما دیا یہ محض حق تعالیٰ کا فضل تھا کہ ایک بے مایہ طالب علم کی عجلت کے ساتھ چند گھنٹوں میں لکھی ہوئی تحریر کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔
اب مناسب معلوم ہوا کہ یہ رسالہ مستقل بھی شائع ہو جاوے کہ مشرقی کے ڈالے ہوئے وساوس کا بھی علاج ہو سکے۔ (واللہ الموفق و المعین وبه في كل الحوائج استعين)

نوٹ: 　مشرقی کے اشکالات کا مفصل جواب مع احقر کے اس رسالہ و دیگر تحریرات مفیدہ کے جناب سید مقبول حسین صاحب وصل بلگرامی مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون شائع کرنے والے ہیں، اگر کسی کو مزید تفصیل کی ضرورت ہو وہ موصوف سے منگا سکتے ہیں۔

العبد الضعیف محمد شفیع عفا اللہ عنہ، خادم دار الافتاء، دار العلوم دیوبند۔ ٦ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ۔ (امداد المفتین: ۳۲۰-۳۲۱)

(۱) 　اور حدیث "ما بين المشرق والمغرب قبلة" میں ایک سہل عنوان سے یہی بتلانا مقصود ہے کہ پوری جہت جنوب قبلہ ہے اصطلاح ریاضی پر نقطہ مشرق ومغرب کی درمیان قوس مراد نہیں جس سے نصف دائرہ کا شبہ ہو سکے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے ہمارے بلاد میں تفہیم عوام کے لیے کہا جاوے کہ شمال وجنوب کے درمیان قبلہ ہے پوری جہت مغرب۔ (منہ)

لما فی حاشية البحر للشامی بعد نقل القولين: وهذا استحباب والأول للجواز. (۱/۲۸۵)(۱)
اس بنا پر دونوں انحراف مذکور فی السوال کے ہوتے ہوئے بھی نماز صحیح ہو جائے گی۔ لیکن اولیٰ یہ ہے کہ دوسری مساجد قدیمہ خواہ اس بستی میں ہوں یا قرب و جوار میں ہوں، ان کے موافق اس مسجد کو درست کر لیا جاوے۔ ان سب احکام کے دلائل دار العلوم دیوبند کے فتوے میں منقول ہیں جس سے میں حرفاً حرفاً متفق ہوں۔

کتبہ اشرف علی عفی عنہ۔ ۴؍ ربیع الثانی ۱۳٦۰ھ۔

ضمیمہ! سمت قبلہ معلوم کرنے کا آسان طریقہ:

(از قواعد ریاضیہ)

فتاویٰ مذکورہ سے تو اس گنجائش کا اندازہ معلوم ہوا جو سمت قبلہ کے بارہ میں شریعت نے رکھی ہے اور اگر قواعد ریاضیہ ہی سے کسی کو سمت قبلہ معلوم کرنا ہو تو اس کے بہت سے طریق علماء ہیئت و ہندسہ نے لکھے ہیں جو عوام کے سمجھنے کے نہیں۔ ان میں سے ایک آسان طریق جس میں زیادہ حسابات اور رصدیات کی ضرورت نہیں۔

مکرمی مولانا عبد الکریم صاحب گمتھلوی نے اپنے خط میں بحوالہ تصریح نقل فرمایا ہے اور صاحب تصریح نے بھی اس کو سہل ترین قرار دیا ہے، اس کو بایماء حضرت مرشدی اس تحریر کے ساتھ ملحق کیا جاتا ہے۔ وھو ھذا.

اطلاع:

(۱) یہ طریقہ ان مقامات کے لئے ہے؛ جو مکہ معظّمہ سے نوے ۹۰؍درجہ سے کم فاصلہ پر مشرق میں واقع ہیں، مغربی بلاد میں بھی یہ طریقہ کام دے سکتا ہے، مگر مشرق میں نصف النہار مکہ مکرمہ سے موخر ہوگا اور مغرب میں مقدم اور جن بلاد کا بعد مکہ معظّمہ سے نوے ۹۰؍درجہ یا اس سے زائد ہو وہاں نصف النہار مکہ کے وقت رات ہوگی۔ اس لئے اس جگہ مقاطر مکہ سے حساب کیا جاتا ہے؛ جس کو بوجہ عدم ضرورت کے یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔

(۲) سمت قبلہ معلوم کرنے کا یہ طریقہ صرف ۲۹؍مئی یا ۱۴؍جولائی کو کارآمد ہوتا ہے اور یہ دونوں تاریخیں چغمینی اور اس کی شرح کے مطابق لی گئی ہیں۔ موجودہ ماہرین فن کے اقوال اس کے متعلق اور بھی ہیں مثلاً! ۲۷؍مئی یا ۱٦؛ و ۱۷؍جولائی۔ لیکن یہ کفات قلیل ہے قابل التفات نہیں ان میں سے جس تاریخ میں بھی دیکھا جاوے گا؛ سمت قبلہ صحیح نکل آوے گی۔

---

(۱) منحة الخالق علی هامش البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ۱/۳۰۱. انیس

طریق تعیین سمت قبلہ:

جس جگہ کا سمت قبلہ معلوم کرنا ہو اول وہاں کے طول بلد کو(۱) غیاث اللغات یا کسی اٹلس سے معلوم کر کے چالیس درجے کو جو طول بلد ہے؛ مکہ مکرمہ کا، اس میں سے تفریق کر دیں اور باقی کو چار میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو ساٹھ پر تقسیم کر کے گھنٹے منٹ بنالیں، یہ فرق وقت ہوگا مقامی نصف النہار اور نصف النہار مکہ مکرمہ میں (۲) مثلاً جہانگیر آباد کا طول بلد (۸۱) ہے؛ اس میں سے مکہ معظّمہ کے طول بلدہ (۴۰) کو تفریق کر کے (۴۱) رہتا ہے، اس کو چار میں ضرب دینے سے (۱٦۴) منٹ فرق وقت ہوا؛ یعنی دو گھنٹے چوالیس منٹ۔

پھر ۲۹ر مئی یا ۱۴ر جولائی کو ایک فٹ یا کم وبیش مربع زمین کی سطح خوب ہموار کر کے اس کے درمیان ایک کیلی بالکل سیدھی نصب کی جاوے (وہ کیلی تقریباً ۳ر انچ ہو) اور مقامی دھوپ (۳) گھڑی سے بارہ بجے وقت ملالیں، بعدازاں فرق وقت یعنی مثلاً جہانگیر آباد مقامی دھوپ گھڑی سے دو بج کر چوالیس منٹ پر اس کیلی کے منتہائے ظل پر ایک نقطہ لگادیں اور اس نقطہ سے کیلی کے سر پر ڈورہ رکھ کر صحیح خط کشید کریں۔

اس خط کے مطابق مسجد کی جنوبی یا شمالی دیوار قائم ہوگی، پھر جنوبی شمالی دیواریں قائم کر کے ان کے درمیان سیدھی دیوار قبلہ قائم کردی جاوے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ از مدرسہ قدوسیہ آباد ضلع کرنال

۲۹ر ربیع الثانی ۱۳٦۰ھ۔

---

(۱) اور یہ ضرورت ہندوستان کے مشہور شہروں کا عرض بلد اور طول بلد اس تحریر کے بعد بھی ملحق کر دیا گیا ہے۔ منہ

(۲) کیونکہ آفتاب چار منٹ میں ایک درجہ طے کرتا ہے اور ضرب سے فرق وقت کے منٹ معلوم ہوں گے پھر اس سے گھنٹے بنائے جاویں۔

(۳) اور اگر وہاں دھوپ گھڑی نہ ہو، تو اس کی کیلی کے گرد ایک فٹ کا دائرہ بنا کر اسی سے دھوپ گھڑی کا کام لیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کہ تاریخ مذکور سے ایک دو روز قبل صبح کے وقت دیکھیں کہ کیلی کا سایہ دائرہ میں کس جگہ سے داخل ہوتا ہے، وہاں بہت احتیاط سے ایک نقطہ لگادیں (اس کو مدخل ظل کہتے ہیں) پھر شام کے وقت دائرہ کی اس جگہ پر نقطہ لگائیں جہاں سے کیلی کا سایہ دائرہ سے باہر نکلے (یہ مخرج ظل ہے) پھر مدخل ظل اور مخرج ظل کے دونوں نقطوں کے درمیان خط کھینچ کر اس کے نصف پر ایک نقطہ لگائیں اور مدخل ومخرج کے درمیان دائرہ کا جو حصہ آتا ہے، اس کے نصف پر بھی ایک نقطہ لگائیں پھر ان دونوں نقطوں پر سے گزرتا ہوا ایک خط کیلی تک کھینچ دیں یہ خط خط نصف النہار کہلائے گا ۲۹ مئی یا ۱۴ جولائی کو جب کیلی کا سایہ خط نصف النہار پر پڑے اس وقت گھڑی میں بارہ بجالئے جاویں۔ منہ

نقشہ طول وعرض مشہور بلاد ہندوستان

(ماخذ از غیاث)

نام شہر	طول بلد	عرض بلد	اقلیم	نام شہر	طول بلد	عرض بلد	اقلیم
مکہ مکرمہ	ستر درجہ دس دقیقہ	اکیس درجہ چالیس دقیقہ	دوم	بنارس	ایک سوستر ہ درجہ	چھبیس درجہ	دوم
مدینہ طیبہ	پچھتر درجہ بائیس دقیقہ	پچیس درجہ آٹھ دقیقہ	=	بھوپال	ایک سو گیارہ درجہ	تیئیس درجہ	=
انک	ایک سو چھ درجہ پانچ دقیقہ	تینتیس درجہ چوبیس دقیقہ	سوم	بیجاپور	ایک سو پانچ درجہ تیس دقیقہ	ستر ہ درجہ بائیس دقیقہ	دوم
اجمیر	ایک سو گیارہ درجہ پانچ دقیقہ	پچیس درجہ پچاس دقیقہ	دوم	پشاور	ایک سو چھ درجہ چالیس دقیقہ	انتیس درجہ	سوم
اجین	ایک سو بارہ درجہ تیس دقیقہ	بائیس درجہ پچیس دقیقہ	=	تربت	ایک سودس درجہ	چالیس درجہ پانچ دقیقہ	چہارم
احمد آباد	ایک سو آٹھ درجہ	تیئیس درجہ	سوم	تھانہ بھون	؟		
آگرہ	ایک سو بارہ درجہ پینتالیس دقیقہ	ستائیس درجہ	=	تھانیسر	ایک سو بارہ درجہ تیئیس دقیقہ	انتیس دقیقہ	سوم
الہ آباد	ایک سو سولہ درجہ پچاس دقیقہ	چھبیس درجہ باون دقیقہ	=	ٹھٹھ	بیاسی درجہ تیس دقیقہ	پچیس درجہ دو دقیقہ	دوم
امروہہ	ایک سو چودہ درجہ پینتالیس دقیقہ	اٹھائیس درجہ چالیس دقیقہ	=	جلال آباد	ایک سو پانچ درجہ چالیس دقیقہ	چونتیس درجہ	سوم
اورنگ آباد	ایک سو گیارہ درجہ تیس دقیقہ	انیس درجہ پانچ دقیقہ	دوم	جونپور	ایک سو سولہ درجہ چھ دقیقہ	چھبیس درجہ گیارہ دقیقہ	=
اجودھیا	ایک سو سولہ درجہ پچیس دقیقہ	تیس درجہ پینتالیس دقیقہ	سوم	حیدرآباد دکن	ایک سو چودہ درجہ پانچ دقیقہ	اٹھارہ درجہ بائیس دقیقہ	دوم

پانی پت	ایک سو تیرہ درجہ بائیس دقیقہ	اٹھائیس درجہ پندرہ دقیقہ	=	دولت آباد	ایک سو گیارہ درجہ پانچ دقیقہ	بائیس درجہ تیس دقیقہ	=
پٹنہ	ایک سوانیس درجہ بارہ دقیقہ	چھبیس درجہ چالیس دقیقہ	=	دہلی	ایک سو دو درجہ اٹھارہ دقیقہ	اٹھائیس درجہ گیارہ دقیقہ	سوم
بدایوں	ایک سو چودہ درجہ	تیئیس درجہ بیس دقیقہ	=	دیو بند			
برہانپور	ایک سو آٹھ درجہ	بائیس درجہ	دوم	رام پور	ایک سو چودہ درجہ چھتیس دقیقہ	اٹھائیس درجہ چالیس دقیقہ	سوم
راج محل	ایک سو اکیس درجہ پانچ دقیقہ	پچیس درجہ اڑتالیس دقیقہ	سوم	کالپی	ایکسو پندرہ درجہ	پچیس درجہ تیس دقیقہ	سوم
سرونج	ایک سو چودہ درجہ چالیس دقیقہ	چوبیس درجہ اڑتالیس دقیقہ	=	صوبہ گجرات	ایک سو آٹھ درجہ اٹھائیس دقیقہ	تیئیس درجہ	دوم
شری نگر	ایک سو بارہ درجہ باون دقیقہ	تینتیس درجہ دس دقیقہ	=	کرانہ	ایک سو تیرہ درجہ	اٹھائیس درجہ چالیس دقیقہ	سوم
سراندیپ	ایک سو تیس درجہ پانچ دقیقہ	دو درجہ تیس دقیقہ	اول	کشمیر	ایک سو سات درجہ آٹھ دقیقہ	تینتیس درجہ	چہارم
سنبھل	ایک سو چودہ درجہ چھبیس دقیقہ	اٹھائیس درجہ تیس دقیقہ	سوم	گوالیار	ایک سو چودہ درجہ	تیئیس درجہ چھپن دقیقہ	دوم
سومناتھ	ایک سو سات درجہ	بائیس درجہ	دوم	لاہور	ایک سو نو درجہ بائیس دقیقہ	اکتیس درجہ پچاس دقیقہ	سوم
سیالکوٹ	ایک سو آٹھ درجہ پانچ دقیقہ	بتیس درجہ چار دقیقہ	سوم	لکھنؤ	ایک سو سولہ درجہ تیرہ دقیقہ	چھبیس درجہ تیس دقیقہ	سوم
سرہند	ایک سو گیارہ درجہ بیس دقیقہ	انتیس درجہ تیس دقیقہ	=	لدھیانہ	ایک سو دس درجہ چالیس دقیقہ	انتیس درجہ تیس دقیقہ	=

سہارنپور		؟	سوم	مونگیر	ایک سو بیس درجہ گیارہ دقیقہ	چھبیس درجہ چھ دقیقہ	سوم
قنوج	ایک سو پندرہ درجہ پندرہ دقیقہ	چھبیس درجہ پچاس دقیقہ	=	سندراس	نامعلوم	تیرہ درجہ	=
کانگڑا	ایک سو دس درجہ پینتیس دقیقہ	تیس درجہ پچاس دقیقہ	=	ہری دوار	ایک سوتیرہ درجہ	انتیس درجہ چالیس دقیقہ	=

نوٹ:

طول بلاد اور عرض بلاد کا ایک نقشہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی کتاب ''مالا بد منہ'' میں بھی چھپا ہوا ہے، وہ کسی قدر غیاث سے مختلف ہے، عمل کرنے کے وقت اس کو بھی دیکھ لیا جاوے اور اختلاف کے موقع پر مالا بد منہ کے نقشہ کو ترجیح دی جاوے۔

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

مفید معلومات:

(۱)　　کل ربع مسکون کا طول بحر محیط کے ساحل غربی سے ساحل شرقی تک بطلیموس کے نزدیک ایک سو ستتر درجہ عرض ۹ ۷/درجہ ہے اور اکثر محققین کے نزدیک طول بلاد کی ابتدا جزائر خالدات سے کی گئی ہے جو مغربی جانب میں منتہائے آبادی ہے اور منتہاء طول گنگ وزگہ پر جو مشرق جانب میں منتہائے آبادی۔ اور یہ کل طول ایک سو اسی ۱۸۰/ درجہ اور عرض خط استوا سے جانب شمال کی انتہائے آبادی تک چھیاسٹھ درجہ ہے۔

(۲)　　زمین کے ایک درجہ کی مسافت ٦٦ /۱ بٹا ۲ (ساڑھے چھیاسٹھ) میل چھ سو چھیاسٹھ گز ہے اور مسافت ایک دقیقہ ارضی کی ایک میل چار سو چوالیس گز ہے۔

(۳)　　میل چار ہزار گز ہوتا ہے۔

(۴)　　آفتاب اپنی حرکت عرضیہ میں ایک درجہ چار منٹ میں طے کرتا ہے۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

(فتاویٰ دارالعلوم مسمی امداد المفتین: ۲/۳۵۳-۳٦٦) ☆

☆　　**سمت قبلہ کا مطلب:**

سوال:　　نماز پڑھتے وقت کعبہ کا تعین مغرب کی سمت میں کیا جاتا ہے، جب کہ ضروری نہیں کہ دنیا کے ہر حصے کے لئے ==

سمت قبلہ فقہی دلائل کی روشنی میں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ! یہاں ایک مسجد کے پیش امام صاحب نماز پڑھانے میں اپنا رخ مسجد کے سامنے نہیں رکھتے، بلکہ تھوڑا سا ٹیڑھا سا فرق کر لیتے ہیں؛ جب کہ مسجد قطب نما سے بالکل صحیح ہے، مسجد کے مؤذن صاحب کہتے ہیں کہ اگر تھوڑا سا فرق ہو تو نماز ہو جاتی ہے، لیکن امام صاحب کا کہنا ہے کہ نماز بالکل نہیں ہوگی، امام صاحب نے لوگوں کو قبلہ نما دکھلایا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ کراچی شہر کا قبلہ تھوڑا بائیں جانب ہے، اب چونکہ تمام مسجدیں بلکہ پورے پاکستان اور ہندوستان کی تمام مساجد کا رخ قطب نما سے ہے، تو کیا اب پورے ملک کی مساجد کو از سرے نو تعمیر کیا جاوے؛ یا ان میں صرف لکیریں دوسری لگا دی جائیں، تاکہ نمازیں صحیح سمت میں ادا کی جائیں اور اگر نماز میں کوئی فرق اس تھوڑے فرق سے نہ آتا ہو، تو شرعی رو سے ہم کو مطلع کیا جائے، تو جناب کی نوازش ہوگی، بندہ کو جلد از جلد خط کے ذریعہ جواب سے مطلع کیا جائے، تاکہ لوگوں کا دلی وسوسہ ختم ہو کر اطمینان قلب ہو؟ (مصلیان مسجد اقصیٰ کراچی)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ باسمہ تعالیٰ

مختصر جواب یہ ہے کہ قبلہ میں تھوڑا سا فرق ہونے سے کچھ فرق نہیں پڑتا ہے، نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ لہٰذا صفوں کے نشانات کو بدلنے کی ضرورت نہیں ہے، بیت اللہ سے پینتالیس درجہ تک شمالاً یا جنوباً انحراف مفسد نہیں ہے، اس سے زیادہ ہو تو مفسد ہے، تشفی کے لئے درج ذیل چند نکات لکھ رہا ہوں۔

(۱) اصل اس معاملہ میں یہی ہے کہ ہم اہل مشرق کے لئے سمت مغرب قبلہ ہے، اگر تھوڑا سا فرق ہو جائے تو قبلہ کی سمت صادق آجاتی ہے۔

== یہ اصول درست ہو۔ اگر یہ اصول محض اس لئے وضع کیا گیا تھا کہ تمام مسلمان ایک سمت کو سجدہ کریں تو نماز میں یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ "میرا رخ کعبے شریف کی طرف ہے" جب کہ ہم کو یقین ہے کہ ہمارا منہ مغرب کی طرف ہے۔

الجوابـــــــــــــــــــــــ

غالباً آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ تمام دنیا کے مسلمان خواہ وہ کہیں آباد ہوں، نماز کے وقت مغرب کا رخ کرتے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے۔ اصل میں ہمیں نماز کے اندر کعبہ مشرفہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان وغیرہ کے لحاظ سے چونکہ کعبہ مغرب کی سمت میں ہے، اس لئے یہاں کے باشندے مغرب کا رخ کرتے ہیں، لیکن جو لوگ مغربی ممالک مثلاً یورپ اور امریکہ وغیرہ میں بستے ہیں، وہ نماز کے وقت مغرب کی بجائے مشرق کی طرف منہ کرتے ہیں۔ مدینہ طیبہ کے باشندے جنوب کی طرف رخ کرتے ہیں، اور جنوبی افریقہ کے لوگ شمال کی طرف۔ خلاصہ یہ ہے کہ اصل چیز کعبہ ہی کا استقبال ہے، وہ جس خطہ کے لحاظ سے جس سمت میں ہو ادھر ہی کا رخ کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔ ۲۰/ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ۔ (فتاویٰ عثمانی: ۱/۴۰۰)

(۲) سنت قبلہ کی تعیین اور بنائے مساجد میں سنت صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے آج تک یہ ہے کہ جس بلدہ میں مساجد قدیمہ مسلمانوں کی تعمیر کردہ موجود ہوں ان کا اتباع کیا جائے، ایسے مقامات میں آلات رصدیہ اور قواعد ریاضیہ کی تدقیق میں پڑنا سنت کے خلاف اور نا مناسب اور باعث تشویش ہے ہاں جنگلات اور ایسی نو آبادیات میں جن میں مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں، وہاں قواعد ریاضیہ سے مدد لی جائے تو مضائقہ نہیں، گو ان سے مدد لینا ضروری وہاں بھی نہیں بلکہ وہاں بھی تحری اور تخمینہ قریبی آبادیوں کی مساجد کا کافی ہے اور اگر مساجد بلدہ کی سمتیں کچھ باہم متخالف ہوں، تو بظن غالب یا چند تجربہ کار مسلمانوں کے اندازہ سے جو ان میں سے زیادہ اقرب ہو، اس کا اتباع کرلیا جائے۔ البتہ اگر کسی بلدہ کی عام مساجد کے متعلق قوی شبہ ہو جاوے کہ وہ سمت قبلہ سے اس درجہ منحرف واقع ہیں کہ نماز ہی درست نہیں ہوگی، تو ایسی صورت میں ان کا اتباع نہ کیا جائے گا، بلکہ یا قواعد ریاضیہ سے سمت قبلہ کا استخراج کیا جاوے یا اس بلدہ کے قریب کی کسی مسجد سے تخمینہ کر کے سمت قبلہ متعین کی جاوے۔

مسئلہ سمت قبلہ کی تحقیق کے لئے ایک بات کی توضیح ضروری ہے، وہ یہ کہ استقبال قبلہ جو نماز میں فرض ہے؛ اس کی حد ضروری کیا ہے؟

اس مسئلہ کے متعلق مذہب مختار حنفیہ کا یہ ہے کہ جو شخص بیت اللہ شریف کے سامنے ہو، اس کے لئے عین کعبہ کا استقبال فرض ہے اور جو کعبہ سے غائب ہے، اس کے ذمہ جہت کعبہ کا استقبال ہے، عین کعبہ کا نہیں۔

جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے:

”وإن كان نائيًا عن الكعبة غائبًا يجب عليه التوجه إلٰى جهتها وهى المحاريب المنصوبة بالأمارات الدالة عليها لا إلٰى عينها وتعتبر الجهة دون العين كذا ذكر الكرخي والرازى وهو قول عامة مشائخنا بما وراء النهر، وقال بعضهم: المفروض إصابة عين الكعبة بالاجتهاد و التحرى وهو قول أبى عبد الله البصرى.(۱)

اسی طرح ”ہدایہ“ میں ہے:

”ومن كان غائبًا ففرضه إصابة جهتها هو الصحيح؛ لأن التكليف بحسب الوسع“.(۲)

پھر جہت قبلہ کے معنی یہ ہیں کہ ایک خط جو کعبہ پر گزرتا ہوا جنوب وشمال پر منتہیٰ ہو جاوے اور نمازی کے وسط جبہہ

(۱) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع للكاسانى، كتاب الصلاة، فصل فى شرائط الأركان: ۱۱۸/۱، ط: ايچ، ايم

(۲) الهداية فى شرح بداية المبتدى لبرهان الدين المرغينانى، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة التى تتقدم: ۹۵/۱ — ط: رحمانيه، لاهور

سے ایک خط مستقیم نکل کر اس پہلے خط سے اس طرح تقاطع کرے کہ اس سے موقع تقاطع پر دو زاویہ قائمہ پیدا ہو جاویں؛ وہ قبلہ مستقیم ہے۔
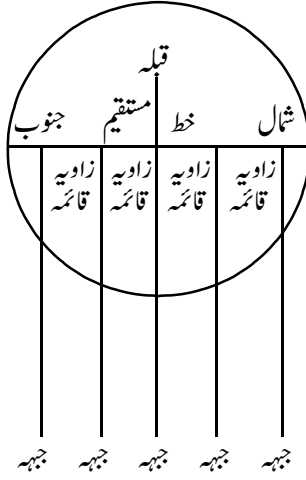
اور اگر نمازی اتنا منحرف ہو کہ وسط جبہہ سے نکلنے والا خط تقاطع کر کے زاویہ قائمہ پیدا نہ کرے بلکہ حادہ یا منفرجہ پیدا کرے لیکن وسط جبہہ کو چھوڑ کر پیشانی کے اطراف میں کسی طرف سے نکلنے والا خط زاویہ قائمہ پیدا کر دے تو وہ انحراف قلیل ہے اس سے نماز صحیح ہو جائے گی اور اگر پیشانی کی کسی طرف سے بھی ایسا خط نہ نکل سکے جو خط مستقیم پر زاویہ قائمہ پیدا کر دے، تو وہ انحراف کثیر ہے، اس سے نماز نہ ہوگی اور علماء ہیئت وریاضی نے انحراف قلیل وکثیر کی تعیین اس طرح کی ہے کہ ۴۵ درجہ تک انحراف ہو تو قلیل، اس سے زائد ہو تو کثیر اور مفسد صلاۃ ہے۔

انحراف قلیل وکثیر کی تعیین میں فقہاء امت اور علماء ہیئت کے اور بھی اقوال ہیں جن میں سے بعض اس سے زیادہ وسعت کو چاہتے ہیں اور بعض میں اس سے کم کی گنجائش ہے، اس جگہ اوسط سمجھ کر اس قول کو اختیار کیا گیا ہے اور وہ سب اقوال ذیل میں مذکور ہیں۔

(۱) ''درمختار'' میں ہے:

''المفهوم مما قدمناه عن المعراج والدرر من التقييد بحصول زاويتين قائمتين عند انتقال المستقبل لعين الكعبه يمينًا أويسارًا أنه لا يصح لو كانت إحداهما حادة والأخرىٰ منفرجة بهذه الصورة:

مصلى	كعبة

(إلىٰ أن قال): فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهو الذى يبقىٰ معه الوجه أوشىء من جوانبه مسامتًا لعين الكعبة أو لهوائها بأن يخرج الخط من الوجه أومن بعض جوانبه ويمر على الكعبة أو

هوائها مستقيمًا،ولايلزم أن يكون الخط الخارج على استقامة خارجًا من جبهة المصلى بل منها أومن جوانبها.(١)

(٢) ''فتاویٰ خیریہ'' میں ہے:

''وعن أبى حنيفة المشرق قبلة أهل المغرب،والمغرب قبلة أهل المشرق والجنوب قبلة أهل الشمال،والشمال قبلة أهل الجنوب وعليه فالانحراف قليلاً لا يضر.(٢)

(٣) ''البحر الرائق'' میں ہے:

''(قوله:ولغيره إصابة جهتها)أى لغير المكى فرضه إصابة جهتها وهوالجانب الذى إذا توجه إليه الشخص يكون مسامتًا للكعبة أولهوائها أما تحقيقاً بمعنى أنه لوفرض خط من تلقاء وجهه علىٰ زاوية قائمة إلى الأفق يكون مارًا على الكعبة أوهوائها وأما تقريبًا بمعنى أن يكون ذلك منحرفًا عن الكعبه أوهوائها انحرافاً لا تزول به المقابلة بالكلية بأن بقى شىء من سطح الوجه مسامتًا لها؛لأن المقابلة إذا وقعت فى مسافة بعيدة لا تزول بما نزل به من الانحراف لوكانت فى مسافة قريبة ويتفاوت ذلك بحسب تفاوت البعد وتبقىٰ المسامة مع انتقال مناسب لذلك البعد،فلوفرض مثلاً خط من تلقاء وجه المستقبل للكعبة على التحقيق فى بعض البلاد وخط آخر يقطعه علىٰ زاويتين قائمتين من جانب يمين المستقبل وشماله لا تزول تلك المقابلة بالانتقال إلى اليمين والشمال علىٰ ذلك الخط بفراسخ كثيرة،ولهذا وضع العلماء قبلة بلد و بلدين وبلاد علىٰ سمت واحد.(٣)

(۴) ''فتاویٰ قاضی خان'' میں ہے:

''ومن كان خارجًا عن مكة فقبلته جهة الكعبة وهوقول عامة المشائخ هوالصحيح،هكذا فى التبيين،وجهة الكعبة تعرف بالدليل،والدليل فى الأمصاروالقرى المحاريب التى نصبها الصحابة والتابعون فعلينا اتباعهم فإن لم تكن فالسوال من أهل ذلك الموضع وأما فى البحار و المفاوزفدليل القبلة النجوم،هكذا فى فتاوى قاضيخان.(۴)

---

(١) ردالمحتارعلى الدرالمختار،كتاب الصلاة،مبحث فى استقبال القبلة: ١/٤٢٩-٤٣٠،ط:ايچ،ايم، سعيد

(٢) الفتاوىٰ الخيرية لنفع البرية للشيخ خيرالدين الرملى،كتاب الصلاة: ١/٧،ط:بولاق مصر

(٣) البحرالرئق شرح كنز الدقائق،كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة: ١/٢٨٤، ط:رشيديه كوئٹه

(۴) الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،الباب الثالث فى شروط الصلاة،الفصل الثالث فى استقبال القبلة : ١/٦٣، ط:ايچ،ايم سعيد

(۵) ''فتاویٰ خیریہ'' میں ہے:

''(سئـل)ومن القواعد الفلكية إذاكان الانحراف عن مقتضى الأدلة أكثرمن خمس وأربعين درجة يمنة ويسرة يكون ذلک الانحراف خارجًا عن جهة الربع الذى فيه مكة المشرفة من غيرإشكال(إلٰى)فهل هذه المحاريب المزبورة انحرافها كثيرفاحش يجب الانحراف فيها يسرة إلٰى جهة مقتضى الأدلة والحالة ما ذكرأم لا؟وإذا قلتم يجب فهل إذا عاند شخص وصلى فى هذه المحاريب بعد إثبات ما ذكرتكون صلاته فاسدة،الخ.

(أجاب)حيث زالت بالانحراف المذكورالمقابلة بالكلية بحيث يبقٰى من سطح الوجه مسامتًا للكعبة عدم الاستقلال المشروط لصحة الصلاة بالإجماع وإذا عدم الشرط عدم المشروط.(۱)

(٦) ''فتاویٰ شامی'' میں ہے:

''فلوفرضنا خطاً من تلقاء وجه مستقبل الكعبة على التحقيق فى هذه البلاد ثم فرضنا خطاً آخريقطعه على زاويتين قائمتين من جانب يمين المستقبل وشماله لا تزول تلک المقابلة والتوجه بالانتقال إلى اليمين والشمال علٰى ذلک الخط بفراسخ كثيرة،فلذا وضع العلماء القبلةفى بلاد قريبة علٰى سمت واحد،آه.

ونقله فى الفتح والبحروغيرهما وشروح المنية وغيرها،وذكره ابن الهمام فى زاد الفقير.

وعبارة الدررهكذا: وجهتها أن يصل الخط الخارج من جبين المصلى إلى الخط المار بالكعبة على استقامة بحيث يحصل قائمتان،أونقول:هوأن تقع الكعبة فيما بين خطين يلتقيان فى الدماغ فيخرجان إلى العينين كساقى مثلث،كذا فيما قال النحريرالتفتازانى فى شرح الكشاف،فيعلم منه أنه لوانحرف عن العين انحرافاً لا تزول منه المقابلة بالكلية جاز،ويؤيده ما قال فى الظهيرية:إذا تيامن أوتياسرتجوز؛لأن وجه الإنسان مقوس؛لأن عند التيامن أوالتياسر يكون أحد جوانبه إلى القبلة،انتهٰى كلام الدرر.

وقوله:فى الدررعلى استقامة متعلق بقوله يصل؛لأنه لووصل إليه معوجًا لم تحصل قائمتان بل تكون إحداهما حادة والأخرىٰ منفرجة كما بينا.ثم إن الطريقة التى فى المعراج هى الطريقة الأولٰى التى فى الدرر،إلا أنه فى المعراج جعل الخط الثانى مارًا على المصلى علٰى ما هو المتبادرمن عبارته،وفى الدررجعله مارًا على الكعبة،الخ.(۲)

(۱) الفتاوى الخيرية لنفع البرية للشيخ خير الدين الرملى،كتاب الصلاة،: ۹/۱،ط:بولاق مصر

(۲) رد المحتارعلى الدرالمختار،كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة،مبحث فى استقبال القبلة: ۴۲۸/۱-۴۲۹-

حسابات، آلات مثلاً قطب نما اور قبلہ نما سے نکالی ہوئی سمت قبلہ میں بھی اہل فن کا اکثر اختلاف رہتا ہے۔ اس لئے کہ اگر طول بلد اور عرض بلد کے معلوم کرنے میں تھوڑا سا فرق ہوگیا یا قطب نما کی سوئی لوہا نزدیک ہونے کی وجہ سے ہل گئی تو سمت کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے، جیسا کہ البحر الرائق اور رد المحتار میں لکھا ہے کہ علما کا اتفاق ہے کہ دنیا کی تمام مساجد محض تحری وتخمینہ سے قائم کی گئی ہیں؛ لیکن مسجد نبوی کی سمت قبلہ وحی اور مکاشفہ کے طور پر کی گئی ہے، کیونکہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے بیت اللہ کو معجزہ کے طور پر سامنے کردیا تھا، اس کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد مدینہ کی سمت قبلہ قائم فرمائی۔ اس لئے امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اجماع ہے کہ مسجد نبوی کی سمت قبلہ بالکل یقینی ہے۔

”ومحاريب الدنيا كلها نصبت بالتحرى حتىٰ منىٰ ولم يزد عليه شيئًا وهذا خلاف ما نقل عن أبى بكر الرازى فى محراب المدينة أنه مقطوع به،فإنه إنما نصبه رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم بالوحى بخلاف سائر البقاع حتىٰ قيل إن محراب منىٰ نصب بالتحرى والعلامات و هو أقرب المواضع إلىٰ مكة.(۱)

لیکن حسابات ریاضیہ سے جب دیکھا گیا تو وہ بھی صحیح نہیں اتری، چنانچہ مصر کے امیر ابن طولون نے جب مصر میں اپنی جامع مسجد بنانے کا ارادہ کیا، تو چند ماہرین ہندسہ کو مدینہ منورہ بھیج کر پہلے مسجد نبوی کی سمت قبلہ کو آلات رصدیہ (یعنی قطب نما وغیرہ) سے جانچا، تو معلوم ہوا کہ آلات کے ذریعہ نکالے ہوئے خط سمت قبلہ سے مسجد نبوی کی سمت دس درجہ مائل بہ جنوب ہے، جیسا کہ مقریزی نے ”**كتاب الخطط**“ میں بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

”إن أحمد بن طولون لما عزم علىٰ بناء هذا المسجد بعث إلىٰ محراب مدينة رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم من أخذ سمته فإذا هو مائل عن خط سمت القبلة المستخرج بالصناعة نحو عشر درجة إلىٰ جهة الجنوب.(۲)

”احمد بن طولون نے جب اپنی جامع مسجد بنانے کا ارادہ کیا، تو چند اہل فن کو مدینہ طیبہ بھیج کر مسجد نبوی کی سمت قبلہ بذریعہ آلات رصدیہ نکلوائی، دیکھا تو حسابات کے ذریعہ نکالی ہوئی سمت سے قبلہ دس درجہ مائل بجنوب ہے“۔

جو لوگ آلات رصدیہ کو سمت قبلہ کا مدار رکھنا چاہتے ہیں ان کی تجویز پر مسجد نبوی کی سمت قبلہ بھی درست نہیں رہتی، اس لئے ان لوگوں کو اچھی طرح غور وفکر کرنا چاہئے، مختلف کتابوں کی متعدد عبارات مذکورہ سے یہ بات معلوم ہوئی ہے

(۱) البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۲۸۷/۱، ط: ايچ، ايم، سعيد

(۲) كتاب المواعظ والاعتبار بذكر الخطط والآثار المعروف بالخطط للمقريزى للشيخ تقى الدين أبى العباس المقريزى (المتوفى: ۸۴۵ھ) ذكر المحاريب التى بديار مصر وسبب اختلافها، الخ: ۲۵۶/۲، ط: بيروت

کہ بلاد بعیدہ میں سمت قبلہ ٹھیک کرنے کا شرعی طریقہ جو سلف سے چلا آرہا ہے، وہ یہ ہے کہ جن شہروں میں پرانی مساجد موجود ہیں ان کا اتباع کیا جائے؛ کیونکہ اکثر شہروں میں تو خود صحابہ کرام وتابعین عظام نے مساجد کی بنیاد ڈالی اور سمت قبلہ متعین فرمائی ہے اور پھر انہی کو دیکھ کر دوسری بستیوں میں مسلمانوں نے اپنی اپنی مساجد بنائی ہیں، اس لئے یہ سب مساجد مسلمین سمت قبلہ معلوم کرنے کے لئے کافی وافی ہیں، ان میں بلا وجہ شبہات فلسفیہ نکالنا شرعاً اچھا نہیں، بلکہ مذموم اور تشویش کا سبب ہے۔

بلکہ بسا اوقات ان تدقیقات میں پڑنے کا یہ نتیجہ ہو جاتا ہے کہ حضرات صحابہ وتابعین اور عامہ مسلمین پر بدگمانی ہو جاتی ہے کہ ان کی نمازیں اور قبلہ درست نہیں، حالانکہ یہ باطل محض اور سخت جسارت ہے۔ جیسا کہ ردالمحتار میں ہے:

”والظاهر أن الخلاف في عدم اعتبارها (النجوم) إنما هو عند وجود المحاريب القديمة، إذ لا يجوز التحري معها كما قدمناه، لئلا يلزم تخطئة السلف الصالح وجماهير المسلمين“. (۱)

عبارات مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ سمت قبلہ اور استقبال قبلہ کی جو حد ضروری معلوم ہوئی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے چہرہ کا کوئی ذرا سا ادنیٰ حصہ خواہ وسط چہرہ کا ہو یا داہنی، بائیں جانب کا بیت اللہ شریف کے کسی ذرا سے حصہ کے ساتھ مقابل ہو جاوے۔

اور فن ریاضی کی اصطلاح میں یہ ہے کہ عین کعبہ سے پینتالیس درجہ تک بھی دائیں یا بائیں انحراف ہو جاوے تو استقبال فوت نہیں ہوتا اور نماز صحیح ہو جاتی ہے، اس سے زائد انحراف ہو تو استقبال فوت ہو کر نماز فاسد ہو جائے گی۔

اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ انحراف قلیل جو عام طور پر کہیں جنوباً کہیں شمالاً واقع ہو جاتا ہے، یہ نا قابل التفات ہے اس کی وجہ سے نہ کسی مسجد کی جہت بدلنے کی ضرورت ہے نہ اس کو قائم رکھتے ہوئے کسی طرف مائل ہونے کی ضرورت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد انعام الحق۔ (فتاویٰ بینات: ۲/۱۹۳-۲۰۱)

جہت کعبہ کی شرعی حد:

سوال (الف): میں کناڈا کا باشندہ ہوں۔

مسئلہ: بعض مسلمانوں کے مابین اختلاف پیدا ہو گیا، بعض یہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھنے کے وقت جب کہ مسجدیں نہ ہوں، یا مسجدیں ہوں، لیکن بیچ میں کوئی چیز حائل ہو تو جو راستہ اقرب الی الکعبہ ہو وہیں سے اتجاہ قبلہ ہو سکتا ہے اور

(۱) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، مبحث في استقبال القبلة: ۱/۴۳۱، ط: ايچ ايم سعيد

بعض کہتے ہیں کہ خواہ کہیں بھی کھڑے ہوں، اتجاہ قبلہ اور استقبال قبلہ ہونا چاہیے، اس سلسلے میں صحیح مسئلہ کیا ہے جواب سے نواز کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(ب) مزید یہ کہ بعض کہتے ہیں کہ ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾(۱) سے استدلال کرتے ہیں جب کہ وہ عالم دین ہیں، تو کیا ان کے لیے اس آیت سے استدلال کرنا جائز ہے؟

(ج) بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو مسجدوں میں نمازیں پڑھتے ہیں، حالاں کہ وہ مسجدیں قبلہ سے منحرف ہیں ہمارے بتانے کے بعد بھی وہ نہیں مانتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس سے فتنہ کا اندیشہ ہے اور یہ چیز مشکل بھی کہ مسجدوں کی جہت بدلیں، نیز یہ کہ وہی لوگ اپنے گھروں میں جب نماز پڑھتے ہیں، تو جہت دوسری ہوتی ہے، اس سلسلہ میں مسئلہ شرعیہ کیا ہے؟

(د) ہماری خواہش ہے کہ آپ ناصحانہ طور پر یہ بھی تحریر فرمائیں کہ استقبال قبلہ برائے نماز ضروری ہے جیسے نماز کے لیے وضو ضروری ہے، تاکہ لوگ صحیح جہت پر نماز پڑھ کر ثواب کے مستحق ہوں۔

نوٹ: اگر ممکن ہو بغیر کسی وقت کے تو برائے کرم یہ تحریر فرمائیں کہ اس کے جواب پر حضرت مولانا انعام الحق صاحب یا جو بھی مرکز میں اس کے ذمہ دار ہوں، اس پر دستخط فرمائیں تاکہ لوگ دیکھ کر منکر سے بچ سکیں۔

قياس حكم استقبال الكعبة علىٰ حكم الوضوء قياس فاسد غير صحيح فى عامة الأحوال و الظروف، لأن الوضوء أمر مشاهد اختيارى، ومواجهة القبلة لاتكون محسوسة ولا اختيارية بل هى مستندة إلى الكتاب والسنة والاستنباط الشرعية كما فى المقدمات المذكورة.

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

نوٹ: مستفتی صاحب نے جو زبانی باتیں بیان کی تھیں ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں (کناڈا) میں یہ اختلاف علما کے درمیان میں ہے اور وہ سب دلائل کے ساتھ بحث کرتے ہیں، اس لیے بطور اصول موضوعہ چند مقدمات درج ہیں، اس کے بعد حکم شرع مذکور ہوگا۔

پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اصل کعبہ و قبلہ یہ عمارت متعارفہ نہیں ہے، بلکہ وہ حصہ زمین اور اس کی فضا ہے جو عنان سماء تک ہے جس پر یہ عمارت کھڑی ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ جب اس عمارت قبلہ کو ایک حبشی منہدم کر دے گا جب بھی اسی جہت پر نماز پڑھی جائے گی۔

تو روایات اور حدیث کی مدد سے کعبہ کی حقیقت نکلی، باقی موجودہ عمارت قبلہ اس عین کعبہ پر علامت ہے، اس لیے

---

(۱) سورة البقرة: ۱۱۵ـ انیس

عرف میں بھی اس عمارت کو قبلہ وکعبہ کہتے ہیں اور یہ عمارت بیش از بیش ۲۲×۲۸ فٹ مربع میں ہے اور بس۔اور اس عمارت کے اردگرد مسجد حرام ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ سمجھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے قبل برابر اسی کعبہ کی جانب رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، چونکہ مکہ مکرمہ میں تھا، بعد ہجرت تقریباً ۱۸/ماہ بیت المقدس کی جانب نماز پڑھی گئی تھی ،مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش یہی تھی کہ مکہ مکرمہ میں جو کعبہ مشرفہ ہے،اسی جانب نماز پڑھی جائے اس خواہش مبارکہ کو اللہ تعالیٰ نے اس منطوق میں بیان فرمایا ہے۔

﴿قَدْ نَرىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهُ﴾(سورۃالبقرۃ: ١٤٤)

ان آیات میں منجملہ اشارات کے ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عین کعبہ منکشف فرمایا گیا تھا،جیسا کہ ﴿ قَدْ نَرىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ (إلیٰ قوله) قِبْلَةً تَرْضٰهَا﴾ کے منطوق کے اندر اس کا صریح اشارہ متحقق ہے۔لیکن سب پر عین کعبہ کا منکشف ہونا دشوار اور متعذر تھا،اس لیے امت کو جو حکم دیا گیا،اس میں جمع کا صیغہ ﴿وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ بول کر آسان کر دیا گیا۔

اور دوسرا اشارہ ﴿فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ میں یہ بھی ہے کہ وجہ کو جانب قبلہ پھیرنے کا حکم ہے اور وجہ نام ہے"بين الأذنين وبين أقصاء الناصية إلیٰ حاشية السفلى عن اللحية" (۱) کا اور یہ حصہ وجہ مدور نصف دائرہ کے قریب قریب ہے۔نیز آیت کریمہ ﴿فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ سے اشارہ ہے کہ اگر چہ عین قبلہ کی جانب اشارہ نہ ہو،تو محض مسجد حرام کے کسی حصہ کی جانب مواجہت ہو جائے،تو یہ بھی کافی ہے۔

پس حاصل یہ نکلا کہ وجہ مصلی کے کسی بھی حصہ سے خواہ احدالاذنین کی جانب سے اقصاء ناصیہ کی جانب سے خواہ لحیہ کے حاشیہ سفلی کی جانب کہیں سے بھی کوئی خط مستقیم نکل کر سیدھا مسجد حرام کے کسی بھی حصہ تک پہنچ جائے تو نص قرآنی میں ذکر کردہ مواجہت حاصل ہو کر نماز صحیح ادا ہو جائے گی۔

اور ایسی مواجہت کو فقہا مواجہت فی الجملہ سے تعبیر فرماتے ہیں۔

مقدمہ:(۲)　　نیز ان آیات سے یہ حکم تو اس وقت مستنبط ہوگا جس وقت یہ معلوم ہو کہ میرا قبلہ مشرق میں

---

(۱)　والوجه إسم لعضو معلوم مشتق من المواجهة وحده من منابت الشعر إلى منتهى الذقن طولاًومابين الأذنين عرضاً.(تفسير المظهرى،تفسير سورة المائدة: ٤٤/٣/ كذا فی جامع البيان للطبرى،القول فی تأويل قوله تعالیٰ: فاغسلوا وجوهكم: ١٦٤/٨،انيس)

ہے، یا مغرب میں ہے، یافلاں جانب میں ہے،لیکن اگر مسلمان کسی ایسی جگہ پہنچ جائے کہ اس کو پتہ ہی نہ چل سکے کہ میرا قبلہ کس جانب کو ہے اور نہ کوئی بتلانے والا ہی ہو جو اس کو جہت قبلہ بتلا سکے سمندر، میدان اور جنگل میں ایسا ہوسکتا ہے جیسا کہ حضرات صحابہ کو علاقہ بربر کے جنگلات میں پہنچ کر پیش آیا، یا دور نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بعض صحابہ کو اندھیری رات میں ایسی جگہ پہنچ جانے پر نماز عشا ادا کرتے وقت پیش آ گیا کہ کسی کو جہت کا اندازہ نہ ہوسکا۔اور اپنا کوئی عضو بھی نظر نہ آ سکا مگر نماز عشا جماعت سے پڑھنی مطلوب تھی،امام کی آواز سے صف بستہ ہوکر نیت باندھ کر نماز ادا کرنا شروع کر دیا درمیان ادائیگی کسی کا سر کسی کے کمر سے ٹکرایا اور کسی کا سر کسی کی پشت سے ٹکرایا وغیرہ ذلک،مگر جیسی قدرت تھی اس کے اعتبار سے سب نے نماز عشا با جماعت ادا کر لی اور سلام پھیرنے کے بعد چوں کہ صحبت رسول علیہ السلام کے فیض سے فہم سلیم اعلیٰ درجہ کا حاصل تھا،اس لیے سب نے یہ طے کرلیا کہ اسی حالت میں سب لوگ اپنی اپنی قیام گاہ پر اور اپنے اپنے سجدہ گاہ پر کوئی چیز رکھ کر علامت قائم کرلیں اور اجالا ہونے پر دیکھا جائے کہ کس نے کس جانب نماز پڑھی، کس کی نماز صحیح ہوئی اور کس کی نماز صحیح نہیں ہوئی،سورج نکلنے کے بعد صورت حال ایسی نکلی کہ یہ صحابہ خود فیصلہ نہ کر سکے تو جب مدینہ طیبہ واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے پشت کی جانب امام تھا اس کی نماز نہیں ہوئی،اسی طرح جو شخص امام سے آگے تھا اس کی نماز نہیں ہوئی اور باقی سب کی نماز صحیح ہوگئی۔

مقدمہ:(۳) اس مذکورہ حالت کا اور اس جیسی اچانک پیش آمدہ حالات کا حکم آیات مذکورہ بالا سے ہر شخص کو حاصل نہیں ہوسکتا،حالاں کہ یہ دین قیم ہر شخص کیلئے اور قیامت تک کیلئے ہے۔اس لیے اس کے لئے بھی ایک واضح حکم آیت کریمہ ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ (۱) سے ظاہر فرمادیا اور اس کی تفسیر صحابہ کے پیش کردہ عمل نے اور واضح کر دیا کہ انسان اپنی پوری کوشش تعیین قبلہ کیلئے کرے پھر اپنے قلب سے حسب حکم حدیث پاک (استفتِ قلبک)(۲) کے مطابق عمل کرے اور نفسانیت اور کسل کو قطعاً دخل نہ دے تو وہ عمل صحیح ومعتبر

(۱) سورة البقرة:١١٥،انيس

(۲) عن وابصة بن معبد الأسدى قال:أتيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأنا أريد أن لا أدع شيئاً من البر والإثم إلا سألته فأتيته فى عصابة من الناس يستفتونه فجلعت أتخطاهم فقالوا:إليک ياوابصة عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقلت:دعونى أدنو من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فإنه أحب إلى أن أدنو منه،قال:دعوا وابصة،ادن ياوابصة،استفت قلبک،واستفت نفسک،واستفت نفسک،البر مااطمأنت إليه النفس واطمأن إليه القلب،والإثم ما حاک فى نفسک،وتردد فى الصدر،وإن أفتاک الناس وأفتوک ثلاثاً.(مسند أبى يعلى الموصلى،مسند وابصة بن معبد (ح:١٥٨٦)/مسند الإمام أحمد،حديث وابصة بن معبد (ح: ١٨٠٠٦)/سنن الدارمى،باب دع مايريبک إلى مالايريبک (ح:٢٥٧٥)/مسند الحارث،باب فى البر والإثم (ح:٦٠)انيس)

عندالشرع ہوجائے گا، یا پھر غیب سے کوئی وضاحت حق کی حاصل ہوجائے گی، جیسا کہ علاقہ بر بر کے جنگلات میں صحابہ پر مسجد کا سنگ بنیاد رکھتے وقت حقیقت منکشف ہوگئی تھی، کما بین فی کتب السیر الصحیحة ، اور قول صحابہ کرام کہ اندھیری رات میں نماز پڑھنے والے واقعہ سے ظاہر ہورہا ہے اور ان احادیث وواقعات کے نصوص سے اور ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ آیت کریمہ کے صریح لفظوں کی مدد سے سیکڑوں مسائل نکلتے اور ملتے ہیں، مثلاً! سمندر، میدان، جنگل وغیرہ کہیں ایسے مقام میں ورود ہوجائے جہاں جہت قبلہ کا اندازہ نہ ہوسکے، نہ کوئی بتانے والا ہے اور نہ سورج، چاند، ستاروں کے ضابطہ سے بھی اندازہ ہوسکے کہ قبلہ کدھر ہے، تو ''استفت قلبک'' کے مطابق خوب غور کرلینے کے بعد جو جہت متعین ہوجائے، اسی رخ پر نماز پڑھ لے اور پڑھ لینے کے بعد اگر غلطی کا علم بھی ہوجائے؛ جب بھی وہ نماز صحیح و درست شمار ہوگی۔

مقدمہ: (۴) آیت کریمہ ﴿فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾ (الآية) سے مواجہت قبلہ کا جو مدلول ومفہوم نکلا اس کی ترجمانی ووضاحت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام مدینہ کے دور میں مختلف الفاظ وکلمات میں فرمائی، سب کا مفہوم مخاطبین اولین نے یہی سمجھا کہ چھوٹے سے چھوٹے دن میں آفتاب جہاں طلوع ہوتا ہے اور جہاں غروب ہوتا ہے، اسی کے درمیان میں تمہارا قبلہ ہے یعنی اسی جانب رخ کرنے سے مواجہت قبلہ حاصل ہوجائے گی، چھوٹے سے چھوٹے دن فرمانے میں اشارہ ہے کہ اس کے خلاف بسا اوقات بجائے مواجہت قبلہ کے عدم مواجہت پیدا ہوجائے گی۔

یہی ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے دائیں اور بائیں جانب بھی جو مساجد تعمیر ہوئیں ان کے لیے بھی تھا، اور یہ خطہ مکہ مکرمہ سے شمال کی جانب ہے، اس سے یہ حکم اور واضح ہوگیا کہ اس خطہ سے شمال کی جانب اقصائے عالم تک سب کا قبلہ اسی رخ پر اور اسی انداز پر ہوگا اور سب کو اسی رخ پر مواجہت حاصل ہوجائے گی، چنانچہ آج تک اجماع اسی پر چلا آرہا ہے کہ مدینہ طیبہ سے شمال میں جتنی مساجد ہیں سب اسی رخ پر ہیں اور سب میں نمازیں ادا کرتے ہیں۔

مقدمہ (۵) اسی طرح مکہ مکرمہ سے دکھن جانب کے لوگوں کے لیے قبلہ اتر (شمال) کی جانب ہوگا اور اس کی مواجہت شرعیہ کے بارے میں مدینہ طیبہ کے اندر بیان کردہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا السلام کے بیان کردہ ضابطہ کے مطابق چھوٹے سے چھوٹے دن میں آفتاب جس جگہ طلوع اور جس جگہ غروب ہوتا ہے، اس کے مابین جہت قبلہ رہی ہے اور اسی سے مواجہت قبلہ فی الجملہ حاصل ہوجائے گی، پھر اس کے پیچھے اقصائے عالم تک کے لوگوں کے لیے یہی جہت قبلہ شمار ہوگی اور چھوٹے سے چھوٹے دن کی قید اس لیے ہے کہ بڑے دن میں جہت بعض مرتبہ طلوع وغروب کی

جگہ مصلی کے عقب کی جانب واقع ہو جائے گی، جو نص قرآنی میں مواجہت کے مفہوم سے متضاد ہو جائے گی اس لیے معتبر نہ ہوگی۔

مقدمہ(٦) اسی طرح مدینہ کے اندر جہت قبلہ میں بیان کردہ ارشاد نبوی کے مطابق مکہ مکرمہ سے پورب (مشرق) میں جو لوگ ہوں جیسے ہندوستان کے لوگ اور اس کے پیچھے مشرق کے لوگ اقصائے عالم تک ان کا قبلہ بین المغربین ہے، یعنی بڑے سے بڑے دن میں جہاں طلوع ہو اسی کے درمیان ان کا قبلہ ہوگا اور اسی سے مواجہت قبلہ فی الجملہ حاصل ہو جائے گی۔

مقدمہ(٧) اسی طرح مکہ مکرمہ سے پچھّم (مغرب) میں جو لوگ ہوں گے وہ لوگ اور ان کے پیچھے مغرب میں اقصائے عالم تک جو لوگ ہوں گے سب کا قبلہ بین المشرقین ہوگا، یعنی بڑے سے بڑے دن میں جس جگہ آفتاب طلوع ہوتا ہو اور اسی تاریخ میں چھوٹے سے چھوٹے دن میں جہاں آفتاب غروب ہوتا ہو اسی کے درمیان ان کا قبلہ رہے گا، اور اسی سے مواجہۃ قبلہ فی الجملہ حاصل ہو جائے گی۔

مقدمہ(٨) جہات اربعہ (مغرب، مشرق، جنوب، شمال) میں مواجہۃ قبلہ فی الجملہ حاصل ہو چکنے کے بعد اب یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جو لوگ عالم کے گوشہ میں رہتے ہیں مثلاً گوشۂ شمال مغرب، گوشۂ جنوب مغرب، گوشۂ شمال مشرق، گوشۂ جنوب مشرق میں رہنے والوں کی جہت قبلہ کیا ہوگی؟

سو عرض ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام مدینہ کے دوران جو ضابطہ مواجہت کے حصول کا ارشاد فرمایا ہے اسی ارشاد معجزانہ کے تحت مستنبط ضابطہ پر مکہ مکرمہ کے شمال مشرق کے گوشہ میں جو لوگ رہتے ہیں ان کا قبلہ یہ ہوگا کہ جس جگہ چھوٹے سے چھوٹے دن میں آفتاب طلوع و غروب ہوتا ہو اور اسی تاریخ میں بڑے سے بڑے دن جس جگہ آفتاب طلوع ہوتا ہو اس کے مابین ان کے لیے جہت قبلہ ہوگی، اور جو لوگ مکہ مکرمہ کے جنوب مشرق کی جانب ہوں ان کی جہت قبلہ یہ ہوگی کہ بڑے سے بڑے دن میں جس جگہ آفتاب غروب ہوتا ہو اور اسی تاریخ میں چھوٹے سے چھوٹے دن میں طلوع ہوتا ہو اس کے مابین (درمیان) جہت قبلہ ہوگی، اور جو لوگ شمال مغرب کے گوشہ میں ہوں گے ان کا قبلہ یہ ہوگا کہ جس جگہ آفتاب چھوٹے سے چھوٹے دن میں طلوع ہوتا ہو اور اسی تاریخ میں چھوٹے سے چھوٹے دن میں آفتاب غروب ہوتا ہو اس کے مابین ان کا قبلہ ہوگا، اور جو لوگ مکہ مکرمہ سے جنوب مغرب کے گوشہ میں رہتے ہوں ان کا قبلہ یہ ہوگا کہ جس جگہ بڑے سے بڑے دن میں آفتاب طلوع ہو رہا ہو اور اسی تاریخ میں جس جگہ چھوٹے سے چھوٹے دن میں آفتاب غروب ہوتا ہو اس کے مابین ان کا قبلہ ہوگا۔

مقدمہ(٩) آیت کریمہ ﴿وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ إلخ" میں غروب اور طلوع

کے مدلول سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان دنیا کے کسی خطہ وعلاقہ میں نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو خواہ ہوائی جہاز کے اوپر یا کسی غار کے اندر یا کسی قید خانہ اور جیل کے اندر سے یا کسی سطح سمندر سے یا اقصائے عالم کے کسی گوشہ میں نماز پڑھنا چاہے اور جہت قبلہ معلوم ومتعین ہو یا تحری سے متعین کرے اس صورت میں مصلی کے چہرہ (وجہ مصلی) کے کسی حصہ سے خط مستقیم نکل کر سیدھا بجائے عین کعبہ کے محض مسجد حرام کے کسی حصہ سے یا پوری مسجد حرام کے اوپر عنان سماء تک جو فضا ہے، اس کے کسی حصہ سے وہ خط مستقیم ٹکرا جائے تو مواجہت فی الجملہ حاصل ہو کر ادا ئیگی نماز صحیح ہو جائے گی۔

مقدمہ(۱۰)　　اسی آیت کریمہ کے اس جملہ ﴿فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ﴾ سے نیز جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے جو دوران قیام مدینہ طیبہ صادر ہوا اس پر عمل جاری ہوا، ان سب سے معلوم ہوا کہ اس مصلی کی وجہ کے کسی حصہ سے ایک ذہنی خط مستقیم چل کر جب مسجد حرام تک پہنچ جائیگا تو مواجہت قبلہ فی الجملہ حاصل ہو جائیگی اور نماز درست ہو جائے گی، حالاں کہ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان بہت سی چیزیں حائل ہیں، مگر سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی حیلولت کے باوجود اس توجہ کا حکم یعنی جواز صلوٰۃ کا حکم دیا اور سی پر اجماع خلف وسلف بھی منعقد ہو گیا اور حدیث پاک ”و لا تجتمع أمتي على الضلالة“(۱) کے حکم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

تنبیہ:　　ان مقدمات عشرہ کی تحدید کے بعد اب استفتا کا جواب نمبر وار درج ہے۔

جواب (۱) دنیا کے نقشہ میں دیکھ لیجئے کناڈا مکہ مکرمہ سے کس جانب ہے، جس جانب واقع ہو اسی جانب کا قبلہ دیکھ کر اس کے مطابق نماز پڑھ لیجئے، مثلاً مکہ مکرمہ سے کناڈا اگر شمال مشرق کے گوشہ میں واقع ہو تو مقدمہ: (۸) میں ذکر کردہ دلیل شرعی کے مطابق حکم شرع نکلے گا کہ مصلی جہاں بھی کھڑا ہو اس کے چہرہ (وجہ) کے کسی حصہ سے اگر ایک ذہنی خط مستقیم نکل کر سیدھا مسجد حرام کے کسی حصہ سے یا پورے مسجد حرام کے اوپر عنان سماء تک جو فضا گئی ہوئی ہے اس سے ٹکرا جائے تو نماز ہو جائے گی اور وہی مواجہت فی الجملہ مصلی کی صحت صلوٰۃ کے لیے کافی ہوگی قطع نظر اس سے کہ مصلی کے سامنے دیوار ہو یا مصلی مکان کے اندر نماز پڑھ رہا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند۔ ۱۴۱۲/۱۲/۵ھ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۴۲-۱۵۰) ☆

---

(۱)　الكنى و الأسماء للدولابي، من كنيته أبو خلف أبو خلف حجر بن الحارث (ح: ۹۳۷) انیس)

☆　تعیین قبلہ کی صحیح شکل:

سوال (۱)　ہمارے موضع میں ایک قدیم مسجد ہے جس کی توسیع اور تعمیر کا کام شروع کیا گیا تھا، دوران کام قبلہ رخ کی جانچ کرنے کے لیے قبلہ نما آلہ سے جانچ کی گئی تھی، جس کے لحاظ سے حالیہ مسجد ۹ ڈگری پر ہے، یہاں کے مقامی علما کہتے ہیں کہ بیدر کے لئے دس ڈگری پر قبلہ ہونا چاہئے۔ بعض فرماتے ہیں کہ سات تا دس ڈگری پر مسجد رہے، تو نماز درست ہو سکتی ہے۔ لہٰذا آپ جواب قطعی تحریر فرمائیں؟

(۲)　نیز یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ حالیہ مسجد کا رخ اگر غلط ہے، تو آج تک اس میں پڑھی گئی نمازوں کا کیا حشر ہوگا، آیا صحیح ہوئیں یا نہیں؟ مسجد کس ڈگری پر ہونی چاہئے، مطلع فرمائیں؟ بینوا توجروا۔　==

سمت قبلہ معلوم کرنے کا شرعی معیار:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ!

یہاں محلّہ ڈانگراواڑہ شہر بھروچ میں ایک مسجد جو تقریباً ایک سو پچیس سال پرانی ہے، شہید کی گئی، اوراسی جگہ نئی مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ ہے، پرانی مسجد کی سمتِ قبلہ محفوظ رکھنے کی غرض سے اس کا کچھ حصہ باقی رکھا گیا ہے، جن انجینئر

==

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

سوال کا یہ جملہ (۱) حالیہ مسجد ۹رڈگری پر ہے۔

(۲) ضلع بیدر کے لیے ۱۰رڈگری پر قبلہ نما ہے۔

اولاً تو بالکل مبہم اور غیر واضح ہے جب تک مسجد کی اتر دکھن کی لمبائی کی مقدار معلوم نہ ہو، اس فرق سے کسی مقدار کا تعین نہیں ہوسکتا۔

ثانیاً چونکہ حکم شرعی کا مدار ان جدید آلات وحسابی دقائق میں نہیں ہوتا، اس لیے اس پر کوئی کلام بے سود اور بے نتیجہ ہوگا، اس لیے (۲) کے متعلق اس حیثیت سے گفتگو بھی نظر انداز کر کے اس کے حکمِ شرعی کے متعلق کی گئی ہے۔

جواب استفتا سے قبل یہ چند باتیں سمجھ لینی چاہئیں!

دین اسلام دینِ فطرت ہے۔ "**نحن أمة أمية لانكتب و لا نحسب**" **أو كما قال عليه السلام. (الصحيح للبخاری، باب قول النبی صلی اللّٰه عليه وسلم: لا نكتب، الخ (ح: ۱۹۱۳)**

اسلام کے احکام اس فطرت کے مطابق بالکل سیدھے سادے ہوتے ہیں، علم ریاضی وہندسہ کے حسابی دقائق پر موقوف نہیں ہوتے اور نہ ان آلاتِ جدیدہ قطب نما، قبلہ نما پر احکام شرعیہ کا مدار ہوتا ہے، مگر یہ سب چیزیں محض تخمین وتسکین ومددگار کے درجہ میں ہوتی ہیں اور یہ بداہۃً بھی ظاہر ہے، ان آلات کے علم ہونے سے قبل اسلام جزیرہ عرب سے نکل کر افریقہ وروم وفارس وغیرہ تمام ممالک میں اس طرح پہنچ گیا تھا، تمام مساجد بھی بن چکی تھیں اور بغیر ان آلات کے بنیں اور آج تک اسی طرح معتبر وقائم ہیں۔

اب اس کے بعد جواب بحکمِ شرعی لکھا جاتا ہے:

(۱) مسئلہ یہ ہے کہ بیت اللہ شریف جب آنکھوں کے سامنے اور معائن ہو تو عینِ کعبہ کی مواجہت شرط ہوتی ہے اور جب بیت اللہ شریف آنکھوں سے اوجھل نظروں سے غائب ہو، تو محض سمتِ قبلہ اور جہت قبلہ کی مواجہت فی الجملہ کافی ہوتی ہے۔ **(فللمكی)...(إصابة عينها) ...(ولغيره) أي غير معاينها (إصابة جهتها) بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتاً للكعبة أو لهوائها، بأن يفرض من تلقاء وجه مستقبلها حقيقة في بعض البلاد خط علیٰ زاوية قائمة إلى الأفق مارًا علی الكعبة، وخط آخر يقطعهٔ علیٰ زاويتين قائمتين يمنة ويسرة. منح. (الدر المختار علیٰ هامش الرد: ۲۸۷/۱، كتاب الصلاة، مبحث فی استقبال القبلة)** (مرتب)

اور بیت اللہ سے جتنی دوری ہوجاتی ہے مواجہت فی الجملہ میں توسیع ہوتی جاتی ہے اور مواجہت فی الجملہ کا مفہوم یہ ہے کہ چہرہ سے خواہ ناک کے سیدھے یا چہرہ کے کسی حصہ سے اگر سیدھا خط نکال دیا جائے تو سیدھا بیت اللہ شریف تک پہنچ جائے تو مواجہت فی الجملہ حاصل ہوجائے گی اور جدید حساب کی رو سے ایک دو ڈگری کا فرق صحتِ صلوٰۃ میں مخل اور مضر نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزءاول: ۱۵۰-۱۵۲؛ منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲۰۲/۱-۲۰۴)

صاحب کو مسجد کا کام سپرد کیا گیا ہے، انہوں نے بتایا کہ نئی مسجد کی سمتِ قبلہ کمپاس کے ذریعہ متعین کی جائے، تو انہیں سمجھایا گیا کہ پرانی مسجد کی سمت قبلہ جس جانب ہے، اسی جانب نئی مسجد کی سمت قبلہ رکھی جائے، یہاں آلات رصدیہ کمپاس وغیرہ کی ضرورت نہیں، پرانی مسجد کی سمت قبلہ ہی کافی ووافی ہے، الحمدللہ تھوڑا سمجھانے پر بات ان کی سمجھ میں آ گئی، لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ قرب وجوار کے محلوں اور سوسائٹیوں میں جو مساجد ازسرِ نو تعمیر کی جاتی ہیں ان میں کمپاس کے ذریعہ سمتِ قبلہ طے کر سکتے ہیں اور عام طور پر ایسا ہی کیا جاتا ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جن مساجد قدیمہ کو شہید کر کے اس جگہ نئی مساجد تعمیر کی جاتی ہیں اس میں بھی انجینئر صاحبان مسجد قدیم کی سمتِ قبلہ کو چھوڑ کر کمپاس کے ذریعہ سمت قبلہ طے کرتے ہیں، جیسا کہ ان انجینئر صاحب نے یہاں کرنا چاہا۔

اب دریافت طلب امور یہ ہیں کہ!

(۱)　اگر مسجد قدیم کو شہید کر کے اسی جگہ نئی مسجد تعمیر کی جائے، تو آیا نئی مسجد کی سمت قبلہ بعینہٖ وہی رکھی جائے جو مسجد قدیم کی تھی، یا آلات رصدیہ کمپاس وغیرہ کے ذریعہ سمت قبلہ طے کی جائے، خواہ دونوں سمتوں میں اختلاف قلیل ہی ہو، بظاہر پہلی صورت ہی زیادہ صحیح اور اکابرِ امت کے تعامل کے مطابق معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ جواہرالفقہ حصہ اول رسالہ "**تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال**" کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

(۲)　اگر کسی ایسی جگہ ازسرِ نو مسجد تعمیر کی جائے جہاں قرب وجوار میں دوسری مساجد موجود ہیں، تو آیا اس نئی مسجد کی سمتِ قبلہ طے کرنے کے لیے قرب وجوار کی مساجد قدیمہ کی سمت قبلہ کو معیار بنایا جائے؟ یا آلات رصدیہ کمپاس وغیرہ کی مدد سے سمتِ قبلہ طے کی جائے؟ خواہ دونوں سمتوں میں اختلاف قلیل ہو یا کثیر؟ کون سا طریقہ صحیح و تعاملِ سلف سے زیادہ قریب اور امت محمدیہ **علیٰ صاحبها الصلوٰة والتسليم** کے لیے زیادہ سہل وآسان ہے؟

(۳)　آلاتِ رصدیہ کمپاس وغیرہ کا استعمال کہاں اور کن صورتوں میں کر سکتے ہیں؟

(۴)　حضرات فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں آلات رصدیہ کمپاس وغیرہ کا درجہ کیا ہے؟ کمپاس وغیرہ کے ذریعہ طے کی ہوئی سمت قبلہ کا درجہ وہی ہے جو مساجدِ قدیمہ کے ذریعہ طے کی ہوئی سمت قبلہ کا ہے یا کم یا زیادہ؟ بینوا وتوجروا۔

برائے کرم مندرجہ بالا مسائل کی تحقیق ازروئے فقہ حنفی عباراتِ فقہیہ کے ساتھ تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــ حامدًا و مصليًا و مسلمًا

"فتاویٰ عالمگیری" میں ہے:

"وجهة الكعبة تعرف بالدليل، والدليل في الأمصار والقرى المحاريب التي نصبها الصحابة و

التابعون،فعلينا اتباعهم فإن لم تكن فالسؤال من أهل ذلك الموضع،وأما فى البحاروالمفاوز فدليل القبلة النجوم،هكذا فى فتاوىٰ قاضى خان". (الفتاوىٰ الهندية: ٦٣/١)

اور"فتاویٰ قاضی خان"میں ہے:

"وجهة الكعبة تعرف بالدليل،والدليل فى الأمصاروالقرى المحاريب التى نصبها الصحابة و التابعون رضى الله تعالىٰ عنهم،فحين فتحوا العراق جعلوا قبلة أهلها ما بين المشرق والمغرب .لذلك قال أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ:إن كان بالعراق جعل المغرب عن يمينه والمشرق عن يساره،وهكذا قال محمد رحمه الله تعالىٰ،وإنما قال ذلك لقول عمررضى الله عنه إذا جعلت المغرب عن يمينك والمشرق عن يسارك فما بينهما قبلة لأهل العراق،وحين فتح خراسان جعلوا قبلة أهلها ما بين مغرب الصيف ومغرب الشتاء،فعلينا اتباعهم فى استقبال المحاريب المنصوبة فإن لم تكن فالسؤال من الأهل،أما فى البحاروالمفاوزفدليل القبلة النجوم لما روى عن عمررضى الله عنه أنه قال:" تعلموا من النجوم ماتهتدون به إلى القبلة". (فتاوىٰ قاضى خان علىٰ هامش الهندية: ٦٩/١-٧٠)

فتاویٰ خیریہ میں ہے:

"وقال فى فتاوىٰ قاضى خان:وجهة الكعبة تعرف بالدليل،والدليل فى الأمصاروالقرى المحاريب التى نصبها الصحابة والتابعون رضى الله تعالىٰ عنهم أجمعين،فعلينا اتباعهم فى استقبال المحاريب المنصوبة فإن لم تكن فالسوال من الأهل،آه.

فقد جعل السوال من الأهل مؤخرًا عن المحاريب،وذكربعضهم أن أقوى الأدلة القطب فيجعله من بالشام وراء ه والرملة ونابلس وبيت المقدس من جملة الشام كدمشق وحلب و جوز للكل الاعتماد على القطب وجعله خلفه ولا بد فى ذلك من نوع انحراف لأهل ناحية منها لكنه لايضر كما قررناه،وهذا علىٰ قول من اعتبرالجهة وهوالمختاركما فى أكثرالكتب،أما من اشترط إصابة العين فجعل الانحراف القليل مفسدًا لكن لا يتحقق الخطأ بالانحراف يمنة و يسرة مع البعد عن مكة،وإنما يظن وبناء على اشتراط الشافعية ذلك جوّزوا الاجتهاد فى المحاريب يمنة ويسرة ماعدا محرابه ومسجده صلى الله عليه وسلم،وأما الاجتهاد فيها أى فى محاريب المسلمين بالنسبة إلى الجهة فلا يجوزحيث سلمت من الطعن؛لأنها لم تنصب إلا بحضرة جمع من المسلمين أهل معرفة بسمت الكواكب والأدلة،فجرى ذلك مجرى الخبر فتقلد تلك

المحاريب وفى الخادم لهم كما نقله فى حاشية ابن قاسم وهذا كله إذا لم يجتهد،و أما لواجتهد فظهرله الخطأ ظنًا أوقطعًا فلا يسوغ له التقليد قطعًا أى تقليد تلك المحاريب،آه.

والحاصل المفهوم من كلامهم أنه يجوزالاجتهاد فى المحاريب يمنة ويسرة ولايجب وأنه يجوزتقليدها قبل الاجتهاد وبعده لايجوزله إذا ظهرخطؤها وأما الاجتهاد فى الجهة فلايجوز قبل الطعن أما بعده فيجوز. (الفتاویٰ الخيرية علىٰ هامش تنقيح الفتاویٰ الحامدية: ١٣/١، ١٤)(١)

''معین الحکام'' میں ہے:

''إذا دخل رجل بلدًا خرابًا لا أحد فيها وقد حضروقت الصلاة،فإن كان من أهل الاجتهاد و لم تخف عليه دلائل القبلة رجع إلى اجتهاده ولم يلتفت إلىٰ تلك المحاريب،وإن خفيت عليه الدلائل ولم يكن من أهل الاجتهاد وكانت القرية للمسلمين صلى إلىٰ تلك المحاريب؛لأن الظاهرمن بلاد المسلمين أن مساجدهم وآثارهم لاتخفى وأن قبلتهم ومحاريبهم علىٰ ما توجبه الشريعة،وأما إن كانت محاريب منصوبة فى بلاد المسلمين العامرة فى المساجد التى تكثرفيها الصلوات وتتكررويعلم أن إمامًا للمسلمين بناها،فإن العالم والعامى يصلون إلىٰ تلك القبلة و لايحتاجون فى ذلك إلى اجتهاد؛لأن من المعلوم أنها لم تبن إلا بعد الاجتهاد فى ذلك،وأما المساجد التى لاتجرى هذا المجرى،فإن العالم إذاكان من أهل الاجتهاد فسبيله أن يستدل على الجهة فإن خفيت عليه الدلائل صلى إلىٰ تلك المحاريب إذاكان بلدًا للمسلمين عامرًا؛ لأن هذا أقوى من اجتهاده مع خفاء الدلائل عليه،فأما العامى فيصلى فى سائرالمساجد إذ ليس من أهل الاجتهاد''. (معين الحكام: ١٦٧-١٦٨)(٢)

مندرجۂ بالا اور دیگر عباراتِ فقہیہ نقل کرنے کے بعد مولانا محمد یوسف بنوری تحریر فرماتے ہیں:

فتلخص من هذه الدررالمنثورة التى التقطناها من كتب الثقات مسائل:

الأولىٰ:أن دلائل القبلة فى العمرانات محاريب الصحابة والتابعين ثم ذوى العلم الموثوق بهم.

الثانية: أنه يجب الاستخبارعن أهل البلد إذا لم تكن هناك محاريب منصوبة.

الثالثة:أنه لايجوزالتحرى فى محاريب الصحابة والتابعين مطلقًا لا فى الجهة ولا فى الانحراف عنها يمنة أويسرة.

الرابعة:أنه لايعتبرقول الفلكى فى مقابلة محاريب الصحابة والتابعين.

---

(١) الفتاویٰ الخيرية لنفع البرية،كتاب الصلاة: ٦/١-٧،بولاق مصر.انيس

(٢) معين الحكام فيما يتردد بين الخصمين من الأحكام،الباب الحادى والخمسون فى القضاء بما يظهر.انيس

الخامسة: أنه يجوز عدم التحرى فى محاريب عامة المسلمين فى الانحراف عنها ولا يجوز الاجتهاد فى الجهة قبل الطعن.

السادسة: أنه يجوز التحرى فى محاريب عامة المسلمين والانحراف عنهم يمينًا وشمالاً بدليل، ويجوز الاجتهاد فى الجهة بعد الطعن فيها.

السابعة: أنه يجوز اعتبار الأدلة الهندسية فى باب القبلة، والاعتماد بقول الفلكى فى محاريب غير الصحابة والتابعين عندنا، وأما عند الشافعية فيجوز الاعتماد بها وإن كان فى محاريبهم. (بل يجب عندهم)

الثامنة: أنه يسوغ العمل بالأدلة الهندسية ولا يجب.

التاسعة: أنه يجوز تحمل الانحراف اليسير فى المحاريب بأن لا تتبدل الجهة بالكلية وتبقى مسامتة جهة الكعبة.

العاشرة: أن من كان من أهل الاجتهاد فله أن يجتهد وجوبًا فى المحاريب التى لم يعلم ناصبوها.

الحادية عشرة: أنه لا يقلد المحراب الخارج عن الجهة بالإجماع.

الثانية عشرة: أن العامى يستوى فى حقه سائر المساجد فيصلى فيها من غير استخبار ولا تحر.

تنبيه: المجتهد فى القبلة هو الذى يعلم أدلة القبلة من الشمس والقمر والنجوم وغيرها كما صرح به العينى فى شرح الهداية. (بغية الأريب فى مسائل القبلة والمحاريب: ۷۷-۷۸)

جن علاقوں میں حضرات صحابہ وتابعین نے مساجد کی بنیادیں ڈالی ہیں اور سمت قبلہ متعین فرمائی ہیں اور پھر انہی کو دیکھ کر دوسری بستیوں میں مسلمانوں نے اپنی اپنی مساجد بنائی ہیں، ان علاقوں میں تو سمت قبلہ معلوم کرنے کے لیے انہی کا اتباع کیا جائے، بلکہ کتبِ فقہ کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ اور تابعین کی متعین کی ہوئی سمت قبلہ میں آلات رصدیہ کا بالکل اعتبار نہیں کیا جائے گا، کتب فقہ میں جہاں پر لفظ ''مساجدِ قدیمہ'' استعمال کیا گیا ہے، اس سے مراد وہی مساجد ہیں، جن کا اوپر تذکرہ ہوا، یعنی حضرات صحابہ وتابعین کی بنائی ہوئیں یا انہی کو دیکھ کر دوسری بستیوں میں مسلمانوں نے جو مساجد بنائی ہیں، آپ نے اپنے سوال کے شروع میں تحریر فرمایا ہے کہ ''ایک مسجد جو تقریباً ایک سو پچیس سال پرانی ہے، شہید کی گئی، الخ'' آپ اپنی اس تحریر سے اپنی اس مسئولہ مسجد کو بھی کتب فقہ میں وارد شدہ لفظ ''مساجد قدیمہ'' میں علی الاطلاق شامل کر رہے ہیں، لیکن آپ کا یہ دعویٰ علی الاطلاق درست نہیں۔

(فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۶۲) پر ایک سوال ہے، وہ سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: ایک مسجد جامع ہے، جو تقریباً ایک سو تیس برس کی تعمیر شدہ ہے، آج کل اس میں بوجہ تنگی نمازیوں کو سخت

تکلیف ہورہی تھی، مسجد ہٰذا کو بغرض توسیع وتعمیرِ جدید منہدم کرایا گیا کہ پہلی بنیاد سے اسے سیدھی کرنے میں اتر کا مغربی گوشہ تین ہاتھ پچھّم جانب بڑھایا گیا اور دکھن کا مشرقی گوشہ تین ہاتھ پورب ہٹایا گیا، مگر پھر بھی قطب سے کچھ فرق رہ گیا، کوئی صورت ایسی نہیں ہوسکتی جو قطب سے بالکل سیدھی کی جاسکے، بہت بڑا کنواں مسجد کی بنیاد میں پڑ رہا تھا، ایسی مسجد ہٰذا میں شرعاً کوئی نقص نماز کی ادائیگی وغیرہ میں وقوع پذیر ہوسکتا ہے کہ نہیں؟ اور قطب کو تعمیر مسجد میں شرعاً کیا حیثیت حاصل ہے؟ قبلہ رخ جو معتبر ہے جس کو فقہا نے ''بین الفرقدین والجدی'' لکھا ہے، اس کا کیا مطلب ہے

الجواب حامدًا و مصلياً و مسلمًا: اتنے معمولی فرق سے نماز میں نقصان نہیں آتا، تاہم اگر دوبارہ تعمیر سے اصلاح نہ ہوسکی، تو صفوف کے نشان صحیح طور پر مسجد میں لگادیئے جائیں اور ان کے موافق رخ صحیح کرلیا جائے پھر مسجد کو گرا کر از سرِ نو تعمیر کرنے کی ضرورت نہیں۔ سمت معلوم کرنے کی بہت سی علامات فقہا نے لکھی ہیں: قطب بھی ایک دلیل ہے، بلکہ اقوی الادلہ ہے، اہل ہند سے قبلہ کا رخ عامۃً جانب مغرب میں ہے، پس اگر سردی اور گرمی میں جس جگہ آفتاب غروب ہوتا ہے، اس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی جائے تو نماز صحیح ہوجائے گی، یعنی دونوں موسموں کے جائے غروب کے درمیان کا حصہ جہت کعبہ ہے، یہی مطلب ہے ''**بین الفرقدین و الجدی**'' کا۔

وجهة الكعبة تعرف بالدليل، الخ. (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/ ۱۶۲-۱۶۳)

اس جواب پر ۹/ ربیع الاول ۱۳۶۷ھ کی تاریخ لکھی ہوئی ہے، گویا آج سے ۵۷ سال قبل کا تحریر فرمودہ جواب ہے اور جیسا کہ آپ پڑھ چکے سوال میں تصریح موجود ہے کہ وہ مسجد ایک سو تیس برس کی تعمیر شدہ تھی، اس کے باوجود جواب میں اس کا رخ صحیح کرنے کی تاکید کی جارہی ہے اور ایک سو تیس سال کی تعمیر شدہ ہونے کی بنیاد پر مسجد قدیم کہہ کر اس انحراف کو باقی رکھنے کی اجازت نہیں دی جارہی ہے۔

اسی طرح کا ایک سوال وجواب فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/ ۲۶۲ پر بھی موجود ہے۔

''فتاویٰ خیریہ'' کی جو عبارت شروع جواب میں نقل کی گئی ہے، اس میں بھی یہی نوعیت پائی جاتی ہے، جب کہ فتاویٰ خیریہ کی ترتیب وتبویب ۱۰۸۱ھ میں ہوئی ہے، صاحب فتاویٰ خیریہ اسی نوع کے ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"إذا لم يكن المحراب من وضع الصحابة والتابعين ولا من وضع ذوى العلم الموثوق بهم فى معرفة القبلة ولا علىٰ سمت وضعهم فلا عبرة به إجماعًا. (الفتاوى الخيرية علىٰ هامش الفتاوىٰ الحامدية: ۱/ ۱۶)(۱)

آگے تحریر فرماتے ہیں:

"والمسئلة واضحة وحاصلها إذا تحقق خروجه عن الجهة بالكلية لايجوز اعتماده إجماعًا و

---

(۱) الفتاوى الخيرية، كتاب الصلاة، الجواب من السوال الثانى: ۱/ ۸، ط: بولاق مصر. انيس

إذالم يخرج عنها جازاعتماده وإن كان فيه انحراف قليل يجوزعند الحنفية ولايجوزعند الشافعية، ومعرفة ذلک من هذا العلم لاينكره أحد ونحن علٰى علم بأن الصحابة رضى اللّٰه تعالٰى عنهم أعلم من غيرهم فإذا علمنا أنهم وضعوا محرابًا لايعارضهم من هودونهم وإذا علمنا أن محرابًا وضع من غيرهم بغيرعلم لا نعتمده وإذا لم نعرف شيئًا وعلمنا كثرة المارين وتوالى المصلين علٰى مرورالسنين عملنا بالظاهروهوالصحة وعند تحققنا بالخطأ زال الغطاء وهوفى اختلاف الجهة بحيث يكون متجاوزًا المشارق إلى المغارب.(الفتاوى الخيرية علٰى هامش الفتاوىٰ الحامدية: ۱۷/۱)(۱)

ان ساری عبارتوں کو پیش کرنے کا مقصد یہی ہے کہ حضرات صحابہ وتابعین کی بنائی ہوئی مساجد کے علاوہ دیگر مساجد میں اگر دلائل سے معلوم ہوجائے کہ اس کی جہت درست نہیں ہے، تو اس کو درست کردیا جائے گا، ہاں معمولی فرق قابل انگیز ہے۔

اب آپ کے سوالات کے جوابات پیشِ خدمت ہیں:

(۱) اگر مسجدِ قدیم کے متعلق معلوم ہے کہ اس کی تعمیر ثقہ اور قابل اعتبار ماہر علما کی نگرانی میں ہوئی ہے، تو اس صورت میں اس کو شہید کرکے نئی تعمیر کی جانے والی مسجد کی سمت قبلہ وہی رکھی جائے جو مسجد قدیم کی تھی۔

(۲) ازسرنو تعمیر کی جانے والی مسجد کے قرب وجوار میں دوسری مساجد مندرجۂ بالا نمبر (۱) کے مطابق موجود ہیں، تو اس نئی مسجد کی سمت قبلہ کے لیے قرب وجوار کی مسجد کو معیار بنایا جائے۔

(۳-۴) اگر صحابہ وتابعین کے زمانہ کی مساجد موجود ہیں، تو سمت قبلہ کی تعیین کے لیے انہی کو معیار بنانا ضروری ہے، آلات رصدیہ کا کوئی اعتبار اس صورت میں نہیں ہوگا اور صحابہ وتابعین کے زمانہ کی مساجد کے نہ ہونے کی صورت میں اگر جواب (۱) میں مذکور نوع کی مساجد ہوں، ان کو سمت قبلہ کی تعیین کے لیے معیار بنایا جائے، اور اگر اس نوع کی بھی کوئی مسجد موجود نہیں، تو آلات رصدیہ کو صحیح استعمال کرنے والا ماہر موجود ہے اور اس نوع کے ماہرین کے اقوال میں آپس میں کوئی تعارض بھی نہیں پایا جاتا ہے، تو اس صورت میں اس ماہر کی متعین کردہ سمت قبلہ کا اعتبار کیا جائے گا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری علیہ الرحمۃ ''فتاویٰ خیریہ'' کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

وقال (فى حق قبول قول الفلكى): ومع ذلک يعمل به بلا شبهة إذا خلا عن المعارضة بما هو مثله أوهو فوقه. (بغية الأريب فى مسائل القبلة والمحاريب: ٧٦)

اورجیسا کہ آگے ہم اوپر نقل کرآئے، مختلف عبارات فقہیہ سے جو نتائج انہوں نے نکالے ہیں، اس میں تو یہاں تک فرمایا ہے:

العاشرة: أن من كان من أهل الاجتهاد فله أن يجتهد وجوبًا فى المحاريب التى لم يعلم ناصبوها. (بغية الأريب: ٧٨)

---

(۱) الفتاوى الخيرية، كتاب الصلاة، الجواب من السوال الثانى: ۹/۱، ط: بولاق مصر. انیس

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمہ بھی تحریر فرماتے ہیں:

اب صرف ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آلاتِ رصدیہ اور حساباتِ ریاضیہ سے اگر اس میں کام لے لیا جائے، تو جائز بھی ہے یا نہیں؟ اور جو جہت ان حسابات کے ذریعہ متعین کی جائے وہ شرعاً معتبر ہوگی یا نہیں؟ اس کے متعلق فیصلہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ کا یہ ہے کہ جس جگہ مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں، وہاں تو باتفاق علما ان آلات وحسابات سے کام لینا جائز ہے، بلکہ جس شخص کو یہ فن آتا ہو اس کے لیے ایسے مواقع میں جہاں مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں ضروری ہے کہ بجائے دوسری علامات ونشانات کے ان آلات وحسابات سے کام لے؛ کیوں کہ محض تحری وتخمینہ سے زیادہ مفید ظنِ غالب ہے۔ (رسالہ سمت قبلہ، جواہر الفقہ: ۱/ ۲۶۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

نوٹ: سمت قبلہ کے موضوع پر ایک عربی تصنیف "بغية الأريب في مسائل القبلة والمحاريب" کے نام سے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب علیہ الرحمۃ کی بھی ہے، اس کا مطالعہ بھی ضرور فرمالیں، جواہر الفقہ کے مطالعہ کے بعد بھی کچھ گوشے تشنہ رہ جاتے ہیں، مذکورہ رسالہ کے مطالعہ کے بعد اس کی تلافی ہوجاتی ہے۔ **فقط واللہ تعالیٰ أعلم**

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری۔ ۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ۔ الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ۔ (محمود الفتاویٰ: ۱/ ۴۳۰-۴۴۱)

کمپاس کے ذریعہ سمت قبلہ معلوم کرنا کیسا ہے:

سوال: سعودی عرب کی "نورولی" نامی ایک کمپنی نے ایک "کمپاس" بنایا ہے، جس کے ساتھ "امام" نام کا ایک کتابچہ ہے، اس میں دنیا کے ہر مقام کا جہۃ الکعبہ معلوم کرنے کے لئے نمبر دیئے گئے ہیں، جس پر کمپاس کا کانٹا ملانے سے مطلوبہ مقام کا سمت قبلہ معلوم ہوجاتا ہے۔ یہ کمپاس نہ آٹو میٹک ہے، نہ بیٹری والا ہے اور نہ مقناطیسی۔ کسی اسلامی تنظیم یا مسلم ملک کی تصدیق بھی اس میں درج نہیں ہے اور نہ ماہرین جغرافیہ وسائنس کی توثیق ہے۔

ہندوستان کے مندرجہ ذیل مقامات: چندرناگور، جمشید پور، جھانسی، جبل پور، ناگپور، پٹنہ، سورت، احمدآباد، بنارس، کلکتہ، بردوان، بھاول نگر کے لئے اور ان صوبوں کے لئے جن میں یہ شہر واقع ہیں، عین مغرب سے ۱۱ نمبر جنوب میں ہٹ کر جہت کعبہ تجویز کیا گیا ہے، ہزاری باغ میں اندر پوری چوک کی مسجد کو اسی کمپاس کے مطابق از سر نو تجویز کیا گیا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس کی اتباع کررہے ہیں۔ اب سوالات یہ ہیں:

(۱) کیا علماء ہند کا کوئی متفقہ فتویٰ ہے کہ ہندوستان کا قبلہ عین مغرب ہے؟

(۲) کیا علماء ہند نے قبلہ سے متعلق اپنے سابق فیصلہ میں کوئی ردوبدل یا ترمیم کی ہے؟

(۳) کیا کسی عالم نے عین مغرب کے قبلہ ہونے پر کبھی کوئی اعتراض کیا ہے؟

(۴) کیا قبلہ عین مغرب سے تھوڑا جنوب میں ہٹ کر ہے؟

(۵) ایسا کمپاس جو نہ آٹو میٹک ہو، نہ بیٹری والا ہو اور نہ مقناطیسی ہو، کیا اس کی مدد سے کتابچہ میں دیئے گئے نمبر پر کانٹا ملا کر جہۃ الکعبہ معلوم کرنا معتبر ہے؟

(٦) اس کمپاس کے ذریعہ مسجد تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۷) کوئی دانستہ اس کمپاس کے مطابق نماز پڑھے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

براہ کرم صلحاء امت کے عمل، علماء ہند کی آراء اور معتبر کتابوں کے حوالہ سے مفصل و مدلل جواب عنایت فرمائیں؟ میرا دعویٰ ہے کہ یہ کمپاس غیر معتبر ہے اور قبلہ حقیقتاً عین مغرب ہے اور میرا چیلنج ہے کہ میرے اس دعویٰ کو کوئی غلط ثابت کرے، جو لوگ اس کمپاس پر اپنا عقیدہ و ایمان قائم کر چکے ہیں، میں انہیں برسر عام غلط سمجھتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کے ایمان کو خراب کرنے کی یہود و نصاریٰ کی جانب سے یہ ایک سازش ہے۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

دعویٰ اور چیلنج کسی سنجیدہ انسان کا کام نہیں ہے، آپ کو غلط فہمی یہ ہوئی ہے کہ تمام اہل ہند کا قبلہ عین مغرب ہے اور یہ کہ یہی علماء ہند کا فتویٰ بھی ہے، پھر اسی غلط فہمی پر آپ نے سوالات کی عمارت کھڑی کر دی ہے، بہر حال آپ کے سوالات کا جواب نمبر وار درج ہے:

(ا-۳) علماء ہند کا فتویٰ یہ ہے کہ اہل ہند کا قبلہ دونوں مغربوں (گرمی کے سب سے بڑے دن اور سردی کے سب سے چھوٹے دن میں سورج جس جگہ غروب ہوتا ہے، ان) کے درمیان ہے نہ کہ عین مغرب۔ تمام اہل ہند کے لئے مطلقاً عینِ مغرب قبلہ ہونے کی رائے فقہا کی کبھی نہیں رہی کہ اس میں ترمیم کا مسئلہ پیدا ہو یا اس پر کسی کے اعتراض کا سوال پیدا ہو۔

”کما فی رسالة بغیة الأریب فی مسائل القبلة والمحاریب تحت الأمر الخامس من الخاتمة فی الأمور المنقحة، صفحة: ۱٤۳، بعد بحث طویل ما نصه:

”فإن الفساد بالخروج من جهة الربع متعین بالاتفاق، أما قول الفقهاء أن ما بین المغربین قبلة أی أن الکعبة واقعة بین مغرب أقصٰی (یعنی أطول) یوم الصیف وهو أول یوم السرطان وبین مغرب أقصٰی یوم الشتاء وهو أول یوم الجدة، جمیع ما بینهما قبلة سمرقند وبخارا وترمذ و نسف ومرو وسرخس وما والاها لجمیع بلاد الهند مع رحبها“ وقولهم ذلک ذکره فی التجنیس والملتقط وأمالی الفتاوی والبنایة شرح الهدایة من قول أبی منصور الماتریدی“.(۱)

(۱) وذکر فی أمالی الفتاویٰ حد القبلة فی بلادنا یعنی سمرقند مابین المغربین مغرب الشتاء ومغرب الصیف فإن صلی إلی جهة خرجت من المغربین فسدت صلاته. ==

(۴-۷) فقہا کا قول یہ ہے کہ اہل ہند کا قبلہ دونوں مغربوں کے درمیان ہے اور کبھی اس سے بھی زیادہ عام پیرایہ بیان میں یوں کہا گیا ہے کہ قبلہ شمال وجنوب کے مابین یعنی پوری جہت مغرب ہے، مطلب یہ ہے کہ استقبال قبلہ کے لئے عین قبلہ کی مواجہت شرعاً ضروری نہیں ہے، بلکہ محض جہتِ قبلہ کی مواجہت کافی ہے۔ البتہ فقہا نے شریعت میں معتبر جہت قبلہ کی تحدید باصطلاح ریاضی اس طرح کی ہے کہ اہل ہند کا قبلہ مابین المغربین ربع دائرہ (یعنی ۹۰/درجہ) کے قریب تک؛ یعنی عین مغرب کے دونوں جانب ثمن ثمن دائرہ تک (۴۵،۴۵/درجہ) ہے اور احتیاطی رائے یہ ہے کہ بین المغربین نقطۂ وسط سے دونوں طرف ۲۴،۲۴/درجہ مجموعہ ۴۸/درجہ تک کی گنجائش ہے۔

”أن ینظر فی مغرب الصیف فی أطول أیامه و مغرب الشتاء فی أقصر أیامه فلیدع الثلثین فی الجانب الأیمن و الثلث فی الأیسر و القبلة عند ذلک، و لو لم یفعل هکذا و صلّی فیما بین المغربین یجوز... أن الانحراف المفسد أن یجاوز المشارق إلی المغارب. (رد المحتار: ۳۹۹/۱)

وقال أبو منصور: ینظر إلٰی أقصر یوم فی الشتاء وإلٰی أطول یوم فی الصیف فیعرف مغربیهما ثم یترک الثلثین عن یمینه و الثلث عن یساره و یصلی فیما بین ذلک و هذا استحباب و الأول للجواز. (منحة الخالق حاشیة البحر: ۲۸۵/۱)

(۵-۶) سمت قبلہ جاننے کے لئے اصلاً اور ابتداءً جہات کا علم اور نجوم خصوصاً قطب تارہ اور شمس وقمر کے منازل (علم ہیئت) سے ایک حد تک واقفیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ صحابۂ کرام، تابعین عظام اور بعد کے علماء دین نے ان ہی چیزوں کی مدد سے مساجد کی تعمیر کی۔ چنانچہ صحابہ وتابعین کی بنا کردہ مساجد اگر قریب میں موجود ہوں اور ان سے نئی مسجد کے لئے سمتِ قبلہ کی تعیین میں مدد مل سکتی ہو تو شرعی ضابطہ یہی ہے کہ ان مساجد کی اتباع کی جائے اور اگر بعد کی مساجد قدیمہ ہوں، تو بھی اولیٰ یہی ہے کہ ان کے موافق ہی نئی مسجد بنائی جائے، خواہ ان میں قواعد ہیئت کی رو سے سمت حقیقی سے معمولی انحراف بھی ہو۔ لیکن اگر قدیم مساجد قرب وجوار میں نہ ہوں، یا ان سے مدد لینا ممکن نہ ہو تو جائز ہے کہ کوئی ماہر علم ہیئت اور عالم دین دونوں مل کر قطب تارہ یا شمس وقمر کے ذریعہ یا مقناطیسی کمپاس یا اس غرض سے بنائے گئے کسی بھی معتبر کمپاس سے سمت قبلہ کی تعیین کرلیں۔ تعیین قبلہ کے متعدد طریقے علما نے بتائے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ کسی ایک طریقہ سے سمت قبلہ معلوم کر کے دوسرے طریقوں سے بھی اسے آزمالیں، اگر متعدد طریقوں سے جائزہ لینے پر معمولی انحراف کا فرق معلوم ہو، تو شرع میں اس کی گنجائش ہے۔

== وقال شارحها ابن امیر الحاج: وذکر هذه العبارة فی الملتقط مع زیادة وقال أبو منصور ینظر إلی أقصر یوم فی الشتاء وإلی أطول یوم فی الصیف، فیعرف مغربیهما ثم یترک الثلثین عن یمینه و الثلث عن یساره و یصلی فیما بین ذلک و هذا استحباب و الأول للجواز، آه، ومشی علی الأول الرُسْتَغْفَنِی وجعل فی مجموع النوازل ماذکره أبو منصور هو المختار، آه. (منحة الخالق حاشیة البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ۳۰۱/۱. انیس)

(۱)　سمت قبلہ معلوم کرنے کا ایک مشہور طریقہ یہ ہے کہ قطب تارے کی جانب دایاں ہاتھ اور اس کے مخالف بایاں ہاتھ کر کے کھڑے ہو جائیں، تو سامنے جہت مغرب یعنی قبلہ ہوگا۔ ہندوستان کے جن علاقوں کی سمت قبلہ تقریباً نقطۂ مغرب ہے، مثلاً اٹاوہ، اناؤ، سیتاپور، فرخ آباد، کانپور، کھیری، لکھنؤ، ہردوئی وغیرہ وہاں مرکز قطب کو دائیں مونڈھے کی ہڈی کے مرکز کے سیدھ میں رکھنا ہوتا ہے اور جس جگہ کا قبلہ منحرف بشمال ہے، مثلاً بنگال، بہار اور اڑیسہ کے تمام شہر، وہاں قطب تارے کو دائیں مونڈھے کے اگلے حصے کی طرف کرنا ہوتا ہے اور جہاں کا قبلہ مائل بجنوب ہے، مثلاً پنجاب کے تمام شہر اور یوپی کے بعض اضلاع، وہاں قطب تارے کو دائیں مونڈھے کی پشت پر رکھنا ہوتا ہے۔

(۲)　ایک دوسرا آسان طریقہ یہ ہے کہ موسم گرما کے سب سے بڑے دن میں (۲۲/جون کو) اور موسم سرما کے سب سے چھوٹے دن میں (۲۲/دسمبر کو) غروب شمس کا موقع دیکھا جائے، قبلہ ان دونوں مواقع کے درمیان میں ہوگا، یعنی ان دونوں موقعوں کے درمیان جس نقطہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے گی صحیح ہوگی۔

(۳)　سب سے سہل طریقہ یہ ہے کہ جو مقامات مکہ معظّمہ سے مشرق یا مغرب میں ۹۰ درجہ سے کم فاصلہ پر واقع ہیں، وہاں ۲۹/ یا ۲۷/ مئی اور ۱۴/ یا ۱۶/ یا ۱۷/ جولائی کی کسی تاریخ کو تقریباً ایک مربع فٹ سطح زمین کے درمیان تقریباً تین انچ کی ایک کیل بالکل سیدھی نصب کریں۔ مقامی نصف النہار کے وقت اپنی گھڑی میں ۱۲/ بجالیں، بعد ازاں متعلقہ شہر اور مکہ میں جتنے گھنٹہ اور منٹ کا فرق ہو اتنا وقت گذرنے پر اس کیل کا سایہ دیکھیں، اس وقت سایہ کا رخ ٹھیک سمت قبلہ کو بتائے گا۔ اگر ٹھیک مذکورہ وقت پر کیل کے سایہ کے منتہی پر ایک نقطہ لگا دیں اور اس نقطہ سے کیل تک سیدھا خط کھینچیں تو اس خط کے مطابق مسجد کی جنوبی یا شمالی دیوار قائم ہوگی۔

اس طریقہ میں دو باتیں یعنی مکہ اور متعلقہ شہر کے وقت کا فرق اور مقامی نصف النہار کا وقت پیشگی معلوم کرنا ضروری ہے، جن کا طریقہ درج ہے:

(الف)　مکہ اور متعلقہ شہر کے اوقات کا فرق معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں مقامات کا طول البلد کسی اٹلس سے معلوم کر کے چھوٹے کو بڑے سے گھٹا دیں، پھر حاصل کو ۴ میں ضرب دیں، بعد ازاں حاصل ضرب کو ٦٠ پر تقسیم کریں، اس سے گھنٹہ اور منٹ کا فرق معلوم ہو جائے گا۔ مثلاً دہلی کا طول البلد ۷۷ درجہ ہے اور مکہ کا طول البلد ۴۰ درجہ ہے۔ لہذا: ۷۷-۴۰ = ۳۷×۴ = ۱۴۸÷٦٠ = ۲　۲۸/٦٠ یعنی مکہ اور دہلی میں ۲ گھنٹے ۲۸ منٹ کا فرق ہے۔

(ب)　کسی مقام پر نصف النہار کا وقت دھوپ گھڑی یا طلوع وغرب کے کسی شمسی کیلنڈر سے معلوم ہوسکتا ہے۔ دھوپ گھڑی یا شمسی کیلنڈر دستیاب نہ ہو تو طریقہ یہ ہے کہ تقریباً ایک مربع فٹ سطح زمین کے وسط میں تقریباً ۳/ انچ کی ایک کیل بالکل سیدھی نصب کریں۔ کیل کے گرد ایک فٹ کا دائرہ بنا کر تاریخ مذکورہ بالا سے ایک، دو دن پہلے صبح کے

وقت دیکھیں کہ کیل کا سایہ دائرہ میں کس جگہ داخل ہوتا ہے۔ وہاں پر احتیاط سے ایک نقطہ لگا دیں (یہ مدخل ظل ہے)۔ پھر شام کے وقت اس جگہ ایک نقطہ لگائیں جہاں سے کیل کا سایہ دائرہ سے باہر نکلے (یہ مخرج ظل ہے)۔ پھر مدخل ومخرج کے درمیان ایک خط کھینچ کر اس کے نصف پر ایک نقطہ لگائیں اور مدخل ومخرج کے درمیان جو دائرہ کا حصہ آیا ہے اس کے نصف پر بھی ایک نقطہ لگائیں اور پھر ان دونوں نقطوں پر سے گذرتا ہوا ایک خط کیل تک کھینچ دیں، یہ خط نصف النہار ہو جائے گا۔ اب ۲۹ر مئی یا ۱۴ر جولائی کو جب کیل کا سایہ نصف النہار پر پڑے اس وقت گھڑی میں ۱۲ بجا لیں۔ آگے وہی عمل کریں جو طریقہ نمبر (۳) میں بتایا گیا ہے۔

ہندوستان کے قبلہ کی تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ قبلہ ٹھیک نقطۂ مغرب میں ہو یا اس قدر کم فرق ہو کہ قابل التفاوت نہ ہو، جیسے اٹاوہ، اناؤ، بہرائچ، جالون، سیتا پور، فرخ آباد، کانپور، کھیری، لکھنؤ، ہردوئی وغیرہ کہ ان کا انحراف ایک درجہ سے بھی کم ہے، خصوصاً اناؤ کہ اس کا انحراف فقط تین دقیقہ ہے۔

۲۔ دوسرے انحراف شمالی ہو، جیسے بنگال، بہار اور اڑیسہ کے تمام شہر۔

۳۔ تیسرے انحراف جنوبی ہو، جیسے پنجاب کے تمام شہر اور یو پی کے بعض اضلاع۔

ہزاری باغ ۵/درجہ، ۸۴/دقیقہ مائل بجہت شمال ہے، پٹنہ ۳/درجہ، ۵۶/دقیقہ منحرف بجہت شمال ہے۔ کلکتہ ۸/درجہ، ۷/دقیقہ مائل بجہت شمال، بردوان ۷/درجہ، ۹/دقیقہ مائل بشمال اور بنارس ۳/درجہ، ۳۷/دقیقہ مائل بشمال ہے۔ مگر ان سارے حسابات کے باوجود قدیم مساجد کی موافقت ہی شرعاً لازم ہے۔ (ماخوذ از جواہر الفقہ جلد سوم مصنفہ مفتی محمد شفیع عثانی)

آپ کے ہاں ہزاری باغ میں اندر پوری چوک کی مسجد اگر منہدم کر کے کمپاس کے مطابق از سر نو تعمیر کی گئی ہے اور فرق اتنا معمولی ہے جو کہ سمت قبلہ کے معاملہ میں شریعت میں قابل التفاوت نہیں ہے تو موجودہ نئی تعمیر درست ہے، اس کو برقرار رہنے دیا جائے۔ البتہ دیگر موجود مساجد میں اس کمپاس کی اتباع نہ کی جائے، بلکہ قدیم بنیادوں پر باقی رکھا جائے الا یہ کہ جہت قبلہ معلوم کرنے والے دیگر معتبر ذرائع سے جہت قبلہ سے زیادہ انحراف معلوم ہو تو اس کو صحیح کر لینا ضروری ہوگا۔ دیگر نئی مساجد کی تعمیر میں بھی قدیم مساجد کی موافقت ہی لازم ہے۔ جہاں تک مذکورہ کمپاس سے جہت قبلہ متعین کرنے کا مسئلہ ہے، تو اس پر نہ تو کسی بھی اہل علم کا عقیدہ ہے اور نہ ہی کسی طرح کا ایمان۔ البتہ یہ مشین چونکہ جہت قبلہ بتاتی ہے جیسا کہ قدیم مسجدوں کی سمت دیکھنے یا جہت قبلہ بتلانے والے دیگر ذرائع سے معلوم ہوتا ہے اور نماز میں جہت قبلہ کا رخ ضروری ہے نہ کہ عین قبلہ کا۔ معمولی انحراف حتیٰ کہ شمال وجنوب میں ۴۵/ڈگری سے کم انحراف ہو تو

بھی نماز ہو جاتی ہے، اس لئے کہ مذکورہ کمپاس سے جہت قبلہ متعین کر کے نماز پڑھ لیتے ہیں اور نئی مسجد کی سمت بھی اس سے متعین کر لیتے ہیں، صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ یہ چیز دشمنوں کی ایجاد ہے، جو اسلام دشمنی میں ایجاد کی گئی ہے، جب تک کہ تحقیق سے اس کو ثابت نہ کر دیا جائے اور اسلامی قانون وضابطہ کے خلاف اس کا اثر ظاہر نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی۔ ۱۸/۶/۱۴۱۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۳۶۹-۳۷۰) ☆

☆ سمت قبلہ کی تعیین کے لئے قبلہ نما کے استعمال کا حکم:

سوال: دور حاضر میں لوگ قبلہ کی تعیین کے لئے قبلہ نما استعمال کرتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب

نماز پڑھنے کے لئے ایک اہم رکن شہروں اور دیہاتوں میں استقبال قبلہ ہے یا جہت قبلہ ہے فقہاء کرام نے اس کی پہچان کے لئے پہلے زمانے کی مساجد اور ان کے محرابوں کو دلیل ٹھہرایا ہے اور صحراء میں ستاروں کو دلیل قرار دیا ہے جس سے غالب گمان ہوتا ہے کہ قبلہ اس طرف ہے، چونکہ موجودہ دور کا یہ آلہ (قبلہ نما) ظن غالب کی تحصیل کے لئے زیادہ کارآمد ہے، اس لیے قبلہ کی تعین کیلئے اس کا استعمال شرعاً درست ہے اور اس سے قبلہ کا صحیح رخ متعین ہو جاتا ہے۔

لما قال في الهندية: وجهة الكعبة تعرف بالدليل والدليل في الأمصار والقرى المحاريب التي نصبها الصحابة و التابعون فعلينا اتباعهم فإن لم تكن فالسؤال من أهل ذلك الموضع، وأما في البحار والمفاوز فدليل القبلة النجوم. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الثالث في استقبال القبلة: ١/٦٣)

وتعرف بالدليل، وهو في القرى والأمصار محاريب الصحابة والتابعين، وفي المفاوز والبحار النجوم كالقطب. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله كالقطب)... وعلىٰ ما وضعوه لها من الآلات كالربع والأصطرلاب فإنها إن لم تفد اليقين تفد غلبة الظن للعالم بها، وغلبة الظن كافية في ذلك. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة: ١/٤٣٠) (فتاویٰ حقانیہ: ۳/۷۷-۷۸)

قطب تارہ سے قبلہ کا رخ پہچاننے کا کیا طریقہ ہے:

سوال: قبلہ کا رخ قطب تارہ سے کس طرح پہچانتے ہیں، اس کو داہنے مونڈھے پر رکھیں یا اس سے آگے، اور اسی طرح آفتاب سے کیوں کر پہچانیں؟ جیسا سنا ہے کہ، موسم سرما میں آفتاب نمازی [سے] بائیں جانب رہے، اور موسم گرما میں داہنی جانب رہے۔

الجواب

ہندوستان کے لوگ داہنے مونڈھیں پر اس کو لیویں اور سوا نہیں، کہ جس سے آگے پیچھے کا حال ضبط ہو سکے، یہ ریاضی سے علاقہ رکھتا ہے۔۔۔ (اس کے بعد کچھ عبارت ضائع ہوگئی ہے۔ نور الحسن کاندھلوی)

(بدست خاص، سوال: ۱۳۵) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۵۳)

قبلہ کا تعین قطب نما یا ستارے سے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ آج کل جو مساجد کی بنیاد رکھتے ہیں آیا اس کی بنیاد قطب نما آلہ سے رکھی جائے یا قطب ستارہ کو دیکھ کر؛ کیونکہ لوگ ان دونوں کے درمیان فرق بتاتے ہیں، تقریباً دو فٹ کا فرق ہے تو اب مساجد کی تعمیر قطب نما آلہ کو دیکھ کر رکھیں یا کہ قطب ستارہ کو۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

سمت قبلہ میں آلات رصدیہ اور حسابات ریاضیہ سے کام لینا سلف صالحین کا طریقہ نہیں تھا اور نہ ہی شریعت نے اس کا حکم دیا ہے، بلکہ طریقۂ معروفہ سلف یہ ہے کہ جن بلاد میں مساجد قدسیہ موجود ہوں ان کا اتباع کیا جاوے، جہاں نہ ہوں وہاں شرعی طریقہ جو سنت صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔

وہ یہ ہے کہ شمس وقمر اور قطب تارہ وغیرہ کے مشہور ومعروف ذرائع سے اندازہ کر کے سمت قبلہ متعین کر لی جائے۔(۱) اگر اس میں معمولی میلان وانحراف بھی رہے، تو اس کو نظر انداز کیا جاوے؛ کیونکہ حسب طریقہ صاحب بدائع ان بلاد میں تحری اور اندازہ سے قائم کردہ جہت ہی قائم مقام کعبہ کے ہے، اور اس پر احکام دائر ہیں۔

”لأنهم جعلوا عين الكعبة قبلة في هذه الحالة بالتحري وأنه مبني علىٰ مجرد شهادة القلب من غير أمارات والحجة وصارت قبلة باجتهادهم المبني على الأمارات الدالة عليها من النجوم والشمس والقمر وغير ذلك“. (۱۱۸/۱)(۲) **فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم** (فتاویٰ مفتی محمود:۱/۸۸۷-۸۸۸)

چلتی گاڑی میں قطب نما کے ذریعہ قبلہ کی نشاندہی اور اس کی طرف توجہ:

سوال: چلتی گاڑی میں نماز شروع کرنے سے پہلے قطب نما سے سمت قبلہ دیکھ لیا اور پھر سمت شمال یا جنوب کو ہو گئی تو نماز ہوگئی یا نہیں؟ یا قطب نما کھول کر رکھ لیں اور جدھر قبلہ ہو گھومتے جائیں، اس صورت میں توجہ قطب نما کی طرف ہوگی، تو کیا نماز میں نقص ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر ابتداءً قطب نما دیکھ کر صحیح رخ پر نماز پڑھ لی؛ تو نماز ہوگئی۔ جب تک {کہ} درمیان میں رخ بدل جانے کا ظن غالب نہ ہو۔(۳)

---

(۱) كذا في الدر المختار: وتعرف بالدليل، وهو في القرىٰ والأمصار محاريب الصحابة والتابعين، وفي المفاوز والبحار النجوم كالقطب وإلا فمن الأهل. (مبحث في استقبال القبلة: ۱۳۸/۲، طبع رشيدية كوئٹة، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة)

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في الشرائط والأركان: ۱۱۸/۱، مكتبة رشيدية، كوئٹه

(۳) ”من أراد أن يصلي في سفينة تطوعًا أو فريضةً، فعليه أن يستقبل القبلة، ==

اگر قطب نما کھول کر سامنے رکھ لیا جائے اور وقتاً فوقتاً اس پر بھی نظر پڑتی رہے، تب بھی نماز ہو جائے گی۔ اس پر گا ہے گا ہے نظر پڑنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ (۱) ہاں توجہ میں کچھ فرق آجائے گا۔ (۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۲۵-۵۲۶)

جو لوگ بیت اللہ سے دور ہیں وہ قبلہ کسے قرار دیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان میں سمت قبلہ کیا ہے، آیا یہ مساجد جو سلف صالحین بنا کر گئے ہیں ان کا اعتبار ہے یا بروئے قاعدہ اہل ہیئت جو سمت نکلے اس کا اعتبار ہے اور جو شخص بقاعدہ اہل ہیئت نماز پڑھتا ہو نماز اس کی ہوئی یا نہیں اور یہ شخص تمام مساجد کو غلط بتاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ سمت قبلہ اصلی میں اور سمت قبلہ مساجد میں پانچ سو کوس کا فرق ہے اور یہ شخص ایک مسجد کا امام ہے۔ درحالت امامت سمت مساجد سے انحراف کر کے نماز پڑھتا ہے اور مقتدیان اس کی اس سمت کو غلط جانتے ہیں۔ ایسی حالت میں اقتدا اس امام کی صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا بالدلائل والتفصیل وتوجروا بالأجر الجزیل؟

الجواب

جو لوگ کہ بیت اللہ سے غائب ہیں؛ ان کا قبلہ جہت کعبہ شریف ہے۔ جس طرف میں کعبہ ہے؛ اسی طرف کو رخ کر کے نماز پڑھیں۔ (۳) مثلاً جو لوگ کہ ہندوستان میں رہتے ہیں اور ہندوستان کا قبلہ مغرب کی جانب ہے تو ان کو مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی چاہئے۔ اگر جنوب وشمال کی طرف ان کا منہ ہو جاوے گا تو ان کی نماز نہ ہوگی اور جو جنوب وشمال کے بیچ میں ہوں گے تو نماز ہو جاوے گی اور اگر کوئی شخص موافق قاعدہ ہیئت کے ساڑھے اکیس درجہ

== ولایجوز لہ أن یصلی حیث ماکان وجھہ، کذا فی الخلاصة، حتی لو دارت السفینة وھو یصلی، توجه إلی القبلة حیث دارت، کذا فی شرح منیة المصلی لابن أمیر الحاج". (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الفصل الثالث فی استقبال القبلة: ۱/۶۳، رشیدیة)

حاشیة صفحه هذا:

(۱) "(ولا یفسدها نظره إلیٰ مکتوب وفهمه) ولو مستفهمًا وإن کره". (الدرالمختار)

قال: ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالیٰ: (قوله وإن کره): أی لاشتغاله بمالیس من أعمال الصلاة". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره: ۱/۶۳۴، سعید)

(۲) "(و) کذا کل (مایشغل باله عن أفعالها ویخل بخشوعها)". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار، کتاب الصلاة، قبیل مطلب إعراب کائنا ماکان: ۱/۳۷۸، سعید)

"(ولا بأس بنقشه خلا محرابه) فإنه یکره، لأنه یلهی المصلی". (الدرالمختار)

وقال ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالیٰ: (قوله لأنه یلهی المصلی) أی فیخل بخشوعه من النظر إلیٰ موضع سجوده و نحوه". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مطلب کلمة لابأس الخ: ۱/۶۵۸، سعید) ==

عرض کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز بھی درست ہوجاوے گی۔اس واسطے کہ مکہ معظّمہ ساڑھے اکیس درجہ میں واقع ہوا ہے اور ایک درجہ تقریباً ساٹھ میل کا ہوتا ہے تو جیسا نماز اور مسجد والوں کی درست ہے، ایسے ہی جو شخص ٹیڑھا ہوکر نماز ادا کرے گا درست ہوگی۔اس واسطے کہ محاذاۃ عین بیت اللہ کی نہ اس شخص کو حاصل ہوسکتی ہے جو موافق ہیئت کے ساڑھے اکیس درجہ میں نماز پڑھتا ہے اور نہ ان لوگوں کو حاصل ہوسکتی ہے جو اس درجہ سے داہنے بائیں ہوکر پڑھتے ہیں۔وجہ اس کی یہ ہے کہ درجہ ہوتا ہے ساٹھ میل کا اور بیت اللہ کا عرض ہندوستان کی جانب سے کوئی بتیس ہاتھ کی مقدار ہے تو عین بیت اللہ کی طرف کیوں کر متوجہ ہوسکتا ہے۔لہذا یہ تکلف اس شخص کا اور مساجد کو غلط بتانا محض غلط و بے سود ہے؛ سب کی نماز درست ہے۔اور تفرقہ اور ٹیڑھا کرنا جماعت کا؛ غلطی اس شخص کی ہے اور صورت بیت اللہ کی اور اس کی محاذات کی درمختار اور اس کی شروح میں لکھی ہے؛(۱) جس کا جی چاہے دیکھ لیوے۔اگر اس میں لکھی جاوے تو شاید فہم عوام میں نہ آوے، اسی لئے نہیں لکھی گئی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ:۲۶۱-۲۶۲)

ہمارے بلاد میں بین المغربین سمت قبلہ ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہندو پاک میں قبلہ بجانب مغرب ہے، اس لئے مساجد کا رخ عین مغرب کی جانب ہے، لیکن آج کل سعودی عرب سے جو قبلہ نما ملتا ہے، اس کے ذریعے ہمارے گجرات شہر میں قبلہ مغرب سے اٹھارہ درجہ جنوب کی طرف بنتا ہے، اب اس مسجد میں جو عین مغرب کی طرف بنی ہوئی ہے، نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: نامعلوم......۲۷/۱۰/ ۱۹۸۷ء)

الجواب

ہمارے بلاد میں بین المغربین سمت قبلہ ہے،(۲) اور کعبہ کی طرفین کا استقبال (چھتیس درجات تک) کافی ہے

== وبهذا علم أن ترك الخشوع لايخل بالصحة بل بالكمال، ولذا قال في الخلاصة والخانية: إذا تفكر في صلاته فتذكر شعرًا أو خطبةً فقرأهما بقلبه ولم يتكلم بلسانه لاتفسد صلاته". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/ ۲۵، رشيديه)

(۳) (ومن كان بحضرة الكعبة يتوجه إلى عينها وإن كان غائباً عنها يتوجه إلى جهتها) لقيام الجهة عند العجز مقام عينها لأن التكليف بقدر الطاقة. (الاختيار لتعليل المختار، باب مايفعل قبل الصلاة: ۱/ ٤٦. انيس)

حاشية صفحه هذا:

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار، باب شروط الصلاة، قبيل مطلب كرامات الأولياء ثابتة: ۱/ ۳۱۷. انيس

(۲) قال ابن عابدين رحمه الله: وقال في شرح زاد الفقير: وفي بعض الكتب المعتمدة في استقبال القبلة إلى الجهة أقاويل كثيرة، وأقربها إلى الصواب قولان: الأول أن ينظر في مغرب الصيف في أطول أيامه ومغرب الشتاء في أقصر أيامه فليدع الثلثين في الجانب الأيمن والثلث في الأيسر والقبلة عند ذلك، ولو لم يفعل هكذا وصلى فيما بين المغربين يجوز، وإذا وقع خارجًا منها لايجوز بالاتفاق، ملخصًا. ==

اوران جدید آلات پر اعتماد نہ مطلوب ہے اور نہ ممنوع ،البتہ ان کی وجہ سے قدیم مساجد میں شبہات پیدا کرنا جائز نہیں ہے۔(۱) وھوالموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۲۲-۲۲۳)

مکہ مکرمہ میں استقبال کعبہ کا حکم:

سوال: مکہ مکرمہ کے شہر میں مسجد حرام کے باہر سمت قبلہ کا تعین اور استقبال قبلہ کس طرح کیا جائے؟ جبکہ درمیان میں اونچی اونچی عمارتیں حائل ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

جو شخص بلندی پر چڑھ کر عمارت کعبہ دیکھ سکتا ہو،اس کے لئے استقبال عین کعبہ ضروری ہے،ورنہ تحری سے جہت کعبہ کی تعیین کافی ہے۔

قال فی شرح التنویر:(فللمکی)...(إصابة عینها)یعم المعاین وغیره،لکن فی البحر أنه ضعیف،والأصح أن من بینه وبینها حائل کالغائب.(الدر المختار)

== وفی منیة المصلی عن أمالی الفتاویٰ:حد القبلة فی بلادنا یعنی سمرقند:مابین المغربین مغرب الشتاء ومغرب الصیف،فإن صلی إلٰی جهة خرجت من المغربین فسدت صلاته.آه.(رد المحتار،کتاب الصلاة،باب شروط الصلاة، مبحث فی استقبال القبلة: ۱/۳۱٤)

(۱) قال العلائی:"فتبصروتعرف بالدلیل،وهوفی القریٰ والأمصارمحاریب الصحابة والتابعین،وفی المفاوزوالبحارالنجوم کالقطب.(الدر المختار)

قال صاحب ردالمحتارتحت(قوله:محاریب الصحابة والتابعین):فلا یجوزالتحری معها.زیلعی.بل علینا اتباعهم.خانیة.ولایعتمد علٰی قول الفلکی العالم البصیر الثقة أن فیها انحرافاً خلافاً للشافعیة فی جمیع ذلک ،کما بسطه فی الفتاویٰ الخیریة،فإیاک أن تنظرإلٰی مایقال إن قبلة أموی دمشق وأکثرمساجدها المبنیة علٰی سمت قبلته فیها بعض انحراف وإن أصح قبلةً فیها قبلةُ جامع الحنابلة الذی فی سفح الجبل،إذ لا شک أن قبلة الأموی من حین فتح الصحابة ومن صلی منهم إلیها وکذا من بعدهم أعلم وأوثق وأدری من فلکی لا ندری هل أصاب أم أخطأ،بل ذلک یرجح خطأه وکل خیرفی اتباع من سلف ... قال القهسانی:ومنهم من بناه علٰی بعض العلوم الحکمیة إلا أن العلامة البخاری قال فی الکشف: إن أصحابنا لم یعتبروه،آه ... أقول:لم أرفی المتون مایدل علٰی عدم اعتبارها(أی دلائل النجوم)ولنا تعلم مانهتدی به علی القبلة من النجوم. و قال تعالٰی:﴿لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا﴾(الأنعام:۹۷) علٰی أن محاریب الدنیا کلها نصبت بالتحری حتٰی منی،کما نقله فی البحر،ولایخفٰی أن أقوی الأدلة النجوم،والظاهرأن الخلاف فی عدم اعتبارها إنما هو عند وجود المحاریب القدیمة،إذ لایجوزالتحری معها کما قدمناه،لئلا یلزم تخطئة السلف الصالح و جماهیر المسلمین.(رد المحتارکتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،مبحث فی استقبال القلبلة،قبیل مطلب کرامات الأولیاء ثابتة: ۱/۳۱۷)

وفی الحاشیة عن الفتح: وعندی فی جواز التحری مع إمکان صعوده إشکال؛ لأن المصیر إلی الدلیل الظنی وترک القاطع مع إمکانه لایجوز، وقد قال فی الهدایة: والاستخبار فوق التحری، فإذا امتنع المصیر إلیٰ ظنی لإمکان ظنی أقوی منه فکیف یترک الیقین مع الظن،آه. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث فی استقبال القبلة: ۳۹۷/۱) **فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم**

۱۷/رجب ۱۳۹۰ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳۱۹/۲) ☆

حرم شریف میں نماز پڑھتے ہوئے نمازی کا رخ عین بیت اللہ کی طرف ہونا شرط ہے:

سوال: نماز کی نیت میں یہ بھی شامل ہوتا ہے کہ ہمارا رخ قبلے کی طرف ہو، نظر سجدے کی جگہ ہونی چاہیے، سوال یہ ہے کہ اگر ہم خانہ کعبہ میں نماز ادا کر رہے ہوں اور کعبہ نظر کے سامنے ہو تو نظر کعبہ کی طرف ہونی چاہیے یا نیچے سجدہ کی جگہ جائے نماز پر؟

الجواب

نظر وہاں بھی سجدہ کی جگہ ہونی چاہیے، لیکن یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ رخ عین بیت اللہ کی طرف ہے بھی یا نہیں؟ میں نے بہت سے لوگوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ جس رخ قالین بچھی ہوئی تھی اسی طرف نماز شروع کر دیتے ہیں، ان کا منہ بیت اللہ کی طرف نہیں ہوتا، ان کی نماز نہیں ہوتی۔ کیوں کہ جب بیت اللہ شریف سامنے ہو تو عین بیت اللہ کی طرف رخ کا ہونا؛ نماز کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے، اگر رخ بیت اللہ سے منحرف ہو تو نماز نہیں ہوگی۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۴۸/۳-۳۴۹)

☆ مکی کیلئے نماز پڑھتے وقت عین کعبہ یا جہت کعبہ کا حکم:

سوال: فقہ حنفی کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مکی کے لئے عین کعبہ اور آفاقی کے لئے جہت کعبہ ضروری ہے، لیکن آج کل شہر مکہ میں بڑی بڑی عمارتیں مسجد حرام اور مصلی کے درمیان حائل ہیں، اس صورت میں سمت قبلہ کی تعیین کس طرح کی جائے؟

الجواب

یہ حکم اس مکی کے لئے ہے۔ جس کو کعبۃ اللہ دکھائی دیتا ہو تو اس پر لازمی ہے کہ وہ عین کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے اور جس کو کعبہ دکھائی نہ دیتا ہو، تو اس کے لئے بھی آفاقی کی طرح جہت کعبہ کافی ہے، اگرچہ وہ مکہ مکرمہ میں ہی رہتا ہو۔

لما قال العلامة الحصکفی: (فللمکی)... (إصابة عینها) یعم المعاین وغیره، لکن فی البحر أنه ضعیف. والأصح أن من بینه وبینها حائل کالغائب. (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار، باب شروط الصلاة، مبحث فی استقبال القبلة: ۴۲۷/۱-۴۲۸)

قال العلامة إبراهیم الحلبی: وفی الدرایة من کان بینه وبین الکعبة حائل الأصح أنه کالغائب. (الکبیری، الشرط الرابع: ۲۱۷) (فتاویٰ حقانیہ: ۷۷/۳)

(۱) **لایجوز لأحد أداء فریضة ولا نافلة ولا سجدة تلاوة ولا صلاة جنازة إلاّ متوجهًا إلی القبلة، کذا فی السراج الوهاج. اتفقوا علیٰ أن القبلة فی حق من کان بمکة عین الکعبة فیلزمه التوجه إلیٰ عینها، کذا فی فتاویٰ قاضی خان ... ولو صلّی مستقبلاً بوجهه إلی الحطیم لایجوز، کذا فی المحیط.** (الفتاویٰ الهندیة: ۶۳/۱، وکذا فی بدائع الصنائع: ۱۱۸/۱)

استقبال حطیم سے نماز نہیں ہوگی:

سوال: استقبال حطیم سے نماز صحیح ہوگی یا نہیں، اگر نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ حطیم بھی درحقیقت بیت اللہ ہی کا حصہ ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

کل حطیم بیت اللہ کا جزء نہیں، بلکہ اس میں سے صرف چھ ذراع بیت اللہ کا حصہ ہے، اولاً بیت اللہ کی جزئیت اور ثانیاً اس کی تقدیر چھ ذراع سے یہ دونوں امر ظنی ہیں اور حکم استقبال قطعی ہے۔ اس لئے استقبال حطیم سے نماز صحیح نہیں ہوگی۔

قال في الشامية: فإنه إذا استقبله المصلي لم تصح صلاته؛ لأن فرضية استقبال القبلة ثبتت بالنص القطعي وكون الحطيم من الكعبة ثبتت بالآحاد، فصار كأنه من الكعبة من وجه دون وجه، الخ. (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في طواف القدوم: ٤٩٦/٢) **فقط والله تعالیٰ أعلم**

۱۱/محرم الحرام ۱۳۸۸ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳۱۸/۲)

کیا حطیم میں نماز پڑھنے والا کسی طرف بھی رخ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے:

سوال: حطیم خانہ کعبہ کا حصہ ہے، خانہ کعبہ کے اندر آدمی جس طرف چاہے؛ رخ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے، کیا حطیم کے اندر بھی اس بات کی اجازت ہے کہ جس طرف چاہے؛ رخ کر کے؛ نماز پڑھ لے؟

الجواب ــــــــــــــــ

جی نہیں! حطیم میں بیت اللہ شریف کی طرف رخ کرنا ضروری ہے، ورنہ نماز نہیں ہوگی۔(۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۴۵/۳) ☆

(۱) ولو صلّى مستقبلاً بوجهه إلى الحطيم لايجوز، كذا في المحيط. (الفتاویٰ الهندية: ٦٣/١)

☆ **حطیم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا مسئلہ:**

سوال: ہم نے کتابوں میں دیکھا ہے کہ حطیم بیت اللہ کا حصہ ہے، لہٰذا اگر کوئی آدمی حطیم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے، تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

اگرچہ خبر آحاد سے معلوم ہوتا ہے کہ حطیم کعبۃ اللہ کا حصہ ہے، لیکن یہ امر ظنی ہے اور استقبال قبلہ قطعی الثبوت دلیل سے ثابت ہے، چنانچہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی حطیم کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرے، تو نماز نہیں ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدين: (قوله كاستقباله احتياطاً) فإنه إذا استقبله المصلي لم تصح صلاته لأن فرضية استقبال القبلة ثبتت بالنص القطعي وكون الحطيم من الكعبة ثبتت بالآحاد فصار كأنه من الكعبة من جه دون وجه. (رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في طواف القدوم: ٤٩٦/٢) (قال العلامة إبراهيم الحلبي: الكعبة اسم للعرصة... ولو صلى إلى الحطيم وحده لايجوز. (الكبيري، الشرط الرابع، فروع في شرح الطحاوي: ٢٢٥) (فتاویٰ حقانیہ: ۷۷/۳)

انحراف قبلہ کے مسائل

قبلہ سے انحراف کی حد کیا ہے:

سوال: ایک مسجد سمت قبلہ سے بہت زیادہ منحرف ہے، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ **بینوا بیانًا شافیًا ؛ توجروا أجرًا وافیًا.**

الجواب ــــــــــــ ومنه الصدق والصواب

بیت اللہ سے پینتالیس درجہ تک انحراف مفسد نہیں، اس سے زیادہ ہو تو مفسد ہے، لہذا کسی ریاضی کے عالم سے تحقیق کروالیں، کہ مسجد کا انحراف کتنے درجے ہے، کوئی ریاضی داں نہ ملے تو مسجد کی قبلہ والی دیوار کا طول اور قطب نما رکھ کر دیوار کی دونوں طرفوں کا تفاوت نہایت احتیاط سے ناپ کر احقر کی طرف لکھ بھیجیں، دیوار کا طول اور شمالی و جنوبی طرفوں کا تفاوت ناپنے کے لئے سمجھدار اور معتبر شخص کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرہ ربیع الآخر ۴ ۱۳۷ھ۔ (احسن الفتاویٰ:۲/۱۳/۳)

قبلہ سے اتنا انحراف جو مفسد صلوٰۃ نہ ہو:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ملک افریقہ میں بمقام شہر بربون واقع ہے، حسب نقشہ ذیل، لہذا اس صورت میں جس جانب کہ رخ محراب کا واقع ہے اگر نماز پڑھی جاوے تو جائز ہے کہ نہیں؟
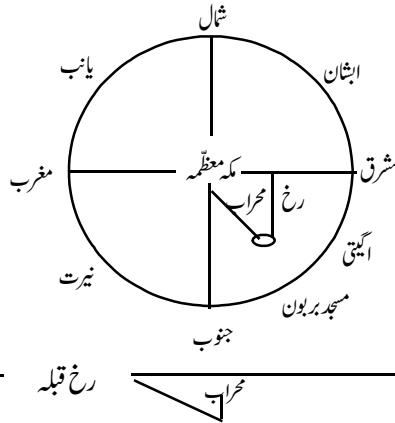
صورت مسجد کی یہ ہے، غلطی سے یہ اس رخ پر بنادی گئی، معلوم ہونے سے اب فرق رخ قبلہ کا اس قدر ہے کہ اوپر جو تمام دنیا کا نقشہ ہے، اس میں شہر بربون جس رخ پر واقع ہے، وہ بھی ملاحظہ میں پیش ہے۔

الجواب

سیدھے رخ پر جو خط کھینچا جاوے؛ اگر مصلی کے جبہ اور جبین کے کسی جزو سے بھی ایسا خط نکلے جو پہلے خط سے زاویہ قائمہ پر تقاطع کرے، تو اتنے انحراف سے نماز ہو جاوے گی اور جو کسی جزو سے ایسا خط نہ نکلے تو نماز نہ ہوگی، اب اس کو کو خود دیکھ لیا جاوے۔

دلیل المسئلة ما فی رد المحتار: وکان الخط، الخ.(۱)

قلت: مأخذه قوله تعالیٰ ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ حیث أمر بتولیة الوجه لا الجبهة خاصة.(۲)

(تتمہ ثانیہ، ص:۱۸) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۱۶-۲۱۷)

---

(۱) وکان الخط الخارج من جبین المصلی یصل علی استقامة (أی علیٰ زاویتین قائمتین.) إلیٰ هذا الخط المار علی الکعبة فإنه بهذا الانتقال لاتزول المقابلة بالکلیة؛ لأنّ وجه الإنسان مقوس. (ثم قال): المفهوم مما قدمناه عن المعراج والدرر من التقیید بحصول زاویتین قائمتین عند انتقال المستقبل لعین الکعبة یمینًا أو یسارًا أنه لایصح لو کانت إحداهما حادةً والأخریٰ منفرجة بهذه الصورة!

وفیه: أن الانحراف الیسیر لایضر وهو الذی یبقی معه الوجه أوشیء من جوانبه مسامتًا لعین الکعبة أو لهوائها، بأن یخرج الخط من الوجه أومن بعض جوانبه ویمر علی الکعبة أوهوائها مستقیمًا، ولایلزم أن یکون الخط الخارج علی استقامة خارجًا من جبهة المصلی بل منها أومن جوانبها کما دل علیه قول الدرر من جبین المصلی، فإنّ الجبین طرف الجبهة وهما جبینان. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث فی استقبال البقلة: ۱/۴۲۹-۴۳۰)/ وکذا فی درر الحکام شرح غرر الحکام، باب شروط الصلاة: ۱/۶۰. انیس)

(۲) أی اجعل تولیة الوجه تلقاء المسجد الحرام أی جهته وسمته. (التفسیر المظهری، تفسیر سورة البقرة: ۱/۱۴۳.) وکذا فی الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل للزمخشری، من تفسیر سورة البقرة: ۱/۲۰۲/ وکذا فی مدارک التنزیل وحقائق التأویل للنسفی: ۱/۱۳۹)

وقرأ أبی: "تلقاء المسجد الحرام" وهو نصب علی الظرف، أی إجعل تولیة الوجه فی جهة المسجد وسمته؛ لأن استقبال عین القبلة حرج عظیم علی البعید. (شرح أبی داؤد للعینی، شرح حدیث (رقم: ۴۸۹) : ۲/۴۴۸. انیس

استقبالِ قبلہ سے کتنا انحراف مفسدِ صلوٰۃ ہے؟ اور مسجد بنانے والوں کو ہدایت:

سوال: ہمارے یہاں برطانیہ میں قبلہ کا مسئلہ کافی معترض علیہا ہے، چند سال قبل ہم نے کارخانہ کی خریداری کی تھی اس نیت کے ساتھ کہ اس کو مسجد میں تبدیل کیا جاوے، جیسا کہ یہاں عامۃً ہوتا ہے، قبلہ کے رخ وسمت کے تعین کے لیے ہم نے اپنے امام صاحب مولانا اسماعیل واڈی اور دارالعلوم بری کے مہتمم اور استاذ حدیث مولانا یوسف صاحب متالا اور مولانا ہاشم صاحب جوگواڑی کو دعوت دی، جگہ کو دیکھ کر انہوں نے فرمایا کہ قبلہ کا رخ وسمت بالکلیہ طور پر موافق نہیں ہے، بلکہ ۳۵ر فیصد باہر ہے، مگر مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری کے فتویٰ کے مطابق اتنی گنجائش ہے، تو اسی فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے بغیر کسی ترمیم کے محراب بنا کر نماز شروع کردی، لیکن چند دن سے بعض مصلیان کا عمل یہ رہا ہے کہ جب جماعت سے نماز پڑھتے ہیں، تو محراب کی طرف پڑھتے ہیں، مگر جب سنن ونوافل کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو تھوڑے مڑ کر کھڑے رہتے ہیں۔ (۳۵ر فیصد)

استفتا یہ ہے کہ کیا ان کا اس طرح سے سنن ونوافل پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اب چوں کہ مصلیان کا یہ رویہ بڑھتا جارہا ہے، لہذا مسجد میں فتنہ کا قوی اندیشہ ہے، لہذا خدمت عالی سے قوی توقع رکھی جاتی ہے کہ مسئلۂ ہذا کو حدِ شافی تک واضح فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا و مسلمًا

یہاں دو مسئلے الگ الگ ہیں، ان میں خلط ملط کیا جاتا ہے، اور اسی کے نتیجہ میں پیچیدگی پیدا ہوتی ہے۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے جہتِ قبلہ سے منحرف ہو کر نماز ادا کی، تو کتنا انحراف معاف ہے؟ اور کتنے انحراف سے نماز فاسد ہوجاتی ہے؟

تو اس سلسلہ میں عموماً ہمارے علما نے پینتالیس درجہ تک کے انحراف کو معاف قرار دے کر اس سے زائد انحراف کو مفسدِ صلوٰۃ قرار دیا ہے۔ (دیکھئے: فتاویٰ دارالعلوم (امداد المفتین) مطبوعہ کراچی: ۲/۴۱۶۔ امداد الفتاویٰ: ۱/۲۱۷۔ احسن الفتاویٰ: ۲/۳۱۳)

بعض اکابر نے بنا بر احتیاط چوبیس درجہ تک کے انحراف کو معاف قرار دے کر اس سے زائد انحراف کو مفسدِ صلوٰۃ قرار دیا ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مدظلہم فرماتے ہیں: ''معمولی انحراف ہو تو نماز ہوجائے گی اور اگر ۲۵ر ڈگری یا اس سے زائد ہو تو نماز نہیں ہوگی''۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۱۸۹)

حضرت تھانویؒ نے بھی اسی کو احتیاط بتلایا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم (امداد المفتین) مطبوعہ کراچی: ۲/۴۲۷)

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب نماز کی ادائیگی کے لیے مکان مخصوص (بصورت مسجد یا جماعت خانہ) تیار کیا جائے، تو اس کے بنانے والوں کو کیا کرنا چاہیئے؟

تو اس کا حکم یہ ہے کہ! ''مسجد تعمیر کرنے والوں پر صحیح سمت قبلہ متعین کر کے مسجد کا رخ اس کے مطابق کرنا تا حد امکان ضروری ہے''۔ (کفایت المفتی: ١٤١/٣)

حضرت اقدس تھانویؒ فرماتے ہیں:

لیکن قصداً مسجد منحرف بنانا جس میں مفسدۂ مذکورہ یعنی تخطیہ سے زیادہ مفاسد ہیں، جیسے: **افتراق بین المسلمین، وإطالة لسان معترضين، وجسارت عوام على الخروج عن الحدود، واستخفاف حدود وأمثالها،** خلاف مصلحت ہے، **نظیره ما مر من عدم اعتبار النجوم فی المساجد القدیمة وفی اعتبارها فی المفاوز،** ان مفاسد کے مقابلہ میں رقبہ کا کم ہو جانا اہون ہے۔ (امداد الفتاویٰ مطبوعہ دیوبند: ٢١٩/١)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

قصداً باوجود علم کے نو، دس درجہ کے انحراف کو نظر انداز کر دینا اور غلط سمت پر نماز پڑھنا مسلمانوں کے قلوب میں خطرات اور وساوس پیدا کرنے اور استقبال قبلہ کی وقعت کو گھٹانے کا موجب ہوگا، اس لیے مسجد میں صحیح سمت کے نشان قائم کر کے ہی نماز ادا کرنی چاہیئے، ہاں یہ صحیح ہے کہ ادا شدہ نمازوں کا اعادہ لازم نہیں۔ (کفایت المفتی: ١٣٧/٣)

حضرت اقدس فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب سے ایک ایسی مسجد کے متعلق جس کا انحراف اٹھارہ ڈگری ہی تھا اور جو مشکل آپ نے سوال میں لکھی ہے، اسی کے حل کے لیے انہوں یہ تفاوت روا رکھا تھا، پوچھا گیا۔ اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

آپ کی لکھی ہوئی تین صورتوں میں سے نقشہ نمبر دو کے موافق نماز ادا کرنا بلا شبہ درست ہے، اگر چہ صفیں ٹیڑھی ہی ہوں گی، مگر رخ صحیح ہوگا، اس لیے کہ یہ ٹیڑھا پن کمرہ کی تعمیر کے لحاظ سے ہے، قبلہ کے رخ کے لحاظ سے نہیں، سو اس میں مضائقہ نہیں۔ نقشہ نمبر ایک اور نمبر تین کی صورت میں کمرہ کے اعتبار سے تو صفیں سیدھی ہیں، ٹیڑھی نہیں، لیکن قبلہ کا رخ برابر نہیں، اگر چہ اتنا فرق نہیں کہ بالکل سمت قبلہ باقی نہ رہے، اور نماز کو قطعاً فاسد قرار دیا جائے، لیکن قصداً اتنا فرق بھی نہ کیا جائے، اس سے بھی بچنا چاہیئے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ٢٥٩/١٢)

آپ نے محراب تعمیر کرتے وقت مذکورہ بالا ہدایت و احتیاط کا لحاظ نہیں کیا، اور آج جب کہ اس کے مفاسد سامنے آرہے ہیں تو پریشان ہو رہے ہیں، اور جو حضرات اپنی انفرادی نمازوں میں صحیح سمت پر رخ کرنے کا اہتمام کر رہے ہیں، ان پر فتنہ بھڑکانے کا الزام دے رہے ہیں، آپ کا یہ رویہ کتنا مبنی بر انصاف ہے وہ آپ ہی بتلائیں؟ خصوصاً جب

کہ آپ کی مسجد کا انحراف ۳۵؍ڈگری ہے، تو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مدظلہم کے فتویٰ کے بموجب تو نماز ہی نہیں ہوگی۔ اس لیے آپ ہی صفوف کا رخ سمت قبلہ کی طرف درست فرما کر لوگوں کی نماز کو متفق علیہ طریقہ پر صحیح بنانے کی فکر کیجیے اور فتنہ کا دروازہ کھول کر مسلمانوں میں افتراق پیدا ہو، اس سے پہلے ہی فتنہ کی جڑ کاٹ دیجیے۔

فقط و اللّٰہ تعالیٰ أعلم (محمود الفتاویٰ: ۱؍۴۲۷-۴۳۰)

ربع دائرہ تک سمت کا اختلاف مضر نہیں:

سوال: پنجاب میں مساجد کی تعمیر کے وقت قبلہ قطب ستارہ سے شمال قائم کر کے اس پر زاویہ قائم کر کے مغرب بناتے ہیں اور ہر مسجد میں سمت کعبہ ٹھیک مغرب کی جانب قائم ہوتی ہے، میرا خیال ہے کہ جب مسلمان حملہ آور اور مبلّغ سب سے پہلے ہندوستان میں سندھ آئے، تو سورت کی قریب کی بندرگاہ پر اترے جہاں پہلے بت کدۂ ہند میں مسجد کی تعمیر ہوئی، سورت میں یا وہاں کے قریب تو مسجد کی یہ سمت عین مغرب میں درست ہے، لیکن شمالی ہند میں مسجدوں کا رخ سمت کعبہ نہیں رہتا، اس کا کیا انتظام کیا وے، شہر گجرات میں مسجدوں کا بذریعہ کمپاس سمت کا امتحان لیا گیا، تو سب میں فرق نکلا، کسی میں کم درجہ کا فرق تھا، کسی میں زیادہ، تین مساجد بھی تو قریباً تیس مساجد میں سے ایک سمت میں نہیں، اس کے لئے حضور کی رائے اور شرعی مسئلہ دریافت طلب ہے، کیا یہ غلطی علما کی کسی کمیٹی سے ہوئی یا مسلمانوں نے ایک دوسرے کی تقلید میں یہ غلطی ہر جگہ کی۔ فقط

الجواب

ربع دائرہ سے کم اختلاف مضر نہیں، سب کی نماز ہو جاتی ہے۔

دوسرا خط پہلے خط کے سلسلہ میں:

جواب مندرجہ بالا میں کیا جناب کا فتویٰ ذاتی خیال پر مبنی ہے، یا اس کی تائید کسی کتاب کے حوالہ سے بھی ہو سکتی ہے؟

الجواب

فی رد المحتار: وعبارة الدرر هكذا: وجهتها أن يصل الخط الخارج من جبين المصلي إلى الخط المار بالكعبة على استقامة بحيث يحصل قائمتان ... (إلیٰ قوله)... ويؤيده ما قال في الظهيرية: إذا تيامن أو تياسر تجوز؛ لأن وجه الإنسان مقوس، الخ.

وفيه: ولا يلزم أن يكون الخط الخارج على استقامة خارجًا من جبهة المصلي بل منها أو من

جوانبها كما دل عليه قول الدررمن جبين المصلى،فإن الجبين طرف الجبهة وهما جبينان.

وفيه: ولايخفٰى أن أقوى الأدلة النجوم،والظاهر أن الخلاف فى عدم اعتبارها إنما هوعند وجود المحاريب القديمة،إذ لايجوزالتحرى معها كما قدمناه؛لئلا يلزم تخطئة السلف الصالح وجماهير المسلمين،بخلاف ما إذاكان فى المفازة فينبغي وجوب اعتبارالنجوم ونحوها فى المفازة لتصريح علمائنا وغيرهم بكونها علامة معتبرة،آه. (باب شروط الصلاة،مبحث فى استقبال القبلة: ۴۲۸/۱ ـ ۴۳۱)(۱)

یہ سب عبارات میرے دعوی پر کافی وواضح دلیلیں ہیں کہ ربع دائرہ سے کم اختلاف مضرنہیں۔ فقط

بقیۃ السوال: ہمارے یہاں گورنمنٹ نے ایک احاطہ مسجد کے لئے وقف کیا تھا جوقبلہ رونہیں،لیکن اس میں ربع دائرہ سے بہت کم یعنی بقدرایک بٹے چھ حصہ دائرہ کے فرق ہوسکتا ہے،کیا وہاں مسجد بنادی جائے ،کیونکہ قبلہ روکرنے میں چاروں طرف سے ٹکڑے کاٹ دینے سے رقبہ آدھارہ جاتا ہے،اگراس طرح مسجد بنانے میں اعتراض نہ ہوتو مسجد بہت کشادہ ہوسکتی ہےاورضرورت کی سب چیزیں بن سکتی ہیں۔

الجواب

اوپر کی گنجائش،بنی ہوئی مساجد کے لئے مذکورہوتی ہے،تاکہ جمہورمسلمین کا تخطیہ لازم نہ آئے،لیکن قصداً مسجد منحرف بنانا جس میں مفسدہ مذکورہ یعنی تخطیہ سے زیادہ مفاسد ہیں۔

جیسے:افتراق بين المسلمين وإطالة لسان معترضين وجسارت عوام على الخروج عن الحدود واستخفاف حدود أمثالها خلاف مصلحت ہے۔(۲)

نظيره ما مرمن عدم اعتبارالنجوم فى المساجد القديمة وفى اعتبارها فى المفاوز.(۳)

ان مفاسد کے مقابلہ میں رقبہ کا کم ہوجانا اہون ہے،یہ میری رائے ہے،بہتر ہوکہ دوسرے حضرات اہل علم سے بھی مشورہ کرلیا جاوے۔

کتبہ اشرف علی

۲۶ رجب ۱۳۵۶ھ ۔(النور،صفحہ:۹،شعبان ۱۳۵۷ھ)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۲۱۷ ـ ۲۱۹)

(۱) دررالحكام شرح غررالحكام،باب شروط الصلاة: ۶۰/۱.انيس

(۲) یعنی قصداً مسجد منحرف بنانا خلاف مصلحت ہے۔

(۳) رد المحتار،كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،مبحث فى استقبال البقلة: ۴۲۹/۱ ـ ۴۳۰ ـانيس
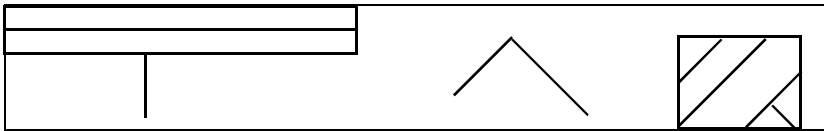
مسجد کی ظاہری خوب صورتی برقرار رکھنے کے لئے ۴۵ ڈگری منحرف کر دینا:

سوال: انگلینڈ میں اکثر مساجد، مکانات یا فیکٹریاں خرید کر بنائی گئی ہیں، جن میں سے اکثر میں قبلہ سے تھوڑا بہت انحراف ہے، اس ملک میں مسلمان نئے آباد ہوئے ہیں، اس لئے یہاں پرانی مساجد نہیں ہیں، اب اکثر شہروں میں نئی مساجد بنائی گئی ہیں، جو کہ ۱۳۰ رڈگری جنوب مشرق کے قبلہ رخ پر بنائی گئی ہیں، ہمارے شہر میں دو نئی مسجد اور یہاں سے ۴۵ رمیل دور یورپ کا تبلیغی مرکز ہے، اس کی مسجد بھی ۱۳۰ رڈگری جنوب مشرق قبلہ رخ پر بنائی گئی ہے، یہاں اس ملک میں تقریباً سب علماءِ کرام کا اس ڈگری قبلہ رخ پر اتفاق ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے محلّہ میں پہلے مکانات میں نماز با جماعت ادا کرتے تھے، ان سب میں ۱۳۰ رڈگری پر نماز با جماعت ادا کی جاتی رہی، اس ڈگری پر تقریباً پندرہ سال ہم نے نماز ادا کی، اب اسی سڑک اور اسی محلّہ میں جہاں گزشتہ کئی برسوں سے مکان میں جماعت ہوتی رہی، ایک بڑی فیکٹری خرید کر مسجد بنائی ہے، جس میں تقریباً ایک ہزار آدمی با جماعت نماز ادا کر سکتے ہیں، جبکہ مکان میں صرف پچاس ساٹھ آدمیوں کی گنجائش تھی، موجودہ جگہ میں مسجد کی خوب صورتی قائم رکھنے کے لئے پہلے قبلہ رخ سے تقریباً ۴۵ رڈگری جنوب کی طرف انحراف کر دیا ہے، اس انحراف قبلہ کی وجہ سے محلّہ کے کچھ لوگ متفق نہیں ہیں۔

آپ تفصیل سے تحریر فرمائیں کہ قبلہ سے کتنی ڈگری انحراف کی گنجائش ہے؟ کیا صرف مسجد کی خوبصورتی کو قائم رکھنے کے لئے ۴۵ رڈگری کے انحراف قبلہ میں نماز ادا ہو جائے گی؟

نیچے دیئے گئے نقشہ میں پہلی جگہ اور موجودہ جگہ کے قبلہ رخ کو ملاحظہ فرمائیں، پہلے مکان اور موجودہ جگہ میں نمازیوں کی صفوں کی ترتیب اور رخ سرخ پنسل سے دکھایا گیا ہے، پہلا مکان اور موجودہ مسجد ایک ہی سڑک پر ہیں، اس وقت موجودہ مسجد میں تقریباً ایک سو آدمی نماز پڑھتے ہیں، جبکہ گنجائش ایک ہزار نمازیوں کی ہے، براہِ کرم اس مسئلہ کا جواب اردو اور گجراتی زبان میں آسان الفاظ میں تحریر فرما کر مشکور فرمائیں، ان شاء اللہ آپ کا فتویٰ اس ملک کے لئے، آنے والے زمانہ کے لئے دلیل ہوگا۔ نقشہ:

پہلا قبلہ رخ 130 ڈگری

175 ڈگری

موجودہ قبلہ رخ جنوب کی طرف 175 ڈگری

سڑک

130 ڈگری جنوب مشرق

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا و مسلمًا

وہ ممالک اور مقامات جہاں مساجدِ قدیمہ موجود نہ ہوں، وہاں شرعی طریقہ جو سلف سے ثابت ہے، یہ ہے کہ شمس و قمر اور قطب وغیرہ کے مشہور اور معروف ذرائع سے اندازہ قائم کر کے سمتِ قبلہ متعین کی جائے، اگر اس میں معمولی میلان اور انحراف بھی رہے تو اس کو نظر انداز کیا جائے، اس لئے کہ ان بلادِ بعیدہ میں تحری اور اندازہ سے قائم کردہ جہت ہی قائم مقام کعبہ ہے اور اسی پر احکام کا مدار ہے۔

بخلاف ما إذا كان في المفازة فينبغي وجوب اعتبار النجوم ونحوها في المفازة لتصريح علماء نا وغيرهم بكونها علامة معتبرة، فينبغي الاعتماد في أوقات الصلاة وفي القبلة، علىٰ ما ذكره العلماء الثقات في كتب المواقيت، وعلىٰ ما وضعوه لها من الآلات كالربع والاصطرلاب فإنها إن لم تفد اليقين تفد غلبة الظن للعالم بها، وغلبة الظن كافية في ذلك. (ردالمحتار: ۳۱۷/۱، باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة)

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں مساجدِ قدیمہ موجود نہ ہوں، وہاں آلاتِ رصدیہ اور حساباتِ ریاضیہ سے کام لینا جائز، بلکہ ماہر وواقف کے لئے ضروری ہے کہ دیگر علامات ونشانات کے بجائے ان آلات سے کام لے؛ اس لئے کہ محض تحری اور تخمینہ کے مقابلہ میں ان آلات کے ذریعہ زیادہ ظن غالب حاصل ہوگا۔

حسبِ تصریح فقہا عین کعبہ سے ۴۵ ؍ڈگری کا انحراف مفسدِ صلوٰۃ نہیں۔

فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهو الذي يبقى معه الوجه أو شيء من جوانبه مسامتًا لعين الكعبة أو لهوائها، بأن يخرج الخط من الوجه أو من بعض جوانبه ويمر على الكعبة أو هوائها مستقيمًا، ولا يلزم أن يكون الخط الخارج على استقامة خارجًا من جبهة المصلي بل منها أو من جوانبها. (ردالمحتار: ۱/ ۳۱٦، باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة)

البتہ ایک قول کے مطابق عین کعبہ کی دونوں جانب ۲۴-۲۴ ؍ڈگری انحراف جائز ہے، یعنی مفسدِ صلوٰۃ نہیں، اس سے زیادہ جائز نہیں، لیکن اس کو احتیاط پر محمول کیا گیا ہے۔

وقال أبو منصور: ينظر إلىٰ أقصر يوم في الشتاء وإلىٰ أطول يوم في الصيف، فيعرف مغربيهما ثم يترك الثلثين عن يمينه والثلث عن يساره ويصلي فيما بين ذلك وهذا استحباب والأول للجواز. آه. (منحة الخالق حاشية البحر الرائق: ۳۰۱/۱)

آپ کے یہاں جب سمت قبلہ کے ۱۳۰ ؍درجہ جنوب مشرق ہونے پر علما متفق ہیں، اسی کے مطابق جدید مساجد بھی

تعمیر ہورہی ہیں اوراب تک کاعمل بھی اسی کے مطابق ہے، اب محض مسجد کی ظاہری خوبصورتی کو قائم رکھنے کے لئے اس کا رخ ۴۵ / درجہ تک منحرف کر دینا بالکل نا مناسب ہے، اگر چہ ۴۵ / درجہ کا انحراف بقول مفتی بہ انحراف معفو عنہ کی آخری حد ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا دوسرے قول (جس کواحوط قرار دیا گیا ہے) کے مطابق نماز صحیح نہیں ہوتی، اور نماز جیسی اہم اور عظیم عبادت میں احتیاط کا پہلو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اسی لئے مسجد حرام میں صرف حطیم کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی، تو فریضہ ادا نہ ہوگا، جبکہ طواف میں حطیم کو بھی شامل کر لینا ضروری ہے۔ (ہدایہ: ۱/۲۲۱) دیکھئے نجاست غلیظہ کی قدر درہم مقدار معاف ہے، یعنی اس کے ہوتے ہوئے نماز صحیح ہو جاتی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ اس کے ازالہ پر قدرت ہونے کے باوجود اس کو باقی رکھتے ہوئے نماز پڑھی جائے، بلکہ فقہا تصریح فرماتے ہیں کہ اس طرح نماز مکروہ ہوگی۔

البحر الرائق میں ہے:

ومراده من العفو صحة الصلاة بدون إزالته لا عدم الكراهة لما في السراج الوهاج وغيره إن كانت النجاسة قدر الدرهم تكره الصلاة معها إجماعًا وإن كانت أقل وقد دخل في الصلاة نظر إن كان في الوقت سعة فالأفضل إزالتها واستقبال الصلاة وإن كانت تفوته الجماعة. (۱/۱٤۰)

ظاہری خوبصورتی کے مقابلہ میں معنوی و باطنی خوبصورتی کا لحاظ مقدم ہے، سمت قبلہ کا مستقیم ہونا محاسن باطنیہ میں سے ہے؛ اس لئے صورت مسئولہ میں سمت قبلہ کو درست کر لینا چاہئے۔ **فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم**

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری۔ ۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ۔ (محمود الفتاویٰ: ۱/۴۵۲۔۴۵۶)

سمت قبلہ میں ۱۸/ ڈگری کا فرق ہو تو کیا کیا جائے:

سوال: ہم انگلینڈ کے وسلالیڑ شہر کے۔ جولندن سے ۱۰۰/ میل کے فاصلہ پر ہے۔ باشندے ہیں، وہیں سے یہ مسئلہ پوچھ رہے ہیں، یہ قبلہ کے سلسلہ میں اختلاف ہونے کی وجہ سے نقشہ کے ساتھ درج ذیل خلاصہ پیش کر کے جواب کے لیے گزارش کرتے ہیں، امید ہے کہ منسلک نقشہ کے مطابق جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں گے۔

شکل اول: اس صورت میں جب ہم (ہوکالینگ) آلۂ رصد یہ دیکھتے ہیں، تو ۱۸/ ڈگری تفاوت ظاہر ہوتا ہے۔

شکل دوم: دوسری شکل نقشہ کے مطابق نماز پڑھیں تو قبلہ کا رخ (آلۂ مذکور سے) تو صحیح ہو جاتا ہے، مگر صفوں کو ٹیڑھی کرنا پڑتا ہے۔ جس سے نمازیوں کے لیے بھی تنگی ہو جاتی ہے۔

شکل سوم: اس میں صفیں بھی سیدھی ہو جاتی ہیں اور نمازیوں کے لیے سہولت بھی ہو جاتی ہے، مگر رہی (پہلی خرابی

کہ)۱۸ر ڈگری تفاوت قبلہ سے نقشہ کے مطابق عمل کریں گے۔

نقشہ نمبر:۱۔

۱۸ر ڈگری

کمرے میں قبلہ کا رخ سیدھا آتا ہے۔
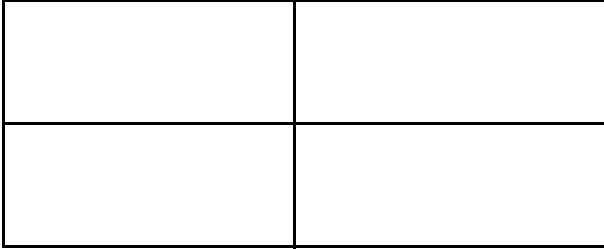
آلہ رصدیہ سے متعین کیا ہوا قبلہ

امام صاحب کی جگہ
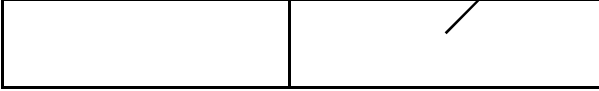
نقشہ نمبر:۲۔

اسی طرح ایک ہی صف پوری اور سیدھی آتی ہے اور باقی دوسری صف ادھوری رہتی ہے۔

۱۸ر ڈگری

نقشہ نمبر:۳۔

۱۸ر ڈگری کے تفاوت کرنے کی وجہ سے سیدھی صف رکھنے سے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جس مقام پر زمانہ قدیم کی مساجد نہ ہوں اور قواعد شرعیہ کے موافق قبلہ کا رخ معین کرنے والے مسلمان بھی نہ ہوں ، چاند، سورج، ستاروں کو دیکھ کر بھی واقف کار مسلمان رخ متعین کر سکتے ہوں اور آلات رصدیہ کے ذریعہ قلب کو اطمینان حاصل ہو جائے، تو اسی طرح رخ متعین کر کے اس کے موافق نماز ادا کرتے رہیں۔(۱)

(۱)　وتعرف بالدليل،وهوفي القرى والأمصار محاريب الصحابة والتابعين،وفي المفاوزوالبحارالنجوم كالقطب،وإلا فمن الأهل العالم بها". (الدرالمختار)

"فينبغي الاعتماد في أوقات الصلاة وفي القلبة،علىٰ ماذكره العلماء الثقات في كتب المواقيت،وعلىٰ ما وضعوه لهامن الآلات كالربع والاصطرلاب،فإنها إن لم تفد اليقين تفد غلبة الظن للعالم بهاوغلبة الظن كافية ". (رد المحتار، كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة: ۱/ ۴۳۰ ـ ۴۳۱ ،سعيد)

آپ کی لکھی ہوئی تین صورتوں میں سے نقشہ نمبر:۲ کے موافق نماز ادا کرنا بلا شبہ درست ہے، اگر چہ صفیں ٹیڑھی ہی ہونگی، مگر رخ صحیح ہوگا، اس لیے کہ یہ ٹیڑھا پن کمرہ کی تعمیر کے لحاظ سے ہے، قبلہ کے رخ کے لحاظ سے نہیں، سو اس میں مضائقہ نہیں۔(۱)

نقشہ نمبر ا، اور ۳ کی صورت میں کمرہ کے اعتبار سے تو صفیں سیدھی ہیں ٹیڑھی نہیں، لیکن قبلہ کا رخ برابر نہیں، اگر چہ اتنا فرق نہیں کہ بالکل سمت قبلہ باقی نہ رہے اور نماز کو قطعاً فاسد قرار دیا جائے۔ لیکن قصداً اتنا فرق بھی نہ کیا جائے، اس سے بھی بچنا چاہئے۔ ردالمحتار، ج ا میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۹/۵/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۳۲-۵۳۴) ☆

---

(۱) "(و)السادس (استقبال القبلة) ... (فللمكي) ... (إصابة عينها) ... (ولغيره) ... (إصابة جهتها)بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتًا للكعبة أولهوائها". (الدرالمختار علىٰ صدر ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۲۷-۴۲۸، رشيدية)

(۲) فيعلم منه أنه لوانحرف عن العين انحرافًا لاتزول منه المقابلة بالكلية جاز، ويؤيده ما قال في الظهيرية: إذا تيامن أوتياسر تجوز؛ لأن وجه الإنسان مقوس؛ لأن عند التيامن أو التياسر يكون أحد جوانبه إلى القبلة، الخ. فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهوالذي يبقى معه الوجه أوشيء من جوانبه مسامتًا لعين الكعبة أولهوائها". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۲۸-۴۳۰، سعيد)

والمسئلة واضحة وحاصلها إذا تحقق خروجه عن الجهة بالكلية لايجوزاعتماده إجماعًا و إذالم يخرج عنهاجازاعتماده وإن كان فيه انحراف قليل يجوزعند الحنفية ولايجوزعند الشافعية. (الفتاوى الخيرية علىٰ هامش الفتاوىٰ الحامدية: ۱/۱۷، بولاق مصر. انيس)

☆ ۲۵/درجہ شمال منحرف مسجد کا حکم:

سوال: ہمارے یہاں ایک مسجد ہے، جو خط استواء سے ۳۵/درجہ شمال کی جانب منحرف ہے۔ معارف مدنیہ میں لکھا ہے" کعبہ سے ۲۴/درجہ انحراف تک بلا کراہت نماز درست ہوتی ہے"۔ لہذا میرے خیال میں اس مسجد میں نماز بلا کراہت درست ہوگی اور ہمارے یہاں ایک دوسرے صاحب ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ مسجد ۳۴/درجہ منحرف شمار کی جائے گی اور اس میں نماز مکروہ ہوگی۔ تو حضرت والا سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد کو ۳۴/درجہ منحرف شمار کی جائے گی، یا ۱۴/درجہ (یہاں کے عرض البلد ۲۴)۔

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

ظاہر تو یہی ہے کہ اس مسجد میں نماز مکروہ نہیں۔ (وتعرف بالدليل، وهوفي القرى والأمصارمحاريب الصحابة والتابعين، وفي المفاوزوالبحارالنجوم كالقطب، وإلا فمن الأهل العالم بها". (الدرالمختار)

"فينبغي الاعتماد في أوقات الصلاة وفي القبلة، علىٰ ماذكره العلماء الثقات في كتب المواقيت، وعلىٰ ما وضعوه لها من الآلات كالربع والاصطرلاب، فإنها إن لم تفد اليقين تفد غلبة الظن للعالم بها، وغلبة الظن كافية". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۳۰-۴۳۱، سعيد) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۷/۷/۱۳۹۹ھ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۳۵)

قبلہ سے ۲۷/درجہ انحراف کی وجہ سے جماعتِ ثانیہ کے داعی کا حکم:

سوال: ہم نے مسجد کے لیے ایک جگہ آج سے ۵/سال پہلے خریدی تھی، اُس میں سمت قبلہ ذرا بائیں جانب کی طرف مائل تھا، محراب بنانے سے قبل ہم نے کئی بار کمپاس کے ذریعے دیکھا کہ اگر صفوں کو سیدھا کر دیا جائے، تو تقریباً ۲۷/درجہ کا فرق آتا ہے، علمائے کرام سے مشورہ لے کر ہم نے اس وقت قبلہ سیدھا کر دیا اور مسلسل ۵/سال سے پانچ وقتوں کی نمازیں مع جمعہ وعیدین وغیرہ اِس قبلہ کی طرف ہورہی، اب ایک صاحب نے یہ مسئلہ کھڑا کیا کہ قبلہ ٹیڑھا کیا گیا ہے؛ اِس لیے وہ اسی مسجد کے تہہ خانے میں دوسری جماعت باقاعدہ ۵/وقتی نماز کے علاوہ جمعہ وعیدین بھی ادا کریں گے، اور اُنہوں نے علی الاعلان اشتہار وغیرہ دے کر لوگوں کو فتنہ برپا کرنے کی غرض سے ابھارا بھی ہے، مگر ابھی تک وہ صاحب اپنی کوشش میں ناکام رہے ہیں، مگر اُن کی اِس فتنہ بازی سے مصلیوں کی تعداد میں باقاعدہ نمازوں میں عموماً اور جماعت وغیرہ میں کافی اثر پڑا۔

اس لیے مندرجہ ذیل مسائل میں آپ سے جوابات درکار ہیں، امید قوی ہے کہ آپ جوابات سے نوازیں گے:

(۱) مسجد مذکورہ میں محراب سمت قبلہ سے تقریباً ۲۷/درجہ کا فرق ہے، تو کیا ایسی صورت میں نماز صحیح ہوجاتی ہے کہ نہیں؟

(۲) ایک جماعت کے ہوتے ہوئے اُسی مسجد میں دوبارہ جماعت کی تشہیر اور دعوت دینا کیسا ہے؟

(۳) اس فتنہ بازی کرنے پر اگر ہم مذکور صاحب کو مسجد میں آنے سے روک دیں، تو شریعت مطہرہ میں کہاں تک گنجائش ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا و مسلمًا

(۱) فقہا کی تصریح کے بموجب عین کعبہ سے پینتالیس (۴۵) درجے تک بھی انحراف ہوجائے، تو استقبال فوت نہیں ہوتا اور نماز صحیح ہوجاتی ہے۔

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب کا اِس مسئلہ پر مستقل رسالہ ''سمتِ قبلہ'' کے نام سے موجود ہے، جو آپ کی تالیف ''جواہر الفقہ'' حصۂ اول کا ایک جزء ہے، اُس کا مطالعہ ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔

(۲) جس مسجد میں باقاعدہ پابندیٔ وقت کے ساتھ جماعت ہوتی ہو اس میں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے، اور مکروہ کی دعوت اور تشہیر موجبِ گناہ ہے۔

(۳) اس آدمی کو نرمی اور محبت سے سمجھا کر اس سے باز رکھا جائے، اِس پر بھی باز نہ آئے تو کوئی ایسی تدبیر عمل میں لائی جاسکتی ہے جس کے نتیجہ میں اُس کو باز رکھا جاسکے، بشرطیکہ خود وہ تدبیر باعثِ فتنہ نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/شعبان ۱۴۱۲ھ۔ الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ (محمود الفتاویٰ: ۴/۱۹۷-۱۹۸)

مسجد کے سمت قبلہ میں معمولی فرق ہوتو نماز کا حکم:

سوال: مسجد کے قبلہ درست ہونے میں لوگوں کو شک ہے، حالانکہ مسجد کا رخ آلہ کی مدد سے بنایا گیا ہے۔اگر مسجد میں کجی ہوتو نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

محض شک کوئی چیز نہیں ہے،(۱) اور اگر معمولی کجی ہوتو شرعاً اس مسجد میں نماز درست ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالصمد رحمانی۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۹۰) ☆

---

(۱) الیقین لایزول بالشک.(الأشباه والنظائر: ۱۰۰)

(۲) "فعلم أن الانحراف الیسیر لایضر،وهوالذی یبقی معه الوجه أوشیء من جوانبه مسامتًا لعین الکعبة أولهوائها".(رد المحتار،باب شروط الصلاة،مبحث فی استقبال القبلة: ۲/۱۱۱)

قبلہ جہت کعبہ ہے، عین کعبہ نہیں،توجہ کا مطلب یہ ہے کہ مصلی کے چہرہ سے کوئی خط جہت کعبہ کے خط کو چھوتا ہو،بعض علمانے اس کی تقدیر کعبہ کے دونوں سمت ۲۴۔۲۴ ڈگری تجویز کی ہے،بعض علمانے ہر دو جانب ۳۶۔۳۶/ڈگری اور بعض لوگوں نے ۴۵۔۴۵/ڈگری۔امام غزالی نے ۴۵/ڈگری کے قول کو ترجیح دی ہے۔

راقم الحروف کے نزدیک ۳۶ ڈگری کا قول،قول وسط ہے،۴۵ ڈگری کے قول میں گردن سے نکلنے والے خط کو بنیاد تصور کرتے ہوئے مواجہہ تسلیم کیا گیا ہے۔۳۶/ڈگری اصل چہرہ کے دونوں کنارے کا مواجہہ اور ۲۴ ڈگری میں دونوں آنکھوں کے کنارے سے نکلے ہوئے خط کا اعتبار کیا گیا ہے۔[مجاہد]

☆ قبلہ سے معمولی انحراف:

سوال: ہمارے یہاں ایک مسجد ہے جس کی لمبائی ساڑھے نوگز ہے، چوڑائی پونے چارگز ہے،جس میں یہ مسجد قبلہ کے رخ سے تین ہاتھ ہٹی ہے، اُتر (''اُتر'': شمال'' (فیروز الغات:۶۳، فیروزسنز لاہور) کی طرف دیوار کو جب پچھم (پچھم: مغرب،وہ سمت جدھر سورج ڈوبتا ہے''۔(فیروز الغات:۲۸۱، فیروزسنز لاہور) تین ہاتھ لی جائے،تب اس کا رخ صحیح ہوگا اور جہت میں سے دکھن (دکھن: جنوب کی سمت'')(فیروز الغات:۶۳۲، فیروزسنز لاہور) قبلہ سے رخ زیادہ ہٹائے،تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

معمولی فرق سے نماز خراب نہیں ہوگی،البتہ اگر بجائے مغرب کے شمال یا جنوب کا رخ ہوجائے تو نماز نہیں ہوگی۔(لایجوز لأحد أداء فریضة ولا نافلة...إلا متوجهًا إلی القبلة ... ومن کان خارجًا عن مکة،فقبلته جهة الکعبة.(الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاة،الفصل الثالث فی استقبال القبلة: ۱/۶۳، رشیدیة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۵/۱۳۹۵ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۳۶)

بجانب قبلہ بعض مواجہت قبلہ ہوتو نماز فاسد نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندہ کو معلوم نہیں تھا کہ قبلہ سے سینہ پھر کر نماز فاسد ہوجاتی ہے، اب بے علمی کی وجہ سے سینہ قبلہ سے پھر گیا، نصف یا نصف سے زیادہ یعنی کم از کم کتنا سینہ قبلہ سے پھر جائے جس سے نماز فاسد ہوجاتی ہو؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: اکرام الحق نشتر آباد، راولپنڈی۔۱۶/ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ)

الجواب

اگر بعض مواجہت باقی ہوتو نماز فاسد نہیں ہوتی ہے اور جب مواجہت بالکلیہ فوت ہو جائے تو نماز فاسد ہوتی ہے۔یدل علیه ما فی رد المحتار: ۱/۳۹۸۔(۱) فقط (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۲۰۔۲۲۱)

اگر مسجد کی محراب سمت قبلہ پر درست نہ ہوتو کیا کیا جائے:

سوال: مسجد میں بنائی گئی محراب قبلہ سے ۲۰/ڈگری منحرف ہے، اسی حال میں پانچ سال ہوئے نماز ادا کرتے رہے، اب کیا صرف محراب بدل دیں یا محراب اور مسجد کو از سر نو بنائیں؟

الجواب

بہتر تو یہ ہے کہ محراب درست کرلی جائے، تاکہ نمازی بلا انحراف صحیح سمت قبلہ کا استقبال کریں، جب تک محراب درست نہ ہوتو بیس ڈگری تک انحراف کی گنجائش ہے، جو نمازیں پڑھی جاچکی ہیں؛ وہ صحیح ہوگئیں۔(۲)

(آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۲۴۳)

---

(۱) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: وسيأتي في المتن في مفسدات الصلاة أنها تفسد بتحويل صدره عن القبلة بغير عذر، فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهوالذى يبقىٰ معه الوجه أوشيء من جوانبه مسامتًا لعين الكعبة أولهوائها، بأن يخرج الخط من الوجه أومن بعض جوانبه ويمرعلى الكعبة أوهوائها مستقيمًا، ولايلزم أن يكون الخط الخارج على استقامة خارجًا من جبهة المصلى بل منها أومن جوانبها، كما دل عليه قول الدرر من جبين المصلى فإن الجبين طرف الجبهة وهما جبينان، وعلىٰ ماقررناه يحمل ما فى الفتح و البحر عن الفتاوىٰ من أن الانحراف المفسد أن يجاوز المشارق إلى المغارب آه. فهذا غاية ماظهرلى فى هذا المحل، و الله تعالىٰ أعلم. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث فى استقبال القبلة: ۱/۳۱۶۔۳۱۷)

(۲) فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهوالذى يبقى مع الوجه أوشيء من جوانبه مسامتًا لعين الكعبة أ ولهوائها، بأن يخرج الخط من الوجه أو من بعض جوانبه ويمرعلى الكعبة أوهوائها مستقيمًا، الخ. (رد المحتار: ۱/۴۳۰، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث فى استقبال القبلة)

مغرب کے رخ پر بنائی گئی قدیم مساجد کا حکم:

سوال: اکثر دینی صحیفوں میں ہم نے پڑھا اور دیکھا ہے کہ قبلہ یعنی کعبۃ اللہ ہمارے ملک ہندوستان کے مغرب میں واقع ہے، رخ کی صریحاً تشریح مذکورہ کتب میں نہیں بتائی گئی، ہاں جغرافیہ اور سائنس سے ٹھیک ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے جنوبی ہند کے ٹھیک ''شمال، مغرب'' میں کعبہ واقع ہے اور آج کل کعبہ شریف کا رخ پہچاننے کا مصنوعی آلہ آچکا ہے، جس سے ٹھیک رخ پہچانا جاتا ہے۔

غرض جنوبی ہند کے اکثر قدیم مساجد جو تقریباً سو سال قبل کبھی تعمیر کی گئی ہیں، ٹھیک مغرب کے رخ پر ہی بنائی گئی ہیں اور آج بھی اسی رخ پر نمازیں پڑھی جارہی ہیں، اسلاف کے بزرگوں اور دینداروں کو رخ کعبہ کا ٹھیک پتہ نہ تھا اور انہوں نے اپنی کتب میں ''کعبہ ہند سے مغرب جانب میں واقع ہوتا ہے'' کے الفاظ پر عمل کیا ہے۔ اس لحاظ سے ساری مسجدیں طرف مغرب پر تعمیر کی گئی ہیں۔ مگر اب کے علما مسجدوں میں ٹیڑھی صفیں بنانے کو ترجیح دے کر صفیں بالکل ٹیڑھی ہی بنادی ہیں۔ لہذا ہمارے اسلاف جنہوں نے مسجدیں تعمیر کرائی ہیں، لوگ اب ان کی بے حرمتی اور بدنامی کے علاوہ ان پر بڑا عیب اور دھبہ لگارہے ہیں۔ اس سلسلہ میں سوال یہ ہے کہ سابق اور اسلاف کے نیک بزرگوں اور ہماری نمازیں اب تک کی کیا ہوئیں، آخر اس کا حل کیا ہے؟

اور قدیم مسجدیں کیا کی جائیں؟ آج کل یہ نیا انقلاب فساد کے نمونہ پر پہنچا ہے، کیا کریں؟　(احمد سعید عفی عنہ)

الجواب ــــــــــــــــ و باللہ التوفیق

جو قدیم مسجدیں ٹھیک مغرب رخ پر بنائی گئی ہیں، تمام نمازیں بلا شبہ ان سب مسجدوں میں درست ہیں۔ نہ صف ٹیڑھی کرنے کی ضرورت ہے اور نہ مسجد کی عمارت گرانے یا بگاڑنے کی ضرورت ہے۔ قبلہ کا رخ مغرب واقع ہونے کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ ہندوستان کا قبلہ بین المغربین ہے اور وہ ان تمام قدیم مساجد میں حاصل ہے۔

ہاں جس مسجد کا رخ بین المغربین نہ ہو، اس کا قبلہ درست کرلینا چاہیے۔

اور بین المغربین واقع ہونے کا یہ مفہوم ہے کہ!

سب سے بڑے دن میں مسجد کے جس رخ پر آفتاب غروب ہوتا ہو، اس کے صحن میں آفتاب اور مسجد کے اتری کنارہ کے بیچ میں ایک نشان لگادیں۔ پھر اسی طرح سب سے چھوٹے دن میں آفتاب، مسجد کے جس رخ پر غروب ہوتا ہے۔ مسجد کے دکھنی کنارہ اور آفتاب کے بیچ میں اتنے ہی فاصلہ پر ایک نشان لگادیں جتنے فاصلہ پر اتری نشان لگایا تھا، پھر دونوں نشانوں کے درمیان ایک مستقیم خط کھینچ دیں۔ پس اگر یہ خط اور مسجد کے مغربی دیوار کا خط متوازی

ہو،تو قبلہ بین المغر بین حاصل ہے اور نماز بلا شبہ درست ہے۔(۱) اتنے دور دراز ملکوں میں عین قبلہ کی مواجہہ شرط نہیں ہوتی، بلکہ جہت قبلہ کی مواجہت فی الجملہ بھی کافی ہوجاتی ہے۔

لقوله تعالیٰ: ﴿وَحَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَکُمْ شَطْرَهٗ﴾(۲) فقط واللّٰہ أعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۶/۱۲/۱۴۰۱ھ۔(منتخبات نظام الفتاویٰ:۱/۲۱۲-۲۱۳)

غلط سمت پر بنی ہوئی مسجد کے قبلہ کو درست کرنا:

سوال: ایک پرانی مسجد کی جدید تعمیر کے سلسلے میں قطب نما سے دیکھا جاتا ہے،تو آٹھ فٹ کا فرق قبلہ میں آرہا ہے،کیا ایسی صورت میں سابقہ بنیاد پر جدید تعمیر کرلی جائے، یا قطب نما سے قبلہ درست کرنا ضروری ہے۔

(۲) کتنے فٹ کے فرق سے انحراف سمجھا جائے گا اور نماز درست نہیں ہوگی؟ فٹ کی تعیین فرمائیں۔

(۳) فتویٰ کے نہ ماننے والے یا پس پشت ڈالنے پر شریعت کیا حکم لگاتی ہے اور ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۴) فتویٰ کی موجودگی میں فتویٰ کے خلاف فیصلہ کرنا کیسا ہے اور اس فیصلے کو نہ ماننا کیسا ہے؟

(۵) مسجد کی جدید تعمیر میں دو فریق کا اختلاف ہے،تیسرا آدمی اس کے علاوہ اس مسجد کو بنوا سکتا ہے یا نہیں؟ یا اسی فریق میں سے کچھ آدمی بنوا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجو اب ——————— حامداً و مصلیاً

(۱) دیدہٴ ودانستہ انحراف کے ساتھ تعمیر ہرگز نہ کی جائے، ہوسکتا ہے کہ ابتداءً سابقہ مسجد بنانے کے وقت پورا لحاظ قبلہ کا نہ ہوسکا ہو،کوئی ذریعہ صحیح علم کا نہ ہو،اب جبکہ صحیح علم کا ذریعہ موجود ہے، دیگر مساجد کو بھی دیکھ لیا جائے،قطب نما سے بھی اندازہ کرلیا جائے تب تعمیر کی جائے۔(۳)

---

(۱) عن أبی هریرة قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: "ما بین المشرق و المغرب قبلة". (سنن الترمذی:۲/۱۷۱، أبواب الصلاة،رقم الحدیث:۳۴۲-۳۴۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اہل مدینہ کے لئے ارشاد فرمایا ہے؛ کیونکہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ سے جہت جنوب میں ہے،اس حدیث سے واضح ہوجاتا ہے کہ دور والوں کے لئے جہت کعبہ کا استقبال ہی کافی ہے۔

(۲) سورة البقرة:۱۵۰۔

(۳) "(و) السادس (استقبال القبلة)... (فللمکی)... (إصابة عینها)... (و لغیره)... (إصابة جهتها) بأن یبقی شیء من سطح الوجه مسامتًا للکعبة أو لهوائها (إلیٰ قوله) وتعرف بالدلیل، وهو فی القری والأمصار محاریب الصحابة والتابعین، وفی المفاوز والبحار النجوم کالقطب آه". (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث فی استقبال القبلة: ۱/۴۲۷-۴۲۸، سعید)

(۲) قصداً بالکل انحراف نہ کیا جائے، صحیح علم نہ ہونے کی صورت میں شمال اور جنوب کی قوس بنا کر نصف قوس تک انحراف ہو گیا، تو بھی نماز کو درست کہا جائے گا، (۱) مسجد بڑی یا چھوٹی ہونے سے اس انحراف میں بھی فرق ہو سکتا ہے، فٹ کی تعیین دشوار ہے۔

(۳) یہ تو اس بات پر موقوف ہے کہ فتویٰ کا صحیح حال معلوم ہو کہ واقعۃً وہ حکم شرعی موافق ہے یا نہیں؟ اور فتویٰ کو نہ ماننے والے کا علم ہو کہ ہو وہ فقہ وفتویٰ میں کس قدر تجربہ وبصیرت رکھتا ہے اور یہ بات بھی سامنے آئے کہ فتویٰ کو نہ ماننے اور پس پشت ڈالنے کی وجہ کیا ہے، تب اس کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔

یہ بات معلوم ہونے کے بعد کہ فتویٰ عین شریعت کے مطابق ہے، اس کو نفسانی تقاضہ کے تحت نہ ماننا اور پس پشت ڈالنا خطرناک ہے، (۲) جب تک ایسا شخص اپنی اس حرکت پر نادم ہو کر با قاعدہ شرعی توبہ نہ کرے، وہ امامت کا مستحق نہیں۔ (۳) اگر شرعی دلائل کی روشنی میں وہ فتویٰ غلط ہے، تو وہ اس قابل ہے کہ دلائل کے ساتھ اس کی تردید کردی جائے۔

(۴) اس کا جواب نمبر: ۳ سے واضح ہے۔

(۵) یا تو فریقین آپس میں اتفاق کرلیں یا کسی کو اپنا ثالث وحکم بنا لیں تاکہ نزاع ختم ہو جائے، اگر کسی دوسرے شخص نے مسجد کو بنایا اور جس فریق کے خلاف وہ تعمیر ہوئی، اس نے اس کو غلط قرار دیکر منہدم کیا، تو اور فتنہ بڑھے گا، یا اس نے نماز ہی ترک کردی، یہ بھی مستقل موجب انتشار ہے۔ (۴)

---

(۱) "فيعلم منه أنه لو انحرف عن العين انحرافاً لاتزول منه المقابلة بالكلية، جاز، ويؤيده ما قال في الظهيرة: إذا تيامن أو تياسر تجوز، لأن وجه الإنسان مقوس؛ لأن عند التيامن أو التياسر يكون أحد جوانبه إلى القبلة. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة: ۴۹۵/۱-۴۹۶، رشيدية)

(۲) "إذا جاء أحد الخصمين إلٰى صاحبه بفتوى الأئمة، فقال صاحبه: ليس كما أفتوا، أوقال: لانعلم بهذا، كان عليه التعزير" (الفتاوى الهندية، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، منها مايتعلق بالعلم والعلماء: ۲۷۲/۲، رشيدية)

(۳) "(ويكره) ... (إمامة عبد) ... (وأعرابي) ... (وفاسق وأعمى)". (الدر المختار)

"(قوله وفاسق) ... وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا ونحو ذلك". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۵۹/۱-۵۶۰، سعيد)

(۴) قال الله تعالٰى: ﴿وَلاَ تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ، وَاصْبِرُوْا، إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ﴾. (سورة الأنفال: ۴۶)

عن معاذ بن جبل رضي الله تعالٰى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "إن الشيطان ذئب الإنسان كذئب الغنم، يأخذ الشاة القاصية، فإياكم والشعاب، وعليكم بالجماعة والعامة والمسجد". (مسند الإمام أحمد ابن حنبل رحمه الله تعالٰى (رقم الحديث: ۲۱۵۲۴): ۷۰/۶، دارإحيا التراث العربي، بيروت)

اگر چہ کوئی فریق یا غیر فریق مسجد کو شرعی طریقہ پر تعمیر کر دے گا، تب بھی وہ مسجد ہو جائے گی اور اس میں نماز پڑھنا درست ہوگا۔(۱) بہر حال فتنہ وانتشار سے پرہیز کرنا بہت ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۲۹-۵۳۲) ☆

جدید مسجد کی سمت قبلہ میں تردد:

سوال: حاجی عبدالرشید، مستری عبدالعزیز، حاجی رفیق احمد، ماسٹر شاہد حسین، منشی اختر حسین نے ایک مشورہ ۱۹۶۹ء میں مسجد بنانے کے لیے کیا، اور کمیٹی کی تشکیل کر کے ۲/ ہزار مربع گز زمین خرید کر مسجد بنانی شروع کر دی، جو

---

(۱) حتى إنه إذا بنى مسجدًا وأذن للناس بالصلاة فيه ، فصلى فيه جماعة ، فإنه يصير مسجدًا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۳۹، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه، كراچی)

☆ **پرانی مسجد کا رخ اگر صحیح نہ ہو، تو اس میں نماز ہوگی یا نہیں:**

سوال: ہم لوگ ساکنان نکما شاہ قصبہ شیر کوٹ ایک مدت دراز سے اپنی مسجد میں نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں، مسجد بہت پرانی اور ہماری یاد سے پہلے کی ہے، فی الحال یہ بات چلی کہ مسجد کا رخ غلط ہے، بذریعہ قطب نما اس کی جانچ کی گئی، تو اصل میں مسجد قطب نما کی رو سے ۲/ فٹ کا فرق ہے، مطلب یہ کہ مسجد کا شمالی سرا ۲/ فٹ، ۶/ انچ پچھم کی طرف ہونا چاہئے، یا پھر دکھنی سرا ۲/ فٹ مشرق کی طرف ہونا چاہئے۔

دریافت طلب یہ ہے کہ ایسی مسجد میں نماز ہوگی یا نہیں، اور جو نمازیں اس میں پڑھی گئی ہیں، ان کا حل کیا ہے؟ بہت چھوٹی مسجد ہے جس میں صرف اندر ایک جماعت ہوسکتی ہے، آٹھ ہاتھ لمبی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجوابــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

اب قطب نما کے ذریعہ وہاں صفوں کے نشان صحیح رخ پر لگا دیئے جائیں اور ان نشانوں کے موافق جماعت کھڑی ہو کر نماز پڑھا کرے۔ ”(و)السادس (استقبال القبلة)...(فللمكي)...(إصابة عينها)...(ولغيره)...(إصابة جهتها) بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتًا للكعبة أولهوائها الخ وتعرف بالدليل، وهو في القرى والأمصار محاريب الصحابة والتابعين، وفي المفاوز والبحار النجوم كالقطب آه“. (الدرالمختار) (قوله كالقطب) هو أقوى الأدلة، وهو نجم صغير في بنات نعش الصغرى بين الفرقدين والجدي، إذا جعله الواقف خلف أذنه اليمنىٰ كان مستقبلا القبلة إن كان بناحية الكوفة وبغداد وهمدان“. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة: ۱/۴۲۷-۴۳۰، سعيد) تمام مسجد کو توڑنے کی ضرورت نہیں ہے اور وسعت بھی نہیں ہے، جو نمازیں اب تک پڑھی گئی ہیں، ان کا اعادہ لازم نہیں ہے۔(کیونکہ موجودہ انحراف اتنا نہیں ہے کہ سمت قبلہ کی حد معین سے باہر ہو: ”فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهو الذي يبقى معه الوجه أو شيء من جوانبه مسامتًا لعين الكعبة أولهوائها“. (أيضًا: ۱/۴۳۰، سعيد) فقط والله تعالىٰ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۵/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۴۱)

(اسی طرح کا ایک اور مسئلہ فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۴۰، میں درج ہے۔ انیس)

تھوڑے ہی دنوں میں پائے تکمیل کو پہنچی، جس مسجد کا نام مسجد نبی کریم رکھا گیا، جو ۱۹۷۰ء میں چالو ہوگئی، یعنی نماز پڑھنی شروع کردی گئی۔

محلّہ کا ایک شخص جس کا نام عبدالشکور ہے، اس نے ایک شبہ ڈالا کہ مسجد کا رخ صحیح نہیں ہے؛ جس پر مدرسہ محمودیہ سروٹ سے عالموں کو دعوت دی گئی، جس میں؛ ۱: مولانا نثار احمد مہتمم مدرسہ محمودیہ سروٹ۔ ۲: مفتی شکیل احمد صاحب۔ ۳: مولانا نصیب الدین صاحب۔ ۴: مولانا مہربان صاحب۔ ۵: مولانا ظریف احمد صاحب۔ ٦: قاری عابد صاحب۔ ۷: قاری محمد مصطفیٰ صاحب۔ ۸: حافظ محمد عمر صاحب۔ ۹: حاجی صغیر احمد صاحب انصاری وائس چیئرمین میونسپل بورڈ اور بہت سے لوگ شامل تھے، کمیٹی ہذا کی موجودگی میں محلّہ کی سب مسجد چیک کی پھر مسجد نبی کریم بھی چیک کی؛ جس میں تین قطب نما تھے۔

علماء دین نے چیک کرنے کے بعد فیصلہ دیا کہ مسجد کا رخ ٹھیک ہے، کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ ضلع مظفرنگر کی مسجد قطب نما کے پوائنٹ ۹ سے دس تک آتی ہے؛ سب ٹھیک ہے، اس نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ مسجد کا رخ غلط ہے۔ اس کے باوجود مستری عبدالشکور ماننے کے لیے تیار نہیں ہے، جبکہ موقع پر مفتی شکیل احمد مفتی مرادآباد موجود تھے، جنہوں نے فتویٰ دیا کہ ٹھیک ہے، لیکن وہ اپنی ضد پر ہے۔ کیا ۹/ پوائنٹ سے دس پوائنٹ تک مسجد کا رخ ٹھیک مانا جاتا ہے یا نہیں؟

(۲) جبکہ مندرجہ بالا مسجد کا مندرجہ بالا عالموں نے فیصلہ دیا تو مستری عبدالشکور صاحب کا نہ ماننا اور افواہیں پھیلانے کا فعل کیسا ہے اور کس حد تک پہنچتا ہے؟

(۳) مندرجہ بالا عالموں کی رائے کے مطابق مستری عبدالشکور کی پیروی کرنے والا شخص شرعاً سزا کا مستحق ہے یا نہیں؟

(۴) عالموں کی رائے کے خلاف بولنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

متدین اہل علم اور اہل تجربہ نے معائنہ کیا، قطب نما سے دیکھا، دیگر مساجد سے بھی رخ کو ملایا اور اس مسجد کے رخ کو صحیح بتا کر نماز کو اس میں صحیح قرار دیا تو اس کو تسلیم کرلینا چاہئے، بلا دلیل شرعی کے انکار کا حق نہیں، (۱) اگر معمولی فرق بھی ہو تب بھی مسجد کو نہ گرایا جائے، سمت قبلہ میں توسع ہے (۲) موسم سردی اور موسم گرمی میں جہاں جہاں سورج غروب

---

(۱) فينبغي الاعتماد في أوقات الصلاة وفي القبلة، علىٰ ماذكره العلماء الثقات في كتب المواقيت، وعلىٰ ما وضعوه لها من الآلات كالربع والاصطرلاب، فإنها إن لم تفد اليقين تفد غلبة الظن للعالم بها، وغلبة الظن كافية في ذلک". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة: ۱/ ۴۳۱، سعيد)

(۲) "فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهوالذی يبقى معه الوجه أوشيء من جوانبه مسامتاً لعين الكعبة أولهوائها". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة: ۱/ ۴۳۰، سعيد)

ہوتا ہے ان دونوں جگہوں کے درمیان نماز پڑھنے سے بھی نماز ادا ہو جاتی ہے،(۱) اب تفرقہ نہ پیدا کیا جائے،(۲) اور جن حضرات نے دیکھ کر رخ کو صحیح بتایا ہے، ان پر اعتماد کیا جائے، صحت نماز کی ذمہ داری انہوں نے لی ہے اور وہ خود جواب دہ ہوں گے۔(۳)

جو شخص صحیح شرعی فتوے کو تسلیم نہ کرے، اس کو سزا دینے کی آج قوت نہیں ہے، اس کو نرمی اور شفقت سے فہمائش کی جائے، وہ نہ مانے تو اس کا ساتھ نہ دیا جائے۔(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۳۸/۵-۵۳۹) ☆

---

(۱) "الأول أن ينظر في مغرب الصيف في أطول أيامه ومغرب الشتاء في أقصر أيامه، فليدع الثلثين في الجانب الأيمن والثلث في الأيسر والقبلة عند ذلك، ولو لم يفعل هكذا وصلى فيما بين المغربين يجوز". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة: ٤٣٠/١، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾ (سورة الأنفال: ٤٦)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أفتىٰ بغير علم كان إثمه علىٰ من أفتاه". (سنن أبي داؤد، باب التوقي في الفتيا (ح: ٣٦٥٧)/ جامع بيان العلم وفضله (ح: ١٦٢٥) انيس)

(۴) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب علىٰ أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ فيجوز فوق ذلك ... فإن هجرة أهل الهواء والبدع واجبة علىٰ ممرّ الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح شرح المشكوة، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول: ٧٥٨/٨، رشيدية)

قال الشيخ: فيه من العلم أن تحريم الهجرة بين المسلمين أكثر من ثلاث إنما هو فيما يكون بينهما من قبل عتب وموجدة أو لتقصير يقع في حقوق العشرة ونحوها دون ما كان من ذلك في حق الدين فإن هجرة أهل الأهواء والبدعة دائمة على مر الأوقات والأزمان ما لم تظهر منهم التوبة والرجوع إلى الحق وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم خاف على كعب وأصحابه النفاق حين تخلفوا معه في غزوة تبوك فأمر بهجرانهم وأمرهم بالقعود في بيوتهم نحو خمسين يوماً على ما جاء في الحديث إلى أن أنزل الله سبحانه توبته وتوبة أصحابه فعرف رسول الله صلى الله عليه وسلم براء تهم من النفاق. (معالم السنن، ومن باب مجانبة أهل الأهواء وبغضهم: ٢٩٦/٤/ وكذا في الكاشف عن حقائق السنن للطيبي، باب ما ينهى عنه: ٣٢٠٩/١٠. انيس)

☆ سمت قبلہ کی تعیین وانحراف:

سوال: ایک مسجد جامع ہے، جو تقریباً ایک سوتیس برس کی تعمیر شدہ ہے، آج کل اس میں بوجہ تنگی نمازیوں کو سخت تکلیف ہو رہی تھی، مسجد ہذا کو بغرض توسیع و تعمیر جدید منہدم کرایا گیا، پہلی بنیاد سے اسے سیدھی کرنے میں اتر کا مغربی گوشہ تین ہاتھ پچھم جانب بڑھایا گیا اور دکھن کا مشرقی گوشہ تین ہاتھ پورب (''پورب: مشرق، سورج نکلنے کی جگہ''۔ (فیروز الغات: ۳۰۸، فیروز سنز لاہور) ہٹایا گیا، مگر پھر بھی قطب سے کچھ فرق رہ گیا۔ ==

صفوں کا قبلہ کی جانب سے ٹیڑھا بچھانا:

سوال: مسجد کا پیش امام مسجد میں صفیں غیر رخ بچھاتا ہے، اگر کوئی مقتدی صف کو درست کرتا ہے تو خفا ہوتا ہے، اور کہتا ہے کہ صفیں درست ہیں، مگر صفیں بالکل ٹیڑھی ہوتی ہیں، جس کا خاکہ یہ ہے۔

اس حالت میں نماز میں کراہیت تو نہیں ہوگی؟

== کوئی صورت ایسی نہیں ہوسکتی جو قطب سے بالکل سیدھی کی جاسکے، بہت بڑا کنواں مسجد کی بنیاد میں پڑ رہا تھا۔ ایسی صورت میں مسجد ہذا میں شرعاً کوئی نقص نماز کی ادائیگی وغیرہ میں وقوع پذیر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور قطب کو تعمیر مسجد میں شرعاً کیا حیثیت حاصل ہے، قبلہ رخ جو معتبر ہے جس کو فقہا نے "بين الفرقدين والجدى" لکھا ہے، (**قوله كالقطب) هو أقوى الأدلة، وهو نجم صغير في بنات نعش الصغرى بين الفرقدين والجدى**" (**ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة: ٤٣٠/١، سعيد**) اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

اتنے معمولی فرق سے نماز میں نقصان نہیں آتا۔ ("**فعلم أن الانحراف اليسير لا يضر، وهو الذى يبقى معه الوجه أو شىء من جوانبه مسامتاً لعين الكعبة أو لهوائها**". (**ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة: ٤٣٠/١، سعيد**)

تاہم اگر دوبارہ تعمیر سے اصلاح نہ ہوسکی، تو صفوف کے نشان صحیح طور پر مسجد میں لگا دیئے جائیں اور ان کے موافق رخ صحیح کرلیا جائے، پھر مسجد کو گرا کر از سرِ نو تعمیر کرنے کی ضرورت نہیں۔ سمت معلوم کرنے کی بہت سی علامات فقہا نے لکھی ہیں، قطب بھی ایک دلیل ہے، بلکہ اقوی الادلہ ہے، اہل ہند سے قبلہ کا رخ عامۃً جانب مغرب میں ہے۔ ("**فقبلة أهل المشرق إلى المغرب عندنا**. (**الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في فرائض الصلاة وواجباته: ٤٢٣/١، إدارة القرآن، كراچی**)

پس اگر سردی و گرمی میں جس جگہ آفتاب غروب ہوتا ہے، اس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی جائے، تو نماز صحیح ہوجائے گی، یعنی دونوں موسموں کے جائے غروب کے درمیان کا حصہ جہت کعبہ ہے، یہی مطلب ہے۔ "**بين الفرقدين والجدى**" کا۔

قال الشامي: (قوله كالقطب): هو أقوى الأدلة، وهو نجم صغير في بنات نعش الصغرى بين الفرقدين والجدى إذا جعله الواقف خلف أذنه اليمنىٰ كان مستقبلا القبلة إن كان بناحية للكوفة، وبغداد، وهمدان، الخ". (**ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة: ٤٣٠/١، سعيد) فقط والله سبحانه تعالىٰ أعلم**

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ٥٣٦/٥، ٥٣٧)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

صورت مذکورہ میں نماز تو سب کی ہو جاتی ہے، مگر امام کا بلاوجہ صفیں ٹیڑھی بچھانا اور اس پر اصرار کرنا موجب نقصان صلوٰۃ ہے اور باعث تشویش قوم۔ لہذا اس کو اس لغو حرکت سے احتراز کرنا چاہئے۔

قال فی الخلاصة فی القبلة: المختار أنه ینظر إلیٰ غروب الشمس فی أقصر یوم فی الشتاء و إلی الغروب فی أطول یوم فی الصیف فیجعل ثلثی ذلک عن یمینه والثلث عن یساره ویصلی فیما بین ذلک. (۱/ ۷۰)

۲۲ رر رمضان ۱۳۴۱ھ۔ (امدادالاحکام: ۲/ ۱۲۴)

ریل گاڑی وغیرہ میں قبلہ کے مسائل

ریل میں نماز کے اندر استقبال قبلہ کی بحث:

سوال: شخصے راکب ریل است، لیکن از باعث تحویل الواح ریل عن القبلۃ اگر مستقبل قبلہ بودہ نماز می خواند، پس ارکانِ صلوٰۃ مثل قیام وقعود ورکوع وسجود بروے متعسّر ومتعذر می شوند واگر بقیام ورکوع وسجود نماز می گذارد تا استقبال قبلہ از وے فوت می شود، پس دریں صورت کدام فرض را ترک نمودہ بکدام طریق تعمیل درزد یعنی محول عن القبلۃ بودہ بدیگر طرف مستقبل شدہ برکوع وسجود ادا نماید یا مستقبل قبلہ گردید بایماء نماز بخواند؟(۱)

الجواب

اگر کسے درریل نماز فرض خواند، پس استقبال قبلہ وقیام ورکوع وسجود وغیرہ جملہ ارکان صلوٰۃ ادا کردن ضروری است محض از سواری ریل استقبال ساقط نمی شود؛ چرا کہ باوجود تحویل الواح بہ قدرے دقت وتکلف استقبال ممکن است، اگر بلا مجبوری ترک استقبال کرد نماز جائز وادا نمی شود، واگر مستقبل قبلہ بودہ نماز شروع کرد ودرحالت صلوٰۃ سمت قبلہ مبدل گردد، پس مصلی را ضروری است کہ آں ہم متوجہ قبلہ بودہ نماز تمام کند کہ جملہ ارکان صلوٰۃ ادا شوند، ومصلی ریل را در نماز فرض قعود قطعاً جائز نیست، ودر صلوٰۃ نفل جائز است، البتہ اگر فی الحقیقت ہجوم ایں قدر باشد کہ حرکت رکوع وسجود ممکن نیست ونیز بر صلوٰۃ از خارج ریل قادر نیست، بلا استقبال وبلا قیام ادا کند۔(۲) وایں صورت نادر است۔(۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۴۶) ☆

---

(۱) خلاصۂ سوال: ایک شخص ریل پر سوار ہے، لیکن ریل کے قبلہ سے منحرف ہونے کی وجہ کر اگر قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے تو نماز کے ارکان مثل قیام، قعود، رکوع اور سجود اس کے لئے دشوار ہوتے ہیں اور اگر قیام، رکوع اور سجود کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے تو استقبال قبلہ اس سے فوت ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں کس فرض کو چھوڑ کر کس طریقے پر عمل کرے یعنی قبلہ سے منحرف ہوکر دوسری طرف رخ کر کے رکوع اور سجود کے ساتھ نماز ادا کرے یا قبلہ کی طرف رخ کر کے اشارے سے نماز پڑھے؟ انیس

(۲) (من تعذر علیہ القیام) أی کلہ (لمرض) حقیقی، الخ (أو) حکمی بأن (خاف زیادتہ أو بطأ برئہ بقیامہ أو دوران رأسہ أو وجد لقیامہ ألمًا شدیدًا) الخ (صلّٰی قاعدًا). (الدرالمختار علٰی ھامش ردالمحتار، باب صلاۃ المریض: ۱/۷۰۸-۷۰۹، ظفیر)

(۳) (و المربوطۃ بلجۃ البحر إن کان الریح یحرکھا شدیدًا فکالسائرۃ وإلا فکالواقفۃ) ==

ٹرین، ہوائی جہاز، اور پانی کے جہاز میں نماز ادا کرنے اور استقبال قبلہ کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ!

ٹرین میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو کیا استقبالِ قبلہ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ نیز ہوائی جہاز اور پانی کے جہاز میں بھی نماز ادا کرنا درست ہے یا نہیں اور قبلہ رخ ہونا ضروری ہے؟

== ویلزم استقبال القبلة عند الافتتاح و کلما دارت.(الدرالمختار)

(قوله ویلزم استقبال القبلة،الخ)أی فی قولهم جمیعًا.بحر .وإن عجز عنه یمسک عن الصلٰوة.إمداد عن مجمع الروایات.ولعله یمسک مالم یخف خروج الوقت لما تقرر من أن قبلة العاجز جهة قدرته،وهذا کذلک وإلا فما الفرق فلیتأمل.(رد المحتار،باب صلاة المریض،مطلب فی الصلاة فی السفینة:١/٤١٧،ظفیر)

خلاصۂ جواب: اگر کوئی شخص ریل میں فرض نماز پڑھے تو نماز کے تمام ارکان (استقبال قبلہ، قیام، رکوع، اور سجدہ وغیر) کا ادا کرنا ضروری ہے، محض ریل کی سواری کی وجہ سے استقبال قبلہ ساقط نہیں ہوگا؛ کیوں کہ ریل گاڑی کے گھومنے کے باوجود تھوڑی سی دقت وتکلیف کے ساتھ استقبال قبلہ ممکن ہے، اگر بغیر مجبوری کے استقبال قبلہ ترک کیا تو نماز جائز ودرست نہ ہوگی اور اگر قبلہ رو ہو کر نماز شروع کی اور نماز ہی کی حالت میں قبلہ تبدیل ہوگیا تو نمازی کے لیے ضروری ہے کہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز مکمل کرے؛ تاکہ نماز کے تمام ارکان ادا ہو جائیں اور ریل میں نماز پڑھنے والے لیے فرض نماز میں بیٹھنا بالکل جائز نہیں ہے اور نفل نماز میں جائز ہے، البتہ اگر ہجوم واژدحام اس قدر ہو کہ رکوع وسجدہ کرنا ممکن نہ ہو اور ریل سے باہر بھی نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو تو بغیر استقبال قبلہ اور بلا قیام نماز ادا کرسکتا ہے اور یہ صورت تو شاذ ونادر ہے۔ انیس

☆ ریل میں استقبالِ قبلہ حتی الوسع ضروری ہے:

سوال: بنگال کی ریل میں نماز میں قبلہ کی طرف کھڑا ہونا ممکن نہیں اور جس جگہ ممکن ہے وہاں جائے قیام وسجدہ میں گرد وغبار ہوتا ہے، وہاں قیام فرض ہے یا نہیں؟

الجواب

ریل میں نماز پڑھنے میں حتی الوسع کھڑے ہو کر نماز پڑھنا چاہئے۔ (والفرائض الباقیة من الست هی القیام الخ لقوله تعالٰی: "وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِیْنَ".(غنیة المستملی:٢٥٤)

(ومنها القیام)...(فی فرض)...(لقادرعلیه).(الدرالمختار)(قوله لقادرعلیه)فلوعجزعنه حقیقةً وهوظاهر أوحکمًا کما لوحصل له به ألم شدید أوخاف زیادة المرض الخ فإنه یسقط الخ.(ردالمحتار،باب صفة الصلاة،بحث القیام:١/٤١٤-٤١٥،ظفیر)

اور قبلہ رخ ہونا ضروری ہے۔ ((و)السادس (استقبال القبلة)حقیقةً أوحکمًا کعاجز،والشرط حصوله لا طلبه الخ.(الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار،باب شروط الصلاة،مبحث فی استقبال القبلة:١/٣٩٦،ظفیر)

اور جگہ کا وہم نہ کرنا چاہئے، غایت یہ کہ کوئی پاک کپڑا اچھا لیا جاوے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:٢/١٥٠)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ہاں ریل میں بھی نماز پڑھنے کا حکم ہے، (۱) البتہ اگر یقین ہو کہ وقتِ نماز باقی رہتے ہوئے فلاں جگہ اتنی

(۱) ریل میں نماز ادا کرنا جائز ہے، اس لیے کہ ریل مثل سریر موضوع علی الارض کے ہے۔

(وإن لم يكن طرف العجلة على الدابة جاز)لو واقفة لتعليلهم بأنها كالسرير. (الدر المختار)

قال الشامی تحت قوله(لو واقفة): كذا قيده فی شرح المنية ولم أره لغيره، يعنی إذا كانت العجلة على الأرض ولم يكن شیء منها على الدابة، وإنما لها حبل مثلاً تجرها الدابة به تصح الصلاة عليها؛ لأنها حينئذٍ كالسرير الموضوع على الأرض، ومقتضى هذا التعليل أنها لو كانت سائرة فی هذه الحالة لا تصح الصلاة عليها بلا عذر وفيه تأمل؛ لأن جرها بالحبل وهي على الأرض لاتخرج به عن كونها على الأرض، ويفيده عبارة التا تارخانية عن المحيط. وهی: لو صلى على العجلة، إن كان طرفها على الدابة وهي تسير تجوز فی حالة العذر لا فی غيرها، وإن لم يكن طرفها على الدابة جازت، وهو بمنزلة الصلاة على السرير اهـ فقوله وإن يكن الخ يفيد ما قلنا؛ لأنه راجع إلىٰ أصل المسئلة، وقد قيدها بقوله "وهی تسير" ولو كان الجواز مقيدا بعدم السير لقيده به فتأمل. (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب فی القادر بقدرة غيره: ۴۷۱/۱)

اگر چہ ٹرین میں نماز پڑھنے والے کو یہ امید ہو کہ وقت کے باقی رہتے ہوئے نیچے اتر کر نماز پڑھ سکتا ہے، تب بھی ریل میں پڑھنا جائز ہوگا؛ کیونکہ عذر نماز کے ابتدائے وقت میں معتبر ہے، اگر چہ اخیر وقت میں عذر کے زائل ہو جانے کی امید ہو۔

تنبيه: بقی شیء لم أرمن ذكره، وهو أن المسافر إذا عجز عن النزول عن الدابة لعذر من الأعذار المارة وكان علىٰ رجاء زوال العذر قبل خروج الوقت كالمسافر مع ركب الحاج الشريف، هل له أن يصلی العشاء مثلاً على الدابة أو المحمل فی أول الوقت إذا خاف من النزول، أم يؤخر إلىٰ وقت نزول الحجاج في نصف الليل لأجل الصلاة؟

والذی يظهر لی الأول، لأن المصلي إنما يكلف بالأركان والشروط عند إرادة الصلاة والشروع فيها، وليس لذلک وقت خاص، ولذا جاز له الصلاة بالتيمم أول الوقت وإن كان يرجو وجود الماء قبل خروجه، وعللوه بأنه قد أداها بحسب قدرته الموجودة عند انعقاد سببها، وهو ما اتصل به الأداء اهـ. ومسئلتنا كذلک. (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب فی القادر بقدرة غيره: ۴۷۱/۱)

لیکن ایسی حالت میں انتظار کرنا آخر وقت استحباب تک مستحب ہوگا۔

(وندب لراجيه) رجاءً قوياً (اٰخر الوقت) المستحب، ولو لم يؤخر وتيمم وصلى جاز إن كان بينه وبين الماء ميل وإلا لا". (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار: ۱۶۶/۱، باب التيمم، مطلب فی الفرق بين الظن وغلبة الظن)

نیز اگر کھڑے ہو کر پڑھنا بھی کسی عذر کی بنا پر ناممکن ہو، تو بیٹھ کر پڑھنا درست ہے۔

(...أو وجد لقيامه ألمًا شديدًا)...(صلى قاعدًا)...(كيف شاء) على المذهب. (الدر المختار، باب صلاة المريض) (صلى الفرض في فلک) جارٍ (قاعدًا بلا عذر صح) لغلبة العجز (وأساء) وقالا: لا يصح إلا بعذر وهو الأظهر، برهان. (الدر المختار مع ردالمحتار: ۵۱۱/۱، باب صلاة المريض، مطلب فی الصلاة فی السفينة)

اور اگر کسی مجبوری مثلاً کثرت اژدہام کی بنا پر بیٹھ کر رکوع، سجود بھی ناممکن ہو، تو پھر اشارۂ سر سے نماز پڑھے۔

(وإن تعذرا)...(أومأ)...(قاعدًا)...(ويجعل سجوده أخفض من ركوعه). (الدر المختار مع الشامی، باب صلاة المريض: ۵۰۱/۱) (مرتب)

دیر ٹھہرے گی کہ اتنی دیر میں نماز پڑھ سکوں گا، تو اس وقت تک مؤخر کر دے، اور اگر مسافر شرعی ہے، تو کم از کم فرض و وتر پڑھ لیا کرے۔

ریل کے اندر ہی اگر پڑھنا پڑے تو تحریمہ باندھتے وقت قبلہ رخ کا پتہ لگالے، خواہ قطب نما کے ذریعہ یا کسی مسلمان سے پوچھ لے۔ پھر نماز شروع کر دے اور پڑھ لے؛ کیونکہ ٹرین جلدی جلدی اتنا رخ نہیں بدلتی کہ مواجہت فی الجملہ بھی فوت ہو جائے، ہاں جہاں ایسا ہو وہاں ذرا ٹھہر کر شروع کرے۔

اسی طرح ہوائی جہاز میں اور پانی کے جہاز میں بھی مذکورہ بالا طریقوں سے جہت قبلہ وغیرہ معلوم کر کے نماز ادا کریں۔

ہوائی جہاز پر بھی نماز جائز ہوتی ہے، جس طرح ریل وغیرہ کی سواری میں جائز ہوتی ہے؛ اس لیے کہ ''وضع الجبهة على الأرض'' میں ارض کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں، بلکہ بطور عموم مجاز کے وہ چیز مراد ہے جس پر پیشانی ٹک سکے۔ اس عموم مجاز کا ایک فرد سطح ارض بھی ہے اور ایک فرد ریل میں سجدہ وغیرہ کی جگہ بھی ہے، پس جس طرح چلتی ہوئی کشتی میں پانی پر ہونے کے باوجود سجدہ کی جگہ ایسی ہوتی ہے کہ اس پر سجدہ کیا جا سکتا ہے، اسی طرح ریل پر اور ہوائی جہاز پر ہر جگہ ایسی جگہ ہوتی ہے جس پر پیشانی رک جاتی ہے، خواہ بلا واسطہ یہ جگہ ہو جیسا زمین پر نماز پڑھنے میں یا کشتی میں یا پانی کے جہاز میں اور ہوا میں پرواز کی حالت میں جب کہ قبلہ متعین معلوم ہو سکے خواہ قوی سے یا کسی معتمد کے بتانے سے نیز جہاز بھی بالواسطہ زمین قرار دیا جائے گا جس طرح سمندری جہاز کا زمین پر ہونا بالواسطہ شمار کر کے علما نے اس پر جواز صلوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی صرف ہوائی جہاز سے ایک واسطہ زمین اور جہاز کے درمیان ہوا کا بڑھ جائے گا، پس جو دلائل اس جہاز پر جواز صلوٰۃ کے ہیں وہی دلائل یہاں بھی رہیں گے، کیونکہ ہوا بھی مثل پانی کے ایک جسم قوی ہے صرف پانی کی طرح دکھائی نہیں دیتی۔(۱)

(۱)　**ہوائی جہاز میں نماز کے جواز کی تفصیلی بحث:**

اڑتے ہوئے نماز یں یعنی فرائض و واجبات ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض حضرات عدم جواز کی طرف گئے ہیں، اور ان کا مستدل یہ ہے کہ سجدہ کے معنی ہیں: ''وضع الجبهة على الأرض'' یعنی سجدہ کے تحقق کے لیے چہرے کا زمین پر رکھنا شرط ہے، اور یہ قید ہوائی جہاز میں نماز پڑھنے کی بنا پر فوت ہو جاتی ہے، لہٰذا اگر کسی نے ہوائی جہاز میں نماز ادا کی، تو واجب الاعادہ ہوگی۔ ان کے بالمقابل دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا درست ہے، اور على الأرض کی قید کوئی منصوص نہیں ہے کہ مسئلہ کی بنیاد ہی اس پر رکھ دی جائے، بلکہ چونکہ سجدہ کی یہی عام کیفیت ہوتی ہے، اس لیے یہ معنی سجدہ کے اہل لغت نے بیان کر دیئے، اور یہ کہنا ہوگا کہ جیسے رکوع ایک خاص رکن ہے، اسی طرح سجدہ بھی ایک خاص رکن ہے اور ان کی ادائیگی کی صورتیں ہر مکان کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ ہوں گی، چونکہ سجدہ عام طور پر زمین پر ہی پیشانی ٹیک کر کیا جاتا ہے، اس لیے ''الأرض'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

شریعت کا اصل منشاء یہ ہے کہ سجدہ کرنے کے لیے کوئی ایسی چیز ہو جس پر پیشانی ٹک سکے، جس طرح کشتی میں نماز ادا کرنا جائز ہے، حالانکہ کشتی اور زمین کے درمیان بے پناہ پانی کا فاصلہ ہوتا ہے۔　==

سمندری جہاز کشتی کے حکم میں ہے، اور کشتی مثل دابہ کے ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، صاحب ہدایہ وغیرہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کو مثل دابہ کے نہیں سمجھتے، اور اس میں نماز بلا عذر جائز ہے۔(۱)

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔ الجواب صحیح حبیب الرحمٰن خیر آبادی (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۱۹۷-۲۰۱)

== حاصل کلام یہ ہے کہ زمین کی طرح ہوائی جہاز پر بھی نماز ادا کرنا درست رہے گا اور اعادہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ چنانچہ شیخ عبدالرحمٰن جزری نے ہوائی جہاز کو پانی کے جہاز کا حکم دیا ہے، موصوف فرماتے ہیں:

"ومثل السفينة القطر البخارية والطائرات الجوية ونحوها" (الفقه على المذاهب الأربعة: ۱/۲۰٦)

مزید فقہی عبارات ملاحظہ ہوں:

قال العلامة القهستاني في شرح مختصر الوقاية: والسجود: لغةً الخضوع، وشرعًا وضع الجبهة على الأرض و غيرها. انتهٰى. (جامع الرموز، فصل فرضها: ۱/۷۹. انيس)

وفي البحر شرح الكنز تحت قوله وكره بأحدهما أوبكور عمامة: والأصل أنه كما يجوز السجود على الأرض يجوز علىٰ ما هو بمعنى الأرض مما تجد جبهته حجمه وتستقر عليه، و تفسير وجدان الحجم أن الساجد لو بالغ لايتسفل رأسه أبلغ من ذلك، انتهى. (البحر الرائق، آداب الصلاة: ۱/۳۳۷. انيس)

وفي الوقاية في آخر باب صفة الصلاة: فإن سجد علىٰ كور عمامته أو فاضل ثوبه أو شيء يجد حجمه وتستقر عليه الجبهة جاز وإن لم تستقر لايجوز، انتهٰى.

فالمركب الهوائي وإن كان مركباً من أشياء صلبة بحيث تستقر عليه الجبهة ولاتنتقل بالتسفيل تجوز السجدة عليه و الظاهر أنه ملحق بالدابة كالسفينة السائرة والموقوفة بالشط الغير المستقرة على الأرض فإنها ملحقة بالدابة كما يستفاد من رد المحتار قبيل سجدة التلاوة فالصلاة المكتوبة على المركب الهوائي لاتجوز بدون العذر كما هو حكم الصلاة على الدابة والسفينة السائرة وهل يلزم التوجه إلى القبلة ههنا كما في السفينة أولا كما في الدابة؟ والظاهر أنه يلزم لأن المركب الهوائي بمنزلة البيت كالسفينة فإن لم يمكنه يمكث عن الصلاة لا إذا خاف فوت الوقت لما تقرر من أن قبلة العاجز جهة قدرته".

ہوائی جہاز میں نماز ادا کرنے میں تفصیل یہ ہے کہ جب تک ہوائی جہاز زمین پر کھڑا ہے یا زمین پر چل رہا ہے، اس وقت تک وہ ریل کے حکم میں ہے، اس پر بالاتفاق نماز جائز ہے، لیکن جب وہ پرواز کر رہا ہو، تو اس حالت میں بھی عذر کی وجہ سے نماز جائز ہے، اگر کھڑے ہو کر ہوائی جہاز میں نماز پڑھ سکتا ہے، تو کھڑے ہو کر ورنہ بیٹھ کر ادا کرے، ہوائی جہاز میں بھی استقبال قبلہ ضروری ہے، اگر قبلہ کے رخ کا علم نہ ہو اور کوئی بتلانے والا بھی نہ ہو تو تحری کر کے نماز ادا کرے، اگر بالفرض بعد میں اندازہ غلط بھی معلوم ہو تو نماز صحیح ہوگی، اعادہ کی ضرورت نہیں، اگر درمیانِ صلوٰۃ رخ پھر جائے، تو اپنا رخ بھی بدل لے۔ (از طرف مرتب)

حاشیہ صفحہ ھذا: (۱) دیگر علما نے تصریح کی ہے کہ وہ مثل دابہ کے ہے اور اس میں نماز بلا عذر جائز نہیں، راجح یہی ہے کہ وہ مثل دابہ کے ہے۔ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کشتی میں بلا عذر بیٹھ کر نماز ادا کرنے کو درست قرار دیتے ہیں اور صاحبین رحمہما اللہ بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز ادا کرنے کو صحیح نہیں کہتے، اس اختلاف میں صاحبین کا مسلک راجح ہے۔

یہ حکم جب ہے جب کشتی چل رہی ہو اور اگر کنارے پر بندھی کھڑی ہو، تو اس وقت مثل ارض کے حکم ہوگا، نیز اس میں استقبال قبلہ بھی ضروری ہے، اگر علم نہ ہو تو تحری کر کے نماز پڑھ لے، غلطی واقع ہونے کی صورت میں اعادہ واجب نہیں ہے۔ ==

== ”ومن صلى في السفينة قاعدًا من غير علة أجزأه عند أبي حنيفة والقيام أفضل وقالا: لايجزئه إلا من عذر؛لأن القيام مقدور عليه،فلا يترك إلا لعلة،وله أن الغالب دوران الرأس وهو كالمتحقق إلا أن القيام أفضل،لأنه أبعد عن شبهة الخلاف،والخروج أفضل ما أمكنه لأنه أسكن لقلبه،والخلاف فى غير المربوطة،والمربوطة كالشط هو الصحيح“. (الهداية مع فتح القدير :۴۶۱/۱،باب صلاة المريض)

”(صلى الفرض في فلك)جار(قاعدًا بلا عذر صح)لغلبة العجز(وأساء)وقالا: لايصح إلابعذروهوالأظهر. برهان. (والمربوطة في الشط كالشط)فى الأصح(والمربوطة بلجة البحر إن كان الريح يحركها شديدًا فكالسائرة وإلا فكالواقفة)ويلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وكلما دارت“.

قال الشامي تحت قوله:(وأساء)أشار إلىٰ أن القيام أفضل،لأنه أبعد عن شبهة الخلاف،والخروج أفضل إن أمكنه؛ لأنه أمكن لقلبه ،بحروشرح المنية (قوله وهوالأظهر)وفي الحلية بعد سوق الأدلة:والأظهر أن قولهما أشبه،فلاجرم أن فى الحاوى القدسي:وبه نأخذ ، آه.(قوله:والمربوطة فى الشط كالشط)فلا تجوزالصلاة فيها قاعدًا اتفاقًا.وظاهرما في الهداية وغيرها الجوازقائمًا مطلقًا أى استقرت على الأرض أولا،وصرح فى الإيضاح بمنعه في الثانى حيث أمكنه الخروج إلحاقا لها بالدابة ، نهر.(إلىٰ قوله)وعلىٰ هذا ينبغى أن لاتجوزالصلاة فيها سائرة مع إمكان الخروج إلى البر. (ردالمحتار، مطلب فى الصلاة فى السفينة: ۵۱۲/۱)

مذکورہ بالاعبارت سے چندمسائل اورمعلوم ہوئے،کشتی اگرکنارے پر بندھی کھڑی ہواور پرسکون حالت میں ہواورکھڑے ہوکرنماز ادا کی جاسکتی ہو،یایہ ہوکہ باہرنکل کرنمازادا کرسکتا ہے،توکشتی میں نماز درست نہ ہوگی،الا یہ کہ ساحل پرنکلناممکن نہ ہو،کشتی اگرچل رہی ہواور کھڑے ہوکرنمازادانہیں کی جاسکتی،تو بالاتفاق بیٹھ کرنماز ادا کی جاسکتی ہے، نیزکھڑے ہوکرنماز ادا کرنے کی بناپرسرچکراتا ہو،تو بالاتفاق بیٹھ کر نمازادا کی جاسکتی ہے۔استقبال قبلہ ازاول تاآخرضروری ہے،اگردرمیان میں رخ بدل جائے،تواپنارخ بھی بدل لے۔(مرتب)

☆ ریل گاڑی میں دوران نماز استقبال قبلہ ضروری ہے:

سوال: ریل گاڑی میں سفر کے دوران نماز کا وقت بھی آتا ہے،لیکن اس میں قبلہ کا بہت بڑا مسئلہ ہوتا ہے کہ قبلہ کا صحیح پتہ نہیں چلتا،اوراگرچل بھی جائے،توریل گاڑی کا کبھی کبھی عین نماز کے دوران قبلہ کی طرف سے رخ مڑ جاتا ہے،تواس حالت میں نماز کا کیاحکم ہے؟

الجواب

بعض ٹرینوں کی وضع اس نوعیت کی ہوتی ہے کہ مسلمان کے لئے ان میں قبلہ رخ کھڑے ہوکرنماز پڑھناممکن ہوتا ہے، لہذاشروع نماز سے اختتام تک قبلہ رخ ہوکرنماز پڑھے،اگرابتداء میں قبلہ رخ ہوکرنمازشروع کی اوردرمیان میں ریل گاڑی قبلہ رخ سے ہٹ گئی،تو نمازی دوران نمازاپنارخ قبلہ کی طرف پھیرلے،تاہم اگرریل گاڑی میں ہجوم اتنازیادہ ہوکہ رخ پھیرناممکن نہ ہو،تو بصورت مجبوری نماز ہوجائے گی،اس کی مثال فقہی ذخائر میں لنگرانداز کشتی جیسی ہے۔

قال العلامة الحصكفى:(والمربوطة بلجة البحر إن كان الريح يحركها شديدًا فكالسائرة وإلا فكالواقفة)ويلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وكلما دارت.(الدرالمختارعلىٰ صدرردالمحتار،باب صلاة المريض،مطلب فى الصلاة فى السفينة: ۱۰۱/۲)(فتاویٰ حقانیہ:۷۸/۳-۷۹)

ریل میں تیمّم، سمتِ قبلہ اور نماز کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ!

اکثر اوقات بحالت سفر ریل، مسافر کو نماز پڑھنے میں سخت دشواریاں پیش آتی ہیں، بعض وقت پانی میسر نہیں آتا، بعض موقع پر جگہ کم و تنگ ملتی ہے، بعض صورت میں سمت کعبہ ٹھیک نہیں ہوتی۔ آیا درصورت پانی نہ ملنے کے تیمّم کرلیا جاوے اور درحالت جگہ نہ ملنے کے، اشارہ سے نماز ادا کی جاوے اور سمت کا عمل اس طرح پر ہو، جیسا کہ جہاز یا کشتی پر حکم ہے۔ اس کا جواب کتب فقہ سے بعبارت عنایت ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر ریل میں نماز کا وقت آجائے اور پانی موجود نہ ہو اور اسٹیشن بھی قریب نہ ہو، تو نماز تیمّم سے درست ہے۔ ایسے ہی اگر سمت ریل کی قبلہ کی طرف ٹھیک نہ ہو، تو اس کو اسباب وغیرہ رکھ کر قبلہ کی طرف نماز ادا کرنا چاہئے اور تھوڑا انحراف نماز کی صحت میں مضر نہیں ہے، البتہ اگر بالکل ہی جنوب یا شمال کی طرف رخ ہوگا، تو نماز درست نہ ہوگی، اور اشارہ سے نماز درست نہ ہوگی، اس لئے کہ جہت کا بھی انتظام ہوسکتا ہے، اور اتنی جگہ بھی مل سکتی ہے کہ نماز ادا کرلے اور پھر جب قدرت ہو، اس وقت اعادہ کرے۔

بندہ آنکھوں کی معذوری کے سبب نقل روایات سے مجبور ہے۔ فقط والسلام

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

قال في الدر المختار: (من عجز) ... (عن استعمال الماء) ... (لبعده) ... (ميلاً) الخ (تيمّم).

(قوله ميلاً) هو المختار في المقدار، هداية. (١)

(ولغيره) أي غير معاينها (إصابة جهتها) بأن يبقى شئ من سطح الوجه مسامتًا للكعبة أو لهواءها. (٢)

(ومنها القيام) ... (في فرض) ... (لقادر عليه) وعلى السجود، الخ. (٣) **فقط**

کتبہ رشید احمد گنگوہی۔ الجواب صحیح: عزیز الرحمٰن عفی عنہ

---

(١) الدر المختار: ٤١/١ [عکس مجتبائی دیوبند] (الف) رد المحتار: ١/ ١٥٥، مطبع مجتبائی، دہلی: ١٢٨٧ھ۔ (ب) رد المحتار على الدر المختار: ٢٣٢/١-٢٣٣، باب التيمم (دارالفکر، بیروت) [نور]

(٢) الدر المختار: ٦٨/١، مطبع عکس مجتبائی دیوبند۔ (الف) الدر المختار مع الشامي: ٢٨٧/١، باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة (مجتبائی، دہلی: ١٢٨٧ھ) ب: شامی: ٤٢٨/١۔ دارالفکر، بیروت: ١٣٨٦ھ/١٩٦٦ء۔ [نور]

(٣) الدر المختار: ٧٠/١، باب صفة الصلاة (مطبوعہ سعید کمپنی ایجوکیشنل پریس: کراچی۔ عکس مجتبائی، دہلی: ١٣٣١ھ)

نیز الدر المختار مع الشامي: ٢٩٨/١-٢٩٩ [مجتبائی دہلی: ١٢٨٧ھ] [نور]

الجواب صحیح: [حیبانِ خدا میں سب سے بڑھ کر ہے، حبیب احمد۔ مدرس مدرسہ فتح پوری، دہلی][محمد فتح محمد متمسک ۱۳۱۵] (مدرس مدرسہ فتحپوری، دہلی) اصاب المجیب: محمد حسن عفی عنہ، الجواب صحیح: بندہ محمود عفی عنہ

جواب مولانا مولوی رشید احمد صاحب کا ہے، بہت ہی ٹھیک ہے، راکب ریل کو ان شرائط مذکورہ کا ضرور لحاظ رکھنا چاہئے۔ محمد عبدالغنی عفا اللہ مدرس مدرسہ فتحپوری، دہلی۔

الجواب صحیح: محمد رمضان عفی عنہ، واعظ جامع مسجد آگرہ۔(۱) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۵۴۔۱۵۵) ☆

بس (گاڑی) میں نماز کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر بس میں نماز قضا ہونے کا خطرہ ہو، تو نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ اور قبلہ رو ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: ملک امان اللہ جامع مسجد عثمان غنی برہان اٹک......۱۹/۲/۱۹۸۹ء)

الجواب

بس اور ریل کا حکم یکساں ہے، ان میں نماز پڑھنا جائز ہے، اور قبلہ رو ہونا ضروری ہے۔(۲) نیز جب بس کھڑی ہو، تو بیٹھ کر نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔(۳) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۲۴)

(۱) یہ فتویٰ ایک ناقص کتاب میں ہے، جو نماز کے مسائل اور اوراد کی جامع ہے، اس کتاب کے صرف چند اجزاء اول آخر سے ناقص میرے پاس ہیں، ص: ۱۵۳، سے ص: ۱۹۲، تک۔ اسی میں یہ فتویٰ بھی شامل ہے۔ ص: ۱۷۹۔۱۸۰۔ (نور)

☆ **ٹرین میں بھی قبلہ رخ ہونا ضروری ہے:**

سوال: بعض حضرات گاڑی کی برتھ پر بیٹھ کر شمالاً جنوباً بھی اور قبلہ کی کوئی پروانہیں کرتے، اور کہتے ہیں کہ گاڑی میں قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں؟ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب

گاڑی میں نماز پڑھتے ہوئے قبلہ رخ ہونا، اور اگر کھڑے ہونے پر قدرت ہو، تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے، ورنہ نماز نہیں ہوگی۔ اور یہ بات غلط ہے کہ گاڑی میں قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں۔ (لايجوز لأحد أداء فريضة ولا نافلة ولا سجدة تلاوة ولا صلاة جنازة إلَّا متوجهًا إلى القبلة. (الفتاویٰ الهندية: ۶۳/۱). (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۴۴)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه اللّٰه: (والمربوطة بلجة البحر إن كان الريح يحركها شديدًا فكالسائرة وإلا فكالواقفة) ويلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وكلما دارت. (الدر المختار)

قال ابن عابدين رحمه اللّٰه: (قوله وإلا فكالواقفة) أى إن لم يحركها الريح شديدًا بل يسيرًا فحكمها كالواقفة فلا تجوز الصلاة فيها قاعدًا مع القدرة على القيام كما في الإمداد (قوله ويلزم استقبال القبلة، الخ) أى في قولهم جميعًا. بحر. وإن عجز عنه يمسک عن الصلاة. إمداد عن مجمع الروايات. ==

گاڑی میں سوار ہوتو استقبال قبلہ کا حکم:

سوال: ریل گاڑی یا اور کسی قسم کی سواری پر اگر چہ صحیح قبلہ رخ ہوکر نمازی نے نماز کی نیت باندھی ہو اور پھر سواری کا رخ بدلنے سے نمازی نے بھی اپنا رخ ٹھیک کرلیا ہو، یا اس کو نماز میں سواری کے گھومنے کا پتہ نہ لگا اور نہ رخ سیدھا کیا، تو کیا سواری سے اتر کر اس نماز کا یا ان تمام نمازوں کا اعادہ کرنا لازم ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

صورت مسئولہ میں گاڑی کا رخ بدلنے سے جب اپنا رخ بھی صحیح کرلیا (قبلہ رخ) تو نماز ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں، اور جب اپنا رخ صحیح قبلہ کی طرف قدرت کے باوجود نہیں کیا، تو نماز نہیں ہوئی۔(۱) فقط واللہ سبحانہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۲۴/۵)

== ولعله يمسك ما لم يخف خروج الوقت لما تقررمن أن قبلة العاجز جهة قدرته،وهذا كذلك وإلا فماالفرق فليتأمل.(ردالمحتار،باب صلاة المريض،مطلب فى الصلاة فى السفينة: ٥٦٣/١)

(٣) وفى منهاج السنن:وأما الصلاة فى السفينة إذاكانت سائرة فجائزة بلا كراهة إذا لم يمكن الخروج إلى الشط، ومع الكراهة إذا أمكن الخروج إليه نعم الصلاة قاعدًا بركوع وسجود عند العجزعن القيام وعن الخروج إلى الشط تجزىء بالاتفاق،وعند القدرة على القيام وعلى الخروج إلى الشط تجزىء عند أبى حنيفة مع الإساءة وعند أبى يوسف ومحمد لاتجزىء ويلزم التوجه إلى الكعبة اتفاقًا،وتمام الكلام فى البدائع،وأما الصلاة فى السيارات البريةمن القطارات وغيرها فعند الوقوف حكمها كحكم الصلاة على الأرض وعند السيرحكمها كحكم الصلاة فى السفينة السائرة فمن صلى فيهاقاعدًابركوع وسجود أجزأت،ومن صلى فيها بالإيماء للزحمة وضيق المحل فالظاهر من النظائرأن يعيد الصلاة.(منهاج السنن شرح جامع السنن،باب ماجاء فى الصلاة على الدابة حيث توجهت به: ٢٣٤/٢)

☆ بس میں استقبال قبلہ:

سوال: اگر کوئی شخص بس میں سفر کررہا ہو، اور بس کا رخ قبلہ کی طرف نہ ہو، تو وہ کس طرح نماز ادا کرے؟ (محمد سلمان، نظام آباد)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

اگر اس بات کی توقع ہو کہ نماز کا وقت باقی رہتے ہوئے وہ کہیں رکے گی، اور اتنا وقت ملے گا کہ نیچے اتر کر نماز ادا کی جائے، یا امید ہو کہ ڈرائیور اس کی خواہش پر نماز کے لئے بس روک دے گا، تو بس سے نیچے اتر کر قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرے، اور اگر نیچے اتر کر نماز ادا کرنا ممکن نہ ہو، تو جس طرف بھی سواری کا رخ ہو، اسی طرف رخ کر کے نماز ادا کرلینا کافی ہے، مجبوری کی وجہ سے استقبال قبلہ معاف ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

"كما تسقط الأركان عن الراكب يسقط عنه الانحراف عن القبلة". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ الهندية: ١٧١/١) (کتاب الفتاویٰ: ۱۶۶/۲) ==

گھوڑا گاڑی میں نماز پڑھتے وقت استقبال قبلہ اور قیام کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص گھوڑا گاڑی میں نماز پڑھتا ہے، تو چلتے چلتے نماز پڑھ سکتا ہے یا اترنا ضروری ہے اور ٹرین میں نماز پڑھنے کا حکم کیا ہے؟

الجواب

ٹرین اور گھوڑا گاڑی میں نماز پڑھنا درست ہے اور استقبال قبلہ اور قیام پر قدرت کے وقت دونوں ضروری ہیں کسی کو ترک کرنے سے نماز نہیں ہوگی۔ مراقی الفلاح میں ہے:

وقالا: أی أبو یوسف ومحمد. رحمهما اللّٰه. لاتصح جالسًا إلا من عذر وهو الأظهر؛ لحدیث ابن عمر رضی اللّٰه عنهما أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم سئل عن الصلوٰة فی السفینة، فقال: صل فیها قائمًا إلا أن تخاف الغرق، وقال مثله لجعفر. رضی اللّٰه عنه. ولأن القیام رکن فلایترک إلا بعذر محقق لاموهوم... وإذا کانت سائرة یتوجه المصلی فیهما إلی القبلة لقدرته علیٰ فرض الاستقبال عند افتتاح الصلا ة وکلما استدارت السفینة عنها أی القبلة یتوجه المصلی باستدارتها إلیها أی القبلة فی خلال الصلاة. (مراقی الفلاح علیٰ نور الإیضاح: ۱۵۸، فصل فی الصلاة فی السفینة، مکة المکرمة)(١)

جدید فقہی مسائل میں ہے:

ٹرین اپنی وضع کے لحاظ سے اس نوعیت کی ہے کہ اس میں قبلہ کا استقبال کیا جاتا ہے اور اگر درمیان میں انحراف پیدا

==**حاشیه صفحه گذشته:** (١) "ویلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وکلما دارت". (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار، باب صلاة المریض، مطلب فی الصلاة فی السفینة: ١٠٢/٢، سعید)

"وقید بترک القیا م، لأنه لو ترک استقبال وجهه إلی القبلة وهو قادر علیه، لایجزیه فی قولهم جمیعًا، فعلیهم أن یستقبلوا بوجوههم القبلة کلما دارت السفینة یحول وجهه إلیها، کذا فی الإسبیجابی". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المریض: ٢٠٧/٢، رشیدیه)

"وترک القیام، لأن ترک الاستقبال لایسقط اتفاقاً". (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المریض: ٣٣٧/١، مکتبة إمدادیة، ملتان)

من أراد أن یصلی فی سفینة تطوعاً أو فریضة فعلیه أن یستقبل القبلة، ولایجوز له أن یصلی حیثما کان وجهه، کذا فی الخلاصة، حتی لو دارت السفینة وهو یصلی، توجه إلی القبلة حیث دارت، کذا فی شرح منیة المصلی لابن امیر الحاج. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الفصل الثالث فی استقبال القبلة: ٦٣/١. انیس)

حاشیة صفحه هذا: (١) حدیث عبداللّٰه بن عمر رواه الحاکم فی المستدرک، أما حدیث عبدالرحمن بن مهدی (ح: ١٠١٩)/ والدارقطنی فی سننه، باب صفة الصلاة فی السفر (ح: ١٤٧٤)/ وأما حدیث جعفر بن أبی طالب فقد رواه الدارقطنی فی سننه، باب صفة الصلاة فی السفر (ح: ١٤٧٣) انیس

ہو جائے، تو قبلہ درست بھی کیا جاسکتا ہے، اس لئے ٹرین میں فرض نمازوں کے آغاز کے وقت بھی اور دوران نماز بھی قبلہ کا استقبال ضروری ہے، اگر نماز قبلہ رخ ہو کر شروع کی درمیان میں ٹرین نے رخ بدلا، تو اپنا رخ بھی بدل لینا چاہئے اور اس کی نظیر فقہ کا وہ جزئیہ ہے؛ جس میں لنگر انداز کشتی کے متعلق فقہا نے لکھا ہے:

(والمربوطة بلجة البحر إن كان الريح يحركها شديدًا فكالسائرة وإلا فكالواقفة)ويلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وكلما دارت. (١) (جدید فقہی مسائل: ١/١٢٧، نعیمیہ دیوبند)

نظام الفتاویٰ میں ہے:

ریل میں بھی نماز پڑھنے کا حکم ہے، البتہ اگر یقین ہو کہ وقت نماز باقی رہتے ہوئے فلاں جگہ اتنی دیر ٹھہر یگی کہ اتنی دیر میں نماز پڑھ سکوں گا، تو اس وقت تک مؤخر کردے اور اگر مسافر شرعی ہے کم از کم فرض اور وتر پڑھ لیا کرے۔ (نظام الفتاویٰ: ١/٦٧)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

اونٹ گاڑی پر فرض نماز بھی جائز ہے، مگر استقبال قبلہ اور قیام شرط ہے، ریل گاڑی اور بس میں کھڑے ہو کر قبلہ رخ نماز پڑھیں۔ (احسن الفتاویٰ: ٤/٨٨، باب صلاۃ المسافر) واللہ اعلم (فتاویٰ دار العلوم زکریا: ٢/١٢٢-١٢٣)

بحری جہاز میں قبلہ معلوم نہ ہو تو کیا کریں:

سوال: جہاز کے اندر اگر قبلہ معلوم نہ ہو، تو پھر کس طرف منہ کر کے نماز پڑھے؟ ایک صاحب نے بتایا کہ اگر آبادی نظر آجائے، تو آبادی کے دائیں طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب

قبلہ نما یا قطب نما کے ذریعے معلوم کریں، اگر کوئی بتانے والا نہ ہو تو غور کر کے جدھر سمت قبلہ معلوم ہو، ادھر نماز پڑھ لیں، آبادی کی طرف منہ کرنا غلط ہے۔ (٢) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ٣/٣٤٤-٣٤٥)

---

(١) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، باب صلاة المريض، مطلب فی الصلاة فی السفينة: ٢/١٠٢، انيس

(٢) وإن اشتبهت عليه القبلة وليس بحضرته من يسأله عنها اجتهد وصلّى. (الفتاوىٰ الهندية: ١/٦٤)

عن عامر بن ربيعة قال: كنا فى سفر مع النبى صلى الله عليه وسلم فى ليلة مظلمة فلم ندر أين القبلة فصلى كل رجل منا على حياله فلما أصبحنا ذكرناه للنبى صلى الله عليه وسلم فنزل ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ (البقرة: ١٥٥). (رواه الترمذى فى باب ماجاء فى الرجل يصلي لغير القبلة (ح: ٣٤٥) وضعف إسناد هذاالحديث. انيس)

عن جابر قال: كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى مسير أو سفر فأصابنا غيم فتحيرنا فاختلفنا فى القبلة فصلى كل رجل منا على حدة وجعل أحدنا يحط بين يديه لنعلم أمكنتنا فذكرنا ذلك للنبى صلى الله عليه وسلم فلم يأمرنا بالإعادة وقال: قد أجزأت صلاتكم. (رواه الدارقطنى فى باب الاجتهاد فى القبلة وجواز التحرى فى ذلك (ح: ١٠٦٤) ولكن ضعف الحديث. انيس)

اگر مسافر کو قبلہ معلوم نہ ہو تو کیا کرے:

سوال: اگر مسافر دوران سفر کسی ایسی جگہ قیام کرے؛ جہاں قبلہ رخ کی سمت کا اندازہ نہ ہو سکے، تو پھر کیا حکم ہے؟

الجواب

اوّل تو کسی سے دریافت کرے، اگر وہاں کوئی بتانے والا نہ ہو، تو خود سوچے، غور وفکر کے بعد جس طرف طبیعت کا رجحان ہو کہ قبلہ اس طرف ہوگا، اسی طرف نماز پڑھ لے۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳۴۲/۳-۳۴۳)

(۱) وإن كان عاجزًا بسبب الاشتباه وهو أن يكون فى المفازة فى ليلة مظلمة أو لاعلم له بالأمارات الدالة على القبلة فإن كان بحضرته من يسأله عنها لايجوزله التحرى لما قلنا بل يجب عليه السوال...فإن لم يكن بحضرته أحد جازله التحرى الخ.(بدائع الصنائع: ١١٨/١)فصل فى شرائط الصلاة)

عن عامر بن ربيعة قال:كنا نصلى مع النبى صلى الله عليه وسلم فى السفر فى ليلة مظلمة فلم ندر كيف القبلة فصلى كل رجل منا على حياله ، قال: فلما أصبحنا ذكرناذلك للنبى صلى اللّٰه عليه وسلم فنزلت﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾(البقرة:١٥٥)

وفى رواية: فجعل كل رجل منا بين يديه أحجاراً يصلى إليها فلما أصبحنا إذا نحن إلى غير القبلة فذكرناذلك للنبى صلى اللّٰه عليه وسلم.(سنن الدارقطنى،باب الاجتهاد فى القبلة وجوازالتحرى فى ذلك (ح:١٠٦٥-١٠٦٦)

ورواه الترمذى فى باب ماجاء فى الرجل يصلى لغير القبلة (ح:٣٤٥) وضعف إسناده.انيس)

عن جابر قال:كنا نصلى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى مسير أوسير فأظلنا غيم فتحيرنا فاختلفنا فى القبلة فصلى كل واحد منا على حدة فجعل كل واحد منا يخط بين يديه لنعلم أمكنتنا فذكرنا ذلك للنبى صلى اللّٰه عليه وسلم فلم يأمرنابالاعادة وقال:قد أجزأت صلاتكم.(رواه الحاكم فى المستدرك،باب فى فضل الصلوات الخمس (ح:٧٤٣)،وقال:هذاحديث محتج برواته كلهم غيرمحمد بن سالم فإنى لا أعرفه بعدالة ولا جرح وقد تأملت كتاب الشيخين فلم يخرجا فى هذا الباب شيئاً.)

قال الذهبى بعد قول الحاكم:قلت:هو أبوسهل،واه.(مختصرتلخيص الذهبى،كتاب الصلاة: ١٦٩/١.انيس

چانداور خلاوغیرہ پر قبلہ

چاند پر نماز اور استقبال قبلہ کا حکم:

سوال: حالات حاضرہ کو دیکھتے ہوئے بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ آج کل لوگ چاند پر اتر کر رہنے کی باتیں کرتے ہیں، تو کیا یہ ممکن ہے؟ بفرض محال اگر آدمی چاند پر سکونت اختیار کر لے، تو کیا وہاں پر نماز پڑھنا صحیح ہوگا اور کس طرف رخ کر کے نماز پڑھیں گے؟

الجواب ———————— وباللّٰہ التوفیق

اگر جگہ مل جائے تو جماعت بھی کر سکتے ہیں ورنہ تنہا پڑھ لیں قضا نہ کریں۔ قبلہ نما رکھ کر قبلہ معلوم کر سکتے ہیں ورنہ تحری کر کے سمت قبلہ متعین کر لیں۔ اگر تحری میں غلطی بھی واقع ہو جائے اور تحری کر کے سمت قبلہ متعین کر لیں تو نماز ادا ہو جائے گی، ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾(۱) پر عمل ہو جائے گا۔

سیٹ سے علیحدہ ہو کر کسی خالی جگہ میں قیام و رکوع و سجدہ کے ساتھ نہ پڑھی جائے، تو سیٹ ہی پر بیٹھے اشارہ سے رکوع و سجدہ کر کے پڑھ لیں، پھر زمین پر اتر کر فرض کا اعادہ کر لیں، چاند کیا زہرہ و مریخ وغیرہ پر جانا، رہنا ممکن ہے، اس میں شرعاً کوئی مانع نہیں ہے اور وہاں نماز پڑھنا بھی صحیح ہوگا، بلکہ وہاں بھی نماز پڑھنے کا حکم اور وجوب اسی طرح باقی رہے گا اور نماز قبلہ رخ ہی پڑھنی ہوگی، قبلہ نما رکھ کر یا کسی اور ذریعہ سے، ورنہ تحری کر کے قبلہ متعین کریں گے اور جس طرح یہاں نماز فرض ہے، اسی طرح وہاں بھی فرض رہے گی۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ العبد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور۔ الجواب صحیح محمود غفرلہ، مفتی دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۲۰۱، ۲۰۲) و (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۵۳-۱۵۴)

چاند پر سمت قبلہ:

سوال: ابھی امریکی خلاباز جو چاند پر سیر و تفریح کر کے آئے اور وہاں سے مٹی وغیرہ بھی لائے، اس سے ایک مسئلہ یہ پیدا ہو گیا کہ اگر وہاں نماز پڑھنے کی حاجت ہو، تو تعین سمت قبلہ کس طرح کیا جائے؟ جب چاند پر جانا متیقن

(۱) سورۃ البقرۃ: ۱۱۵۔

ہو چکا ہے، تو اس کا بھی امکان ہے کہ مسلمان بھی چاند پر جائیں اور ان کا وہاں نماز پڑھنے کی ضرورت پیش آجائے۔

الجو اب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جب وہاں جا کر رہنا دشوار نہیں، تو سمت قبلہ معلوم کرنا کیا دشوار ہے۔(١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۲۸) ☆

(١) "وجهة الكعبة تعرف بالدليل، والدليل فى الأمصار والقرى المحاريب التى نصبها الصحابة والتابعون، فعلينا اتباعهم، فإن لم تكن فالسوال من أهل ذلك الموضع، أما فى البحار والمفاوز فدليل القبلة النجوم". (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث فى استقبال القبلة: ٦٣/١، رشيدية)

"ولايخفى أن أقوىٰ الأدلة النجوم، والظاهر أن الخلاف فى عدم اعتبارها إنما هو عند وجود المحاريب القديمة؛ إذ لايجوز التحرى معها كما قدمناه، لئلا يلزم تخطئة السلف الصالح وجماهير المسلمين، بخلاف ما إذا كان فى المفازة، فينبغي وجوب اعتبار النجوم ونحوها فى المفازة؛ لتصريح علمائنا وغيرهم بكونها علامة معتبرةً، فينبغي الاعتماد فى أوقات الصلاة وفى القبلة، علٰى ما ذكره العلماء الثقات فى كتب المواقيت، وعلٰى ما وضعوه لها من الآلات كالربع والاصطرلاب، فإنها إن لم تفد اليقين تفد غلبة الظن للعالم بها، وغلبة الظن كافية فى ذلك". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث فى استقبال القبلة: ٤٣١/١، سعيد)

ولو دخل بلدةً وعاين المحاريب المنصوبة يصلى إليها ولايتحرى، وكذا لو كان فى المفازة والسماء مصحية وله علم باستدلال النجوم على القلبة لايتحرى، كذا فى محيط السرخسى". (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث فى استقبال القبلة: ٦٤/١، رشيدية)

☆ چاند پر سمت قبلہ:

سوال: اگر کوئی مسلمان چاند پر پہنچے اور نماز پڑھنا چاہے، تو اس کا قبلہ کون سی سمت ہوگا؟

الجو اب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

زمین پر رہتے ہوئے جس سمت نماز پڑھی جاتی ہے، اسی سمت پر اس جگہ نماز کا حکم ہے۔

﴿وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ (سورة البقرة: ١٥٠)

(و) السادس (استقبال القبلة) حقيقةً أو حكمًا... (ولغيره) أى معاينها (إصابة جهتها) بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتًا للكعبة أو لهوائها.

قال الشامى تحت قوله بأن يبقٰى: ثم اعلم أنه ذكر فى المعراج عن شيخه أن جهة الكعبة هى الجانب الذى إذا توجه إليه الإنسان يكون مسامتًا للكعبة أو هوائها تحقيقاً أو تقريبًا.

(والمعتبر) فى القبلة (العرصة لا البناء) فهى من الارض السابعة الى العرش. (الدرالمختار) (قوله لا البناء) أى ليس المراد بالقبلة الكعبة التى هى البناء المرتفع على الأرض، ولذا لونقل البناء إلٰى موضع آخر وصلى إليه لم يجز، بل تجب الصلاة إلٰى أرضها. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث فى استقبال القبلة: ٤٢٧/١-٤٣٢، سعيد)

"المعتبر التوجه إلٰى مكان البيت دون البناء، وفى فتاوى الحجة: الصلاة فى الآبار العميقة والجبال والتلال الشامخة وعلٰى ظهر الكعبة جائزة؛ لأن القبلة من الأرض السابعة إلى السماء السابعة بحذاء الكعبة إلى العرش آه" (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث فى استقبال القبلة: ٦٣/١، رشيدية) فقط والله تعالٰى أعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۲۹)

قبلہ مشتبہ یا معلوم نہ ہونے کے احکام

قبلہ معلوم نہ ہوتو کیا کرے:

سوال: زید نے ناواقفیت کی وجہ سے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا نہ کی، کچھ فرق رہ گیا، بعد میں معلوم ہوا تو یہ نماز واجب الاعادہ ہوگی یا نہ، جبکہ زید کو قبلہ معلوم نہ ہو، خواہ واقعہ سفر کا ہو یا گھر کا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملہم الصواب

اگر قبلہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، مثلاً کسی مسجد کے رخ سے یا ستاروں سے یا قطب نما وغیرہ سے، اور نہ ہی وہاں کوئی ایسا آدمی ہو جو قبلہ کی رہنمائی کر سکے، تو تحری فرض ہے، یعنی حسب قدرت غور وخوض کرنے پر جس طرف قلب شہادت دے، اس طرف نماز پڑھ لے، نماز سے فراغت کے بعد اگر اس جہت کا غلط ہونا ثابت ہو جائے، تو نماز کا اعادہ واجب نہیں اور اگر قبلہ دریافت کرنے کا کوئی ذریعہ موجود ہوتے ہوئے بھی اس سے کام نہیں لیا بلکہ تحری کر کے نماز پڑھ لی، تو اگر جہت قبلہ کی طرف رخ کیا ہو، یعنی بیت اللہ کی ہر دو جانب ۴۵ درجہ کے اندر ہو تو نماز ہوگئی، ورنہ واجب الاعادہ ہے، اگر قبلہ دریافت کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہونے کی حالت میں بدوں تحری نماز پڑھے گا، تو یہ نماز صحیح نہ ہوگی، اگرچہ صحیح سمت کی طرف ہی پڑھی ہو، بلکہ اگر نماز کی حالت میں یقین بھی ہو جائے کہ اس کا رخ صحیح سمت کی طرف ہے، تو بھی نماز نہیں ہوئی، البتہ اگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس سمت کی صحت کا یقین ہوا، تو یہ نماز واجب الاعادہ نہیں۔

قال في العلائية: (ويتحرى) هو بذل المجهود لنيل المقصود (عاجز عن معرفة القبلة) بما مر (فإن ظهر خطؤه لم يعد)؛ لما مر.

وفي الشامية: (قوله بما مر) متعلق بمعرفة، والذي مر هو الاستدلال بالمحاريب والنجوم و السوال من العالم بها، فأفاد أنه لا يتحرى مع القدرة علىٰ أحد هذه، حتى لو كان بحضرته من يسأله فتحرى ولم يسأله إن أصاب القبلة جاز لحصول المقصود وإلا فلا. (رد المحتار: ١/٤٠٣) (١)

وفي العلائية: (وإن شرع بلا تحر لم يجز وإن أصاب) لتركه فرض التحري إلا إذا علم إصابته بعد فراغه فلايعيد اتفاقاً.

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله وإن شرع) الضمير راجع إلى العاجز: أي إذا اشتبهت عليه

(١) كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب مسائل التحري في القبلة: ١/٤٣٣، دار الفكر بيروت. انيس

القبلة وعجزعن معرفتها بالأدلة المارة فقبلته جهة تحريه،فلوشرع بلا تحرلم تجزصلاته مالم يتيقن بعد فراغه أنه أصاب القبلة لأن الأصل عدم الاستقبال استصحاباً للحال، فإذا تبين يقيناً أنه أصاب ثبت الجوازمن الابتداء وبطل الاستصحاب،حتى لوكان أكبررأيه أنه أصاب فالصحيح أنه لايجوز كما في الحلية عن الخانية،ولوتيقن في أثناء صلاته لايجوزخلافاً لأبي يوسف رحمه اللّٰه تعالىٰ لأن حاله بعد العلم أقوىٰ وبناء القوى على الضعيف لايجوز. (رد المحتار: ۱/۴۵۱) **فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم**

۱۶/رجب ۱۳۸۸ھ۔ (احسن الفتاویٰ:۲/۳۱۸-۳۱۹)

قبلہ کا رخ معلوم نہ ہو تو تحری کا حکم:

سوال: قبلہ کا رخ معلوم نہیں تھا، تحری کر کے نماز پڑھی گئی، خالد صاحب بعد میں آئے، انہوں نے دیکھتے ہی کہا کہ رخ غلط ہے، ان کے پاس قطب نما تھا، قطب نما سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ ٹھیک ما بین شمال ومغرب نماز پڑھی گئی تھی، آیا اس نماز کو دہرانے کی ضرورت تھی یا نہیں؟ کیونکہ بعض علما کہتے ہیں کہ قبلہ کا رخ یہاں سے ما بین گوشۂ شمال ومغرب وگوشۂ جنوب ومغرب ہے، ان کے درمیان کس رخ پر نماز پڑھیں؟ بعض علما کا یہ قول صحیح ہے یا غلط؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جب قبلہ کا رخ معلوم نہیں تھا اور کوئی بتانے والا بھی نہ تھا، تحری کر کے نماز پڑھ لی، تو وہ نماز درست ہوگئی، اگرچہ بعد میں معلوم ہوا کہ غلط رخ پر پڑھی گئی ہے، اس کا دہرانا لازم نہیں۔(۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۲۶) ☆

---

(۱) ”(ويتحرى)هوبذل المجهود لنيل المقصود (عاجز عن معرفة القبلة)بمامر(فإن ظهرخطؤه لم يعد)لمامر“. (الدر المختار)وقال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالىٰ:”(قوله بمامر)متعلق بمعرفة،والذى مرهوالاستدلال بالمحاريب والنجوم و السوال من العالم بها،فأفاد أنه لايتحرى مع القدرة علىٰ أحد هذه“.(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة، مطلب مسائل التحرى فى القبلة: ۱/۴۳۳،سعيد)

☆ اگر قبلہ مشتبہ ہوجائے:

سوال: ہم لوگ ٹرین میں سفر کر رہے تھے، اندھیری رات تھی، قریب میں جو لوگ تھے، وہ غیر مسلم، جن کو سمت معلوم نہیں تھی، ایسی صورت میں ہمیں کس طرح نماز ادا کرنی چاہئے؟ (عبدالسمیع، ناندیڑ)

الجوابــــــــــــــــــــ

اگر قبلہ کی سمت مشتبہ ہوجائے، نہ آسمان میں کوئی ظاہری علامت ہو، نہ سمت بتانے والا آلہ موجود ہو، نہ قریب میں کوئی ایسا شخص ہو جو سمت کی رہنمائی کر سکے، تو اپنے رجحانِ قلب پر عمل کرنا چاہئے، جس طرف قلب کا رجحان ہو کہ ادھر قبلہ ہوگا، اسی رخ پر نماز ادا کر لے، اگر مختلف لوگوں کا الگ الگ رجحان ہو اور کسی ایک جہت پر سبھوں کا اطمینان نہ ہو سکے، تو ہر شخص اپنے رجحان کے مطابق نماز ادا کر لے۔

”وإن اشتبهت عليه القبلة وليس بحضرته من أهل ذلک المكان من يسأله عنها اجتهد“.(الكبيرى: ۲۲۰)

(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۵۹-۱۶۰)

اردو کتب فتاویٰ

نمبر شمار	کتب فتاویٰ	مفتیان کرام	مطبع
(۱)	فتاویٰ عزیزی	حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ	ایم ایچ سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی
(۲)	فتاویٰ رشیدیہ	فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	محمد اسحاق صدیقی اینڈ سنز، تاجران کتب، ومالکان کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، سہارنپور، انڈیا
(۳)	تالیفات رشیدیہ	فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری ممبئی ۱۰۲
(۴)	باقیات فتاویٰ رشیدیہ	فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ ضلع پربدھ نگر (مظفرنگر) یوپی، انڈیا
(۵)	عزیز الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(٦)	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۷)	امداد الفتاویٰ	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۸)	الحیلۃ الناجزۃ	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	مکتبہ رضی دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۹)	امداد الاحکام	مولانا ظفر احمد عثمانیؒ رمولانا عبدالکریم گمتھلویؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۰)	آلات جدیدہ کے شرعی احکام	مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۱)	جواہر الفقہ	مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۲)	امداد المفتیین	مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۳)	مجموعۂ فتاویٰ عبدالحئی	مولانا ابوالحسنات عبدالحئی لکھنویؒ	مکتبہ تھانوی، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۱۴)	فتاویٰ مظاہر علوم	مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ	شعبۂ نشر واشاعت مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۵)	فتاویٰ محمودیہ	مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ	مکتبہ شیخ الاسلام دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱٦)	فتاویٰ امارت شرعیہ	مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد وغیرہ رحمہم اللہ	شعبۂ نشر واشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ
(۱۷)	کفایت المفتی	مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ	حفیظ الرحمٰن واصف، کوہ نور پریس، دہلی، انڈیا
(۱۸)	فتاویٰ باقیات صالحات	مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوریؒ	جامعہ باقیات صالحات، ویلور، بنگلور، انڈیا
(۱۹)	فتاویٰ احیاء العلوم	مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوریؒ	جامعہ احیاء العلوم، مبارکپور، یوپی، انڈیا
(۲۰)	منتخبات نظام الفتاویٰ	مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا

کتاب	مصنف	ناشر
(۲۱) نظام الفتاویٰ	مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۲) خیر الفتاویٰ	مولانا خیر محمد جالندھریؒ	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲
(۲۳) فتاویٰ شیخ الاسلام	حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ	مکتبہ شیخ الاسلام، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۲۴) فتاویٰ حقانیہ	مولانا عبد الحق صاحبؒ پاکستانی	دکن ٹریڈرس بک سیلر اینڈ پبلیشرز، نزد واٹر ٹینک مغل پورہ، حیدرآباد
(۲۵) احسن الفتاویٰ	مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ پاکستانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۲۶) فتاویٰ عثمانی	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب پاکستانی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۲۷) فتاویٰ قاضی	مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۸) فتاویٰ رحیمیہ	مولانا مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ	مکتبہ رحیمیہ منشی اسٹریٹ راندیر، سورت گجرات
(۲۹) کتاب الفتاویٰ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۳۰) محمود الفتاویٰ	مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب	مکتبہ نور، محمود نگر، متصل جامعہ، ڈابھیل
(۳۱) حبیب الفتاویٰ	مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب	سمیع پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹیڈ، دریا گنج، نئی دہلی
(۳۲) فتاویٰ فرنگی محل	مولانا محمد عبد القادر صاحب فرنگی محلیؒ	مطبع نامی نخاس لکھنؤ، یوپی، انڈیا
(۳۳) فتاویٰ ندوۃ العلماء	مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب	مجلس صحافت ونشریات، ندوۃ العلماء مارگ، پوسٹ باکس نمبر ۹۳ لکھنؤ، انڈیا
(۳۴) فتاویٰ بینات	مفتیان جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، پاکستان	مکتبہ بینات، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان
(۳۵) فتاویٰ فریدیہ	مولانا مفتی محمد فرید صاحب پاکستانیؒ	مولانا حافظ حسین احمد صدیقی نقشبندی مہتمم دار العلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی، پاکستان
(۳۶) فتاویٰ مفتی محمود	مولانا مفتی محمود صاحب پاکستانیؒ	جمعیت پبلیکیشنز وحدت روڈ، لاہور، پاکستان
(۳۷) آپ کے مسائل اور ان کا حل	مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ	مکتبہ لدھیانوی ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان
(۳۸) مرغوب الفتاویٰ	مولانا مفتی مرغوب الرحمٰن صاحب لاجپوریؒ	جامعۃ القرأت کفلیۃ، مولانا عبد الحئی نگر، سورت، گجرات
(۳۹) فتاویٰ دار العلوم زکریا	مولانا مفتی رضاء الحق صاحب، افریقہ	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی۔۶، انڈیا
(۴۰) فتاویٰ شاکر خان	مولانا مفتی محمد شاکر خان صاحب پونہ، انڈیا	مدرسہ بیت العلوم کونڈوا، خردسروے نمبر ۱۴۲، شوکا میوز کے پیچھے، پونہ ۴۸، انڈیا
(۴۱) فتاویٰ ریاض العلوم	مفتیان کرام مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور	مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، چوکیہ گورینی، جونپور (یوپی)
(۴۲) فتاویٰ بسم اللہ	مولانا مفتی اسماعیل بن محمد بسم اللہؒ	جامعۃ القرءات، مولانا عبد الحئی نگر، کفلیۃ، سورت گجرات
(۴۳) فتاویٰ یوسفیہ	مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند

مخالف سمت نماز پڑھنے کی صورت میں اعادہ

کوئی شخص سہواً یا قصداً قبلہ چھوڑ کر دوسری سمت نماز پڑھے، تو کیا درست ہے:

سوال: اگر کوئی شخص قصداً یا سہواً جانب شمال یا جنوب یا مشرق نماز پڑھ لے؛ تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

قصداً جائز نہیں ہے اور اگر سہواً بعد تحری قبلہ، شمال وجنوب کو سمت قبلہ سمجھ کر نماز پڑھی ہے تو جائز ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ۔۲۱/۳/۱۳۴۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۱/۴۳)

لاعلمی میں قبلے کی مخالف سمت میں ادا کی گئی نمازیں:

سوال: شہداد پور میں واقع ایک مسجد جسے پچاس سال بعد شہید کیا گیا ہے، اور اب نئے سرے سے مسجد کی تعمیر نو جاری ہے، اب معلوم ہوا کہ گزشتہ عرصے میں اس کا قبلہ درست نہیں تھا اور باقاعدگی سے باجماعت نماز ہوا کرتی تھی، اور نمازی لاعلمی کی وجہ سے غلط قبلے کی جانب نماز ادا کرتے تھے۔ اب نئی حیثیت سے قبلے کی سمت درست کی گئی ہے۔ آپ قرآن وسنت کی روشنی میں بتائیں کہ پچاس سال تک جو نمازیں غلط قبلے کی سمت پڑھتے رہے، کیا ان کی نمازیں قبول ہوجائیں گی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اب اس کا قبلہ درست کردیں، اور جو نمازیں پہلے پڑھی گئیں وہ ادا ہوگئیں، ان کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۳۴۳-۳۴۴)

---

(۱) ثم الصحيح إذا اشتبهت عليه القبلة في المفازة فتحرى إلى جهة وصلى إليها ثم تبين أنه أخطأ القبلة تجوز صلاته ولو تعمد لا تجوز، الخ. (المبسوط للسرخسي، باب صلاة المريض: ١/٢١٦. انيس)

قال علي رضي الله عنه: قبلة المتحرى جهة قصده. (المبسوط للسرخسي، كتاب التحري: ١٠/١٩٣. المحيط البرهاني، الفصل الحادي والثلاثون في صلاة المريض: ٢/١٤٨. تبيين الحقائق، باب شروط الصلاة: ١/١٠١. انيس)

(٢) فعلم أن الانحراف اليسير لا يضر، وهو الذي يبقى معه الوجه أو شيء من جوانبه مسامتاً لعين الكعبة ==

قبلہ معلوم کئے بغیر نماز پڑھ لینے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے بدوں تحری نماز ادا کی، نہ کسی سے پوچھا، اپنے طور پر سمجھا کہ سمت قبلہ نماز پڑھتا ہوں، لیکن بعد نماز کے اس کو معلوم ہوا کہ اس نے قبلہ رو نماز نہیں پڑھی ہے، نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

اگر اس نے کسی دوسرے سے قبلہ دریافت نہیں کیا، اس وجہ سے کہ وہاں دوسرا موجود نہیں تھا، لیکن خود یہ سوچ کر کہ قبلہ اس طرف ہے، نماز پڑھی ہے، تو نماز ہوگئی۔ (۱)

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند۔ ۱۹/۲/۱۳۸۸ھ۔ الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دار العلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔ ۲۰/۲/۱۳۸۸ھ۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۴۱)

بغیر تحری خلاف قبلہ پڑھی ہوئی نماز، دہرانا ہوگی:

سوال: کسی شخص نے شمال کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی، اور اس کو اس بات کا یقین تھا کہ پچھّم (۲) ادھر ہی ہے، اس لیے تحری نہیں کی، کیونکہ تحری کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جبکہ قبلہ کے مشتبہ ہونے کا علم ہو اور فارغ ہونے کے بعد اسے اپنی خطا کا علم ہوگیا، تو اب اس پر اس نماز کا لوٹانا واجب ہوگا یا نہیں؟

الجو اب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

ایسی نماز کا لوٹانا ضروری ہے، جیسے اگر کوئی شخص پانی کو پاک سمجھتے ہوئے اس سے نماز پڑھ لے، پھر معلوم ہو کہ وہ پانی یا کپڑا ناپاک تھا، ایسی نماز کا اعادہ لازم ہے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ ۴/۳/۱۳۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔ ۴/۳/۱۳۹۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۲۷)

== أو لهوائها، بأن يخرج الخط من الوجه أو من بعض جوانبه ويمر على الكعبة أو هوائها مستقيمًا إلخ. (ردالمحتار: ۱/ ٤٣٠) باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة، انيس)

(۱) قال: (ولو أن المريض إذا صلى إلى غير القبلة متعمداً لاتجوز وإن أخطأ تجوز) معناه إذا اشتبهت عليه القبلة فتحرى إلى جهة وصلى إليها ثم تبين أنه أخطأ القبلة تجوز صلاته وإن تعمد لاتجوز لحديث علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: قبلة المتحري جهة قصده. (مبسوط السرخسي، باب صلاة المريض: ۱/ ۲۱۵. انيس)

(۲) ''پچھّم: مغرب''۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۸۱، فیروز سنز، لاہور)

(۳) ''(وإن شرع بلا تحر لم يجز وإن أصاب) لترکه فرض التحری، ==

جس جگہ کوئی قبلہ بتانے والا نہ ہو، وہاں غلط پڑھی ہوئی نماز درست ہے:

سوال: ہم ایک تفریح گاہ میں تھے، وہاں مغرب کی اذان ہوگئی، ہم نے قبلہ معلوم کرنے کی کوشش کی، نہ معلوم ہوسکا، تو اندازے سے نماز پڑھ لی، جب نماز مکمل ہوگئی، تو ایک بیرے نے کہا: آپ نے غلط نماز پڑھی، قبلے کا رخ ادھر ہے۔ معلوم ہوا کہ ہم نے جنوب کی سمت نماز پڑھی، کیا نماز لوٹانی چاہیے؟ صرف فرض یا پوری نماز؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

اگر اس وقت وہاں کوئی قبلہ بتانے والا موجود نہیں تھا اور خود سوچ کر نماز پڑھ لی، تو نماز ہوگئی، دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ (١) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۴۴)

کیا نابینا آدمی کو دوسرے سے قبلے کا تعین کروانا ضروری ہے:

سوال: اندھا آدمی اگر قبلے کے بجائے شمال یا جنوب کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لے، تو اس کی نماز ہو جائے گی، یا دیکھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا رخ موڑ دے، جواب ضرور دیں، آپ کی مہربانی ہوگی۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

نابینا آدمی کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسرے سے اپنے قبلہ رخ کی تصحیح کرالیا کرے، اگر اس نے بغیر پوچھے خود ہی کسی جہت کی طرف رخ کرلیا اور وہ جہت قبلہ کی نہیں تھی، تو اس کی نماز نہیں ہوگی اور اگر نماز کے دوران قبلہ رخ سے بہت ہٹ جائے، تو نماز کے اندر ہی اس کو قبلہ کی طرف کردیا جائے۔ (٢) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۴۳) ☆

== إلا إذا علم إصابته بعد فراغه فلايعيد اتفاقاً،بخلاف مخالف جهة تحريه،فإنه يستأنف مطلقاً كمصل علىٰ أنه محدث أو ثوبه نجس أوالوقت لم يدخل فبان بخلافه لم يجز".(الدرالمختارعلىٰ صدرردالمحتار،كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،مطلب مسائل التحرى فى القبلة: ١/ ٤٣٥ـ٤٣٦،سعيد)

"وقيد بالتحرى؛لأن من صلى ممن اشتبهت عليه بلاتحرفعليه الإعادة،إلا إن علم بعد الفراغ أنه أصاب؛لأن ما افترض لغيره يشترط حصوله لا تحصيله،وإن علم فى الصلاة أنه أصاب يستقبل،خلافًا لأبى يوسف لما ذكرنا...من توضأ بماء أوصلى فى ثوب علىٰ ظن أنه طاهرثم تبين أنه نجس،حيث يعيد الصلاة،لأنه ترك ما أمربه،وهو الصلاة فى ثوب طاهروعلىٰ طهارة"(البحرالرائق،كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة: ١/ ٥٠١ـ٥٠٢.رشيديه)

(١) وإن اشتبهت عليه القبلة وليس بحضرته من يسأله عنها،اجتهد وصلّى فإن علم أنه أخطأ بعد ما صلّى لايعيدها.(الفتاوىٰ الهندية: ١/ ٦٤)

(٢) ومفاده أن الأعمىٰ لايلزمه إمساس المحراب إذا لم يجد من يسأله،وأنه لوترك السوال مع إمكانه وأصاب القبلة جازت صلاته وإلا فلا.(ردالمحتار: ١/ ٤٣٤ (كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،مطلب مسائل التحرى فى القبلة) ==

نماز کے اندر قبلہ سے سینہ پھر جانے کا حکم:

سوال: کیا حکم ہے شریعت کا اس مسئلہ میں کہ! نماز کے اندر عذر سے یا بدوں عذر کس قدر سینہ پھر جائے تو نماز فاسد ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

بیت اللہ سے ۴۵/ درجہ کے اندر انحراف ہو،تو بہرصورت نماز ہو جائے گی،اس سے زیادہ انحراف اگر قصداً کیا تو بہرصورت نماز فاسد ہوگئی،اور اگر غیر اختیاری طور پر سینہ پھر گیا اور تین بار "سبحان ربی الأعلیٰ" کہنے کی مقدار رکا رہا تو نماز فاسد ہوگئی،ورنہ نہیں۔

في مفسدات الصلاة من التنوير: وتحويل صدره عن القبلة بغير عذر.

وفي الشامية عن البحر: والحاصل أن المذهب أنه إذا حول صدره فسدت،وإن كان في المسجد إذا كان من غير عذر كما عليه عامة الكتب آه.وأطلقه فشمل ما لو قل أو كثر،وهذا باختياره، وإلا فإن لبث مقدار ركن فسدت وإلا فلا كما في شرح المنية من فصل المكروهات. (رد المحتار: ۵۸۶/۱ باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها،قبيل مطلب في المشي في الصلاة) **فقط و اللّٰه تعالىٰ أعلم**

۱۸/ ذی القعدۃ ۱۳۹۵ھ۔ (احسن الفتاویٰ:۳۲۰/۲)

☆ نابینا آدمی قبلہ سے ہٹ کر نماز پڑھ رہا ہو،تو اسے قبلہ رو کر دیا جائے:

سوال: ایک آدمی نابینا ہے اور وہ نماز پڑھنی شروع کرتا ہے اور کوئی آدمی موجود نہیں ہوتا جو اس کو سیدھے کعبہ کی طرف کر دے،محض اپنی رائے پر نماز پڑھتا ہے،لیکن حقیقت میں اس کا منہ قبلہ کی طرف نہیں ہوتا،تو اب اس کو سیدھا کیا جائے،تو استمداد خارجی پائی جاتی ہے،جس سے نماز ٹوٹنے کا خطرہ ہے،ایسے ہی اس کو کہہ بھی نہیں سکتے،تا کہ وہ محض کہنے والے کے کہنے پر بغیر سوچے مڑ کر نماز ختم نہ کر دے،تو اب اس کو سیدھا کیسے کیا جائے۔نیز یہ عام رواج ہے کہ جب بھی کوئی آدمی ٹیڑھا کھڑا ہو خواہ نابینا ہو،اس کو ہاتھ سے قبلہ رخ کر دیتے ہیں،حالانکہ اس نے نہ کہا ہوتا ہے اور نہ ہی وہ خود سوچ کر قبلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے،بلکہ اقتداء محض ہوتی ہے،تو کیا ایسا کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟اور اگر دوسرا آدمی بغیر کہے ٹھیک کر دے،تو کیا نماز باقی رہے گی یا نہیں؟اگر سیدھے کرنے سے نماز باقی رہتی ہے،تو اس کا ثبوت کیا ہے اور اگر نماز درست نہیں،تو اس کا ثبوت کیا ہے؟اور اگر دوسرا آدمی نمازی کو سیدھا نہ کرے،تو کیا وہ آدمی گنہگار ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــ

صورت مسئولہ میں ایسے نابینا کو جو غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ رہا ہے،قبلہ رو کر دینا درست ہے،اس سے نماز میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔

شامی:۴۰۳/۱ میں ہے: **قال في شرح المنية: ولو صلى الأعمیٰ ركعة إلىٰ غير القبلة فجاء رجل فسواه إلىٰ القبلة و اقتدىٰ به،إن وجد الأعمیٰ وقت الشروع من يسأله فلم يسأله لم تجز صلاتهما وإلا جازت صلاة الأعمیٰ دون المقتدي، الخ.** (ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،مطلب مسائل التحري في القبلة: ۴۳۴/۱،بيروت.انيس)

نابینا آدمی شہر یا بستی میں جہاں جہتِ قبلہ مشتبہ ہے،اس قدر منحرف ہو کر نماز پڑھ رہا ہو جو انحراف مفسد صلاۃ ہو،تو اسے سیدھا رو بقبلہ کرنے کی ضرورت ہے،کیونکہ اس کی نماز درست نہیں اور انحراف مذکور نہیں تو تسویہ کی حاجت نہیں۔فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔الجواب صحیح:محمد عبداللہ غفرلہ مفتی جامعہ خیر المدارس،ملتان۔۹/۲/۱۳۹۱ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۱۶۴/۲)

مصادر ومراجع

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	تاریخ وفات
		﴿علوم قرآن (مع شروحات)﴾	
(۱)	القرآن الکریم	کتاب اللہ	وحی الٰہی
(۲)	جامع البیان	ابوجعفر الطبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی	۳۱۰ھ
(۳)	تفسیر بن ابی حاتم	ابومحمد عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن المنذر التمیمی الحنظلی الرازی ابن ابی حاتم	۳۲۷ھ
(۴)	احکام القرآن	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۵)	الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل	ابوالقاسم محمود بن عمرو بن احمد الزمخشری جار اللہ	۵۳۸ھ
(۶)	مدارک التنزیل وحقائق التأویل	ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود حافظ الدین النسفی	۷۱۰ھ
(۷)	تفسیر الخازن	علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بن عمر الشیحی ابوالحسن المعروف بالخازن	۷۴۱ھ
(۸)	تفسیر القرآن العظیم	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی	۷۷۴ھ
(۹)	روح البیان	ابوالفداء اسماعیل حقی بن مصطفیٰ الاستانبولی الحنفی الخلوتی	۱۱۲۷ھ
(۱۰)	تفسیر عزیزی	حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۱۵۹ھ
	جواہر تفسیر (اردو ترجمہ)	مولانا محمد محفوظ الحق شاہ چشتی صابری قادری	
(۱۱)	تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ المظہری پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۱۲)	فتح القدیر	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۳)	روح المعانی	محمود بن عبداللہ شہاب الدین ابوالثناء الحسینی الآلوسی	۱۲۷۰ھ
(۱۴)	بیان القرآن	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۱۵)	فوائد تفسیر عثمانی	مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ
		﴿عقائد (مع شروحات)﴾	
(۱۶)	فقہ اکبر	ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۱۷)	الاعتصام فی اہل البدع والضلالات	ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ بن محمد اللخمی الشاطبی	۷۹۰ھ
(۱۸)	شرح فقہ اکبر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۹)	الابداع فی مضار الابتداع	محمد محفوظ حنفی	۱۴۲۱ھ

﴿علوم حدیث وسیرت (مع شروحات)﴾

(۲۰)	مسند ابوحنیفہ بروایۃ الحصکفی	امام اعظم ابوحنیفہ،نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۲۱)	جامع معمر بن راشد	معمر بن ابی عمرو راشد الازدی	۱۵۳ھ
(۲۳)	موطأ امام مالک	امام دارالہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۴)	کتاب الآثار بروایۃ أبي یوسف	ابویوسف القاضی، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتۃ انصاری	۱۸۲ھ
(۲۵)	الزھد والرقائق لابن المبارک	ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی الترکی ثم المروزی	۱۸۱ھ
(۲۶)	کتاب الاٰثار بروایۃ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۷)	موطأ امام مالک رموطأ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۸)	مسند الشافعی بترتیب السندی ر	امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن	۲۰۴ھ
(۲۹)	السنن الماثورۃ بروایۃ المزنی	عبدمناف الشافعی القرشی المکی	
(۳۰)	مسند ابوداؤد الطیالسی	ابوداؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی البصری	۲۰۴ھ
(۳۱)	مصنف عبدالرزاق صنعانی	عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الصنعانی	۲۱۱ھ
(۳۲)	مسند الحمیدی	ابوبکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ القرشی الأسدی الحمیدی المکی	۲۱۹ھ
(۳۳)	الصلاۃ	ابونعیم الفضل بن عمرو بن حماد بن زہیر بن درہم القرشی المروف بابن دکین	۲۱۹ھ
(۳۴)	مسند ابن الجعد	علی بن الجعد بن عبید الجوھری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۵)	مصنف ابن ابی شیبہ	حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن خورستی	۲۳۵ھ
(۳۶)	مسند اسحاق بن راھویہ	ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحنظلی المروزی، ابن راہویہ	۲۳۸ھ
(۳۷)	مسند امام احمد	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۳۸)	فضائل الصحابۃ	ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۳۹)	المنتخب من مسند عبد بن حمید	ابومحمد عبدالحمید بن نصر الکسی	۲۴۹ھ
(۴۰)	صحیح البخاری رخلق افعال العباد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۱)	احادیث کتاب التاریخ الکبیر	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۲)	الادب المفرد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۳)	صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج بن داؤد القشیری	۲۶۱ھ
(۴۴)	أخبار مکۃ فی قدیم الدھر وحدیثہ	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن العباس المکی الفاکہی	۲۷۲ھ
(۴۵)	سنن ابن ماجہ	حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ الربعی القزوینی، ابن ماجہ	۲۷۳ھ
(۴۶)	سنن ابوداؤد	امام حافظ سلیمان بن الاشعث السجستانی الأزدی	۲۷۵ھ

(۴۷) سنن الترمذی — ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی — ۲۷۹ھ

(۴۸) شمائل الترمذی — ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی — ۲۷۹ھ

(۴۹) مسند الحارث — ابومحمد الحارث بن محمد بن داھر التمیمی البغدادی الخطیب المعروف بابن ابی اسامہ — ۲۸۲ھ

(۵۰) البدع — ابوعبداللہ محمد بن وضاح بن بزیع المروانی القرطبی — ۲۸۶ھ

(۵۱) الآحاد والمثانی — ابوبکر بن أبی عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی — ۲۸۷ھ

(۵۲) السنۃ — ابوبکر بن أبی عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی — ۲۸۷ھ

(۵۳) البحر الزخار المعروف بمسند البز ار — ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بن خلاد بن عبیداللہ العتکی، البز ار — ۲۹۲ھ

(۵۴) تعظیم قدر الصلاۃ — ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی — ۲۹۴ھ

(۵۵) القدر — ابوبکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض الفریابی — ۳۰۱ھ

(۵۶) سنن النسائی — احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی — ۳۰۳ھ

(۵۷) عمل الیوم واللیلۃ — احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی — ۳۰۳ھ

(۵۸) المسند — حافظ ابویعلی احمد بن علی الموصلی — ۳۰۷ھ

(۵۹) المنتقی — ابن الجارود ابومحمد عبداللہ بن علی النیشاپوری — ۳۰۷ھ

(۶۰) مسند الرویانی — ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی — ۳۰۷ھ

(۶۱) صحیح ابن خزیمۃ — محمد بن اسحٰق بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی — ۳۱۱ھ

(۶۲) السنۃ لابن ابی بکر بن الخلال — ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال البغدادی الحنبلی — ۳۱۱ھ

(۶۳) مسند السراج /حدیث السراج — ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن مہران الخراسانی النیسابوری — ۳۱۳ھ

(۶۴) مستخرج ابوعوانہ — ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم النیسابوری الاسفرائنی — ۳۱۶ھ

(۶۵) شرح معانی الآثار — ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی — ۳۲۱ھ

(۶۶) شرح مشکل الآثار — ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی — ۳۲۱ھ

(۶۷) کتاب الضعفاء — ابوجعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد العقیلی — ۳۲۲ھ

(۶۸) العلل — ابومحمد عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن المنذر التمیمی الحنظلی الرازی ابن أبی حاتم — ۳۲۷ھ

(۶۹) المنتقی من مکارم الأخلاق ومعالیها — ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل بن شاکر الخرائطی السامری — ۳۲۷ھ

(۷۰) مسند الشاشی — ابوسعید الہیثم بن کلیب بن سریج بن معقل الشاشی البنکثی — ۳۳۵ھ

(۷۱) معجم ابن الأعرابی — ابوسعید بن الأعرابی احمد بن محمد بن زیاد بن بشر بن درهم البصری الصوفی — ۳۴۰ھ

(۷۲) صحیح ابن حبان — ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ التمیمی الدارمی البستی — ۳۵۴ھ

(۷۳) المعجم الأوسط/المعجم الکبیر — سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی — ۳۶۰ھ

(۷۴)	مسند الشامیین	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۵)	عمل الیوم واللیلۃ	ابن السنی، احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن اسباط بن عبداللہ	۳۶۴ھ
(۷۶)	سنن الدارقطنی	ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود البغدادی الدارقطنی	۳۸۵ھ
(۷۷)	الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۷۸)	شرح مذاھب أھل السنۃ	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۷۹)	الإبانۃ الکبریٰ	ابوعبداللہ عبیداللہ بن محمد بن محمد بن حمدان العکبری المعروف بابن بطۃ	۳۸۷ھ
(۸۰)	معالم السنن	ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن الخطاب البستی المعروف بالخطابی	۳۸۸ھ
(۸۱)	فوائد ابن اخی میمی الدقاق	ابوالحسین محمد بن عبداللہ بن الحسین بن عبداللہ بن ہارون البغدادی الدقاق	۳۹۰ھ
(۸۲)	الایمان	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحیٰ بن مندہ العبدی	۳۹۵ھ
(۸۳)	المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ بن حمدویہ الحاکم النیسا فوری	۴۰۵ھ
(۸۴)	حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۸۵)	المسند المستخرج علی صحیح مسلم	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۸۶)	مسند الشھاب	ابوعبداللہ محمد بن سلامۃ بن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی المصری	۴۵۴ھ
(۸۷)	السنن الکبریٰ رشعب الإیمان	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیھقی	۴۵۸ھ
(۸۸)	الأسماء والصفات	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیھقی	۴۵۸ھ
(۸۹)	معرفۃ السنن والآثار	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیھقی	۴۵۸ھ
(۹۰)	جامع بیان العلم وفضلہ	ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری القرطبی	۴۶۳ھ
(۹۱)	المنتقٰی شرح الموطأ	ابوالولید سلیمان بن خلف بن سعد الباجی الاندلسی	۴۷۴ھ
(۹۲)	مناقب علی	ابوالحسن الواسطی، علی بن محمد بن محمد بن الطیب بن ابی یعلی بن الجلابی، ابن المغازلی	۴۸۳ھ
(۹۳)	الفردوس بمأثور الخطاب	ابوشجاع، شیرویہ بن شھردار بن شیرویہ بن فناخسر والدیلمی الھمدانی	۵۰۹ھ
(۹۴)	شرح السنۃ	محی الدین ابومحمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی	۵۱۶ھ
(۹۵)	مشیخۃ قاضی المارستان	ابوبکر محمد بن عبدالباقی بن محمد الانصاری الکعبی المعروف بقاضی المارستان	۵۳۵ھ
(۹۶)	اکمال المعلم بفوائد مسلم	ابوالفضل، عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرون الیحصبی السبتی	۵۴۴ھ
(۹۷)	سنن الدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام التمیمی السمرقندی الدارمی	۵۵۲ھ
(۹۸)	المعجم	ابوالقاسم، علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ المعروف بابن عساکر	۵۷۱ھ
(۹۹)	الطیورات	صدرالدین ابوطاہر السلفی احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم الاصفہانی	۵۷۶ھ

(١٠٠)	المشیخۃ البغدادیۃ	صدرالدین ابوطاہر السّلفی احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم الاصفہانی	٥٧٦ھ
(١٠١)	کنزالعمال فی سنن الأقوال والأفعال	علاءالدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی	٥٧٩ھ
(١٠٢)	الروض الأنف	ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد السہیلی	٥٨١ھ
(١٠٣)	زادالمعاد فی ہدیۃ خیرالانام	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	٦٢٠ھ
(١٠٤)	احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام	تقی الدین ابوالفتح الشہیر بابن دقیق العید	٧٠٢ھ
(١٠٥)	مشکوٰۃ المصابیح	ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی	٧٢٠ھ
(١٠٦)	الکاشف عن حقائق السنن شرح الطیبی	شرف الدین حسین بن عبداللہ بن محمد الحسن الطیبی	٧٤٣ھ
(١٠٧)	نصب الرایۃ فی تخریج أحادیث الہدایۃ	جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی	٧٦٢ھ
(١٠٨)	جامع المسانید والسنن الہادی لأقوم السنن	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی	٧٧٤ھ
(١٠٩)	فتح الباری	زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب بن الحسن السلامی البغدادی ثم الدمشقی الحنبلی	٧٩٥ھ
(١١٠)	البدرالمنیر مختصر تلخیص الذھبی	ابن الملقن سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد الشافعی المصری	٨٠٤ھ
(١١١)	مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	نورالدین محمد بن ابوبکر بن سلیمان الہیثمی	٨٠٧ھ
(١١٢)	موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان	ابوالحسن نورالدین علی بن أبی بکر بن سلیمان الھیثمی	٨٠٧ھ
(١١٣)	المقصد العلی فی زوائد أبی یعلی الموصلی	ابوالحسن نورالدین علی بن أبی بکر بن سلیمان الھیثمی	٨٠٧ھ
(١١٤)	فتح الباری شرح صحیح البخاری	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	٨٥٢ھ
(١١٥)	بلوغ المرام	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	٨٥٢ھ
(١١٦)	المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	٨٥٢ھ
(١١٧)	الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	٨٥٢ھ
(١١٨)	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	٨٥٥ھ
(١١٩)	شرح سنن أبی داؤد	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	٨٥٥ھ
(١٢٠)	المقاصد الحسنۃ	محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد شمس الدین السخاوی	٩٠٢ھ
(١٢١)	القول البدیع	محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد شمس الدین السخاوی	٩٠٢ھ
(١٢٢)	الدرر المنتثرۃ فی الأحادیث المشتھرۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	٩١١ھ
(١٢٣)	قوت المغتذی شرح جامع الترمذی	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	٩١١ھ
(١٢٤)	شرح سنن ابن ماجۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	٩١١ھ
(١٢٥)	الجامع الصغیر	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	٩١١ھ
(١٢٦)	تیسیر المقال	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	٩١١ھ
(١٢٧)	تذکرۃ الموضوعات	محمد طاہر بن علی صدیقی پٹنی	٩٨٦ھ

(۱۲۸)	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۲۹)	الموضوعات الکبریٰ	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۳۰)	الموضوعات الکبیر	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۳۱)	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد عبد الرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۳۲)	التیسیر بشرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد عبد الرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۳۳)	اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح	مولانا عبد الحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
(۱۳۴)	جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد	العلامۃ محمد بن محمد سلیمان المغربی	۱۰۹۴ھ
(۱۳۵)	شرح الزرقانی علی موطا الإمام مالک	محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی المصری الازہری	۱۱۲۲ھ
(۱۳۶)	حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجۃ	ابو الحسن نور الدین السندی محمد بن عبد الہادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۳۷)	الجد الحثیث فی بیان مالیس بحدیث	احمد بن عبد الکریم بن سعودی الغزی العامری	۱۱۴۳ھ
(۱۳۸)	کشف الخفاء	اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی بن عبد الغنی العجلونی الدمشقی الشافعی	۱۱۶۲ھ
(۱۳۹)	نیل الأوطار	محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۴۰)	الفوائد المجموعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ	محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۴۱)	بذل المجہود فی حل أبی داؤد	المحدث خلیل احمد السہارنفوری	۱۲۹۷ھ
(۱۴۲)	التعلیق الممجد علی موطا الإمام محمد	ابو الحسنات محمد عبد الحیٔ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۴۳)	مظاہر حق	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ
(۱۴۴)	آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۴۵)	لامع الدراری علی صحیح البخاری	مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۴۶)	عون المعبود فی شرح سنن أبی داؤد	ابو الطیب محمد شمس الحق بن أمیر علی بن مقصود علی الصدیقی العظیم آبادی	۱۳۲۹ھ
(۱۴۷)	العرف الشذی شرح سنن الترمذی	علامۃ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۴۸)	فیض الباری شرح البخاری	علامۃ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۴۹)	تحفۃ الأحوذی شرح سنن الترمذی	ابو العلی عبد الرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳ھ
(۱۵۰)	کوثر المعانی الدراری	محمد الخضر بن سید عبد اللہ بن احمد الجکنی الشنقیطی	۱۳۵۴ھ
(۱۵۱)	فتح الملہم	مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ
(۱۵۲)	التعلیق الصبیح علیٰ مشکوٰۃ المصابیح	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	۱۳۹۴ھ
(۱۵۳)	إعلاء السنن	مولانا ظفر احمد بن محمد لطیف عثمانی تھانوی	۱۳۹۴ھ
(۱۵۴)	معارف السنن شرح جامع الترمذی	مولانا محمد یوسف بن سید زکریا حسینی بنوری	۱۳۹۷ھ
(۱۵۵)	أوجز المسالک إلی موطا امام مالک	مولانا محمد زکریا بن محمد یحییٰ کاندھلوی	۱۴۰۲ھ

نمبر	کتاب	مصنف	سن
(۱۵٦)	مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	ابوالحسن عبیداللہ بن بن محمد عبدالسلام بن خاں محمد بن امان اللہ بن حسام الدین رحمانی مبارکپوری	۱۴۱۴ھ
(۱۵۷)	منہاج السنن شرح سنن الترمذی	مولانا مفتی محمد فرید زرویوی	۱۴۳۲ھ
(۱۵۸)	تکملۃ فتح الملہم	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی	مدظلہ
	﴿کتب فقہ احناف﴾		
(۱۵۹)	الحجۃ علی اہل المدینۃ	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱٦۰)	کتاب الأصل	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱٦۱)	الجامع الصغیر	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱٦۲)	مختصر الطحاوی	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱٦۳)	شرح مختصر الطحاوی	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۱٦۴)	مختصر القدوری	محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان القدوری	۴۲۸ھ
(۱٦۵)	النتف فی الفتاوی	ابوالحسن علی بن الحسین بن محمد السغدی الحنفی	۴٦۱ھ
(۱٦٦)	المبسوط	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱٦۷)	تحفۃ الفقہاء	علاء الدین محمد بن احمد بن ابواحمد السمرقندی الحنفی	۵۳۹ھ
(۱٦۸)	خلاصۃ الفتاویٰ/مجموع الفتاویٰ	طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری	۵۴۲ھ
(۱٦۹)	المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی	ابوالمعالی محمود بن احمد بن عبدالعزیز بن مازہ البخاری	۵۷۰ھ
(۱۷۰)	فتاویٰ العتابی علی ھامش مراقی الفلاح	احمد بن محمد بن عمر، ابونصر العتابی البخاری	۵۸٦ھ
(۱۷۱)	بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی	۵۸۷ھ
(۱۷۲)	فتاویٰ قاضی خان	محمود اوزجندی قاضی خان حسن بن منصور	۵۹۲ھ
(۱۷۳)	بدایۃ المبتدی وشرحہ الہدایۃ	برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر المرغینانی	۵۹۳ھ
(۱۷۴)	قنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	٦۵۸ھ
(۱۷۵)	تحفۃ الملوک	محمد بن ابی بکر الرازی	٦٦٦ھ
(۱۷٦)	مجمع البرکات	ابوالبرکات بن حسام الدین الدمنوی/المداینی	٦٦۷ھ
(۱۷۷)	الوقایۃ (وقایۃ الروایۃ)	صدرالشریعہ محمود بن عبداللہ بن ابراہیم المحبوبی الحنفی	٦۷۳ھ
(۱۷۸)	الاختیار لتعلیل المختار	عبداللہ بن محمود بن مودود بن محمود ابوالفضل مجدالدین الموصلی	٦۸۳ھ
(۱۷۹)	الفتاویٰ الغیاثیۃ	شیخ داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	٦۸٦ھ کے بعد
(۱۸۰)	مجمع البحرین وملتقی النیرین	مظفرالدین احمد بن علی بن ثعلب المعروف بابن الساعاتی البعلبکی	٦۹۴ھ
(۱۸۱)	منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی	سدیدالدین محمد بن محمد بن الرشید بن علی الکاشغری	۷۰۵ھ
(۱۸۲)	کنزالدقائق	حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی	۷۱۰،۷۰۱ھ

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات
(۱۸۳)	تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق	فخر الدین عثمان بن علی بن محجن الزیلعی	۷۴۳ھ
(۱۸۴)	شرح مختصر الوقایۃ (شرح وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعہ الصغیر، عبید اللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۱۸۵)	النقایۃ مختصر الوقایۃ	صدر الشریعہ الصغیر، عبید اللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۱۸۶)	الکفایۃ شرح الہدایۃ (متداولہ)	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی الکرمانی	۷۶۷ھ
(۱۸۷)	النھایۃ شرح الہدایۃ	حسام الدین حسن بن علی بن حجاج السغناقی	۷۷۱ھ
(۱۸۸)	شرح العنایۃ علی الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود البابرتی	۷۸۶ھ
(۱۸۹)	الفتاویٰ التاتارخانیۃ	علامہ عالم بن العلاء الأنصاری الدہلوی	۷۸۶ھ
(۱۹۰)	السراج الوھاج فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۱۹۱)	الجوہرۃ النیرۃ فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۱۹۲)	شرح مجمع البحرین علی ہامش المجمع	ابن الملک، عبد اللطیف بن عبد العزیز	۸۰۱ھ
(۱۹۳)	الفتاویٰ البزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الخوارزمی المعروف بابن بزازی	۸۲۷ھ
(۱۹۴)	معین الحکام	ابو الحسن علاء الدین علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی	۸۴۴ھ
(۱۹۵)	البنایۃ شرح الہدایۃ	بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۹۶)	منحۃ السلوک فی شرح تحفۃ الملوک	بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۹۷)	فتح القدیر علی الہدایۃ	ابن ہمام کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید الحنفی	۸۶۱ھ
(۱۹۸)	کتاب التصحیح والترجیح علی مختصر القدوری	ابو العدل زین الدین قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹ھ
(۱۹۹)	درر الحکام شرح غرر الأحکام	ملا خسرو، محمد بن فرامرز بن علی	۸۸۵ھ
(۲۰۰)	شرح النقایۃ	ابو المکارم عبد العلی بن محمد بن حسین البرجندی	۹۳۲ھ
(۲۰۱)	حاشیۃ علی العنایۃ شرح الہدایۃ	سعد اللہ بن عیسیٰ بن امیر خان الرومی الحنفی الشہیر بسعدی چلپی وبسعدی آفندی	۹۴۵ھ
(۲۰۲)	ملتقی الأبحر	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۰۳)	الصغیری شرح منیۃ المصلی	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۰۴)	الکبیری شرح منیۃ المصلی	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۰۵)	جامع الرموز شرح مختصر الوقایۃ المسمیٰ بالنقایۃ	شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی	۹۶۲ھ
(۲۰۶)	البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق	ابن نجیم زین العابدین بن ابراہیم المصری الحنفی	۹۷۰ھ
(۲۰۷)	الفتاویٰ الحامدیۃ	حامد (احمد) بن علی آفندی القونوی	۹۸۵ھ
(۲۰۸)	تنویر الأبصار وجامع البحار	شمس الدین محمد بن عبد اللہ بن احمد الخطیب التمرتاشی	۱۰۰۴ھ
(۲۰۹)	النہر الفائق شرح کنز الدقائق	علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم المصری الحنفی	۱۰۰۵ھ
(۲۱۰)	شرح النقایۃ فی مسائل الہدایۃ	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات
(۲۱۱)	حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق	شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد بن یونس بن اسماعیل بن یونس الشلبی	۱۰۲۱ھ
(۲۱۲)	نور الایضاح ونجاۃ الارواح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۱۳)	امداد الفتاح شرح نور الایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۱۴)	مراقی الفلاح شرح نور الایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۱۵)	مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر	عبدالرحمٰن بن شیخ محمد بن سلیمان الکلیبو لی المدعو بشیخی زادہ، المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸ھ
(۲۱۶)	الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ	خیرالدین بن احمد بن نورالدین علی ایوبی علیمی فاروقی الرملی	۱۰۸۱ھ
(۲۱۷)	الدرالمختار شرح تنویر الأبصار	محمد بن علی بن محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن حسن الحصنی المعروف بالعلاء الحصکفی	۱۰۸۸ھ
(۲۱۸)	الفتاویٰ الھندیۃ (عالمگیریہ)	شیخ نظام الدین برہان پوری گجراتی (و جماعۃ من اعلام فقہاء الھند)	۱۱۶۱ھ
(۲۱۹)	حاشیۃ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۲۰)	حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۲۱)	اسعاف المولی القدیر شرح زاد الفقیر	احمد بن ابراہیم تونسی دقدوسی مصری	۱۱۲۲ھ کے بعد
(۲۲۲)	مالا بدمنہ (فارسی)	قاضی ثناء اللہ الہندی پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۲۲۳)	ردالمحتار حاشیۃ الدرالمختار (شامی)	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۲۴)	العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۲۵)	مجموعہ رسائل ابن عابدین	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۲۶)	منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۲۷)	مأۃ مسائل	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۲۸)	غایۃ الاوطار	مترجم اول: مولانا خرم علی بلہوری	۱۲۷۱ھ
	ترجمہ اردو الدرالمختار	مترجم دوم: مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی	--
(۲۲۹)	التحریر المختار حاشیۃ ردالمحتار	عبدالقادر الرافعی الفاروقی	۱۲۸۳ھ
(۲۳۰)	اللباب فی شرح الکتاب (القدوری)	عبدالغنی بن طالب بن حمادۃ بن ابراہیم الغنیمی الدمشقی المیدانی الحنفی	۱۲۹۸ھ
(۲۳۱)	النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۳۲)	السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۳۳)	عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۳۴)	حاشیہ علی الہدایہ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۳۵)	نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۳۶)	مجموعۃ الفتاویٰ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ

(۲۳۸)	مجموعہ رسائل	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۳۹)	سباحۃ الفکر فی الجھر بالذکر	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۴۰)	رسائل الارکان	عبدالعلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۲۴۱)	بوادر النوادر	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۴۲)	بہشتی گوہر	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۴۳)	بہشتی زیور	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۴۴)	صراط مستقیم	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی (مصدقہ قاری محمد طیب صاحب)	۱۳۶۲ھ
(۲۴۵)	محمود الروایہ حاشیہ شرح نقایہ	مولانا اعزاز علی امروہوی	۱۳۷۴ھ
(۲۴۶)	جواہر الفقہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی	۱۳۹۶ھ
(۲۴۷)	تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی	۱۳۹۶ھ
(۲۴۸)	بغیۃ الأریب فی مسائل القبلۃ والمحاریب	سید محمد یوسف بن سید محمد زکریا بن میر مزمل احمد شاہ بن میر موسیٰ بن غلام حبیب بن رحمت اللہ بنوری	۱۳۹۷ھ
(۲۴۹)	عمدۃ الفقہ	سید زوار حسین شاہ	۱۴۰۰ھ
(۲۵۰)	ترجمہ فتاویٰ عالمگیری	مفتی کفیل الرحمٰن عثمانی بن قاری جلیل الرحمٰن عثمانی بن مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی	۱۴۲۷ھ
(۲۵۱)	طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل	مولانا اویس احمد قاسمی	۱۴۳۶ھ
(۲۵۲)	آداب اذان واقامت	مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری	مدظلہ
(۲۵۳)	شرح مالا بدمنہ	مفتی سعداللہ	--
(۲۵۴)	کشف الحاجہ (مالا بدمنہ اردو)	محمد نورالدین چاٹگامی	--
(۲۵۵)	جدید فقہی مسائل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	مدظلہ
(۲۵۶)	الہدیۃ العلائیۃ لتلمیذ المکاتب الابتدائیۃ	————	--
(۲۵۷)	ذخیرۃ المسائل ترجمۃ نفع المفتی والسائل	————	--
(۲۵۸)	اہم مسائل	جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر / مرتب مولانا محمد جعفر علی	--

﴿دیگر مسالک کی کتب فقہ﴾

(۲۵۹)	المدونۃ	امام دار الہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن ابو عامر	۱۷۹ھ
(۲۶۰)	اقناع	ابوالحسن علی بن محمد بن محمد بن حبیب البصری البغدادی الشہیر بالماوردی	۴۰۵ھ
(۲۶۱)	المغنی	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۲۶۲)	المجموع شرح المہذب	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۶۳)	احکام الاحکام	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الحرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ

(۲۶۴)	مواہب الجلیل شرح مختصر خلیل	شمس الدین أبوعبداللہ محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن الطرابلسی المغربی المالکی	۹۵۴ھ
(۲۶۵)	تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج	شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد بن محمد بن علی بن حجر ہیثمی شافعی	۹۷۳ھ
(۲۶۶)	فتح العلی الحمید فی شرح کتاب مفید المستفید فی کفر تارک التوحید	مدحت بن الحسن آل فراج	۱۲۹۹ھ

﴿فقہ مقارن﴾

(۲۶۷)	اختلاف الائمۃ العلماء	ابوالمظفر، عون الدین، یحیٰ بن محمد بن ہبیرہ الذھلی الشیبانی	۵۶۰ھ
(۲۶۸)	الفقہ علی المذاہب الأربعۃ	عبدالرحمٰن بن محمد بن عوض الجزیری	۱۳۶۰ھ
(۲۶۹)	الفقہ الاسلامی وادلّتہ	ڈاکٹر وہبہ مصطفیٰ الزحیلی	۱۴۳۶ھ
(۲۷۰)	الموسوعۃ الفقہیۃ	مرتبہ وزارت اوقاف کویت	--

﴿اصول فقہ﴾

(۲۷۱)	الفروق	ابوالعباس شہاب الدین احمد بن ادریس بن عبدالرحمٰن المالکی المعروف بالقرافی	۶۸۴ھ
(۲۷۲)	کشف الاسرار شرح اصول البزدوی	عبدالعزیز بن احمد بن محمد علاء الدین البخاری الحنفی	۷۳۰ھ
(۲۷۳)	المدخل	ابوعبداللہ محمد بن محمد بن محمد العبدری الفاسی المالکی الشہیر بابن الحاج	۷۳۷ھ
(۲۷۴)	الأشباہ والنظائر	ابونصر تاج الدین عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی السبکی	۷۷۱ھ
(۲۷۵)	الموافقات	ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ بن محمد اللخمی الشاطبی	۷۹۰ھ
(۲۷۶)	المنثور فی القواعد الفقہیۃ	ابوعبداللہ بدرالدین محمد بن عبداللہ بن بھادر الزرکشی	۷۹۴ھ
(۲۷۷)	التحریر فی اصول الفقہ	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید، ابن ہمام	۸۶۱ھ
(۲۷۸)	التحبیر شرح التحریر	علاء الدین ابوالحسن علی بن سلیمان المرداوی الدمشقی الصالحی الحنبلی	۸۸۵ھ
(۲۷۹)	الأشباہ والنظائر	جلال الدین سیوطی عبدالرحمٰن بن کمال الدین ابوبکر بن محمد الخضیری	۹۱۱ھ
(۲۸۰)	الأشباہ والنظائر	زین الدین بن ابراہیم بن محمد، ابن نجیم المصری	۹۷۰ھ
(۲۸۱)	تیسیر التحریر	محمد امین بن محمود البخاری المعروف بأمیر بادشاہ الحنفی	۹۷۲ھ
(۲۸۲)	غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر	احمد بن محمد المکی ابوالعباس شہاب الدین الحسینی الحموی الحنفی	۱۰۹۸ھ
(۲۸۳)	نور الأنوار فی شرح المنار	احمد بن ابی سعید ملاجیون الحنفی	۱۱۳۰ھ
(۲۸۴)	شرح عقود رسم المفتی	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۸۵)	علم الفقہ	مولانا محمد عبدالشکور لکھنوی	۱۳۸۱ھ
(۲۸۶)	مفید المفتی والسائل الی مختلف المسائل	الشیخ ابراہیم المختار بن الشیخ احمد عمر	۱۹۶۹ء
(۲۸۷)	مجموعۃ قواعد الفقہ	مولانا مفتی سید عمیم الاحسان برکتی مجددی	۱۳۹۵ھ

نمبر	کتاب	مصنف	سنہ
(۲۸۸)	المهذب فی علم أصول الفقه المقارن	عبدالکریم بن علی بن محمد النملة	۱۴۳۵ھ
(۲۸۹)	المدخل لدراسة المذاهب الفقهية	علی جمعه محمد عبدالوهاب شافعی	مدظلہ
	﴿تزکیہ واحسان﴾		
(۲۹۰)	الترغیب والترهیب	ابومحمد زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری الشامی الشافعی	۶۵۶ھ
(۲۹۱)	مجالس الابرار ومسالک الاخیار	احمد بن عبدالقادر الرومی الحنفی	۱۰۴۱ھ
	﴿لغات، معاجم وادب﴾		
(۲۹۲)	شمس العلوم ودواء کلام العرب من الکلوم	نسوان بن سعید الحمیری الیمنی	۵۷۳ھ
(۲۹۳)	لسان العرب	علامہ ابن الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری	۷۱۱ھ
(۲۹۴)	المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر	ابوالعباس، احمد بن محمد بن علی الفیومی ثم الحموی	۷۷۰ھ
(۲۹۵)	القاموس المحیط	مجدالدین ابوطاہر محمد بن محمد بن عمر الشیرازی الفیروزآبادی	۸۱۷ھ
(۲۹۶)	فیروز اللغات	الحاج مولوی فیروزالدینؒ	----
(۲۹۷)	مجمع البحار فی لغة الاحادیث والآثار	علامہ محمد طاہر بن علی صدیقی پٹنی	۹۸۶ھ
(۲۹۸)	التعریفات الفقهية	محمد عمیم الاحسان المجددی البرکتی	۱۳۹۵ھ
	﴿علم ہیئت، فلکیات وغیرہ)﴾		
(۲۹۹)	الهيئة (چغمینی)	محمود بن محمد عمر چغمینی خوارزمی	۷۴۵ھ
(۳۰۰)	شرح ملخص الچغمینی	موسیٰ بن محمد بن القاضی محمود الرومی، قاضی زادہ، چلپی	۸۴۰ھ
	﴿متفرفات﴾		
(۳۰۱)	مجموع رسائل ابن رجب	زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب بن الحسن السلامی البغدادی ثم الدمشقی الحنبلی	۷۹۵ھ
(۳۰۲)	المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار	ابوالعباس الحسینی العبیدی احمد بن علی بن عبدالقادر تقی الدین المقریزی	۸۴۵ھ
(۳۰۳)	مکتوبات الإمام الربانی	شیخ احمد سرہندی بن شیخ عبدالاحد فاروقی مجدد الف ثانی	۱۰۳۴ھ
(۳۰۴)	حجة الله البالغة	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ
(۳۰۵)	ابرالمقال فی استحسان قبلة الاجلال	اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی	۱۹۲۱ء

نوٹ: فتاویٰ علماء ہند جلد-۶ کے متن وحاشیہ میں مذکورہ کتابوں سے استفادہ ہوا ہے اور متعلقہ جگہ ان کے مطبوعات ومکتبات کی تفصیل درج کردی گئی ہے۔ (انیس الرحمٰن قاسمی)

☆☆☆